سہ ماہی

اُردُو

شمارہ-۲ جلد-۴۲

اپریل سنہ ۱۹۶۶ء

انجمن ترقّی اُردُو بابائے اُردُو روڈ

کراچی-۱

مجلس ادارت

اسٹوڈنٹس اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری

کے

خاص ایڈیشن

کی چند

خصوصیات

- یہ لغت اہل علم کی ایک جماعت کے تعاون سے تیار ہوئی۔ اس لئے اس کی جامعیت، افادیت اور صحت مطالعہ کو درجۂ استناد حاصل ہے۔
- اس میں انگریزی زبان کے تمام مروجہ الفاظ کے معانی دیئے گئے ہیں۔
- انگریزی الفاظ کے صرف اردو مترادفات درج کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ضروری جگہوں پر الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔
- اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ انگریزی محاورے یا روز مرہ کے لئے اردو محاورہ یا روز مرہ، انگریزی مثل کے لئے اردو مثل اس طرح درج کی جائے کہ انگریزی کا صحیح مفہوم پوری طرح ادا ہو جائے۔
- انگریزی الفاظ کے معانی کے نازک فرق بھی اردو مترادف الفاظ سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ جن الفاظ کے مختلف اور متعدد معنی ہیں وہاں معانی کا نمبر شمار دیا گیا ہے تاکہ معانی کا امتیاز صاف طور پر نظر آسکے۔ ہر معنیٰ کا فرق مثالیں دیکر واضح کیا گیا ہے۔
- باطنی حسن کے ساتھ صوری اعتبار سے بھی خاص ایڈیشن اپنی مثال آپ ہے۔ اسے اعلیٰ درجے کے بائیبل پیپر پر چھاپا گیا ہے۔ یہ کاغذ خاص طور پر اس ایڈیشن کے لئے درآمد کیا گیا ہے۔

یہ ایڈیشن

محدود تعداد میں شائع کیا گیا ہے اس لئے اپنا نسخہ جلد از جلد حاصل کر لیں

ایک ساتھ دو نسخے منگوانے پر محصول ڈاک معاف

فہرست

طابع : انجمن پریس لارنس روڈ، کراچی
زیر اہتمام : محمد مصلح الدین سعدی
ناشر : انجمن ترقی اردو ۔ بابائے اردو روڈ۔ کراچی
قیمت فی پرچہ : تین روپے پچاس پیسے
قیمت سالانہ : بارہ روپے

اداریہ

''اردو'' کا دور جدید یقیناً ہماری ہمت افزائی کا باعث ہے۔ دور جدید کے پہلے شمارے کو سبھی اہل علم اور اردو دوستوں نے پسند کیا۔ بعض نے داد کے ساتھ ساتھ ناقدانہ اور تعمیری مشورے بھی دیئے جن سے ہم نے کافی استفادہ کیا۔ ممتاز اخبارات و رسائل نے حوصلہ افزا تبصرے کئے، اساتذہ اور تحقیقی کام کرنے والوں نے بطور خاص اس سلسلے کو زیادہ وسیع پیمانے پر جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اعلیٰ مدارج کے طلبہ بھی مصر ہیں کہ ''اردو'' کی ضخامت اور تحقیقی مضامین کا سلسلہ بڑھا دیا جائے۔

اس مرتبہ منتظمہ نے ایک مجلس ادارت کی تشکیل کردی ہے۔ اراکین کے نام اسی اشاعت میں چھاپے جا رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس مجلس کی رہنمائی میں ''اردو'' اپنی روایات کے مطابق دوبارہ اپنی خصوصی اہمیت کا حامل ہو جائے گا۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ لیکن ایک دوسرا رخ بھی ہے جو غیر ادبی یا غیر علمی سہی مگر ایک افسوسناک حقیقت ضرور ہے۔ وہ یہ کہ مالی اعتبار سے ''اردو'' اپنی اولین اشاعت کے بعد ھی چند در چند مشکلات میں مبتلا ہوگیا ہے۔ آج کل کاغذ سے لیکر دیگر سامان طباعت تک ہر چیز نہایت گراں ہے۔

حکومت نے اخراجات کم کرنے کی جو مہم شروع کی ہے اس سے علمی ادارے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور انجمن کی سالانہ امداد زیادہ ہونے کی بجائے کم ہوگئی ہے۔ مشتہرین ایک خالص علمی اور سہ ماہی جریدے میں کاروباری منفعت کا زیادہ امکان نہیں دیکھتے۔ یہ صرف صدر انجمن جناب اختر حسین ھلال پاکستان کی ان تھک محنت، لگن اور ذاتی توجہ کا نتیجہ ہے کہ انجمن نہ صرف برقرار ہے، کام کر رھی ہے بلکہ اپنے

وسائل کو فروغ دینے اور اپنی علمی کارروائیوں کو پھیلانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ بہت سے ایسے مراحل جنہیں صرف 'زور ادب' طے نہیں کر سکتا ، صدر انجمن کے ذاتی اثرات و تعلقات سے طے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کی خدمات کے اعتراف ساتھ ساتھ ہم دیگر با اثر اردو دوستوں سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ دامے درمے قدمے انجمن اور انجمن کے پروگرام کی سر پرستی کریں۔

اس شمارے میں یوں تو سبھی مضامین کسی نہ کسی اعتبار سے قابل توجہ ہیں ، لیکن شاد عظیم آبادی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ جس پر مرزا دبیر اور صفیر بلگرامی کی اصلاحیں ہیں ، ہماری کوششوں کا حاصل ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ نادر ادبی دستاویز "اردو" کے ذریعے منظر عام پر آ رہی ہے۔

اس مرتبہ دو کتابیں بھی سلسلہ وار شائع کی جا رہی ہیں۔ پہلی کتاب "لغت کبیر اردو" ہے۔ یہ لغت بابائے اردو کا گراں قدر علمی کارنامہ ہے ، جسے انہوں نے اہل علم کی ایک جماعت کے تعاون سے مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ اس کام کا آغاز حکومت حیدرآباد دکن کی مالی امداد سے ہوا تھا۔ مسودے کا بڑا حصہ مطبع میں پہنچ گیا تھا ، لیکن ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے یہ سارا کام ضائع ہو گیا۔ پاکستان آنے کے بعد بابائے اردو نے یہ کام دوبارہ شروع کیا۔ اسناد کی فراہمی اور تشریح نگاری کے کام ساتھ ساتھ شروع کئے گئے ، دس بارہ برس کی مدت میں صرف الف ممدودہ ، الف مقصورہ ، ب اور بھ کے الفاظ تک کا مسودہ مکمل ہو سکا۔ بابائے اردو کی وفات سے یہ کام جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ یہ کام جس حد تک ہو چکا ہے ، اس کا شائع ہونا ضروری ہے ' اگرچہ یہ نا مکمل ہے لیکن اس صورت میں بھی فائدے سے خالی نہیں۔ اردو زبان میں کوئی لغت ایسی موجود نہیں ہے ، جس میں مذکورہ حروف کی حد تک اتنے زیادہ الفاظ ہوں اور پھر تشریح نگاری میں جس تفصیل سے کام لیا گیا ہے ، وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اس مرتبہ اس لغت کے صرف سولہ صفحات شائع کئے جا رہے ہیں ، آئندہ سے صفحات کی یہ تعداد بڑھا دی جائے گی تاکہ مسودے کی طباعت جلد از جلد مکمل ہو جائے۔

دوسری کتاب "اشاریہ مضامین اردو" ہے یہ رسالہ اردو کے بیالیس برسوں کے مضامین کی مکمل فہرست ہے۔ اس طویل مدت میں تقریباً پچیس ہزار صفحات شائع کئے گئے۔ ان کا مکمل اشاریہ تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں بہرحال یہ کام شروع کردیا گیا ہے اور اس کا بڑا حصہ مکمل ہو چکا ہے ، جو

مضامین کی مصنف وار فہرست پر مشتمل ہے۔ اس فہرست کی تیاری میں جناب سرفراز علی رضوی، مہتمم کتب خانۂ خاص نے جس شوق اور محنت سے کام کیا ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ادارۂ ''اردو'' کے ساتھ وہ اس کام میں شریک غالب رہے ہیں۔ نظر ثانی کا کام ابو سلمان شاہ جہاں پوری صاحب کے تعاون سے انجام دیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ تین حصوں پر مشتمل ہوگا۔

۱۔ مضامین کی مصنف وار فہرست
۲۔ تبصرہ ہائے کتب کی مصنف وار فہرست
۳۔ مذکورہ بالا دونوں حصوں کی موضوع وار مجموعی فہرست

یعنی اس اشاریے سے بیک وقت کسی مصنف کی اور کسی موضوع پر لکھی ہوئی، تمام تحریروں کا سراغ مل سکے گا نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ 'اردو' میں کتنی کتابوں پر تبصرے شائع ہوئے اور یہ تبصرے کن اہل علم حضرات نے کئے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ فرضی ناموں کے ساتھ تبصرہ نگاروں کے اصل نام بھی دے دیئے جائیں نیز اختصارات کی جگہ پورے نام دیئے جائیں۔

یہ اشاریہ کس حد تک مفصل اور جامع ہے، اس کا اندازہ موجودہ قسط سے ہو سکتا ہے، مضامین کے عنوانات درج کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ہر مضمون کی جملہ تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ایک مضمون ہے ''بمبئی کی اردو صحافت'' اشاریے میں اُن تمام اخبارات و رسائل کا اندراج کیا گیا ہے، جن کا ذکر اس مضمون میں آیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر اخبار کے سال اجرا اور ایڈیٹر کا نام بھی دے دیا گیا ہے۔ اس قسم کا اشاریہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، اُمید ہے اسے علمی حلقوں میں پسند کیا جائے گا۔

رسائل کی اشاریہ سازی کا کام بہت اہم ہے، جب تک یہ کام مکمل نہ ہو جائے ادبی و علمی تحقیق کا راستہ آسان نہیں ہو سکتا۔ اگر دوسرے رسائل بھی اسی انداز سے اپنے اپنے اشاریے مرتب کروا کے شائع کر دیں تو یہ بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ اشاریۂ اردو کی تکمیل کے بعد اردو کے اہم رسائل ''مخزن''، ''زمانہ''، ''ادیب'' اور ''دلگداز'' وغیرہ کے اشاریے بھی شائع کئے جائیں گے۔ یہ اشاریے ترتیب کے مراحل میں ہیں، البتہ ''مخزن''

کا مفصل اشاریہ مکمل کیا جا چکا ہے۔

ظاہر ہے کہ ''اردو'' کی یہ ترتیب اس کی قدیم روایات کے مطابق ہے ہم سے کہا گیا ہے کہ اس میں کچھ ''نیاپن'' بھی ہونا چاہئے ، یہ وہ زمانہ ہے جب طفیلی سیارے چاند کا طواف کر رہے ہیں اور زہرہ و مشتری کی تسخیر کرنے والے ہیں۔ ہم خود زبان اردو میں جدید ترین علوم پر عمدہ ترین موا تخلیق کئے جانے کے حق میں ہیں لیکن اس کے لئے ہمارے دوسرے منصوبے موجود ہیں ۔ انجمن کا ارادہ ہے کہ سہ ماہی ''سائنس'' کو پھر سے جاری کرے اور ایک جریدہ علم اقتصادیات پر بھی شائع کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ نہایت ضروری ہے کہ ان میدانوں میں جو کوششیں دوسرے ادارے کر رہے ہیں ان سے ٹکراؤ پیدا نہ ہو ۔ آج انجمن کے رازداں اور بھی ہیں ۔ کراچی یونیورسٹی ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور کا مرکزی اردو بورڈ اور سائنس اکاڈمی کراچی کا ترقی اردو بورڈ اور دیگر بے شمار ادارے اپنے اپنے طور پر اردو زبان کی بیش قیمت خدمات انجام دے رہے ہیں ۔

ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے

اب یہ ضروری ہے کہ جملہ اہم ادارے مل جل کر اپنے اپنے علمی و مالی وسائل کے مطابق ایک دوسرے سے مشورے کے بعد اپنا لائحہ عمل طے کریں ۔ اصطلاحات ہی کا معاملہ لیجئے ۔ اصطلاحات کے ترجمے بیک وقت کئی ادارے کر رہے ہیں ، جس کا نتیجہ بے فائدہ تکرار کے سوا کچھ نہیں ۔

کیا اچھا ہو اگر علمی ادارے موضوعات کی مناسب تقسیم کرلیں اور اپنے علمی جرائد کی ترتیب میں بھی اسی تقسیم کا خیال رکھیں۔ اگر اس منصوبے میں علمی مواد کے تبادلے کا امکان بھی ہو تو اسے آزمایا جائے اس طرح بیک وقت کئی ادارے زیادہ سے زیادہ شعبوں میں مفید ترین طریقوں پر کام کر سکیں گے ۔

جمیل الدین عالی
معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو ۔

۱۸۵۷ء سے پہلے کی تھیٹریکل کمپنیاں

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی

اُردو ادب کی سب سے پہلی صنف جس کو غیر ملکیوں کی سرپرستی حاصل ہوئی اور جس نے مغربی اصول پر ترقی کی منازل بسرعت تمام طے کیں وہ اُردو ڈراما ہے جس کے خالق پرتگال کے باشندے تھے جو ۱۴۹۸ء میں بغرض تجارت ہندوستان آئے اور جنہوں نے یورپین خاص کر فرانسیسی اُصول ناٹک پر حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات بصورت ڈراما اسٹیج پر پیش کئے۔

اگرچہ اُردو ڈراما کی صحیح تاریخ گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے پھر بھی پرچگیز اور اٹالین فادرز نے جو ریکارڈ چھوڑے ہیں اور اُن کی خط و کتابت سے جو حوالے ملتے ہیں اُن سے ڈرامے کی ابتدا ۱۰۶۰ء سمجھی جاتی ہے لیکن بعض مبلغین تثلیث کا خیال ہے کہ اُردو ڈرامے کی ابتدا اُس سے بہت پہلے ہو چکی تھی اور پرچگیز فادرز خود اُس میں کام کرتے اور فارسی آمیز ٹوٹی پھوٹی اُردو میں تماشے دکھلاتے تھے۔

چونکہ یہ تماشے حضرت عیسیٰ کی زندگی سے متعلق ہوتے تھے اس لئے اُن کی ادائیگی میں حد درجہ احتیاط برتی جاتی تھی اور ہر ممکن اصلاح جو یورپ میں رائج ہوتی تھی ہندوستانی اسٹیج پر دکھلائی جاتی تھی۔ چونکہ یورپین مبلغین تثلیث کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس لئے مفکرین اور محققین اسٹیج کو یورپین اور اُردو اسٹیج کی ٹکنیکل ضروریات میں بہت معمولی فرق نظر آتا ہے۔ اس معمولی فرق پر بھی مبلغین تثلیث مختلف الرائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اُردو اسٹیج یورپین اسٹیج سے کہیں بہتر تھا کیونکہ :

(الف) ہندوستان میں یورپین اسٹیج کے رواج سے بہت پہلے یہ ملک فن ڈراما اور اسٹیج سے واقف تھا۔ اسٹیج کی اداکاری اُن کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ رامائن اور مہابھارت کے قصے ملک کے طول و عرض میں عام طور پر دکھلائے جاتے تھے۔

(ب) ہندوستان خاص کر دکن کی مالی حالت یورپ سے کہیں بہتر تھی اس لئے یہاں اسٹیج کی تیاری پر اوسطاً زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا تھا۔ ہندوستانی رئیس نواب، راجے اور سلاطین چونکہ عیش و عشرت کی زندگی کے عادی تھے اس لئے وہ کرسچین اسٹیج کو رام لیلا قسم کی ایک چیز سمجھ کر اُن کی امداد کرتے تھے۔

(ج) پرتگیز نے دوران فتوحات دکن یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ، برار اور بیدر وغیرہ سے مساویانہ تعلقات رکھنا ہیں تو اُن کو اپنا معیار بلند کرنا اور اُنہی کے معیار پر رہنا ہوگا چنانچہ وہ بھی سلاطین دکن کی طرح شان و شوکت کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

(د) مبلغین یورپ خاص کر اہل پرتگال کی زندگی کا مقصد ہی تبلیغ تھا اس لئے وہ پورے جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ حضرت یسوع مسیح کے قدموں میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔

جب عیسائی مبلغین کی سرگرمیاں بار آور ہوئیں اور خاصی تعداد میں ہندوستانی تثلیث کے علمبردار بن گئے تو دکن مشن کی طرف سے یہ "نئے عیسائی" دور دراز مرکزوں میں بھیجے گئے جہاں وہ اُردو ڈراما بھی تبلیغی حربے کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے۔ اُس وقت اُردو زبان تبلیغی زبان بن چکی تھی۔

ابتدائے اُردو پر تحقیق کرنے والوں نے ابتک یہ معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ پرتگیز نے اُردو زبان کی کیا خدمت انجام دی ہے، اُنھوں نے کس قدر مدارس قائم کئے، اُن کا نصاب کیا تھا، درسی کتب کس نے لکھیں اور کب لکھی گئیں، آیا وہ ما بعد زمانہ میں شائع ہوئیں یا نہیں، تبلیغی مدارس کے مدرسین اور منتظمین پرتگیز تھے یا دوسرے لوگ، اُردو اور فارسی کے علاوہ اور کون کون سی مقامی اور غیر مقامی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں؟

اگر ہم کو ان سوالات کا جواب مل جاتا ہے تو ہمیں نہ صرف ابتدائی ڈراموں کی تفصیلات معلوم ہو جائیں گی بلکہ تاریخ ادب اُردو کے ابتدائی دور کی ترتیب و تدوین میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں وہ بھی دور ہو جائینگی ۔

یہ پرتگالیوں کی انتہائی خوش بختی تھی کہ اُن کے عروج کے ساتھ ساتھ دولت مغلیہ کا آفتاب عالمتاب بھی طلوع ہوا اور اکبر نے چشم زدن میں ملک کا ایک بڑا حصہ زیرنگیں کرلیا ۔ دکن کے ایک حصے نے بھی اُس کے حضور میں ہتھیار ڈال دیئے ۔

مغلیہ فتوحات کا اثر مبلغین تثلیث پر بھی پڑا اور انہوں نے احمد نگر سے اکبر آباد تک تبلیغی سرگرمیاں شروع کردیں ۔ شہنشاہ اکبر اور شہنشاہ جہانگیر کی سرپرستی اور ارا کین دولت مغلیہ کی ہمت افزائی نے عیسائی مبلغین کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور وہ پنجاب اور کشمیر پار کرتے ہوئے تبت تک پہنچ گئے ۔

مبلغین تثلیث کو دولت خداداد حکومت مغلیہ کی داد و دہش سے کچھ فائدہ پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اردو تبت میں بھی بولی اور سمجھی جاتی تھی ۔ پرتگیزوں کی یہ سرگرمیاں کم و بیش ایک صدی تک جاری رہیں پھر ایسا انقلاب آیا کہ ان کو بہ یک بینی و دوگوش اس ملک سے رخصت ہونا پڑا ۔ اُن کی جگہ پہلے ڈچ پھر فرینچ اور آخر میں انگریزوں نے لے لی ۔

ہم ابھی تک یہ بتلانے سے معذور ہیں کہ ڈچ اور فرانسیسوں نے اردو زبان و ادب اور خاص کر اردو اسٹیج کی کیا خدمت انجام دی ہے، اس لئے ہم اس عبوری دور سے گزرتے ہوئے ١٧٥٠ع تک پہنچتے ہیں جب بمبئی میں ایک خام اسٹیج قائم ہوا ۔ اس اسٹیج کے متعلق ہماری معلومات بہت ہی محدود ہیں لیکن ١٧٧٠ع میں جب وہ از سر نو تعمیر ہوا تو اس کا نام "بمبے تھیٹر" تھا ۔ یہ تھیٹر "بمبے گرین" میں واقع تھا جو "الفنسٹن سرکل" کے بعد اب "ھارنی مین سرکل" بن چکا ہے ۔

یہ اسٹیج ١٨٣٦ع تک قائم رہا اور بعد کو قرض خواہوں کی نذر ہوگیا ۔ دس سال کی کوشش اور جدوجہد کے بعد "بمبے تھیٹر" نے دوسرا جنم لیا لیکن اس بار اس کی ولادت گرانٹ روڈ پر ہوئی جہاں اب ڈاکٹر پٹیل کا

دواخانہ ہے۔ اسی تھیٹر میں اردو اسٹیج نے جنم لیا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بنیادی معلومات یہاں پیش کی جائیں۔

''بمبے کوایر'' بمبی کا ایک اعلامیہ مورخہ ۲۲- اپریل ۱۸۳۶ء مظہر ہے کہ شیرف آف بمبے مسٹر ڈبلو، سی بروس نے باشندگان شہر کی درخواست پر اہل شہر کا ایک جلسہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبے برانچ میں بتاریخ ۲۶- اپریل بوقت بارہ بجے طلب کیا تاکہ ایک نئے تھیٹر کی تعمیر کے سوال پر غور کیا جائے۔ چنانچہ چھیالیس سرکاری عہدہ داروں اور تین پارسیوں کے دستخط سے شیرف آف بمبئی کی خدمت میں ایک عریضہ گزرانا گیا تاکہ بمبے تھیٹر کی فروخت سے جو روپیہ حاصل ہوا ہے اور بعد منہائی قرض خزانہ عالیہ میں محفوظ ہے اس سے بمبے میں ایک نیا تھیٹر بنوانے کی اجازت طلب کی جائے۔

زبانی گفت و شنید اور بحث و مباحث کا یہ سلسلہ پانچ سال تک جاری رہا۔ ۲۶- نومبر ۱۸۴۱ء کو بمبے کوایر نے اہل شہر سے یہ اپیل کی کہ وہ اپنے روپیہ کو جو بمبے گورنمنٹ کے خزانہ میں بیکار پڑا رہتا ہے ضائع نہ ہونے دے۔ اخبار مذکور نے بھی اس بات پر زور دیا کہ ہماری ذرا سی توجہ سے یہ رقم دو لاکھ بن سکتی ہے اور اس سے بہت ہی کم رقم سے ایک فرسٹ کلاس تھیٹر تعمیر ہو سکتا ہے یا ایک عمارت خرید کر اسے تھیٹر کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تھیٹر کی تعمیر کے بعد جو رقم بچے وہ گورنمنٹ سیکیورٹیز اور کارنٹیلڈ فنڈز میں لگائی جا سکتی ہے۔

بمبے کوایر نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اگر مطلوبہ رقم ایک لاکھ سے تجاوز نہ کرے تب بھی اس سے نئی کام لئے جا سکتے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ ڈھائی ڈھائی سو کے شیرز جوائنٹ اسٹاک کی صورت میں جاری کئے جائیں۔ صاحب عزت اور صاحب ثروت لوگ اس کے ٹرسٹی اور منتظم قرار پائیں۔ جو حضرات اس میں اپنا روپیہ لگائیں ان کو ہر تین سال کے لئے فی شیر ایک ایک فری ٹکٹ دیا جائے۔ اگر منافع زیادہ ہو تو ٹکٹ کی میعاد بڑھادی جائے۔

اسی جدوجہد اور بحث و مباحثہ میں ڈائریکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کا اجازت نامہ آگیا کہ ''تھیٹر چونکہ ایک ہی جگہ پر پچاس سال سے واقع ہے اس لئے زمین کا قبضہ قبول کیا جاتا ہے اور بعد ادائیگی قرضہ جو روپیہ بچا ہے

اس کے خرچ کا مجاز بھی دیا جاتا ہے۔ کمپنی اپنی طرف سے کوئی مالی امداد نہیں دیگی۔ بمبئی کے کسی اور ادارہ کو اس رقم کے استعمال کا حق نہ ہوگا"۔
چنانچہ ۶۔ جنوری ۱۸۴۳ع کو ٹاون ہال کے بریک فاسٹ روم میں ایک جلسہ منعقد ہوا اور اس میں ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کا شکریہ ادا کیا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ بقیہ رقم تھیٹر کمیٹی کے سپرد کردی جائے چنانچہ حکومت بمبئی نے چونتیس هزار چھ سو اٹھاون روپے گیارہ آنے ایک پائی کمیٹی کے سپرد کردیئے۔

جگناتھ شنکر سیٹھ نے اپنی طرف سے زمین دی جس پر دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالیشان تھیٹر تعمیر ہوگیا جو بمبے تھیٹر قدیم کے نام پر "بمبے تھیٹر جدید" کہلایا اور عوام میں مختلف ناموں سے مشہور ہوا۔ چونکہ زمین جگناتھ شنکر سیٹھ نے دی تھی اس لئے وہ جگناتھ شنکر سیٹھ کا تھیٹر کہلایا۔ نیز وہ گرانٹ روڈ پر واقع تھا اس لئے گرانٹ روڈ تھیٹر کے نام سے موسوم ہوا۔ اس پر ملکہ وکٹوریہ کا مجسمہ نصب تھا اس لئے رانی کا تھیٹر کہلایا۔ مزید برآں اس پر برٹش فلیگ لہراتا تھا اس لئے "بووٹے والا تھیٹر" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

اس تھیٹر میں ۱۸۴۶ع سے ۱۸۵۳ع تک انگریزی تماشے دکھلائے جاتے رہے۔ چونکہ جگناتھ شنکر سیٹھ اب اس کی مجلس منتظمہ کے ایک اہم رکن تھے اس لئے ان کو مقامی زبانوں میں ڈرامے دکھلانے کی اجازت مل گئی۔

۱۸۵۳ع میں مرہٹی، گجراتی اور اردو میں ڈرامے دکھلائے گئے۔ چونکہ ہمارا تعلق صرف اردو تھیٹر سے ہے اس لئے ہم صرف اردو ڈراموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں گے۔

اردو ڈرامے ۱۸۵۳ع اور ۱۸۵۵ع میں دکھلائے گئے۔ ۱۸۵۶ع اور ۱۸۵۷ع میں بمبے تھیٹر بند رہا۔ ۱۸۵۳ع سے ۱۸۵۵ع تک صرف دو کمپنیوں نے اردو ڈرامے دکھلائے۔ ایک هندو ڈرامیٹک کور اور دوسری پارسی ڈرامیٹک کور۔

اب ہم پہلے هندو ڈرامیٹک کور کے پیش کردہ اردو ڈراموں کی تفصیلات درج کریں گے اس کے بعد پارسی کور کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں گے۔

ہندو ڈرامیٹک کور ۔ بمبئی

۱۸۵۳ع

اس تھیٹر یکل کمپنی کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ وہ سانگلی ، دکن سے آئی تھی اور اس نے گرانٹ روڈ تھیٹر بمبئی میں چہار شنبہ مورخہ ۹- مارچ کو راماین کے بعض حصے مرہٹی زبان میں دکھلائے تھے ۔ تماشا آٹھ بجے رات کو شروع ہوا تھا ۔ تماش بینوں کی تعداد کم تھی ۔ (ملاحظہ ہو ٹیلیگراف اینڈ کوایر ، مورخہ ۹- مارچ ۱۸۵۳ع جلد ۵- نمبر ۵۸ صفحہ ۳۰۵) ۔

اخبار مذکور نے ۱۲- مارچ کو ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا:

''ہندوؤں کی تعداد کم تھی اور یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ لوگ اپنے قومی تھیٹر کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں ۔ یورپین تماش بین موجود تھے خواتین کی تعداد صفر تھی ۔ تماشا قابل اطمینان تھا لیکن زبان سے بیگانگی کے باعث اس سے ہم بخوبی لطف اندوز نہ ہو سکے ۔

''سب ایکٹر ہندو تھے ۔ جن لوگوں نے کورس میں کام کیا وہ سب برہمن تھے ۔ دیوی ، دیوتا اور راون کے سپاہی سب کھتری تھے ۔ مسخرے کا پارٹ شروع سے آخر تک خوب رہا ۔ جب رام چندر جی اور اندرا جیت جی باتیں کرتے تو وہ سر کے بل کھڑا ہو جاتا ۔ دیوی اور دیوتا کرسیوں اور صوفوں پر اس طرح آرام سے بیٹھتے گویا وہ اُس کے استعمال کے عادی ہوں ۔ جب لکشمن اور اندراجیت ایک دوسرے پر حملہ کرتے تو معلوم ہوتا گویا وہ کسی انگریزی رہائش گاہ میں رقص کر رہے ہیں ۔

''حاشا و کلا اس سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم ڈرامے کی عظمت کو کسی طرح کم کریں ۔ مسخرے کا کام اتنا عمدہ تھا کہ زبان نہ جاننے کے باوجود لوگ اُس سے محظوظ ہو رہے تھے''۔

ہندو ڈرامیٹک کور نے مرہٹی زبان میں کئی ڈرامے دکھلائے ان کا دوسرا ڈرامہ ۱۰- مارچ کو ، تیسرا ۱۹ ، مارچ کو ۔ چوتھا ۲۶- مارچ کو ، پانچواں یکم اپریل کو ، چھٹا ۱۹- اپریل کو اور ساتواں ۱۹- نومبر کو دکھلایا گیا لیکن یہ ڈرامے مالی اعتبار سے ناکامیاب ثابت ہوئے ۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سانگلی ، دکن سے جو ناٹک منڈلی آئی

بی وہ سر کاری کام ہندوؤں کے مندروں اور دولت مندوں کی حویلیوں کی چہار دیواریوں میں تماشے دکھلاتی تھی۔ جگناتھ شنکر سیٹھ نے اس دکنی کمپنی کو از سر نو درست کیا۔ اس میں نوجوان تعلیم یافتہ مرہٹے داخل کئے اور انگریز اداکاروں کے ذریعے اُن کو تعلیم دلوائی۔ اس درس و تدریس اور ریہرسلوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹی ڈرامے مغربی اصول پر دکھلائے جانے لگے لیکن دو چیزوں سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ ایک اقتدار کی جنگ اور دوسرے صوبائی تعصب۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو تماشے کی ناکامیابی کا ذمہ دار ٹھہراتے رہے۔ مرہٹی چونکہ صوبائی اور بہت ہی غریب طبقے کی زبان تھی اس لئے تماشائی بہت کم آتے۔ چونکہ نقصان کا بار صرف جگناتھ شنکر سیٹھ کو برداشت کرنا پڑتا اِس لئے مرہٹی اسٹیج کا مسئلہ اُن کے لئے ایک درد سر بن گیا اور اُن کو بہت سنجیدگی سے یہ سوچنا پڑا کہ ہندو ڈرامیٹک کور جاری رکھی جائے یا بند کردی جائے۔

جگناتھ شنکر سیٹھ کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ بیک جنبش قلم وہ اپنی قوم کو تعلیم یافتہ بنادیں یا اُن کے لئے ایسے وسائل پیدا کردیں کہ وہ مالا مال ہو جائیں۔ مرہٹے اُس زمانے میں ''گھاٹی'' کہلاتے تھے۔

ہندو ڈرامیٹک کور نے بہ مشکل چھ تماشے دکھلائے ہوں گے کہ حالات نے ناگوار صورت اختیار کرلی۔ اداکار آپس میں لڑ بیٹھے۔ جگناتھ شنکر سیٹھ نے مالی امداد دینے سے انکار کردیا اور بمشکل تمام جب راضی ہوئے تو اس شرط پر کہ کور ہندوستانی (اردو) زبان میں تماشے دکھلائے۔

مرہٹوں کے لئے اردو پڑھنا اور بولنا ایک امر دشوار تھا لیکن چونکہ یہ کور کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اس لئے انہیں طوعاً و کرہاً منظور کرنا پڑا۔ انہوں نے اردو سیکھی اور ۲۶ نومبر اور ۳ دسمبر کو ہندوستانی زبان میں تماشے دکھلائے۔

کور کا آٹھواں تماشا ہندوستانی زبان میں دکھلایا گیا۔ اس کا اعلان ۲۴ نومبر کو ان الفاظ میں شائع ہوا۔

ہندو تھیٹر

ہندو ڈرامیٹک کور باشندگان بمبئی۔ اہل شہر و یورپین

حضرات کی خدمت با برکت میں عرض پرداز ہے کہ پرسوں

شنبہ ۲۹ نومبر وہ اپنا دلچسپ تماشا "راجہ گوپی چند اور جلندھر" بزبان ہندوستانی ، گرانٹ روڈ تھیٹر میں پیش کرے گی۔

فیس داخلہ حسب ذیل ہوگی:

ڈریس سرکل	۳—۰—۰
اسٹال	۲—۰—۰
گیلری	۱—۸—۰
پٹ	۱—۰—۰

ٹکٹ تھیٹر ہال پر دستیاب ہوں گے۔
تماشا ٹھیک آٹھ بجے شروع ہوگا۔

مندرجہ بالا اعلان ٹیلیگراف اینڈ کوایر ، بمبئی کی اشاعت ہائے ۲۰ اور ۲۶ نومبر کو بھی شائع ہوا۔ تماشے کے بعد "شریمنت جی" کا کومک بھی دکھلایا گیا۔ ایک کاشمیری نے ہندوستانی اور فرانسیسی زبان میں گانے گائے۔

پنجشنبہ یکم دسمبر کو مذکورہ بالا ڈرامے کا دوبارہ اعلان ہوا اور ۳ دسمبر کو تماشہ دکھلایا گیا۔ یہ تماشہ راجہ گوپی چند اور جلندھر کا دوسرا حصہ تھا اور اس میں یہ بتلایا گیا تھا کہ راجہ اپنی منسوبہ کنفا کو رخصت کرانے کے لئے جاتا ہے، جلندھر چیں بجبیں ہوتا ہے ، راجہ کی ماں منونتی اس کے غیظ و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

راجہ گوبر کے ڈھیر سے جلندھر کو نکالنے کی فکر کرتا ہے جو اس میں دفن کردیا گیا تھا۔ اسی وقت مچھندر آتا ہے، راجہ اس کے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہے۔ مچھندر غصہ ہوکر کہتا ہے کہ اس کی لاپروائی کے باعث جلندھر کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے اور حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی چار مورتیاں دھات کی بنوائے چنانچہ مورتیاں بنوائی جاتی ہیں جلندھر غلاظت سے باہر نکلتا ہے۔ اس کو دوائیں دی جاتی ہیں۔ (وقفہ)

راجہ بلند آواز سے جلندھر کو مخاطب کرتا اور ہر بار جب وہ اپنی مورتی مچھندر کے سامنے رکھتا ہے تو وہ جل کر خاکستر ہوجاتی ہے۔ مچھندر راجہ کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ مورتی کی جگہ خود بیٹھے چنانچہ وہ بیٹھتا ہے۔ جلندھر کا غصہ اس کو دیکھ کر فرو ہو جاتا ہے۔ راجہ گوپی چند ، جلندھر کے چرن چھوتا اور اپنی عقیدت کے پھول ان پر نچھاور کرتا ہے۔ جلندھر اس کو دعائیں

بیتا ہے۔ راجہ دنیاوی عیش و عشرت پر لات مار کر فقیری لے لیتا ہے اور اسی حالت میں اپنی بہن کے یہاں جاتا ہے۔ اس کے بعد مقامات مقدسہ کی زیارت کرتا ہوا واپس ہوتا ہے۔ واپسی پر وہ جلندھر سے ملتا ہے جو اس کی تبدیلی ہیئت اور مزاج سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اس کو سریر آرائے سلطنت ہونے کی اجازت دیتا اور اس سے کہتا ہے کہ وہ اپنے خدا اور اس کے بندوں کی خوشنودی حاصل کرے۔

۱۸۵۳ء

سال مذکور میں چھ اردو ڈرامے اسٹیج ہوئے۔ پہلا ڈرامہ ۷۔ جنوری کو سٹیج ہوا۔ دوسرا ۹۔ مئی کو تیسرا ۲۰۔ مئی کو چوتھا ۴۔ جون کو اور پانچواں ۱۶۔ ستمبر کو۔ ان ڈراموں کی تفصیلات مختلف کمپنیوں کے تحت علاحدہ علاحدہ درج کی گئی ہیں۔

دی بمبئے ٹائمس اینڈ جرنل آف کامرس، بمبئی مورخہ ۳۔ جنوری رقمطراز ہے کہ ہندو ڈرامیٹک کور نے بمبئی سے باہر جانے سے پہلے یہ اعلان کیا کہ راجہ گوپی چند اور جلندھر کا تماشہ جو اس سے قبل دو قسطوں میں دکھلایا گیا تھا، ۷۔ جنوری کو بیک وقت دکھلایا جائے گا۔ ٹکٹ کی قیمتوں میں بھی تخفیف کردی گئی ہے۔ اعلان مندرجہ ذیل تھا۔

دی ہندو تھیٹر

دی ہندو ڈرامیٹک کور باشندگان شہر کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ وہ راجہ گوپی چند اور جلندھر کا مکمل ڈرامہ بزبان ہندوستانی بروز شنبہ ۷۔ جنوری گرانٹ روڈ تھیٹر میں پیش کریگی۔ یہ تماشا ایک بار پھر دکھلایا جائے گا۔

داخلہ کی قیمت حسب ذیل ہوگی۔

باکس	۰—۰—۲
اسٹال	۰—۸—۱
گیلری	۰—۰—۱
پٹ	۰—۱۲—۰

"بمبے ٹائمس" مورخہ ۷۔ جنوری (ص ۲۰ کالم ۳) تماشا کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

''یہاں ہندو تماشے کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو آج شب کمپنی مذکورہ گرانٹ روڈ تھیٹر میں بزبان ہندوستانی پیش کرے گی۔

''تماشے کا افتتاح حسب معمول ہوگا۔

''اس تماشے میں انسانی عظمت اور دنیاوی مسرت کی بے مائیگی دکھلائی جائے گی۔ تماشے کا مرکز بنگال کا سابق دارالخلافہ گور ہوگا۔

''راجہ ترلوک چند اپنی محبوبہ دلنواز کے ساتھ داد عیش دے رہا ہے۔

''ایک دن جبکہ رانی اپنی کنیزوں اور خادماؤں کے ساتھ بالاخانے پر محو نظارہ تھی کہ اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑتی ہے جو سر پر لکڑیوں کا گٹھا لئے جا رہا تھا لیکن یہ گٹھا سر سے بلند تھا۔

''رانی مہناوتی کو خیال گزرا کہ یقیناً اس شخص میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اس سے ملنے کے لئے دوڑی لیکن وہ جا چکا تھا۔ پھر بھی اس نے اسے ڈھونڈھ نکالا اور اس کی کٹی پر جا پہنچی اور جالندھر سے مل کر بہت خوش ہوئی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے حلقہ مریدین میں لے لے لیکن اس نے انکار کردیا لیکن یہ انکار رانی کی ہٹ کے سامنے بیکار ثابت ہوا اور جلندھر کو اسے اپنے حلقہ میں لینا پڑا۔

''یہ واقعات شدہ شدہ عوام تک پہنچے۔ راجہ ترلرک چند اور ولی عہد سلطنت راج کنور گوپی چند کو بھی اس کا پتہ چلا، بات بڑھی، اس میں کلی پھندنے لگے اور ایک رانی نے اسے اس رنگ میں پیش کیا کہ راج کنور کی ہمدردیاں اس سے جاتی رہیں۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور گوپی چند اپنی ماں پر شک کرنے لگا۔

''راج کنور نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ کس طرح جلندھر کو واستے سے ہٹایا جائے۔ چنانچہ دعوت میں اس کو خواب آور دوا دی گئی اور بحالت بیہوشی اسے گوبر کے نیچے دفن کردیا گیا۔ (وقفہ)

''ایک دن جب کہ گوپی چند غسل کر رہا تھا اس کی ماں نے اسے دیکھا۔ راج کنور کا خوبصورت جسم لاغر ہو رہا تھا۔ ماں کے دل کو صدمہ پہنچا اور وہ اسی فکر میں رہنے لگی کہ کس طرح دوبارہ وہ صحت حاصل کر سکتا ہے۔ رانی نے رانی سے فکر مندی کا سبب دریافت کیا۔ رانی نے بیان کردیا۔

"کنفا جو جلندھر کی تلاش میں تھا گورک سے ملا - وہ بھی اپنے گرو چھندر کے لئے سرگرداں تھا - ہر دو کی تلاش بار آور ثابت ہوئی - ہر دو رو مل گئے - (وقفہ)

"راجہ گوپی چند کنفا سے ملنے کے لئے گیا - کنفا اندر ھی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا - وہ گوپی چند اور اُس کی ماں کے شریفانہ برتاؤ سے خاموش رہا آخر سب نے مشورہ کیا کہ کس طرح جلندھر کو غلاظت سے باھر نکالا جائے اور اُس کے غصے کا سدباب کیا جائے - اسی درمیان میں مچھندر بھی آ جاتا اور اُس کے سامنے جلندھر کی رہائی کا مسئلہ پیش کیا جاتا ھے - مچھندر راجہ سے باز پرس کرتا اور اُس کو اپنی چار مورتیاں بنانے کا حکم دیتا ھے -

"راجہ گوپی چند اپنی مورتیاں مچھندر کے سامنے رکھ کر جلندھر کو آواز دیتا ھے لیکن اُس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ھے اور ہر بار اُس کی مورتی جل کر خاکستر ہو جاتی ھے - مچھندر اُس کو مشورہ دیتا ھے کہ مورتی کی جگہ خود کھڑا ہو کر جلندھر کو آواز دے - جلندھر کا غصہ اُس کو دیکھ کر فرو ہو جاتا ھے -

"راجہ گوپی چند اُس کا چیلا بن جاتا اور جوگی کا روپ دھارن کر کے چلے اپنے محل میں اور پھر اپنی بہن کے یہاں جاتا ھے - وہ مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کے بعد وطن واپس لوٹتا اور جلندھر سے ملتا ھے جو اپنی خوشنودی مزاج کا اظہار کرتا ہوا اُس کو اس بات کی اجازت دیتا ھے کہ وہ تخت حکومت پر بیٹھے اور ایک اچھے اور نیک دل حکمران کی حیثیت سے رعایا کی خبر گیری کرتا رہے"-

"دی ٹیلیگراف اینڈ کوایر" مورخہ ۹- جنوری ۱۸۵۳ء ڈرامہ مذکور پر تبصرہ کرتا ہوا رقمطراز ھے -

"ھندو ڈرامیٹک کور کا یہ تماشا بروز شنبہ بڑی کامیابی کے ساتھ گرانٹ تھیٹر میں دکھلایا گیا - تماشے میں کافی آدمی تھے - ھندو اور پارسیوں کے علاوہ یورپین بھی ادھر اُدھر نظر آ رھے تھے -

"افتتاحی تعارف کے بعد جلندھر لکڑیاں فروخت کرتا ہوا نظر آتا ھے جس اداکار نے جلندھر کا پارٹ کیا حق یہ ھے کہ اُس نے حق محنت ادا کردیا - اس میں صرف ایک ھی نکتہ قابل گرفت نظر آتا ھے یعنی اُس کے قدم فوجیوں کے انداز میں پڑتے تھے - مسخرہ کا پارٹ بھی خوب رہا اور اُس نے دل کھول کر

تماش بینوں کو ہنسایا - اُس نے کنفا اور گورک پر جو پھبتیاں کسیں اُس سے تماش بین بیحد محظوظ ہوئے - ایک موقع پر وہ کہتا ہے کہ لوگ پوتر گنگا میں اشنان کرنے اور ساری دنیا کے چکر کاٹتے ہیں لیکن وتھل واڑی میں جانا اور کاوس جی پٹیل تالاب میں نہانا نہیں بھولتے -

''زنانہ کردار خصوصاً موناونتی اور اُس کی سہیلیوں کے پارٹ جن لڑکوں نے کئے وہ بھی خوب رہے - ان کے علاوہ گوپی چند کا پارٹ بھی بڑی خوبی سے ادا کیا گیا -

''وہ منظر انتہائی دل سوز اور دردناک تھا جب گوپی چند فقیر کے لباس میں اپنی بیویوں سے ملنے کے لئے جاتا ہے اور رانیوں کی فطری پریشانیاں جو اپنے مالک کی عجیب و غریب تبدیلی پر حیران و پریشان تھیں اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور پاؤں پکڑ پکڑ کر اُس سے کہتی تھیں کہ وہ ان مضحکہ خیز حرکتوں سے باز آئے اور اُن کو تن تنہا چھوڑ کر چلا نہ جائے -

''گوپی چند بارہ سال کی جبریہ فقیری کے بعد وطن واپس آتا ہے - محل میں خوشیاں منائی جاتی ہیں -

''تماشے میں بد اخلاقی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا - ایک مقامی معاصر کا یہ کہنا کہ اداکار بد اخلاقی کے مجرم ہیں نہ صرف غلط گمراہ کن ہے بلکہ تبصرہ نگار کی بیوقوفی اور بدطینتی پر دلالت کرتا ہے -

''تماشا آٹھ بجے شروع ہوا - بارہ بجے کے بعد ختم ہوا'' -

اس کے بعد ہندو ڈرامیٹک کور بڑودہ چلی گئی اور کم و بیش سال بھر تک واپس نہیں آئی -

۱۸۵۵ء

بڑودہ سے واپسی پر ہندو ڈرامیٹک کور نے پہلے مرہٹی میں ڈرامے دکھلائے پھر اردو میں - بروز پنجشنبہ یکم فروری کو کور کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان ٹیلیگراف اینڈ کوایر میں شائع ہوا -

''ہندو ڈرامیٹک کور ساکن سانگلی (دکن) — دی رائٹ آنریبل دی گورنر (آف بمبئی) کی سر پرستی میں بروز شنبہ ۳ فروری کو راجہ گوپی چند اور جلندھر کا تماشا بزبان ہندوستانی بمقام گرانٹ روڈ تھیٹر باشندگان شہر کی

خدمت میں پیش کرے گی - اس تماشے کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے -

فیس داخلہ حسب ذیل ہوگی :

باکس	۲—۰—۰
اسٹال	۱—۸—۰
گیلری	۱—۰—۰
پٹ	۰—۰۲—۰

"تھیٹر ہال ساڑھے سات بجے کھل جائے گا اور تماشا ٹھیک آٹھ بجے شروع ہوگا - تھیٹر ہال کے علاوہ ٹکٹ بمبئی سماچار کے دفتر سے بھی مل سکیں گے" -

مندرجہ بالا اعلان ٹیلیگراف اینڈ کوابر کی اشاعت ہائے ۳- اور ٦- فروری میں بھی دہرائے گئے - ان کے علاوہ "بمبئی ٹائمس" اور "بمبئی گزٹ" کی اشاعت ہائے ۳- ۵- اور ٦- فروری میں بھی شائع ہوئے -

ان ڈراموں کی کامیابی کے بعد ہندو ڈرامیٹک کور پھر مرہٹی ڈراموں کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس نے مسلسل تیرہ ڈرامے مرہٹی زبان میں دکھلائے پھر اپنا سولھواں ڈرامہ ہندوستانی زبان میں اسٹیج کیا جس کی خبر ۲- نومبر کے ٹیلیگراف اینڈ کوابر میں شایع ہوئی - ۳- نومبر کو مندرجہ ذیل اعلان شایع ہوا -

بمبئی تھیٹر

دی ہندو ڈرامیٹک کور ساکن سانگلی باشندگان بمبئی کی خدمت میں ملتمس ہے کہ بروز شنبہ مورخہ ۳- نومبر گرانٹ روڈ تھیٹر میں راجہ گوپی چند اور جلندھر کا تماشہ بزبان ہندوستانی دکھلایا جائے گا -

داخلہ فیس حسب ذیل ہوگی -

باکس	۲—۰—۰
اسٹال	—۸—۰
گیلری	۱—۰—۰
پٹ	۰—۱۲—۰

تھیٹر ہال ساڑھے سات بجے کھلے گا۔ تماشا آٹھ بجے شروع ہوگا۔ ٹکٹ ہال پر ملیں گے۔ ڈرامے کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ ٹکٹ صرف نقد قیمت پر دستیاب ہوں گے۔ سگریٹ پینے کی اجازت نہ ہوگی۔

اس ڈرامے کی کامیابی کے بعد اگلا ڈرامہ بھی ہندوستانی زبان میں دکھلایا گیا۔ یہ ڈرامہ سیتا کی شادی کے متعلق تھا۔ ٹیلیگراف اینڈ کوابر کی اشاعت ہائے ۱۰- اور ۱۲- نومبر کو اس کا اعلان مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوا۔

بمبیے تھیٹر

"دی ہندو ڈرامیٹک کور ساکن سانکلی باشیدگان بمبئی کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ بروز شنبہ مورخہ ۱۲- نومبر گرانٹ روڈ تھیٹر میں ایک دلچسپ تماشا بزبان ہندوستانی پیش کیا جائے گا۔ ڈرامہ کا نام ہے "سیتا کی شادی اور راس"۔

داخلہ فیس حسب ذیل ہوگی۔

باکس	۲—۰—۰
اسٹال	۱—۸—۰
گیلری	۱—۰—۰
پٹ	۰—۱۲—۰

تھیٹر ہال ساڑھے سات بجے کھلے گا۔ تماشا آٹھ بجے شروع ہوگا۔ ٹکٹ تھیٹر ہال میں ملیں گے۔ اس کے علاوہ ہندو ہار بنجر کے دفتر سے بھی دستیاب ہو سکیں گے۔ ڈرامہ کو دلچسپ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ ٹکٹ نقد قیمت پر فروخت ہوں گے۔ سگریٹ پینے کی ممانعت ہے"۔

اب میں آپ کی توجہ ایک دوسری تھیٹریکل کمپنی کی طرف جس کا نام پارسی ڈرامیٹک کور ہے، مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

پارسی ڈرامیٹک کور - بمبئی

۱۸۵۳ء

انگریزی کمپنیوں کے ڈرامے اور اٹالین ٹروپس کے اوپراز دیکھنے دیکھتے

پارسیوں کو خیال گزرا کہ وہ بھی اپنی مادری زبان میں ڈرامے دکھلائیں چنانچہ جگناتھ شنکر سیٹھ نے جونہی مرہٹی میں ڈرامے دکھلانے کا انتظام کیا، پارسی نوجوانوں نے بھی اپنی قوم کے ذمہ دار حضرات کی ایک کمیٹی بنا کر گجراتی ڈرامے پیش کرنے کا اعلان کردیا۔

بمبے گزٹ، بمبے میں بروز شنبہ بتاریخ یکم اکتوبر کو مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا۔

"ہم کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ جزیرہ کے ہونہار پارسی نوجوانوں نے ایک تھیٹر کمپنی قائم کی ہے اور طے کیا ہے کہ وہ گرانٹ روڈ اسٹیج پر وسط نومبر میں تماشے دکھلائیں گے۔ اُمید واثق ہے کہ اس تحریک سے پارسی اسٹیج کا آغاز ہوگا اور وہ پھلیں پھولیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں پارسی نوجوانوں کو ڈرامے لکھنے اور پیش کرنے میں کافی دشواریاں پیش آئیں گی لیکن ہمیں اُمید ہے کہ وہ بخوشی یہ تکلیف گوارا کریں گے۔ ہم کو یہ بھی اُمید ہے کہ بمبئی کے سرمایہ دار اُن کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیں گے تاکہ اُن کی اجتماعی کوششیں پروان چڑھیں۔ اُن کے ڈرامائی ادب میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور غریبوں کی ناخوشگوار زندگی میں انقلاب آئے، رشتہ میں تنوع روابط میں وسعت پیدا ہو، ماں کی عزت بڑھے، پڑھے لکھے اور جاہل اپنے خالق کے حضور میں سر بسجود ہوں۔ ہم پارسی نوجوانوں کے بہی خواہ ہیں اور اُن کی کامیابی کے لئے دست دعا دراز کرتے اور اُن کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی پوری کوشش اس فرض کی ادائیگی میں صرف کردیں اور اپنی امید کی عمارت سنگین زمین اور خوشگوار حالات میں تعمیر کریں"۔

اس اطلاع کے چھپتے ہی پارسی قوم میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ تھیٹر کے منتظمین اور نوجوان ادا کاروں کا دل کھول کر مذاق اڑایا گیا۔

پارسیوں کی حالیہ خوش حالی، اُن کی عزت و عظمت، کثیر دولت اور اعلیٰ معیار زندگی نے بہت کم لوگوں کو یہ سوچنے کا موقع دیا ہے کہ ڈیڑھ سو سال پہلے وہ بھی اُن کی طرح مفلس و لاچار تھے۔ کاشت اور مزدوری اُن کے پیشے تھے۔ اُن کے اندر بھی وہ تمام عیوب موجود تھے جو بد حال اور مفلس قوم کے لیے باعث زوال بنتے ہیں۔ عام جہالت، قمار بازی، شراب نوشی، رقص و سرود سے ذوق، سر بازار لڑنا جھگڑنا اور گالی گلوچ کرنا۔

عورتوں کو مارنا پیٹنا اور غیروں کے آگے دست طلب دراز کرنا ، غرض کہ کوئی ایسا فعل بد نہ تھا جس کے وہ شکار نہ ہوں لیکن مسلسل محنت اور مستقل مزاجی ، ہر کام کو دل لگا کر کرنے اور آسے اپنے لئے باعث افتخار سمجھنے ، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت نے اُن کو ایک قابل فخر قوم بنا دیا ۔

اُن کے قومی پریس ، اُن کے صاحب ثروت حضرات اور اُن کے سرمایہ داروں نے اپنے نوجوانوں کی ہمت افزائی کی ۔ فرنگیوں کی جی حضوری اور اعلیٰ عہدے داروں کی دربار داری نے اُن پر طلسمی قلعوں کے دروازے کھول دئے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے چین سے لندن تک کے تاجر بن گئے ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدہ دار جو عام طور پر نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ہمیشہ ایسے لوگوں کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے جو بہ آسانی خط غلامی لکھ سکیں اور ذاتی جاہ و حشم کے لئے اپنے اہل وطن سے غداری کر سکیں ۔ چنانچہ پارسیوں میں اُن کو بہ کثرت ایسے لوگ مل گئے جو برطانوی تاج کے سایہ میں پھلنا پھولنا پسند کرتے ہوں ۔

چنانچہ انگریزوں نے اُن کو اپنے اصول پر تعلیم دلوائی ۔ اُن کو صنعت و حرفت کے راستے دکھلائے ۔ اُن کو اپنی تجارت میں شریک کیا اور اُن کے نام پر اپنے جہاز بحر ہند سے بحر چین تک دوڑائے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندو اور مسلمانوں سے ہر میدان میں سبقت لے گئے ۔

لیکن علم و دولت اور سیاحی نے بہت جلد اُن کی آنکھیں کھول دیں اور وہ سچے محب وطن بن گئے ۔ پارسی نوجوانوں نے اپنے وعدے کے مطابق ڈرامیٹک کور قائم کی اور ۲۰ اکتوبر کو اعلان کر دیا کہ پارسی ڈرامیٹک کور کا پہلا تماشا ”رستم ز بولی او سہراب“ بزبان گجراتی بمقام گرانٹ روڈ تھیٹر بتاریخ ۲۹ اکتوبر بوقت آٹھ بجے شب دکھلایا جائے گا ۔ چنانچہ وقت مقررہ پر تماشا دکھلایا گیا اور خاص کامیاب رہا ۔ پارسی کور کا دوسرا تماشا ۵ نومبر اور تیسرا ۲۰ فروری ۱۸۵۴ء کو پیش کیا گیا ۔

اگرچہ پارسی جوان اپنی کامیابی پر بیحد مسرور تھے لیکن مالی اعتبار سے اُنھوں نے جو امیدیں قائم کی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں اس لئے انھوں نے اپنی پوری توجہ اردو ڈراموں کی طرف مبذول کردی اور اردو اسٹیج کا جو

چراغ آج سے ایک سو بارہ سال پہلے انہوں نے روشن کیا تھا اُسے دم آخر تک بجھنے نہیں دیا ۔

۱۸۵۴ء

بروز سہ شنبہ بتاریخ ۳۰ مئی بمبے ٹائمس میں مندرجہ ذیل اعلان شایع ہوا۔

دی پارسی تھیٹر

بروز شنبہ ۲۹ مئی کو مندرجہ ذیل تماشے

شیاوکس کی پیدائش

اور

ایک مزاحیہ ڈراما بنام تیکھے خان

بزبان ہندوستانی

دکھلائے جائیں گے

فیس داخلہ حسب ذیل ہوگی:

باکس	۲ - ۸ - ۰
اسٹال	۲ - ۰ - ۰
گیلری	۱ - ۸ - ۰
پٹ	۱ - ۰ - ۰

ٹکٹ تھیٹر ہال میں دستیاب ہوں گے ۔ ہال ساڑھے سات بجے کھلے گا اور تماشا ٹھیک آٹھ بجے شروع ہوجائے گا ۔

مندرجہ بالا اعلان شنبہ ۔ ۵ مئی کو بمبے گزٹ بمبے میں بھی شائع ہوا ۔ اخبار مذکور اپنی اشاعت ہائے مورخہ ۹ مئی میں مذکور تماشے پر تبصرہ کرتا ہوا رقمطراز ہے :

" پارسی ڈرامیٹک کور کا چوتھا تماشا گذشتہ سنیچر کو گرانٹ روڈ تھیٹر میں دکھلایا گیا ۔ تماشہ کا نام شیاوکس (شیوکس) تھا ۔ مزاحیہ ڈرامے کا نام 'تیکھے خاں شمشیر بہادر' تھا ۔

" اداکاروں کی پوشاکیں کافی قیمتی تھیں ۔ نوجوان پارسیوں کی کوششیں قابل تعریف ہیں اور اُن سے ہندوستانی ڈرامہ کی ترقی اور خوش آیند مستقبل پر روشنی پڑتی ہے۔

" پہلا تماشا بہت خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا ۔ تماش بین مزاقیہ ڈرامہ سے بہت محظوظ ہوئے ۔ اس ڈرامہ میں نوجوان کی زندگی کا خاکہ اڑایا گیا تھا۔ یہ تماشا ہندوستانی زبان میں تھا اور تماشائی اُس سے بیحد لطف اندوز ہوئے ۔

' جمالی اور تیکھے خان ' کا قصہ ایسا نہیں ہے کہ بہ آسانی فراموش ہو سکے۔ ' دھنجی غرق ' کے بعد اس کی ہی مقبولیت کا نمبر آتا ہے ۔ جمال کا کیر کٹر اس طرح پیش کیا گیا کہ اُس سے اہل مشرق کی ہوشیاری ، بیوفائی اور دھوکہ بازی ثابت ہو اس مزاحیہ تماشہ میں یہ بھی دکھلایا گیا کہ ہندوستانی اپنے مالک کا کس قدر وفادار ہوتا ہے ۔ وہ دنیا میں سب کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن اپنے مالک کو نہیں ۔ وہ فطرتاً خاموش اور کم سخن ہوتا ہے ۔ وہ کافی غور و خوض کے بعد زندگی کے نقشے بناتا ہے ۔ وہ نواب کی ناگفتہ بہ حالت پر کبھی افسوس کرتا ہے اور اُس کی بد عقلی اور عشرت پرستی پر خوش ہوتا ہے ۔ جمال کا کردار اداکار نے بڑی خوبی سے ادا کیا

" افسوس صرف اس قدر ہے کہ تماشائی بہت کم تھے لیکن امید ہے کہ تھیٹریکل کور کی شہرت میں جس قدر اضافہ ہوگا اُسی قدر اُس کے کارناموں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا ۔"

بمبے ٹائمس مورخہ ۱۸ - مئی میں اعلان ہوا کہ پارسی ڈرامیٹک کور کا ایک اور ڈراما بروز شنبہ مورخہ ۳ مئی بوقت آٹھ بجے شب گرانٹ روڈ تھیٹر میں دکھلایا جائے گا ۔ تماشہ کا نام " شیاوکس " (شیوکس) حصہ دوم ہوگا تماشے کے ساتھ " حاجی میاں اور اُن کے ملازمین — فضل اور تیکھے خان " بھی پیش کیا جائے گا ۔ یہ مزاحیہ ڈراما بیحد کامیاب رہا ۔ بمبے ٹائمس اپنی اشاعت مورخہ ۲۴ - مئی میں نقل مذکورہ پر تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے :

" پارسی امیچور کا دوسرا تماشا گرانٹ روڈ تھیٹر میں بروز سنیچر دکھلایا گیا ۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ حاضرین کی تعداد کافی تھی ۔ تماشائی ہر دو نقلوں سے جو ڈرامے کے بعد دکھلائی گئیں بہت محظوظ ہوئے ۔ حاجی میاں کی نقل مسٹر جوائس کی ایک تصنیف سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے (۱) مزاحیہ ڈرامہ کا پلاٹ حسب ذیل ہے :

" چند پارسی گر گام (۲) کے ایک مکان میں داخل ہوتے ہیں ۔ ملازم اُن کو شراب پلا کر بیہوش کرتا اور اُن کی جیبیں خالی کر کے ایک بگھی میں

---

(1) Joyce, Haunts of Vice and Dens of Infamy in Bombay

(۲) بمبے کا ایک محلہ جس میں اب مرہٹے آباد ہیں ۔

لتا اور گاڑی بان سے کہتا ہے کہ آپسے اسپلینیڈ میدان میں پھینک کر اپنا ستہ لے ۔ دونوں پارسی رات بھر اسی میدان میں پڑے رہتے ہیں ۔ وہ لی الصباح اٹھتے اور اپنی جیبیں خالی پاکر ایک دوسرے کو چوری کا ملزم رار دیتے ہیں ۔ پہلا دوسرے پر الزام لگاتا ہے کہ اس نے اس کی جیب سے وپئے نکال لئے ۔ دوسرا اس پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے اس کی گھڑی نکال لی ۔ پہلا شخص یہ الزام سن کر گھبرا جاتا اور دوسرے کو تین سو روپے کا تمسک لکھ دیتا ہے ۔

" ہمیں یہ سنکر افسوس ہوا کہ منتظمین کور مقروض ہو گئے ہیں ۔ انہیں ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ صبر کریں اور اچھے وقت کے منتظر رہیں ۔ یقینی طور پر ان کی محنت کا صلہ ان کو ملے گا ۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کور کی مجلس منتظمہ نے ہز لارڈ شپ سے 'سرپرستی' کی درخواست کی ہے ۔ امید ہے کہ ہز لارڈ شپ مذکور کو شرف قبول بخشیں گے ۔"

تاریخ مذکورہ (سہ شنبہ ۔ ۲۳ مئی ۱۸۵۴ء) میں بمبے گزٹ اسی پر تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے :

" گزشتہ شب (بروز شنبہ) پارسی ڈرامیٹک کور کا پانچواں تماشا گرانٹ روڈ تھیٹر میں اسٹیج ہوا ۔ تماش بینوں کی تعداد اگرچہ قابل اطمینان نہیں تھی پھر بھی پہلے سے بہتر تھی ۔ تماشے کا نام شیادکس تھا جو شروع سے آخر تک بڑی خوبی سے دکھلایا گیا ۔ اس میں جو مناظر پیش کئے گئے وہ بڑی حد تک تاریخی تھے ۔ بعد میں دو مزاحیہ ڈرامے دکھلائے گئے جن کا تعلق مقامی واقعات سے تھا ۔

" یہاں یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان انہی سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو حقیقت سے قریب ہوں ۔ امثال خواہ زندہ انسانوں سے تعلق رکھتی ہوں یا تاریخی کرداروں سے ۔ دنیا میں شاذ و نادر ہی انسان غیر فطری چیزوں سے اظہار ہمدردی کرتا ہے مثلاً ایک ہاتھ سے البرز (پہاڑ) کو حرکت دینا یا برش کے بجائے کھجور کے تنے سے دانت صاف کرنا وغیرہ وغیرہ ۔ ہم غیر فطری باتوں سے اس وقت تک متاثر نہیں ہوسکتے جب تک کہ مافوق فطرت باتیں یک جنبش قلم رد نہ کردی جائیں ۔ شیکسپیر ٹھیک ہی کہتا ہے ۔

'فطرت سے مناسبت ہر شے کو انسان کے قریب کر دیتی ہے ۔'

اصل تماشے کے بعد "حاجی میاں" اور "فدوی فضل" کی نقلیں دکھلائی

گئیں اور سچ یہ ہے کہ بہت خوبی سے پیش کی گئیں۔ ان کا خلاصہ اس بیان کیا گیا ہے:

"ایک ضعیف العمر تاجر — حاجی میاں نام — جو تمباکو اور افیون کا ہے اور ہمیشہ روپیہ کمانے کی تجویزوں پر غور کرتا رہتا ہے۔ ایک اپنے ملازم فضل سے مشورہ کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسی ترکیب بتائے کہ روپئے سے دس روپے بن جائیں؟ فضل کی عقل اس قسم کی تجویز سوچنے معذور رہتی ہے۔ یہاں یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ حاجی میاں نے کچھ قبل ہی تین خوبصورت لڑکے خریدے تھے۔

"حاجی میاں اُن لڑکوں سے مشورہ کرتا ہے۔ لڑکے متعدد تجویزیں کرتے ہیں۔ ایک تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے اور اُس کو بروے کار لانے پروگرام مرتب کیا جاتا ہے۔ ایک دوکان کرایہ پر لی جاتی ہے۔ اُس افتتاح ہوتا ہے۔ فضل اُس کا نگراں مقرر کیا جاتا ہے۔

' ایک دن دو پارسی لڑکے دوکان میں داخل ہوتے ہیں، ملازم اُن کو شر میں داروئے بیہوشی ملا کر پلاتا ہے۔ اُن کی جیبیں خالی کی جاتی ہیں۔ اُن ایک بگھی میں بٹھلا کر اسپلینڈ میدان میں ڈلوا دیا جاتا ہے۔

"پھر ایک کانسٹبل ملاح کے لباس میں داخل ہوتا اور شراب پئے بغیر بیہوش ہو جاتا ہے۔ ملازمین اُس کی تلاشی لینے کے بعد اُس کو حسب معمو گڑھے میں پھکوا دیتے ہیں۔ ایک پولیس مین یہ دیکھکر غل مچانا چاہتا کہ فضل اُسے لے دے کر راضی کر لیتا ہے۔ ملاح اپنے اصلی لباس میں ظاہر ہوتا اور پولیس مین کو سچ بولنے پر مجبور کرتا ہے۔ فدوی فضل عدالت میں طلب کیا جاتا ہے جہاں وہ اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے۔ وہ توبہ کرتا معافی مانگتا اور دوکان بند کر دیتا ہے۔

"حاجی میاں اور فضل کے پارٹ کرنے والے اداکار قابل ستائش ہیں۔ دونوں بڑی روانی کے ساتھ ہندوستانی بولتے ہیں۔ ملاح کا پارٹ بڑی خوبی اور محنت سے کیا گیا۔ پارسی نوجوان شیواشا اور فیروز شاہ نے حاجی میاں کے خوبصورت ملازمین کے پارٹ بڑی خوبی سے ادا کئے۔

"اس کے بعد تیکھے خان کی نقل دکھلائی گئی۔ اس تماشے کے متعلق ہماری رائے پہلے ہی درج کی جا چکی ہے۔ ہمیں یہ سنکر خوشی ہوئی کہ

قدر دان حضرات کی سر پرستی میں ایک اور کامیاب تماشا جلد ھی پیش کیا جائے گا"۔

پارسی تھیٹریکل کمپنی نے موسم سرما کے آخری تماشے کا اعلان ۳۔ جون کو کیا :

"پارسی تھیٹریکل کمپنی کا قطعی آخری تماشا بروز شنبہ ۳ جون کو گرانٹ روڈ تھیٹر میں دکھلایا جائے گا"

کمپنی نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس کھیل کے سلسلہ میں ایک مشہور پروشین پروفیسر کی خدمات بھی حاصل کرلی گئی ھیں جو اپنے عجیب و غریب کرتبوں سے آپ کو محظوظ کریں گے۔ پروگرام حسب ذیل ہوگا۔

(۱) پروشین پروفیسر کے کمالات۔

(۲) "حاجی میاں" اور "فضل" کی نقلیں بزبان ھندوستانی۔

(۳) پروشین پروفیسر کے کمالات۔

(۴) کلال خانہ" کی نقل بزبان ھندوستانی۔

نقلیں اگرچہ پہلے بھی سٹیج کی جا چکی تھیں لیکن اس موقع پر انہوں نے دوآتشہ کا کام کیا۔"

ان تماشوں اور نقلوں کے بعد تھیٹر تین مہینے بند رہا۔ جب ستمبر میں دوبارہ کھلا تو مندرجہ ذیل اعلان اخبارات میں نظر سے گزرا۔

پارسی تھیٹر

موسم سرما کا افتتاحی کھیل

پہلی اور خاص شب

پارسی تھیٹریکل کمپنی کا نیا تماشا شنبہ ۱۹۔ ستمبر کو بزبان ھندوستانی گرانٹ روڈ تھیٹر میں دکھلایا جائے گا۔

پٹھان سرفراز اور کلو

پندرہ منٹ کی ایک مزاحیہ تمثیل بنام "الہ دین اور بانو زلیخا" بھی دکھلائی جائے گی۔

امید ہے کہ پبلک ان تماشوں کو پسند کرے گی اور جوق در جوق دیکھنے کے لئے آئے گی ۔ اس کے باوجود کہ تماشے پر بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا ہے لیکن داخلہ فیس بہت کم رکھی گئی ہے۔

باکس	۲—۸—۰
اسٹال	۱—۸—۰
گیلری	۱—۴—۰
پٹ	۱—۰—۰

جس دن یہ تماشا پیش کیا جانے والا تھا اسی دن بمبے گزٹ نے مندرجہ ذیل نوٹ اپنے اخبار میں شائع کیا۔

"پارسی ڈرامیٹک کور نے اپنا سرمائی پروگرام شروع کردیا ہے۔ کمپنی کا پہلا تماشا آج شب کو گرانٹ روڈ تھیٹر میں دکھلایا جائے گا۔ وہ نوجوان جو اس ڈرامے میں پیش پیش ہیں اور اپنی کوششوں کو قابل اعتنا سمجھتے ہیں ملتجی ہیں کہ پبلک ان سے اشتراک کرے۔ آج شب جو نقلیں ہندوستانی زبان میں دکھلائی جائیں گی وہ قابل تعریف، دلچسپ اور نصیحت آموز ہیں"۔

سی حرفیٔ معظم

افسر صدیقی

معانی و بیان کی کتابوں میں نظم کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سی حرفی نام کی کوئی قسم نہیں ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ کوئی مستقل صنف کلام نہیں ہے پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سی حرفی ایک قسم کی نظم ضرور ہے۔ سی حرفی کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر مصرع یا بیت یا بند بالترتیب حروف تہجی سے اس طرح شروع کیا جاتا ہے کہ اصل حرف کی آواز یا نام بھی اس کے ساتھ موجود رہے۔ مثلاً الف سے سی حرفی کی جس بیت یا مصرع کا آغاز ہوگا اس کے پہلے لفظ کا پہلا حرف "الف" ہوگا۔ اس نظم کا آغاز غالباً دسویں یا گیارھویں صدی ھجری میں ہوا جو بارھویں صدی میں بھی قائم رہا۔ اس کے بعد کے شعراء نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ سب سے پہلی سی حرفی شاید شاہ برہان الدین جانم کی ہے جو بقول بابائے اردو ۹۹۰ھ کے بعد فوت ہوئے (صوفیائے کرام کا کام ص ۵۶) اس سی حرفی کاایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں موجود ہے۔

اس سی حرفی کا نام فہرست مخطوطات میں ، گفتار شاہ برہان ، لکھا گیا ہے۔ شاہ برہان نے اپنی سی حرفی کو ترجیع بند کی صورت میں لکھا ہے۔ کل ۱۲ بند اور ۸۴ مصرعے ہیں، ہر بند کے آخر میں ایک مصرع

"پیا نکتہ پرگٹ آج بھیا"

کی تکرار ہے۔ خاص بات اس سی حرفی میں یہ ہے کہ الف آخری بند میں ہے ب سے ابتدا کی گئی ہے اور "لا" کو ایک حرف تصور کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بند لکھا جاتا ہے۔

ج- جیو میں میرے تو نئین بسے ۔۔۔ ح حاصل مرشد باج کسے
خ- خلوت میں توں آپ دسے ۔۔۔ پیا نکتہ پرگٹ آج بھیا

شاہ برہان الدین جانم کے صاحبزادے شاہ امین الدین اعلیٰ نے سی حرفی تصنیف کی یا نہیں اس کا پتا نہیں چل سکا البتہ ان کے ایک مرید و معتقد شاہ تراب نے تصنیف کی ہے ان کا غیر مطبوعہ کلیات انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں ہے۔ جس میں ایک سی حرفی بھی ہے۔ اس سی حرفی میں انہوں نے یہ التزام رکھا ہے کہ جس حرف سے کوئی بیت متعلق ہے اس میں زیادہ تر ایسے الفاظ جمع کئے ہیں جو اسی حرف سے بنے ہیں، الف اور بے میں الفاظ کا اجتماع دیکھئے۔

الف۔ اللہ آپ الہی اپروپ او انکار
اجر نرگن اروپ نرنجن انتہ کرن کرتار
ب۔ بصیری بصر بصارت باہر بہیتر دیکھ
بندہ بندگی بن سوں بوجھے باری تعالیٰ ایک

واو کے لئے کہتے ہیں:

واو وجود اور واجب تن واحد وحدت بوجو
ولی ولایت والی و اصل واقف کثرت بوجو

تراب نے اپنی سی حرفی میں ۲۸ حرف استعمال کئے ہیں اور آخری بیت میں اس کا اظہار بھی کردیا ہے:

تراب بیست و ہشت حرف کا بیان کیا ہے سارا
ہر یک بیت میں ہر یک مطلب رکھا ہیگا نیارا

تقریباً اسی دور کے دو اور بزرگ ہیں ان میں سے ایک کا نام شاہ کریم ہے دوسرے کا نام شاہ وجھن، دونوں بزرگوں کی سی حرفیاں شش مصراعی بند کی صورت میں ہیں یہ دونوں سی حرفیاں ایک مجموعے کی شکل میں ۱۲۶۲ھ میں کانپور سے شائع ہو چکی ہیں شاہ کریم کی سی حرفی متن میں ہے اور شاہ وجھن کی سی حرفی کو حاشیے میں لکھا گیا ہے۔ شاہ کریم کی سی حرفی کو مطبع کریمی کے مالک قاضی عبدالکریم بن قاضی نور محمد نے ۱۳۲۴ھ میں چار اور رسالوں کے ساتھ ”سراج الفقرا“ کے نام سے بھی چھاپا ہے۔ سراج الفقرا کے مرتب سید امام الدین احمد بن مولوی عبدالفتاح حسینی القادری گلشن آبادی ہیں جو برکات الاولیا کے جامع بھی ہیں۔ شاہ کریم کی سی حرفی کا نمونہ یہ ہے:

الف ایک ایسا رب پیارا — جن پھیلایا جگ سنسارا
کاف نون سے کیا ظہور — ایسا ہے صاحب بھر پور

کریم کہے تو کیا کہے کچھ بھی کہا نہ جائے
ملا رہے اور نا ملے ، تا سوں کہا بسائے

شاہ کریم نے یہ التزام رکھا ہے کہ بند کا پانچواں مصرع تبدیل نہیں کیا ۔ انہوں نے 'گ' اور 'لا' کو شامل کر کے پورے تیس حرف لے لئے ہیں اور آخر میں اس کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ کل اشعار تعداد میں نوے ہیں ۔

تیسوں حرف ہوئے کر بس		شعر ہوئے اسی اور دس
جو کوئی پڑھے سنے اے یار		حق بخشے در روز شمار

کریم کہے تو کیا کہے کچھ بھی کہا نہ جائے
تھوڑی بہت سی بندگی کر جو کچھ بن آئے

شاہ وجھن کی ڈگر بھی یہی ہے انہوں نے بھی ہر بند میں چھہ مصرعے لکھے ہیں اور پانچویں مصرعے میں اپنا تخلص برقرار رکھا ہے ۔ 'لا' کو وجھن نے بھی ایک حرف گردانا ہے اور اس طرح سی حرفی کے ۳۰ بند لکھے ہیں۔ پہلا بند یہ ہے ۔

الف ایک پورنگی سائیں		ہر گھٹ میں وا کی پر چھائیں
جہاں دیکھو وہاں روپ ہے نیارا		ایسا ہے پورنگی ہے پیارا

وجھن کہے تو کا کہے کچھ کہنے کی نہیں بات
سمندر سمایو بوند میں اچرج پڑو دکھات

اس سی حرفی کا آخری بند یہ ہے ۔

ی یاری ہر سے جو کرنا		یہی انچھر ہر دے بیچ دھرنا
نیت نیت جیہے ایسا		کوئی دن منصور ہوتا جیسا

وجھن انچھر ایسے کہے ہیں سادھن کے ہتیار
برھا کے میدان میں پت کے راکھن ھار

شاہ وجھن کی دیکھا دیکھی شاہ محمد غوث چشتی صابری نے بھی ایک سی حرفی لکھی ہے اس کے ۳۵ بند ہیں۔ وجھن کے ۳۰ حرفوں میں پ۔ ٹ۔ چ۔ ڈ چار حرف اور شامل کر کے ۳۴ حرفوں سے کام لیا ہے ، چار چار مصرعوں کے ۳۴ بند ان حروف کے ہیں اور پینتیسواں بند آخری ہے ۔ شاہ وجہن نے پہلے بند میں ایک قطرے میں سمندر کے سما جانے کا بیان کیا ہے بالکل یہی مثال

غوث کے پہلے بند میں ہے اور انھوں نے بے رنگ اور ہمہ رنگ کی بات بھی وجہن کے کلام سے اخذ کی ہے۔ شاہ غوث کہتے ہیں۔

الف احد رحمن پیارا جز کل تک بے رنگ ہے سارا
خلقت کہے ہے جس کو خالی بھرا ہے وہاں بے رنگی کھیالی
غوث جو دیکھے ذات کو کا ہے کہوں وہ بات
حیرت کو حیرت ہوئی بوند میں سمندر سمات

اس سی حرفی کا آخری بند یہ ہے۔

ایک سکھی میری ہمجولی دیکھ سی حرفی یوں اٹھ بولی
سنکر اسکو ہوئی دیوانی خوب کہی یہ امرت بانی
غوث نے وا سے یوں کہا سنو پیارے جان
جیسا آیا سوچ میں ویسا کیا بیان

اب تک جن سی حرفیوں کے نمونے دئے گئے ان میں ایک امر مشترک تھا یعنی ان کے مصرعوں اور دوھوں میں ہندی کے الفاظ کی بھرمار تھی۔ لیکن ایک سی حرفی ایسی ہے جو اس تخصیص سے باہر ہے، اس سی حرفی کے مصنف کا تخلص معظم ہے۔ معظم کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں

''معظم تخلص بیجاپور کے آخری دور کا شاعر ہے غالباً محمد معظم نام تھا۔ بیجاپور کے آخری فرمانروا سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ۔ ۱۰۹۲ھ) کے زمانے میں بقید حیات تھے۔ (فہرست سالار جنگ ۱۹۹) کہا جاتا ہے کہ وہ شاہ برہان الدین جانم کے خلف و جانشین شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے شاہ تراب کو بھی جن کی سی حرفی کا نمونہ درج کیا جا چکا ہے انھیں شاہ امین الدین سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اس نے اپنی تصنیف گنج مخفی میں اپنے پیر کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔''

مرے پیر یو سب راز کھولے امیں
حقیقت اونو کا یو بولے امیں

معظم کو قادر سے تلمذ تھا مثنوی مناظرہ عقل و عشق میں اس نسبت کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

عقل کہتی اٹھ معظم کم کر عشق کتا قادر سے مل آرام کر"
(تذکرہ مخطوطات جلد اول صفحہ ۲۶۵)

معلوم ہوتا ہے کہ معظم نے عرفان و سلوک کی منزل کامیابی کے ساتھ طے کی تھیں جس کا اظہار ان تصنیفات سے ہوتا ہے جو اس سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ نثر نگاری میں بھی کامل تھا اور نظم گوئی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔ معظم کی تصنیف سے جو کتابیں بتائی جاتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) شجرۃالاتقیا ۔ اس مثنوی کا ایک مخطوطہ سالار جنگ کے کتب خانے میں ہے (فہرست صفحہ ۲۳۹) یہ فہرست ہاشمی مرحوم نے مرتب کی ہے تعجب ہے کہ مرحوم نے دکن میں اردو میں عادل شاہی دور کے شعرا اور ان کی تصنیفات کی جو فہرست دی ہے اس کے نمبر ۲۹ پر شجرۃالاتقیا کو شاہ من عرف کی تصنیف شمار کیا ہے (صفحہ ۱۳۴) اور صفحہ ۲۱۲ پر اسے معظم کی تصنیف بتایا ہے۔

(۲) گنج مخفی ۔ یہ بھی مثنوی ہے اور اس کے چار مخطوطے کتب خانہ سالار جنگ میں ہیں۔ انجمن کے کتب خانہ خاص میں بھی اس کے کئی نسخے ہیں ان میں سے ایک نسخہ ، قلندری نامہ ، کے نام سے ہے۔ سالار جنگ کے چار نسخوں میں سے دوسرے نسخے کا نام ، جس کا نمبر (۱۳۲) ہے قوسین میں " آزاد نامہ گفتار معظم،، لکھا ہے۔ اس کا آغاز تو وہی ہے جو گنج مخفی کے دوسرے نسخوں کا ہے مگر اختتام سی حرفی کے اس شعر پر ہوتا ہے۔

ہے یقیں جب کیا معظم تب یو خطاب پابا
جیسا جس کا قال اچھکا ویسا اس کا مایا

اس شعر کی نقل میں غلطی کی گئی ہے پہلا حرف "ہے" نہیں "ے،، ہے جو حروف تہجی کا آخری حرف ہے اور اس سی حرفی میں آخری حرف "مایا" نہیں بلکہ "پایا" ہے۔

قیاس یہ ہے کہ گنج مخفی کے ساتھ ہی حرف نقل کی گئی ہے جـ ہاشمی مرحوم نے گنج مخفی کا جزو تصور کر لیا ہے۔

(۳) رسالہ وجودیہ۔ یہ بھی مثنوی ہے اور اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے (فہرست صفحہ ۲) ۔

(۴) وجود العارفین ۔ یہ کتاب نثر کی ہے ہاشمی صاحب کا بیان "اس رسالے میں چند مسائل تصوف ، وجود ، واجب الوجود وغیرہ کا تذکرہ ۔ ثبوت میں احادیث قرآنی آیات وغیرہ بھی بیان کئے گئے ہیں" (فہرست صفحہ ۲ لیکن وجود العارفین کو معظم کی تصنیف ماننا مشکل ہے۔ کتب خانہ خاص مـ وجود لعارفین کا جو مخطوطہ ہے اس کی لوح میں یہ عبارت تحریر ہے -

"این کتاب وجودالعارفین گفتار حضرت پیر دستگیرعلی ابن حضرت شاہ با حسینی ابن شاہ امین الدین علی - "

مخطوطہ مذکورہ میں وہ قطعہ مکمل موجود ہے جس میں اس کا نـ 'وجودالعارفین' بتایا گیا ہے (کاتب نے اس قطعہ کو رباعی لکھا ہے) اور اسـ قطعہ کا پہلا مصرع ہاشمی مرحوم نے نثر کے ایک جز کے طور پر وجودالعارفـ کی تشریح میں نقل کیا ہے پورا قطعہ یہ ہے جس میں علی کا تخلص بھی موجو ہے ۔

وجود العارفین ہے نانو اس کا　　وہی پاوے نصیب ہے خوب جس کا
جکوئی جو پیر کامل سوں پوریکھے　　علی اس کا متاع ہے نیں بھی کس کا

(۵) مناظرہ عقل و عشق ۔ اس مثنوی کا مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو مـ موجود ہے اور اس کا ذکر ڈاکٹر زور مرحوم نے تذکرہ مخطوطات ادارہ' ادبیاد اردو' جلد اول میں کیا ہے۔

(۶) انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں معظم کی ایـ مثنوی اور بھی ہے اس کا نام معراج نامہ ہے۔ معراج نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۸۰ ہے یہ سنہ مصنف نے خود ظاہر کیا ہے ۔

یو نامہ جم ن میں ہوا جب ختم　　ایگیارہ صدی کو اتھے بیست کم
رجب کی ستاویں یو نامہ تمام　　نبی پر ہزاراں درود و سلام

معظم کے معراج نامہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اس زمانے کے بعض دوسرے مثنوی گو شعرا کی طرح منظوم عنوانات ایک ہی بحر میں اور قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ لکھے ہیں جنہیں جمع کرنے سے غزل کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی

اول توحید کہتا ہوں سو اوس قادر کی قدرت کا
کہ مالک ہے دو عالم کا و رازق بحر اور بر کا
نبی کا نعت کرتا ہوں مبارک ذات کا تعریف
کہ او محبوب رب کا ہور او صاحب ہفت کشور کا
انا خاتون دوراں کا ثنا اور صفت کرتا ہوں
جگر گوشہ علی کا ہور جو کوئی پیارا ہے سرور کا
یونس معراج کے کہتے مشاطا ہو سنوارے سو
عجب سنگار باندھیا ہوں سو اوس کے زر و زیور کا
کئے حق سوں مقرب ہو جہاں قوسین سوں نزدیک
اَست کے باب کا حق سوں کئے ہیں عرض محشر کا
حضور سوں سوار رفرف کر کیا ہے حق وداع شہ کو
ملے ہیں جبرئیل آ کر کئے ہے امر وتر کا
اوتر جب آئے شہ گھر میں خیال خواب کا کرنے
بلال اوٹھہ بانگ دیتے ہیں ہوا ہے وقت فجر کا
جہو دی کوں ہوا لت سو جہاں پر سب تد روشن ہے
کرو گر یار کہتے ہیں نقل اوس یہجیا خر کا
الٰہی پاس سنگتا ہوں آمیں بولو محباں ہو
معظم عرض کرتا ہے پریشاں حال ابتر کا

یہ نمونہ اب سے تین سو برس پہلے کی اُردو کا ہے سی آردو میں معظم نے سی حرفی بھی نظم کی ہے جسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

سی حرفی

الف احد میں مخفی تہا سو شوقوں باہر آیا
حرف حرف میں روپ بدل کر میم کا گھنگٹ لایا
ب باندیا رشتہ روز اول سوں عشق محبت سارا
کل میں جنکوں حق نے کیا پیتم ...... پیارا

ت طالب جنکوں حق نے کیتا ان کا شوق پدارا
من عرف کر حق کوں پائے تو عاشق سارا
ث ثانی اس کے کوئی نہیں اب دیکھ وہی ہے رازق
رحم کرم ہے سب پر اس کا دو جگ کا ہے خالق
ج جمالت یو سب اس کا جو کچھ تجکوں دستا
اول آخر ظاہر باطن کیا خالی کیا بستا
ح حق کر سمجھو جو کچھ دیکھو مطلق واصل اوسکوں کہتے
واصل حق سوں قائم دائم حل (ھل) مل کربوں رہتے
خ خبر یوں اون سوں پاپا جنکوں پیر کہا ہے
پنج گنج تیرا پور خزانہ جن اوھات دیا ہے
د دلیل یو حق نے تجھ پر قائم حجت بھیجا
یاں اندھا سوواں اندھا روایت تحفہ لے جا
ذ ذکر میں اچھنا ہر دم ذکر فکر میں رہنا
شاھد مشاھد مل کر رہتے و اصل اونکوں کہنا
ر راضی رھنا حق پر اپنے صابر ھو کر شاکر
خبر شہ انسوں جانو نہیں تو ھوتا کافر
زینت تیری بندگی طاعت شرع محمد
فرض کیا حق نے تجھ پر بولے آپ محمد
س سلوک کی راہ دکھاتے انکوں کہتے سالک
چاروں رہ سوں چلکو آتے انکوں کہتے مالک
ش شہادت چاروں تن سوں چاروں بولو جے
پت کئی تومفت نہی رھی سر دے سر سوں بوجے
ص صبر پر ھونا جور و جفا پر تسلیم ھوکر دائم
عاشق صادق جنکوں کہتے احد الست پر قائم
ض ضرب تو دیتے رھنا نفس دندے کوں ھر دم
مجاھدے سوں کوشش کرنا تو کیا اس کا غم
ط طالب صادق ھونا تو توں مطلب پاوے
صادق کو ھی راحت کہتے کاذب کہو یا جائے
ظ ظلم توں اوسپر کہنا جس پر آیا حد
نفس امارو دشمن تیرا اوسکو کرنا رد

ع عنایت حق نے کیتا تجھ پر دین نبی کا
چاروں رو پر چل کر جانا جیوں ہے امر ولی کا
غ غزا پر قائم اچھنا دایم چڑ کر تازی
تج پر ہو کر قایم رہتے انکو کہتے غازی
ف فاقہ لینا تن پر اپنی دنیاں فنا میں اول
چالیس چالیس فاقے کرتے نبی ہمارے مرسل
ق قناعت پر خزانہ جنکوں حق نے دیتا
دو عالم نیں خاطر لیتا جنکوں مالک کیتا
ک کفر کا پردہ توڑو جنکوں دیکھو چاند پنم کا
اوسکے نین پر اوسکوں دیکھو کھول گھنگٹ میم کا
ل لطافت میرا اوسکا اور نہیں کوئی دسرا
تسرے اوسکے میانے کہتے مشاھدا تسرا
م مراتب عالی درجا اسکوں قرب مقام
لاھوت میانے ٹہانا کر کر واصل رہتے مدام
ن نورانی نور نبی کا کل شیں جس سوں بہار
پنجمی کیا ہے نور نبی کا توں دیکھ اوسکوں بچار
و ولایت جاری جس میں بولے شاہ ولایت
ھوا (ھو) حرص کوں دل سوں دھونا توتوں پاوے ہدایت
ہ ہدایت آپیں کیتا آپیں تقصیر لیتا
فعل مختاری تجھ پر تو توں حق کوں پہانا
لام الف مل یک ھوا ہے کیوں کر کھولا جاوے
قادر جسکوں کرم کرے تو راز رمز کوں پاوے
ی یقیں جب کیا معظم تب تو خطاب پایا
جیسا جس کا قال اچھیگا ویسا وسکا پایا
والسلام حق نے بھیجیا تو بھی بھیج مدام
حق کا پیارا ہے محمد بھیجو درود ہور سلام

انگریزی ادب کے آغاز پر ایک نظر

ڈاکٹر احسن فاروقی

اینگلو سیکسن ادب

۶۵۰ء – ۱۰۶۶ء

یورپ کے مختلف ممالک میں قومی ادب نشاۃ ثانیہ کے بعد ہی پھلے پھولے مگر ان کے بیج ہر ملک کی سر زمین پر عرصہ دراز سے موجود تھے اور ان کی جڑیں برابر پھیلتی رہیں۔ چنانچہ اینگلو سیکسن (Anglo Saxson) قوم (جو یہاں پانچویں صدی عیسوی میں آ کر آباد ہوئی تھی) کے ادب پاروں میں ہمیں اس مخصوص ادب کی جھلک دکھائی دیتی ہے جو ملکہ الزبتھ کے عہد میں اپنے عروج کمال پر پہنچا اور اپنی قومی انفرادیت کی بنا پر تمام یورپ کے ادب سے ممتاز نظر آیا۔ دریائے ایلب (Elbe) اور اوڈر (Odor) کے درمیان رہنے والی جرمانی قوم کے قبیلے ہن قوم کے شدائد سے پریشان ہوکر جزائر برطانیہ میں آ کر آباد ہو گئے اینگلوں (Angles) نے دریا نے ہمبر (Humber) کے شمال کے تمام حصہ پر جوٹوں (Jutes) نے کینٹ (Kent) کے صوبہ پر اور سیکسنوں نے باقی ملک پر قبضہ جمالیا۔ یہ سب لوگ کافر تھے مگر چھٹی صدی عیسوی کے اختتام تک سب نے عیسائیت قبول کرلی اور ان کے ادبی شاہکار جو ہم تک پہنچے ہیں وہ ساتویں صدی کے آخر میں وجود میں آئے۔ اس صدی تک انگلو سیکسن قوم سب سے زیادہ نمایاں ہو چکی تھی۔ اس کا خاص پیشہ زراعت تھا اور عیسائیت کے اثر سے اس نے اپنا ایک خاص سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی نظام بنالیا تھا۔ اس کے ادب پر عیسائیت کا اثر نمایاں ہے۔ اس ادب میں اس قوم کے زمانہ جاہلیت کے رسوم اور دیوتاؤں کے نام ملتے ہیں مگر یہ عیسائیت کے اثر سے بدل دئیے گئے ہیں، یہاں تک کہ اینگلو سیکسن ادب کو عیسائی ادب کہنا غلط نہ ہوگا۔

اس وقت ہمارے پاس اینگلو سیکسن ادب کا جو ذخیرہ ہے اس کو یکجا

کرنے والے لاطینی زبان کے وہ علماء تھے جو انگلستان میں عیسائیت کے پھیلنے کے بعد ظہور میں آئے ۔ ۵۹۷ء میں آگسٹائن (Augustine) نے روم سے آکر کینٹ میں کینٹر بری (Canterbury) کا گرجا قائم کیا ۔ تقریباً اسی زمانے میں نور تھمبریا (Northumbria) میں پادریوں نے تبلیغ کا کام شروع کیا ۔ ان دو مرکزوں سے عیسائیت پھیلتی ہوئی سیکسن لوگوں میں پہنچی۔ اول الذکر سے متعلق لاطینی عالم الڈھیم (Oldham) اور ثانی الذکر سے متعلق بیڈ (Bede) اور الکوئن (Alcuin) خاص طور پر نمایاں ہوئے ۔ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے لاطینی کو اپنے ادبی اور علمی مطالب کے ادا کرنے کا ذریعہ بنایا مگر اینگلو سیکسن کی جتنی تصانیف انہیں مل سکیں ان کو بھی جمع کیا ۔ انہوں نے جو چیزیں چھوڑی ہیں ان میں پہیلیاں ہیں نیز خاصی تعداد مختلف قسم کی نظموں کی ہے ۔ ان نظموں کو واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ ایک وہ جن پر کفر کا اثر اس قدر غالب ہے کہ جو بھی عیسائیت کے اثرات ان میں ملتے ہیں اُن کی بابت یہ رائے قائم کرنا پڑتی ہے کہ یہ عالموں کی جدت کا نتیجہ ہیں ۔ یہ نظمیں ادبی نقطۂ نظر سے زیادہ بلند ہیں ۔ دوسری قسم کی نظمیں وہ ہیں جو ادبی لحاظ سے کم درجے کی ہیں مگر عیسائیت کے رنگ میں تمام تر رنگی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اول الذکر نظمیں اس وقت کی تصانیف ہوں جب سیکسنوں نے عیسائیت قبول نہیں کی تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ عیسائیت قبول کرنے کے بعد بھی ان کے مصنفین پر اپنے اجداد کے مذہب کا گہرا اثر رہ گیا ہو جو ان نظموں کی تخئیلی خوبی میں اضافہ کرتا ہے ۔ غرض رجحانات کے اعتبار سے اینگلو سیکسن شاعری کو زیادہ تر غیر عیسائی اور تمام تر عیسائی ، دو قسموں میں الگ الگ کیا جا سکتا ہے ۔

غیر مذہبی شاعری

غیر عیسائی رجحانات کی فراوانی ہمیں تین طویل نظموں میں اور کئی مختصر نظموں میں ملتی ہے ۔ وڈسِتھ (Widsith) ڈی اور (Deor) اور بیوولف (Beowulf) اس وقت کی تصویریں پیش کرتی ہیں جبکہ کفر کا دور دورہ تھا ۔ ان میں جنگلی زندگی مہمات ، روایات اور رسوم کے بیانات ملتے ہیں۔ رومانیت اور جذبات غم کا رنگ ان پر طاری نظر آتا ہے ۔ ''وڈستھ'' یعنی بڑا

سیاح ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ بہت سے بادشاہوں سے ملتا ہے جو اس کو نوازتے ہیں اور جن کے حالات وہ رقم کرتا ہے، ان بادشاہوں میں اکثر تاریخی اہمیت رکھتے ہیں اور وہ بڑی حد تک روایتی ہیں، یہ نظم تاریخی معلومات میں اضافہ کرتی ہے اور ادبی لحاظ سے اس میں ایک خاص زور اور چمک ہے جو گہرا اثر کرتی ہے۔ "ڈی اور" ایک قسم کا مرثیہ ہے جس میں ایک غم زدہ شاعر اپنی بدقسمتی کا رونا روتا ہے کیوں کہ اس کے مربی نے اس کے مدمقابل کو اس پر ترجیح دے دی ہے، وہ ایسے بڑے لوگوں اور دیوتاؤں کو یاد کرتا ہے جو اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوچکے تھے۔ نظم کا غنائی اور جذباتی اثر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ان تینوں نظموں میں " بیوولف " سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس میں ہمیں ایک پوری سوسائٹی کی مکمل تصویر ملتی ہے۔ اس کا سین برطانیہ نہیں بلکہ سی لینڈ (Sealand) کا جزیرہ اور سویڈن (Sweden) کا جنوبی حصہ ہے۔ بیوولف گیٹ قوم کا بہادر ہے جو اپنے ساتھیوں کو لیکر ڈین (Dane) قوم کے بادشاہ ہروتھگار (Hrothgar) کی مدد کے لئے آتا ہے۔ ہروتھگار کے قلعہ پر ہر رات ایک اژدہا حملہ کرتا ہے اور بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو نگل جاتا ہے۔ اس اژدہے کا نام جو دیوزاد بھی ہے، گرینڈل (Grendal) ہے۔ بیوولف اسی کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کا ایک ہاتھ قلم کر دیتا ہے۔ گرینڈل اپنے غار میں غائب ہوجاتا ہے اور وہیں وہ مرجاتا ہے۔ بادشاہ کے قلعے میں بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد گرینڈل کی ماں انتقام لینے کے لئے قلعہ پر حملہ کرتی ہے۔ بیوولف اس کا پیچھا کرتا ہوا ایک جھیل میں غوطہ لگاتا ہے اور حملہ آور کے غار میں پہنچتا ہے جو جھیل کی تہ میں ہے۔ بیوولف شکست کھانے ہی والا ہوتا ہے کہ اسے ایک جادو کی تلوار دکھائی دیتی ہے جو دیوار پر اٹکی ہوئی ہے۔ اس تلوار کو وہ گرینڈل کی ماں کے جسم میں اتار دیتا ہے اور وہ مرجاتی ہے۔ ڈین (Dane) قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیوولف کا خاتمہ ہو گیا مگر وہ گرینڈل کا سر لئے ہوئے نمودار ہوتا ہے اور اس طرح ایک بار پھر قلعہ میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ بیوولف گیٹوں (Gates) کا بادشاہ ہوجاتا ہے اور چالیس برس تک حکومت کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک خزانے سے، جس کا محافظ ایک اژدہا ہے کچھ جواہرات غائب ہوجاتے ہیں۔ وہ اژدہا بیوولف کی حکومت میں بربادی

بھلانے آتا ہے اور اپنی شعلہ فشاں سانس سے ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔ بیوولف ں اژدہے کو مار ڈالتا ہے مگر اس کے زہریلے دانت سے لگا ہوا زخم بیوولف کی لاکت کا باعث ہوتا ہے۔ بیوولف ایک بڑے بہادر کی طرح مرجاتا ہے۔ اس رعایا اس کی بہادری کی مدح کرتی ہے اور اس خزانے کو اپنے تصرف میں لے ن ہے کہ جس کا محافظ مذکورہ اژدہا تھا۔ نظم کی ادبی خوبی اس کے بیانات یں ہے۔ اژدہوں اور ان کے رہنے کے مقامات کی منظر کشی نہایت گہرے وف کے تاثرات پیدا کرتی ہے۔ سب سے زیادہ مشہور حصہ اس نظم کا وہ یان ہے جس میں گرینڈل کی ماں کے رہنے کے مقام کو پیش کیا گیا ہے۔ غم جذبہ پوری نظم پر طاری نظر آتا ہے۔ جنگ کے حالات، فتح کے مواقع، یرو کے کردار وغیرہ کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی اور انسانی شکوہ کی ناپائداری ا بار بار ذکر ہے۔ پوری نظم کی فضا حزن و ملال سے تاریک ہے اور کہیں ر بھی امید کی کوئی کرن نہیں دکھائی دیتی۔ عیسائی پسپائیت، غمزدہ خانقاہوں اور مقبروں کا سا عالم اس نظم کی روح رواں ہے۔ اسی وجہ سے اسے علا ترین ادب میں جگہ نہیں دی جا سکتی۔

جذبۂ غم و اندوہ مختصر غنائی نظموں پر بھی طاری نظر آتا ہے۔ تمام تر نظمیں کسی غمزدہ شاعر کی شکایات معلوم ہوتی ہیں۔ ایک نظم ایک ایسے شہر کے آثار پر ہے جو اب برباد ہو چکا ہے مگر پہلے نہایت شاندار تھا۔ ایک نظم "لوورز میسج" (Lower's Message) کچھ زیادہ غمزدہ نہیں ہے حالاں کہ اس کا موضوع محبت ہے۔ ایک اور نظم "وائفز کمپلینٹ" (Wife's Complaint) ایک عورت کے غمزدہ تصورات سے بھری ہوئی ہے جو اپنے محبوب کے خواب دیکھ رہی ہے۔ ایک اور نظم "وانڈرر" (Wanderer) میں ایک جوان رئیس زادہ اپنے ایک دوست لارڈ کے مرنے کے بعد ترک وطن کرتا ہے اور روتا جاتا ہے۔ غنائی نظموں میں سب سے بہتر "دی سی فیرر" (Seafarer) ہے۔ اس نظم کے معنے آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے اور اس لئے اس کو مختلف مطالب دینے کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں۔ اس کی تعمیر بھی بہت ہی غلط ہے مگر اس کی ابتدا بڑی زور دار ہے اور سمندری زندگی کی تصویریں سردی، کہرے، ہواؤں اور خطروں وغیرہ کے بیانات بہت ہی موثر ہیں۔ بعض جگہ واقعیت بعض جگہ تمثیلیت اور بعض جگہ جذباتیت کا اثر گہرا ہو جاتا ہے۔ سمندر سے محبت انگریزی قوم کا ایک مخصوص جذبہ ہے اور اس نظم میں پہلی دفعہ دکھائی دیتا ہے۔

علاوہ ان مختصر نظموں کے دو اور زور دار نظمیں بھی ہیں جن میں جنگ کے حالات بیان کئے گئے ہیں ، یہ نظمیں بھی زمانۂ کفر کی یاد تازہ کرتی ہیں ۔ پہلی نظم '' برونانبرا '' (Brunanbura) اسی نام کے شہر کی فتح پر ایک '' اوڈ '' ہے ۔ اس میں سیکسن اور اسکاٹ لوگوں کی جنگ کی طرف اشارے ہیں ، اول الذکر کی تعریف اور ثانی الذکر کی مذمت کی گئی ہے ۔ مدح اور طنز کے کئی حصے بڑے پر اثر ہیں ۔ اس نظم کو واقعات اور حالات سے چنداں تعلق نہیں، محض جوش و خروش اور کچھ روائتی معاملات پر مشتمل ہے ۔ برخلاف اس کے دوسری نظم ''بیٹل آف مالڈن'' (Battle of Maldon) بالکل تاریخی ایپک ہے جس میں سیکسن سردار براتھنوتھ (Byrhthnoth) کی نارتھمن لوگوں سے جنگ بیان کی گئی ہے ۔ اس کو سیکسنوں کی قومی ایپک کہنا بجا ہوگا ۔ براتھنوتھ ایک ہیرو ہے جو جنگ سے خوش ہوتا ہے اور جو مرتے وقت ہنستا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اسے جی بھر کر لڑنے کا موقع ملا ۔ اس کے ساتھی بھی بڑے جوش سے جنگ میں حصہ لیتے ہیں ۔ یہ نظم ہر اعتبار سے ایپک شاعری کی عظمت تک پہنچ جاتی ہے ۔ اس میں فوق الفطرت حالات کا کہیں ذکر نہیں اور ہر بات تاریخی اور واقعی ہے ، اخلاقی قدروں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ، ہئیت قریب قریب کلاسیکی صفائی تک پہنچ جاتی ہے اور طرز اور ترنم کا زور بڑے اعلیٰ درجہ پر نظر آتا ہے ۔ اگرچہ اس نظم کا ایک ٹکڑا ہی ہم تک پہنچا ہے مگر یہی اس کو اینگلو سیکسن ادب میں سب سے اہم درجہ پر فائز کرنے کے لئے کافی ہے ۔

مذہبی شاعری

مذہبی نظموں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ یہ ادبی لحاظ سے بہت کمزور ہیں مگر مذہبی اور اخلاقی نکات و مسائل سے لبریز ہیں ۔ ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ اول وہ نظمیں جو موسیقار کیڈمین (Cadmion) سے منسوب ہیں ۔ اسٹریولشالا کی خانقاہ میں ایک آدمی رہتا تھا جو بڑا نیک بخت تھا مگر اسے موسیقی کی مجالس سے نفرت تھی ۔ ایک رات اس نے خواب میں حضرت عیسیٰ کو دیکھا جنہوں نے فرمایا ''گاؤ ! کیڈمین کچھ گیت میرے لئے گاؤ''۔ صبح کو جب وہ اٹھا تو شاعری اور موسیقی کی قوتیں اس کے اندر نمایاں ہوئیں، پادریوں نے اس کا امتحان یوں لیا کہ مقدس انجیل کے کچھ حصے اسے ترجمہ کر کے سنائے اور اس نے ان کو نظم کردیا ۔ اس کے بعد سے اس

کا بھی کام ہوگیا کہ انجیل کے واقعات کو نظم کرے چنانچہ اسکی نظمیں روز الست سے لے کر روز قیامت تک کے تمام اہم واقعات کو پیش کرتی ہیں ۔ یہ نظمیں انجیل کے واقعات اور خیالات کو عوام تک پہنچانے کا بہت ہی اچھا ذریعہ ثابت ہوئیں ۔ ادبی لحاظ سے ان میں تمام وہ محاسن ملتے ہیں جو اینگلو سیکسن شاعری سے مخصوص ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کے واقعات برطانیہ کی سر زمین پر گزرے تھے اور برطانیہ کے قدرتی مناظر تمام نظموں کا پس منظر ہیں ۔ نظموں کا طرز اکثر بھونڈا ہے مگر اس میں ایک شاعری کا شکوہ اور عظمت بھی نمایاں ہے ۔ انجیل کے سادہ اور پر اثر طرز کے مقابلے میں یہ نظمیں بناوٹی نظر آتی ہیں ۔ بلا ضرورت الفاظ اور ایک غلط قسم کا شکوہ ان نظموں کو بھاری بنا دیتا ہے مگر پھر بھی اس بھوھڑپن کے پیچھے ایک واقعیت اور ایک سچا جذبہ پنہاں ہے جو ان نظموں کو دائمی طور پر دلچسپ بناتا ہے ۔

دوسری وہ نظمیں ہیں جو مذہب اور اخلاق کا ایک خاص رجحان پیش کرتی ہیں ۔ ان میں سے دو خالص مذہبی ہیں ۔ جوڈیتھ (Judith) انجیل کی کتاب ''اپوکریفا'' (Apocrypha) پر مبنی ہے اور جوڈیتھ کا کردار اس میں اینگلو سیکسن رنگ میں رنگا ہوا دکھائی دیتا ہے طرز کافی پر از آورد ہے مگر ہیروئن کا روحانی کردار بڑا موثر ہے۔ فال آف دی اینجلز (Fall of the Angels) انجیل کی کتاب ''جینسس'' پر مبنی ہے اور اس میں شیطان اور حوا اور آدم کے کردار بہت زور دار ہیں۔ کچھ عالموں کی رائے ہے کہ ملٹن نے یہ نظم پڑھی تھی اور اس کا اثر '' پیراڈائزلاسٹ'' میں موجود ہے مگر فن کے لحاظ سے یہ نظم بہت کمزور ہے ۔ واقعات کی بلا ضرورت تکرار الفاظ کی خواہ مخواہ بھرتی اور اسی قسم کے دوسرے نقائص اس نظم کو اونچے درجے پر فائز کرانے سے مانع آتے ہیں ۔ پھر تین تمثیلی نظمیں ہیں ''ڈریم آف دی روڈ'' (Dream of the Road) شاعر کا ایک تمثیلی خواب پیش کرتی ہے جس میں مقدس صلیب خاص اشارے کے طور پر نمایاں ہوتی ہے ۔ ''بسٹریری'' (Bestrary) میں ایک تیندوے نے ایک وھیل اور ایک پھدکی کے ذریعہ درس اخلاق دیا گیا ہے ۔ فونکس (Phoenex) میں ہما اور جنت کے نقوش ابھارے گئے ہیں ۔ یہ نظم فن کے لحاظ سے بھی کمال پر پہنچتی ہے ۔ آخری پانچ خالص اخلاقی نظمیں ہیں جو یہ ہیں :۔ ''گفٹس آف

من " (Gifts of men) "ویر ڈس آف من" (Weirds of man) "
انسٹر کشنز آف اے فادر ٹو ھز سن " en Instructions of a
father to his son) " ڈائلاگز بٹوین سولومن اینڈ سیٹرن" ialogues
between Soloman and Saturn) "ڈسکوری آف دی سول ٹو اٹس باڈ:
(Diacovery of the Soul to its body) ان سب میں عیسائی اخ
کی وضاحت کی گئی ہے - روح ، جسم ، موت ، ترک دنیا وغیرہ پر زور -
بے ثباتی دنیا اور غم و اندوہ کے ذکر سے ایک تاریک فضا قائم کی گئی ہے
جدید دور کے قاری کے لئے تکلیف دہ ہے - طرز اور ترنم سے پھوہڑپن نمایاں
مگر اکثر حصے پر اثر بھی ہیں - ان تمام نظموں کا مقصد مذھب کی تبلیغ -
ادب کو اس مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے -

مذھبی اینگلو سیکسن شاعری سے وابستہ ایک فرد بھی ابھرتا ہے جس کا
"چائن وولف" (Cynwulf) ہے اور جس کا کلام ایک انفرادی نوعیت رک
ہے - چائن وولف کی بابت اب بھی اتفاق رائے نہیں ہے مگر زیادہ تر نتائج ھ
یہاں تک پہنچاتے ھیں کہ وہ آٹھویں صدی کے وسط میں لینڈ س ف
(Landsforongh) کا بشپ تھا اور چار نظمیں "کرائسٹ" (Christ
"سینٹ سسیلیہ" (St. Cecelia) "سینٹ ھیلن" (St. Helen) "فیٹ آف
اپوسلز" (Feet of the Apostles) اس کی تصانیف ھیں - چار اور نظ
جو سینٹوں کی زندگی کے حالات پر ھیں چائن وولف کے ساتھ بہت شکوک کے س
منسوب کی جاتی ھیں اور زیادہ تر رائیں یہ ھیں کہ ان میں سے سب ا
الگ لوگوں کی تصانیف ھیں "سینٹ جولیانا" (St. Juliana) ' سینٹ ھیلن
(St. Helen) "سینٹ اینڈریا" (St. Andrea) غیر ممالک کی پاک عورت
کی سوانح ھیں - "سینٹ گتھ لاک" (St. Guthloc) قومی سینٹ کی زند
پیش کرتی ہے - سب نظمیں واقعات اور معجزات سے بھری ہوئی ھیں اور
میں کافی قصہ پن ہے - زبان نہایت درجہ رنگین ہے اور عروض بے ڈھنگا ـ
تمام حالات عیسائی خانقاھیت، ترک دنیا ، اندوہ دوام اور اسی قسم
ہسپائیت کا درس بہم پہنچاتے ھیں -

پہیلیاں

اینگلو سیکسن ادب کی نمایاں صنف پہیلیاں ھیں جن کو نظم و نثر
درمیان میں رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے - یہ پہیلیاں عجیب چیز ھیں

اکثر محض جملے ہیں ۔ اکثر پورے پورے بیان ہیں اور اکثر مکمل نظمیں ہیں ۔ ہر قسم کے جانور، اجسام فلکی ، فنون ، ہتھیار ، باجے ، کپڑے اور دیگر روز مرہ کے استعمال کی چیزیں ، غرض دنیا کی ہر چیز ان کا موضوع ہے ۔ کچھ پہیلیاں اور غنائی نظمیں ہیں۔ جیسے ''آندھی یا ہوا کی پہیلی''۔ جس میں پہلے آندھی کو خدا کے حکم سے بندھا ہوا دکھایا گیا ہے پھر آزاد ہو کر سمندر کے پانی کو متھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے ۔ یہ نظم جدید قاری کے ذہن میں شیلے کی ''اوڈ ٹو دی وسٹ ونڈ'' کی یاد دلاتی ہے۔ ایک حد تک یہ پہیلیاں تمام اینگلو سیکسن ادب سے زیادہ دلچسپ اور زور دار ہیں ۔

نثر

اینگلو سیکسن ادب میں نثر بھی کافی اہمیت رکھتی ہے ۔ گرجے کے عالموں نے لاطینی میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ مگر کچھ عرصے بعد لاطینی ادب کو قومی زبان میں ترجمہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی ۔ اس سلسلے میں بادشاہ الفریڈ اعظم (Alfred) کی ہستی بہت اہم ہے ، اپنے کو ملک کو سب سے زیادہ طاقت ور بنانے کے بعد اس نے اپنی قوم کے کلچر کی طرف توجہ کی ۔ اپنے دربار میں ہر طرح کے عالموں کو جمع کیا لاطینی زبان سیکھی اور خود ترجمے کے کام میں مصروف ہو گیا اس نے اوروسیس کی ''یونیورسل ہسٹری'' (Orosius Universal: History) کا ترجمہ کیا ۔ بیڈ کی اکلا سیسٹیکل ہسٹری آف اینگلز گریگوری پاسٹورل رول (Bede: Ecclesiastical History of Angles Gregory Pastoral Roll) اور بوتھیس (Beotheous) کی کنسولیشن (Consolation) کا ترجمہ اس کے حکم سے کیا گیا اور اس نے خود بھی ہاتھ بٹایا۔ اس کی نثر قومی ادب میں ایک مخصوص حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا رنگ کبھی کبھی بناوٹی ہو جاتا ہے مگر زیادہ تر اس میں ہمیں وہ سادہ اور قدرتی زبان ایک مخصوص ترتیب کے تحت ملتی ہے جو نثر کی ہر جگہ اور ہر دور میں نارمل زبان ہوتی ہے۔ ۹۰۱ء میں الفریڈ کے دور کے خاتمے کے ساتھ ادب کی ترقی بھی رک گئی ۔

خانقاہوں کی اصلاح کا دور آیا اور ''سینٹ بینی ڈکٹ'' (St. Benedict) کے احکام کا دور دورہ ہوا ۔ مذہب کو عوام تک پہنچانے کے لئے نثر کو ذریعہ بنایا گیا ۔ اس سلسلے میں دو نثر نگار نمایاں ہوئے جن کی نثر شاہ الفریڈ کی نثر سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہے ''الفرک'' (Elfric) کی تصنیف ''ہوملیز''

(Homilies) کی نثر شاعرانہ عناصر رکھتی ہے مگر اس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی پادری عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے لکھ رہا ہے۔ صفائی، حسن، آہنگ اور کفایت اس نثر کی خاص صفات ہیں۔ الفرک کے ہم عصر ''ولف سٹان'' (Wulfstan) کی نثر بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اگرچہ وہ الفرک کی نثر کی خوبی تک نہیں پہنچتی۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد انگلو سکسن قوم نارمنوں کی غلامی میں آگئی اور کلچر میں ایک انقلاب آیا اور ادب کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

نارمن حکومت کے اثرات

۱۰۶۶ء تا ۱۳۵۰ء

برطانیہ پر نارمن (Norman) حکومت نے ادب کا رخ بڑی حد تک بدل دیا۔ محکوم قوم کی حیثیت سے یہاں کے رہنے والوں نے فرانسیسی زبان اور فرانسیسی ادب میں اسی طرح دلچسپی لی جیسی کہ ہم لوگوں نے انگریزی حکومت کے تحت انگریزی زبان اور انگریزی ادب میں لی ہے۔ نارمن اقتدار ۱۰۶۶ء میں قائم ہوا۔ یہ لوگ فرانس کے صوبہ نارمنڈی (Normandy) سے آئے تھے اور ان کا قانون، نظام سلطنت اور کلچر فرانسیسی تھا۔ ان کے ساتھ فرانسیسی ادیب بھی آئے اور بعد میں بھی آ کر بستے رہے۔ فرانسیسی زبان اور ادب ہی کو سب کچھ سمجھا جانے لگا اور ملک کے رہنے والوں نے بھی مادری زبان کو چھوڑ کر حکمرانوں کی زبان کی طرف توجہ کی۔ قریب ایک صدی تک اینگلو سکسن ادب بالکل پس پشت پڑا رہا اور اینگلو نارمن ادب نے ترقی کر کے ایک مخصوص صورت اختیار کرلی۔ اس ادب کے بہت سے مصنفین کے نام اور متعدد تصانیف موجود ہیں، مگر ان کی خالص ادبی اہمیت قریب قریب کچھ نہیں۔ تاہم تقریباً تین سو برس کے اس دور کا مطالعہ، انگریزی ادب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس طویل عرصے میں فرانسیسی اثرات انگریزی کلچر پر اس حد تک حاوی ہوتے رہے کہ انگریزوں کی زبان اور ادبی نصب العین بالکل بدل گئے یہاں تک کہ پرانا فرانسیسی ادب بھی انگریزی قومی ادب کے سلسلہ میں اتنا ہی اہم ہوگیا جتنا کہ اینگلو سکسن ادب، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انگریزی ادب کی تعمیر میں اور اس کو ایک انفرادی صورت دینے میں فرانسیسی ادب اینگلو سکسن ادب سے کہیں زیادہ اہم ہوگیا۔ لہذا اس دور کے مطالعہ سے ہمیں یہ اندازہ لگانا ہے کہ فرانسیسی

اثر سے اینگلو سکسن زبان اور ادب میں وہ کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں جنھوں نے نارمن حکومت کے خاتمے کے بعد ایک نئے قومی ادب کو جنم دیا۔

پہلے تو زبان کے مزاج میں وہ اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں جو آجکل کی انگریزی کی مخصوص صفات ہیں۔ فرانسیسی تصانیف کے اینگلو سکسن میں ترجمے کئے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام زبان ایک ادبی زبان میں بدلی جس میں بہت سے عام لفظ کم کردئے گئے اور فرانسیسی لفظ شامل کئے گئے چنانچہ جدید انگریزی میں فرانسیسی الفاظ اینگلو سکسن الفاظ سے کہیں زیادہ ہیں۔ اینگلو سکسن الفاظ کے تلفظ میں بھی فرق آتا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے الفاظ مختصر صورت اختیار کرتے گئے اور آج انگریزی میں ایک ٹکڑے والے لفظ (Syllable) بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اینگلو سکسن زبان میں الفاظ کے حروف قواعد کے مطابق کم و بیش کر لئے جاتے تھے۔ مگر فرانسیسی کے اثر سے یہ قاعدہ بالکل ختم ہوگیا اور اب انگریزی زبان میں تصریف اس قدر کم ہے کہ گردان کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح اینگلو سکسن کے قواعد میں بڑی بڑی تبدیلیاں آگئیں۔ صرف ونحو، جملوں کی ساخت، الفاظ کی ترتیب میں وہ صورتیں پیدا ہوگئیں، جو جدید انگریزی قواعد میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اسی طرح اینگلو سکسن ادب کے بیان اور عروض میں بھی بڑی تبدیلیاں واقع ہوگئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب کی بابت نصب العین ہی بدل گیا۔ اینگلو سکسن زبان میں تصریف کی بے حد گنجائش اور مرکب الفاظ بنالینے کی بے انتہا آسانی ہے اور اس کا شاعری پر یہ اثر پڑا کہ معترضہ الفاظ اور فقرے اس کثرت سے استعمال ہونے لگے کہ مطالب میں ابہام پیدا ہوگیا یا مرکب الفاظ محض رنگ جمانے کے لئے اتنے زیادہ بنائے گئے کہ تکلیف دہ بناوٹ نمایاں ہوئی۔ اس طرح اینگلو سکسن شاعری ''رنگوں'' کا یا ''معنے بوجھنے'' کا کھیل ہوگئی۔ عروض میں محض ایک خاص طرز ہر نظم میں یکسانیت کے ساتھ اختیار کی گئی اور اس پر عمل ہوتا رہا۔ برخلاف اس کے فرانسیسی زبان کی ساخت ایسی تھی کہ صفائی اور سادگی اس کے بیان کی اہم صفات تھیں اور اس کے عروض میں اوزان کے حساب سے مصرعوں کی لمبائی میں فرق کرنے کی گنجائش تھی۔ غرض فرانسیسی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اینگلو سکسن شاعری بجائے محض رنگین اور محض بناوٹی ہونے کے زیادہ قدرتی اور زیادہ صاف اور

زیادہ معنی خیز اور زیادہ زور دار ہونے لگی۔ انگریزی شاعری کا مطمح نظر اسی قسم کی شاعری ہوگیا، جس کو حالی نے نیچرل شاعری کہا ہے۔

یہ تمام تبدیلیاں تین صدیوں میں وقوع پذیر ہوئیں۔ شروع شروع میں نارمن حکمران اپنی زبان الگ بولتے رہے اور محکوم عوام اپنی بولی میں مگن رہے۔ فرانسیسی زبان دربار، مدارس، کچہریوں اور دفاتر کی زبان ہوئی۔ گرجوں اور سائنس کی زبان لاطینی رہی مگر فرانسیسی کا دخل ان دائروں میں بھی کہیں کہیں نظر آیا۔ نارمن زمیندار اور شہری فرانسیسی ہی استعمال کرتے رہے۔ ملکی لوگوں کو حکومت سے تعلقات میں فرانسیسی ہی استعمال کرنا پڑی۔ مگر جب ۱۲۰۴ء میں نارمنوں کے قبضہ سے نارمنڈی نکل گئی اور وہ محض برطانیہ کے مالک رہ گئے تو انہیں برطانیہ کی زبان کی طرف توجہ دینا پڑی۔ اب حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوا اور نارمنوں نے سکسنوں کی زبان سیکھنی شروع کی۔ دونوں قومیں قریب تر ہوتی گئیں اور فرانسیسی زبان کے محاسن سکسن زبان میں سرایت کرتے گئے۔ تیرھویں میں ان تبدیلیوں کی رفتار تیز ہوگئی۔ چودھویں صدی شروع ہوتے ہوتے نارمن فرانسیسی کو ترک کر چکے تھے اور سکسن زبان میں اس حد تک تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں کہ برطانیہ میں جو زبان بولی جاتی تھی اسے انگریزی کہا جا سکتا تھا۔ یہ زبان کچھ ہی عرصے میں اسکولوں، کچہریوں اور پارلیمنٹ کی زبان ہوگئی۔

بارھویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی ایک نیا ادب ظہور میں آیا، جو پرانے اینگلو سکسن ادب سے بہت مختلف تھا اور فرانسیسی ادب سے متاثر تھا۔ اس ادب کو انگریزی ادب کی ایک حد تک ابتدا کہا جا سکتا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ مذہبی ہے۔ پند و نصائح، نظم و نثر میں وعظ، انجیل کے مختلف حصوں کے ترجمے، درس اخلاق، سینٹوں کی سوانح اور دعائیں وغیرہ ہی اس ادب میں فراوانی سے نظر آتی ہیں۔ اس تمام مذہبی ادب کا مواد لاطینی یا فرانسیسی تصانیف سے لیا گیا ہے مگر اس کے طرز میں جو بات پیدا ہوگئی ہے وہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اور اس کا اندازہ لگانے کے لئے کچھ اہم تصانیف کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ دو نظمیں "پوئما موریل" (Poema Morale) اور "ارمولم" (Armulem) خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں۔ پہلی ایک قسم کا وعظ ہے جس میں عیسائیوں کو گناہ کی زندگی ترک کرکے نیکی کی زندگی کی طرف آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انفرادی اعتماد پر

خاص زور دیا گیا ہے۔ اس نظم کی طرز اور عروض بالکل نیا اور پر اثر ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے جملے ملتے ہیں۔ پرانی تراکیب اور فقروں کی جگہ سادہ اور صاف زبان نظر آتی ہے۔ اس نظم میں سات اوزان کے چار سو مصرعے ہیں اور اوزان کی ترتیب ''ایمبک' (Iambic) ہے۔ یہ بحر بعد میں ان نظموں کے لئے مخصوص ہوگئی جن کو بیلڈ کہا جاتا ہے۔ قافیوں کا التزام بھی ''کوپلٹ'' (Couplet) میں ہے۔ دوسری نظم انجیل کے چالیس ٹکڑوں کا ترجمہ ہے۔ اس کا طرز اور عروض بھی جدید ہے۔ بحر یں پہلی نظم کی ہیں مگر قافیہ مفقود ہے چنانچہ اس کو انگریزی میں بلینک ورس کی پہلی مثال کہا جا سکتا ہے۔ دعاؤں میں ''لو رون'' (Love Roan) سب سے زیادہ نمایاں ہے جس میں پہلی دفعہ انگریزی شاعری کے لئے فرانسیسی شاعر ''ویلون'' (Villon) کے زیر اثر ایک خوشنما بند یا اسٹنزا استعمال کیا گیا ہے۔ نثر کی سب سے اہم تصنیف ''انکرن ریول'' (Incron Rival) ہے۔ اس میں ترک دنیا کے اصول بتائے گئے ہیں اور زبان میں ایک نئی لطافت نمایاں ہے۔ سینٹوں کی زندگی کے حالات ''لائف آف سینٹ برانڈن'' (Life of St. Brandon) اور ''لائف آف سینٹ ڈنسٹن'' (Life of St. Dinstun) سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ان میں ایک نئی شاعری نظر آتی ہے جو سادہ، ہلکی اور تیز رفتار ہے۔ کہانیوں کی کتابوں میں ''ہیڈلنگ سن'' (Hedlungson) ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ، قوت قصہ گوئی کی اچھی مثال ہے۔ ''کر۔رمنڈی'' (Curcermandy) انجیل کے قصوں کا مجموعہ ہے جو تیز رفتار مصرعوں میں نظم کیا گیا ہے۔ افراد میں ''ریچارڈ رول آف ہیمپول'' (Richard Rolle of Hampole) سب سے زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس کی نظم و نثر اس کے سچے تر اور گہرے مذہبی جذبات کو بڑی خوبی سے پیش کرتی ہیں۔

نئی زبان اور نئے طرز میں مذہبی ادب کے علاوہ ایک ذخیرہ لادینی ادب کا بھی نظر آتا ہے۔ یہ تمام تر تیرھویں صدی سے تعلق رکھتا ہے اور فرانسیسی رومانی نظموں کا ترجمہ ہے۔ اس سلسلے میں ''لایامون'' (Layamon) نامی ایک پادری کے ترجمے سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ منظوم تاریخیں بھی ہیں جن میں انگلستان اور 'اسکینڈی نیویا' (Scandinavia) کی تاریخیں بیان ہوئی ہیں جو بڑی دلچسپ ہیں۔ ''ہیولاک'' (Havelock) اور ''ہارن'' (Horn) کی رومانی داستانوں میں قصہ گوئی کی جدت اور طرز کی ندرت لطیف جذبات سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ ''آول اینڈ نائٹنگیل'' (Owl and Nightingale

"دی فوکس اینڈ دی ولف" (The Fox and the Wolf) تمثیلی نظموں
عمدہ مثالیں ہیں اس دور کے گیتوں کا مجموعہ اب تک کی تمام غنائی شاعر
سے بہتر ہے۔ ان میں محبت، مناظر قدرت، سیاست، طنز اور حب وطن
موضوع ملتے ہیں، مگر سب سے زیادہ خاص بات ان میں یہ ہے کہ یہ نہاید
مترنم بندوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان میں انگریزی غنائی شاعری کا آزاد ا
پر تنوع عروض اپنی بنیاد قائم کرتا ہوا دکھلائی دیتا ہے۔ اس میں شک
نہیں کہ فرانسیسی شاعر 'مینو' (Manot) کے تتبع میں یہ سب گیت لکھے گئے
مگر ان میں انگریزی اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز
شاعری نے فرانسیسی شاعری سے مدد لے کر وہ اصول معلوم کرلئے ہیں جن
چلنے میں ہی اس کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی ادب کی داغ بیل پڑ گئی ہے
نارمن حکومت ادب کے لئے ایک طرح کی نعمت ثابت ہوئی۔

شاد عظیم آبادی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

(مرزا دبیر اور صفیر بلگرامی کی اصلاحوں کے ساتھ)

چھیانوے برس پہلے کی بات ہے، شاد عظیم آبادی نے جناب علی اکبر رض کی شان میں اکیاون بند کا ایک مرثیہ لکھا اور اصلاح کے لئے اپنے استاد صفیر بلگرامی کی خدمت میں پیش کیا۔ صفیر نے اس مرثیے پر نہ صرف اصلاح دی بلکہ اپنی طرف سے اکتالیس بند کا اضافہ بھی کردیا۔ اصلاح اور اضافے کے بعد صفیر نے اس مرثیے کو اپنے ہاتھ سے صاف کر کے شاد کے حوالے کیا۔ شاد نے اس مسودے کے پہلے صفحے پر اپنے قلم سے دو رباعیاں اضافہ کیں، صفیر نے ان پر بھی اصلاح دی۔

محرم سنہ ۱۲۸۱ھ میں صفیر اپنے شاگرد شاد کے ساتھ، اپنے استاد دبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے (جو ان دنوں لکھنؤ سے پٹنہ آئے ہوئے تھے)۔ اور مذکورہ مرثیے پر اصلاح کی استدعا کی۔ مرزا صاحب نے ایک دو بندوں پر اسی وقت اصلاح دے کر مسودہ اپنے پاس رکھ لیا اور اس ملاقات کے دو تین برس بعد پورے مرثیے پر اصلاح دے کر مسودہ شاد کو واپس کردیا۔ شاد سے یہ مسودہ صفیر نے لے لیا اور وہ انہیں کے پاس رہا۔ مرزا دبیر نے اس مرثیے پر جو اصلاح دی اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے بانوے بندوں میں سے دو بند قلم زد کردئیے اور چھ بند اپنی طرف سے اضافہ کئے۔ اس طرح شاد کا اکیاون بند کا مرثیہ دو استادوں کی نظر سے گزرنے کے بعد چھیانوے بند کا ہوگیا۔ اتفاق سے یہ مسودہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے جس پر شاد، صفیر اور دبیر تینوں کی تحریریں ہیں۔ یہ مسودہ صفیر کے پوتے جناب سید وصی احمد بلگرامی صاحب کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور موصوف کے شکریے کے ساتھ اسے "اردو" میں شایع کیا جا رہا ہے۔

یہ مرثیہ کئی وجوہ سے اہم ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ

شاد کا سب سے پہلا شعری کارنامہ ہے جس پر دو بڑے اساتذہ (دبیر و صفیر) کی اصلاحیں ہیں ۔ اس مرثیے کا تقریباً نصف حصہ انہیں اساتذہ کا عطیہ ہے، اس اعتبار سے اس مرثیے کو تین ممتاز شاعروں کی کاوش کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے ۔ یہ مرثیہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ آج تک اس کی اشاعت عمل میں نہیں آ سکی ۔ موجودہ اشاعت کے ذریعے پہلی بار اردو دنیا اس سے متعارف ہو رہی ہے ۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں شاد نے سید وصی احمد بلگرامی سے یہ مرثیہ منگوا کر دیکھا کیوں کہ اُن کے پاس اس کی کوئی نقل نہ تھی ۔ ممکن ہے شاد نے اس کی نقل رکھ لی ہو ۔ لیکن اسے چھپوانے کا خیال انہیں بھی نہ آیا ۔

شاد کے اصل مرثیے کی صورت کیا تھی ؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ شاد کا مسودہ موجود نہیں ہے ۔ صفیر نے جو بند اضافہ کئے اُن کی نشان دہی بھی ممکن نہیں ۔ صفیر کی اصلاحیں کس نوعیت کی تھیں ؟ اس کی تفصیل تو نہیں دی جا سکتی لیکن اتفاق سے شاد کے دو اصل بند محفوظ رہ گئے ہیں جو صفیر نے شاد کے نام ایک خط (۱) میں درج کئے ہیں ۔ یہ بند یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

بند شاد

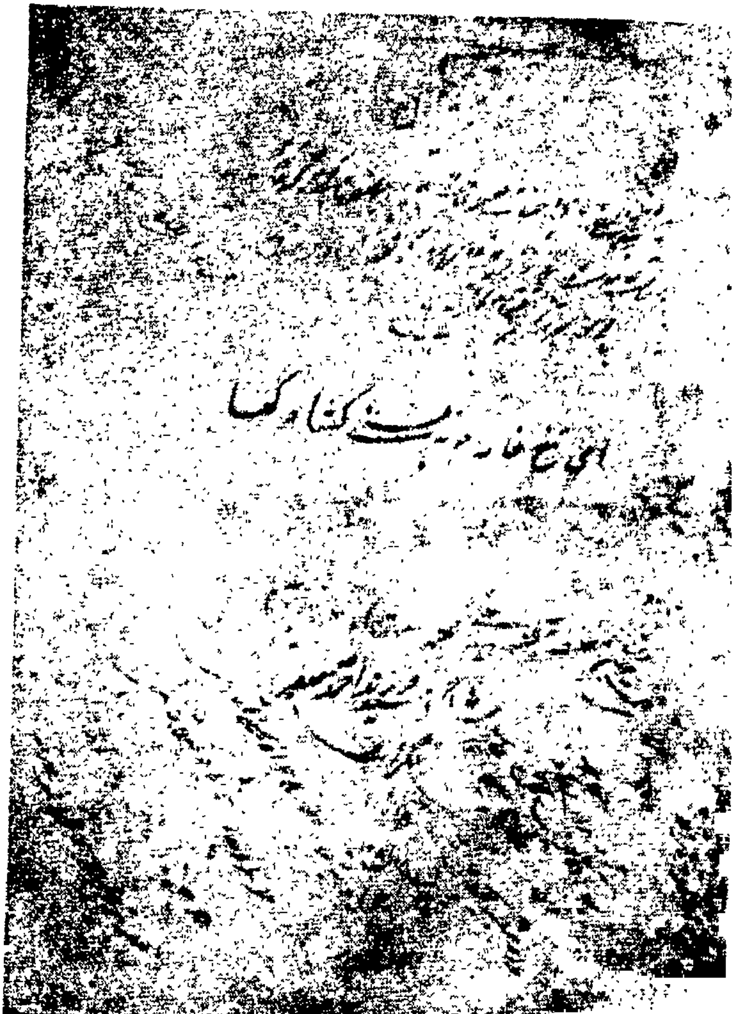
رخ کے قریں جو ھلتی ہے زلف سیاہ فام
غل ہے کہ اک جگہ ہے بہم نور صبح و شام
یا شام میں ہے یوسف ذی جاہ و احترام
کعبہ میں یا خلیل نے آ کر کیا قیام
بہر وغا جو عزم شہہ کائنات ہے
مشغول سیر ہاں عقب روز رات ہے

اصلاح صفیر

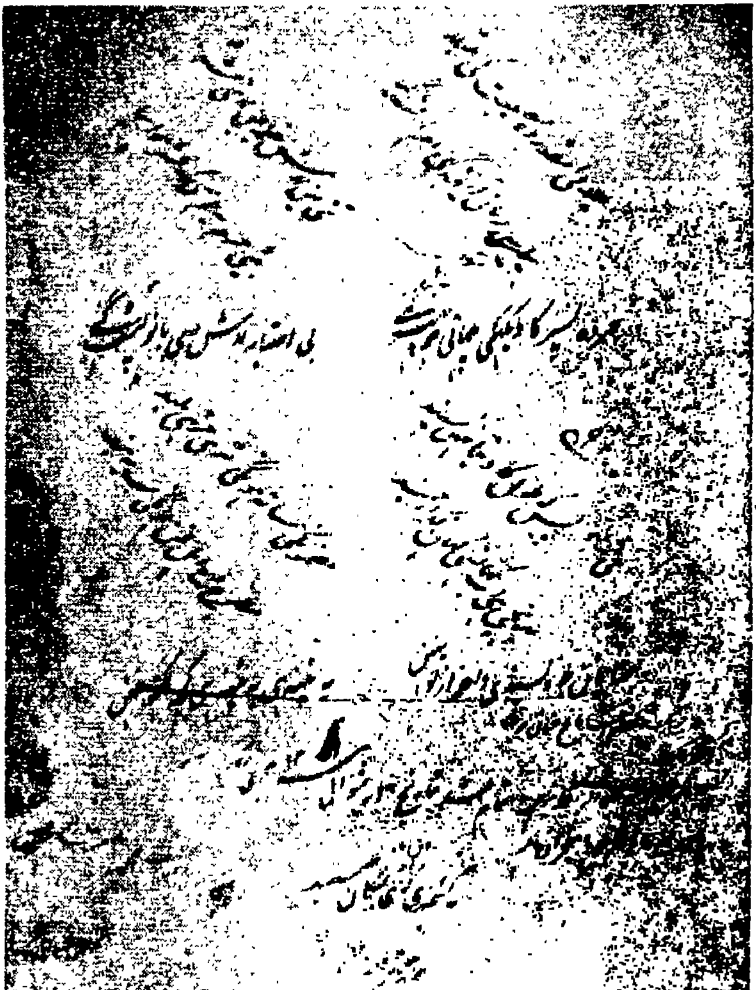
پہلوئے رخ میں دیکھ کے زلف سیاہ فام
کہتے ہیں سب کہ آج بہم دیکھے صبح و شام

---

(۱) ضمیمہ مخبر اخلاص قدیمہ الموسوم بہ اظہار الاسرار متعلق بہ نمیقہ محبت و ثیقہ' صفیر'' مطبوعہ مطبع نور الانوار آرہ ۱۲۹۶ء - صفحہ ۲۸-



مرثیے کے مسودے کا پہلا صفحہ



مسودے کا (آخری) صفحہ

یا چاہ میں ہیں یوسف ذی جاہ و احترام
یا کعبہ میں خلیل خدا نے کیا قیام
عزم وغا میں ابن شہہ کائنات ہے
مشتاق سیر کی عقب روز رات ہے

بند شاد

ڈوبا ہے وصف چاہ ذقن میں دل حزیں
زمزم میں یا کہ ہے مہ کنعان برتریں
کہتا ہے یہ تلاطم دریا ، نہیں نہیں
ظاہر ہے صاف در نجف کا ہے یہ نگیں
چاہ ذقن کے پاس خط مشک بار ہے
کوثر کے گرد چشمۂ رنگیں بہار ہے

اصلاح صفیر

ڈوبا جو وصف چاہ ذقن میں دل نزار
گوہر کی طرح مل گئے مضمون آبدار
خالی نہیں ہے آب سے یہ چاہ زینہار
ہے چشمۂ دھن سے یہاں آب برقرار
چاہ ذقن کے پاس خط مشک بار ہے
کوثر کے گرد سبزہ کی دونی بہار ہے

ان دو مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ استاد نے شاگرد پر کتنی محنت کی ہوگی ، انہیں دو بندوں سے شاد کے مرثیے کے ابتدائی متن کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے ۔ دبیر بہرحال استاذ الاساتذہ تھے ، انہوں نے مرثیے کو مزید جلا دی ۔ دبیر نے جو دو بند قلم زد کئے وہ یہ ہیں :۔

انصار ہو چکے تو عزیزوں کی باری آئی
مسلم کے لاڈلوں نے شہادت کی قدر پائی
قاسم کو پھر نہ تاب رہی دل پہ چوٹ کھائی
رخصت لی اور گھوڑے کی باگ اُس طرف اٹھائی
ازرق کا چاروں بیٹوں کے ساتھ امتحاں کیا
پانچوں کو سوئے قعر جہنم رواں کیا

اکبر نے تیغ تیز کو جس دم علم کیا
آہو کی شکل شیر نے جنگل سے رم کیا
غازی نے لافتا کو پڑھا اور رم کیا
شمشیر نے بھی سر پئے تسلیم خم کیا
یوں تیغ شعلہ بار نکل آئی میان سے
چھٹتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

پہلے بند پر مرزا دبیر نے یہ عبارت بھی لکھی ہے۔

''ہو چکے' بدون لفظ متعلق شہید یعنی 'قتل ہو چکے' 'شہید ہو چکے' نظم باید نمود - یائے کہ در آخر مصرع واقع شدہ اگر معروف نمی بود مضائقہ نداشت یعنی اگر مجہول می شود مثل مصرع ھذا - 'جس دم قریب شام حرم وقت شام آئے' — جایز و دریں صورت ہم جا یز لکن ترک احوط''

مرزا دبیر نے جو چھ بند اضافہ کئے وہ موجودہ اشاعت کے بند نمبر ۲-۳-۱۷-۲۰-۸۶ اور ۸۹ ہیں - متن میں بھی اس کی صراحت کر دی گئی ہے- دبیر نے جن تیس (۳۰) بندوں پر اصلاح دی ہے انہیں متن میں اصل حالت میں رکھا گیا ہے لیکن ہر بند کے بعد اصلاح بھی درج کر دی گئی ہے - دبیر کے اضافہ کر دہ بندوں کو شمار کیا گیا ہے، قلم زدہ بند شمار نہیں کئے گئے - اس طرح اصل مسودے پر جو نمبر دئیے گئے ہیں، وہ موجودہ اشاعت کے مطابق نہیں ہیں - مثلاً مسودے کا اکسٹھواں بند موجودہ اشاعت میں چونسٹھویں نمبر پر ہے۔

اس مرثیے کے بارے میں صفیر اور شاد کے بیانات بھی دلچسپی سے خالی نہیں - صفیر نے ''ضمیمہ مخبر اخلاص قدیمہ الموسوم بہ اظہار الاسرار'' میں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، ص ۱۰۰-۱۱ پر یہ لکھا ہے۔

''..... ۱۲۸۱ ہجری میں جناب شاد نے اکیاون (۵۱) بند نا مربوط مرثیہ کے جناب علی اکبر علیہ السلام کی شان میں کہہ کر مجھے اصلاح کو دئے - میں نے اکتالیس (۴۱) بند اور ملا کر ربط دے کر بانوے (۹۲) بند کا مرثیہ اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا - اس پر

آنہوں نے چند رباعیاں پھر اپنے ہاتھ سے لکھیں ، آس پر بھی میں نے اصلاح دی۔ آخر محرم میں مع آس مرثیہ کے آن کو جناب مرزا دبیر صاحب کے پاس لے گیا۔ جناب محسن صاحب مرحوم آن کے عم نامدار بھی تھے۔ مرزا صاحب کے پاس آس وقت کوئی پچاس آدمی بیٹھے تھے۔ جناب محسن نے فرمایا یہ میرا بھتیجا ہے اور اس نے مرثیہ کیا ہے۔ حضور کے پاس لایا ہے۔

مرزا صاحب نے فرمایا آپ کس کے شاگرد ہیں۔ جناب شاد نے کہا میر صفیر کے ، اور میری طرف اشارہ کیا۔ مرزا صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے دیکھ لیا ہے۔ میں نے عرض کیا ، جی ہاں اور میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ آس وقت مرزا صاحب نے دو ایک بندوں پر اصلاح دی اور پھر رکھ لیا ' آخر وہ مرثیہ مرزا صاحب کے ساتھ چلا گیا اور دوسرے یا تیسرے برس وہ مرثیہ اصلاح دے کر مرزا صاحب نے لا کر جناب شاد کو دیا۔ آنہوں نے مجھے دیا ، میں نے آن سے لے لیا اور وہ بجنسہ معہ مسودہ جناب شاد اور آس پر جناب مرزا صاحب کی اصلاح میرے پاس موجود ہے"

یہ مرثیہ صفیر کے خاندان میں محفوظ رہا ، جب شاد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ۱۶- اگست ۱۹۱۸ء کو جناب سید وصی احمد بلگرامی کے نام ایک خط لکھا ، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ خط رسالہ " ندیم " کے " بہار نمبر " میں شایع ہو چکا ہے اور وہیں سے نقل کیا جا رہا ہے۔

" چشم و جان شاد ... ایک نہایت ضروری اور واجب التعمیل بات یہ ہے کہ آپ کے پاس میرا وہ مرثیہ موجود ہے جو میرے قلم کا لکھا ہوا ہے اور مرزا دبیر مرحوم کی آس پر اصلاح ہے۔ مجھ کو قسم ہے اپنے آباء کرام کی کہ اگر آپ اس کو مجھے دو تین دنوں کے لئے دیں تو میں محض ایک نظر آس کو دیکھ کر فوراً واپس کر دوں گا۔ بیٹا ! میں اس کو یا اور کسی ایسی چیز

کو اب اپنے پاس رکھ کر کیا کروں گا - تم سے زیادہ اس کا مستحق کون ہے - تم خوب جانتے ہو کہ سید (۱) سلمہ جس قابل ہیں - شاگردوں میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے - تم کو خدا نے محض اپنے تفضل سے ہر طرح کی قابلیت دی - الحمد للہ - پھر میں اگر تم سے کسی چیز کو عزیز کروں تو ہزار لعنت مجھ پر - دیکھو ! اگر تم نے بواپسی ڈاک نہ بھیجا تو عذر کو بہانہ سمجھ کر سخت رنج ہوگا - ...... تمہارا بڈھا دعا گو - سید علی محمد شاد - از پٹنہ سٹی - ١٦ - اگست ١٩١٨ء - "

مندرجہ بالا دونوں تحریریں اس مرثیے کے مستند ہونے کے بارے میں قطعی شہادتوں کا درجہ رکھتی ہیں - یہ مرثیہ فل اسکیپ سائز کے ۳۲ صفحات پر لکھا ہوا ہے - پہلے صفحے کی پیشانی پر مندرجہ ذیل عبارت کسی مجہول الاحوال شخص کی ہے -

"ثبوت ششم

مرثیہ اول

پہلے اصلاح دیا ہوا جناب میر صفیر کا ہے - پھر میر صاحب کو (کذا) میر علی محمد صاحب کو مرزا صاحب کی خدمت میں لے گئے - مرزا صاحب نے اس مرثیہ کو لکھنؤ لے جا کر ملاحظہ کیا - تین برس کے بعد پھر لا کر میر علی محمد کو دیا - "

مذکورہ عبارت کی بائیں طرف اسی خط میں یہ جملہ ہے " مرثیہ اصلاح شدہ جناب مرزا دبیر صاحب مدظلہ " - صفحے کے درمیان میں صفیر کے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت ہے -

"۹۲ بند

اے تیغ خامہ جوہر معنی کشا دکھا

مصنفہ سید علی محمد شاد عظیم آبادی

شاگرد سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

١٥- شوال ١٢٨١ ہجری -

---

(۱) سید علی خان فرزند شاد عظیم آبادی -

آغاز گردید خدا با نجام رساند"

صفحے کے آخری حصے میں ، شاد کی یہ دو رباعیاں خود انہیں کے قلم سے ہیں -

سرمست خم غدیر اپنا دل ہے		حیدر کی ولا خمیر آب و گل ہے
فردوسی‌وانوری سے‌افضل ہوں‌میں		مداحئی شبیر مجھے حاصل ہے
پڑھتا ہے وہ شاد جو آ سے آتا ہے		خوبی و بدی سخن کی دکھلاتا ہے
ہے جوہر ذاتی کا چھپانا دشوار		لبریز جو ساغر ہو چھلک جاتا ہے

پہلی رباعی پر صفیر نے اصلاح دی ہے اور اس کے پہلے دونوں مصرعوں کو اس طرح سنوارا ہے -

سرمست مئے الست جام دل ہے
شیدائے ابو تراب آب و گل ہے

مسودے کے صفحہ ۲ سے صفحہ ۳۱ تک ہر صفحے پر تین بند ہیں - آخری صفحے پر دو بند ہیں ، جن کے نیچے یہ عبارت لکھی ہے -

" تمام شد بتاریخ ۱۸- شوال ۱۲۸۱ ھجری روز سہ شنبہ - عظیم آباد - بہ کشمیری کوٹھی - بہ مکان سید حامد حسین نکہت عظیم آبادی - "

گویا یہ مرثیہ یکم شوال کو شروع ہوا تھا اور ۱۸- شوال کو ختم ہوا- اس مرثیے کے متن کے ساتھ چار صفحات کے عکس بھی شائع کئے جا رہے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے -

۱- پہلا صفحہ ، جس کی تفصیل اوپر پیش کی جا چکی ہے -
۲- دوسرا صفحہ، اس پر شاد کے مرثیے کے ابتدائی تین بند اور دبیر کے عطا کردہ دو بند ہیں - موجودہ اشاعت میں یہ پانچوں بند نمبر ایک سے پانچ تک ہیں -
۳- بائیسواں صفحہ ، جس پر اصل مسودے کے بند نمبر ۶۱ — ۶۲ اور ۶۳ ہیں - آخری بند مرزا دبیر نے قلم زد کردیا - باقی دونوں بند موجودہ اشاعت میں بالترتیب ۶۴ اور ۶۵ نمبر پر آئے ہیں -
۴- بتیسواں صفحہ ، جس پر اصل مسودے کے بند نمبر ۹۱ اور ۹۲ ہیں - یہ بند موجودہ اشاعت میں ۹۵ اور ۹۶ نمبر پر ہیں -

مسودے کو نقل کرنے اور پھر نقل کا اصل سے مقابلہ کرانے میں جناب سید وصی احمد بلگرامی نے جس طرح تعاون کیا ہے، اُس کے لئے ادارہ ان کا ممنون ہے۔ مسودے میں بعض جگہ کاغذ کے بوسیدہ و دریدہ یا آب‌زدہ ہوجانے کی وجہ سے بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے، ایسی تمام جگہوں پر نقطے لگا دئیے گئے ہیں۔ (م — خ)

اے تیغ خامہ جوہر معنی کشا دکھا

بند - ۱ -

اے تیغ خامہ جوہر کشا دکھا
اے فکر تازہ رنگ گل مدعا دکھا (۱)
اے ذہن تیز گرمیٔ ناز و ادا دکھا (۲)
اے نو عروس نظم رخ جاں فزا دکھا
دریا چڑھا ہے مدح امام حجاز کا (۳)
اللہ ناخدا ہے ہمارے جہاز کا (۴)

اصلاح -

(۱) اے باغ فکر رنگ گل مدعا دکھا
(۲) لیلیٔ طبع معنیٔ شیریں ادا دکھا
(۳) نوشاہ عدل دیکھ کے یکتا کہے تجھے
(۴) مشاطۂ بیاں کی نہ حاجت رہے تجھے

بند - ۲ - عطیہ دبیر

گوہر فشاں سحاب ہے روئے نیاز کا
معدن ہے بحر مدح شہ سرفراز کا
دریا چڑھا ہے وصف امام حجاز کا
اللہ ناخدا ہے ہمارے جہاز کا
مقصود یاں جہاز سے طبع بلند ہے
جس کو ہوائے عرش معلی پسند ہے

بند - ۳ - عطیہ دبیر

دو رق کا بادبان پر جبرئیل ہے
یہ تازہ کارسازیٔ رب جلیل ہے
مصرع سے مل کے مصرع تر بے عدیل ہے
کوثر سے صاف رابطۂ سلسبیل ہے

یہ شور ہفت بند فلک سے بلند ہے
مضمون شش جہت کا مسدس میں بند ہے

بند -۴-
ہوں مدح خوان فخر رسولان ما سبق (۱)
حسان بھی جو آئے پڑھاؤں آسے سبق (۲)
مہرہ کیا ہے مہر کے مہرے نے ہر ورق
سطروں میں رنگ نظم سر شام کی شفق (۳)
لفظوں میں آب و رنگ ہیں مضمون نور کے (۴)
ساغر چھلک رہے ہیں شراب طہور کے

اصلاح -
(۱) ہوں مدح خوان فخر حسینان ما سبق
(۲) حسان کو میں حسن فصاحت کا دوں سبق
(۳) سطروں میں رنگ نظم کہ موجوں میں ہے شفق
(۴) حرفوں کے دایرہ میں مضامیں ہیں نور کے

بند -۵-
بس بس زبان پسند نہیں ہے یہ کبر ولاف (۱)
ہاں ہاں یہ افتخار یہ اعزاز یہ گزاف (۲)
یہ ادعا تو خوب نہیں ہے خطا معاف (۳)
گنجلک اگر نہ ہو تو یہ مضموں ہے صاف صاف (۴)
ہے نوک خود سری کی اگر کانٹے خار ہیں (۵)
جھکتے وہی درخت ہیں جو بار دار ہیں (۶)

اصلاح -
(۱) بس عندلیب ناطقہ یہ ناز ہے کہ لاف
(۲) گرلاف ہے تو حیدریوں کے یہ ہے خلاف
(۳) فرعون کا شعار تھا نخوت خطا معاف
(۴) ہر عیب سے ہو آئینہ نظم و بیان کا صاف
(۵) بے میوہ سرکشی کے سبب سے چنار ہیں
(۶) جو بردبار ہیں وہ شجر بار دار ہیں

بند -۶-
خوبو وہ ہے کہ راضی وخوش ہیں گل اور خار (۱)
ہے یہ غرور ننگ تکبر ہے محض عار (۲)

ابلیس کے مطیع ہیں مغرور اہل نار
درگاہ کبریا میں ہے بے درکار انکسار (۳)
غافل سمجھ گھمنڈ ہے عادت یزید کی (۴)
ہے یاد واردات امام سعید کی (۵)

اصلاح ۔ (۱) خوبو کا ہو وہ رنگ کہ خوش ہوں گل اور خار
(۲) ہے نامیوں کو نام تکبر سے ننگ و عار
(۳) ہدیہ ہے بارگاہ الٰہی کا انکسار
(۴) ہشیار ہو گھمنڈ ہے عادت یزید کی
(۵) لکھ داستاں تحمل شاہ شہید کی

بند ۔۷۔ جب مہر ہو چکا گل دستار آسمان
رنگ شفق سے کھل گیا گلزار آسمان (۱)
چمکا فروغ طالع بیدار آسمان (۲)
خورشید سے خجل ہوئے حضار آسمان (۳)
یہ آب‌وتاب دیکھ کے کچھ رنگ اور تھا (۴)
یعنی نہ پھر قمر تھا نہ انجم کا دور تھا

اصلاح ۔ (۱) پھولا شفق کے رنگ سے گلزار آسماں
(۲) چمکا جہاں میں طالع بیدار آسماں
(۳) فی الفور گرم ہو گیا بازار آسماں
(۴) نیرنگ باغ دہر کا کچھ رنگ اور تھا

بند ۔۸۔ جب بارگاہ چرخ سے رخصت ہوا قمر (۱)
بڑھ کر نقیب مہر نے دی صبح کی خبر
کافور شب ہوئی جو پڑی روز پر نظر
عیسیٰ پکار نے لگے گردوں سے السحر (۳)
مشرق سے مہر کی جو تجلی عیاں ہوئی (۴)
شبنم بساط سبزہ سے اٹھ کر رواں ہوئی (۵)

اصلاح ۔ (۲) اورنگ سلطنت سے اٹھا خسرو قمر
(۳) عیسیٰ پکارے چرخ چہارم سے السحر

(۴) مشرق سے شاہ شرق کی بیرق عیاں ہوئی
(۵) مغرب کو فوج خسرو زنگی رواں ہوئی

بند -۹-
کلمہ پڑھا اٹھے رفقائے شہ حجاز
باندھیں صفیں خلوص و جماعت سے کی نماز (۱)
مانگیں دعائیں سب نے کہ اے رب بے نیاز
اس مرحلے میں تو ہے معین اور کار ساز
یہ سر فدا ہوں پائے شہ کائنات پر (۲)
دکھلائیں آب تیغ کا طوفاں فرات پر

اصلاح -
(۱) باندھیں صفیں نیاز دلی سے پڑھی نماز
(۲) سر ہوں نثار پائے شہ کائنات پر

بند -۱۰-
گھوڑے بھی ہنہنا کے لگے کہنے اے خدا (۱)
راکب کے ساتھ قتل ہوں ہم بھی تو ہے مزا
طاقت وہ دے قدم میں کہ پسپا رہے ہوا
ہم ذوالجناح شاہ شہیداں پہ ہوں فدا
دلدل کا نام لے کے بڑھیں جب جدال کو
نعلوں سے کر دیں نعل در آتش ہلال کو

اصلاح -
(۱) گھوڑے بھی ہنہنا کے یہ بولے کہ اے خدا

بند -۱۱-
جب پڑھ چکے نماز رفیقان با وفا
کمریں کسیں ہر اک ہوا آمادۂ وغا
باندھا حضور سرور عالی ہمم پرا
بولے یہ مسکرا کے شہنشاہ کربلا
تم بے مثال و منتخب روزگار ہو
وقت نبرد آگیا اچھا سوار ہو (۱)

اصلاح -
(۱) وقت جہاد ہے مرے شیرو سوار ہو

بند -۱۲-
زینت فزائے زیں ہوئے سلطان بحر و بر
آئے سمٹ سمٹ کے رفیقان نامور
رکھ کر قدم رکابوں میں یالوں کو تھام کر

آک جست میں سوار ہوئے وہ نکو سیر (۱)
آک ایک نوجواں میں ستارے کی شان تھی
اس وقت کربلا کی زمیں آسمان تھی

اصلاح۔ (۱) اک جست میں سوار ہوئے سب لکو سیر

بند -۱۳- اللہ رے جوش جرأت انصار با وفا
تیغوں کو تول تول کے کہتے تھے برملا
کاٹیں گے ایک ضرب میں سرہائے اشقیا
نو لاکھ سے زیادہ ادھر ہیں تو غم ہے کیا
نعرے یہ تھے قسم ہے خدائے مجید کی
ہمت کے آگے کچھ نہیں فوجیں یزید کی

بند -۱۴- یہ فوج یہ نشان بد اعدائے کینہ خواہ
یہ لشکروں کے دل یہ زرہ پوش کج کلاہ
یہ خیبری و کوفی و شامی رو سیاہ
توبہ بسان پشہ نہیں ہیں خدا گواہ (۱)
پائیں ذرا جو حکم امام سعید کا
سر جا کے ہم تو تخت پہ کاٹیں یزید کا

اصلاح - (۱) توبہ یہ چیونٹیوں سے بھی کم ہیں خدا گواہ

بند -۱۵- نیزہ ہلا کے کہتے تھے قاسم بصد جلال
رستم بھی اس کی زد پہ اب آئے تو ہے محال
ہم شکل مصطفیٰ کا یہ تھا دمبدم مقال
دیتے ہیں اپنی ضرب دو دستی سے سام و زال
زانو میں داب کر جو اڑائیں سمند کو
روکیں ہوا پہ طاہر ہوش پرند کو

بند -۱۶- کس شان سے کھڑے تھے علمدار نیک نام
کاندھے پہ مشک بر میں زرہ ڈاب میں حسام (۱)
ہر دم ہوا سے ہلتے تھے گیسوئے مشک فام (۲)

قصد وغا پہ ہلتی تھی ہر مرتبہ لگام (۳)
رہ جاتے تھے حضور جو گھوڑے کو ہانک کر
حوریں درود پڑھتی تھیں غرفوں سے جھانک کر

اصلاح -
(۱) کاندھے پہ ڈھال بر میں زرہ ڈاب میں حسام
(۲) بل کھا رہے تھے دوش پہ گیسوئے مشک فام
(۳) بے ساختہ فرات کو اٹھ جاتی تھی لگام

بند ۔۷ ۱ - عطیہ دبیر
آگے جو اس طرح تھے جوانان گل عذار
گویا لہک رہا تھا بیابان میں لالہ زار
پیچھے تھے صدر زیں پہ امام فلک وقار
دلدل پہ جس طرح ہوں نبی الورا سوار
ہر دل پہ رعب ابن شہ ذوالفقار تھا
اس دبدبہ پہ اوج ثریا نثار تھا

بند - ۱۸ -
ناگاہ شور جنگ ہوا فوج شام میں
یکدست کھڑکھڑا گئیں تیغیں نیام میں
جسموں پہ زرہیں جسم تھے زرہوں کے دام میں
یہ خوف تھا کہ چھپ گئے جوہر حسام میں
جرأت سے پہلوان و جوان جھومنے لگے (۱)
قبضوں کو جھک کے شیر جری چومنے لگے (۲)

اصلاح -
(۱) جرأت سے غازیان عرب جھومنے لگے
(۲) قبضوں کو نیمچوں کے جری چومنے لگے

بند -۱۹-
اک بار پھر جنگ ہوا حکم شاہ دین (۱)
لڑنے چلے وہ فدیۂ شاہ فلک نشین
کھا کھا کے زخم ہنستے تھے وہ خلد کے مکیں (۲)
آن غازیوں کے خوں سے ہوئی سرخ رو زمین
چھریاں جگر پہ شاہ شہیداں کے چل گئیں
ٹاپوں سے ایک ایک کی لاشیں کندھل گئیں (۳)

اصلاح -

(۱) جس وقت پھر جنگ ہوا حکم شاہ دیں
(۲) زخموں سے لالہ زار ہوئے جسم نازنین
(۳) ٹاپوں سے نوجوانوں کی لاشیں کچل گئیں

بند - ۲ - عطیہ دبیر -

انصار کو جو شاہ نے باغ جناں دیا
مسلم کے لاڈلوں نے بھی اذن وغا لیا
شربت اجل کا بیاہ میں تو شاہ نے پیا
ازرق کے چاروں بیٹوں کو اک دم میں دو کیا
گرمی اٹھائی تھی جو صف کارزار میں
سوئے مثال شیر اجل کے کنار میں

بند - ۲ - عطیہ دبیر -

انصار ابن فاطمہ جب ہو چکے نثار
مسلم کے یادگار چلے پھر کارزار
پھر تھی عروس مرگ بنے کے گلے کا ہار
دو دو کئے دلیر نے ازرق سے پہلے چار
ازرق جو سوئے ابن حسن خشمگیں گیا
داخل جہاں وہ چار تھے یہ بھی وہیں گیا

بند - ۲۱ -

آخر ہوئے فدا شہ عالی جناب پر (۱)
خواہان اذن ہوگئے عباس نامور (۲)
رخصت ملی تو لاشیں گرائیں ادھر ادھر (۳)
مفتاح تیغ تیز نے کھولے در ظفر
یوں حملہ ور حضور ہوئے اہل نار پر (۴)
جیسے جھپٹ کے جاتا ہے ضیغم شکار پر

اصلاح -

(۱) آئے لب فرات علمدار نامور
(۲) مفتاح تیغ تیز نے کھولے در ظفر
(۳) پسپا ہوئے جو شام کے سرکش تھے باہنر
(۴) مثل شغال فوج میں چھپتے تھے اہل شر

بند - ۲۲ -

یوں شامیوں میں تیغ چمکتی تھی بار بار
بدلی میں چھپ کے جیسے مہ نو ہو آشکار (۱)
توسن بھی کہتا تھا تری ہمت پہ میں نثار

یہ بھوک اور یہ پیاس یہ گرمی یہ کارزار
واں شور تھا ملائکہ میں واہ واہ کا
ہونٹوں پہ یاں حسین کے نعرہ تھا آہ کا

اصلاح۔ (۱) بدلی میں جیسے چھپ کے مہ نو ہو آشکار

بند ۔۲۳۔ لڑتا تھا زور شور سے گو ابن مرتضیٰ
تنہا یہ شیر اور وہ روبہ ہزار ہا
دریا سے پھر کے نرغۂ اعدا میں جب گھرا
بازو زمیں پہ کٹ کے گرے پانی بہہ گیا
زخم سناں و تیر سے یہ خستہ جاں ہوئے (۱)
گھوڑے سے گر کے خلد کی جانب رواں ہوئے (۲)

اصلاح۔ (۱) اکبر کو اشتیاق ہوا حرب گاہ کا
(۲) بولے قصاص لوں گا علمدار شاہ کا

بند ۔۲۴۔ لکھا ہے جب شہید ہوا حق کا وہ ولی
خم ہوگئی کمر شہ عالی جناب کی
تھا دل میں درد اور زباں پر تھا وا اخی
فرماتے تھے یہ کیسی مصیبت کی ہے گھڑی
خیمہ میں اس الم سے غضب شور و شین تھا
بکھرے ہوئے تھے بال زبانوں پہ بین تھا

بند ۔۲۵۔ اکبر تھے ہمرکاب شہ آسماں جناب
غیرت سے ہونٹ خشک حمیت سے دل کباب
جاری تھے اشک غم سے کلیجا تھا آب آب
گھبرائے شاہ دیکھ کے بیٹے کا اضطراب
چہرہ کا رنگ دیکھ کے درد اک جگر میں تھا
وقت فراق نور نظر کا نظر میں تھا

بند ۔۲۶۔ اکبر نے پہلے ضبط و تحمل کیا کمال
دیکھا کہ اذن دیتے نہیں شاہ خوش خصال
آئے پدر کے سامنے رقت سے آنکھ لال

ہاتھوں کو جوڑ کر کہا اے خاص ذوالجلال(۱)
اندھیر ہے یہ شکل قیامت کی ساری ہے
اب تو چچا بھی مر چکے فدوی کی باری ہے

اصلاح۔ (۱) کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خاص ذوالجلال

بند ۔۲۷۔ رخصت کا نام سنتے ہی گھبرا گئے امام
فرمایا دل کو تھام کے اے میرے تشنہ کام
اٹھارھویں برس نہیں زیبا ہے یہ کلام
بیٹا تمہیں کہوں کہ یہ رخصت کا ہے مقام
طوفان غم نے کیا مری کشتی ڈبوئی ہے
بیٹا غریب باپ کے بھی پاس کوئی ہے

بند ۔۲۸۔ پیارے سرائے دھر ہے گو کارواں مرا
آ کے پہونچا اس مقام پہ تو دوسرا گیا
اندھیر ہے کہ باپ تو دیکھے یہ ماجرا
ایڑی رگڑ کے جان دے فرزند مہ لقا
بتلاؤ اس طرح دل مضطر کو چین ہو
تم پیش چشم قتل ہو زندہ حسین ہو

بند ۔۲۹۔ سن سن کے یہ کلام شہنشاہ انس و جاں
ہم شکل مصطفیٰ کے بھی آنسو ہوئے رواں
بولے یہ رو کے خیر جو تقدیر آسماں
بچپے شہید ہوں میں یوں ہی رگڑوں ایڑیاں
غیرت سے خود مروں میں یہ مرضی ہے آپ کی
بیٹا وہ ہے کرے جو رضا جوئی باپ کی

بند ۔۳۰۔ رو رو کے یہ جو کہہ چکے ہم شکل مصطفیٰ
فرط قلق سے کانپ گئے شاہ اتقیا
دیکھا جواں پسر کی طرف اور یہ کہا
بانو کے پاس جا کے تو ہو طالب رضا
راضی ہوں بیٹا وہ جو کہیں تم سے جنگ کو(۱)

دکھوں گا میں بھی سینہ پر غم پہ سنگ کو

اصلاح - (۱) راضی ہوں میں بھی وہ جو کہیں تم سے جنگ کو

بند -۳۱- یہ کہہ کے خیمہ کو چلے سرور بصد بکا
حضرت کے ساتھ ہو لئے ہم شکل مصطفیٰ
پہنچے جو خیمہ گاہ میں رو رو کے یہ کہا
بانو تمہارا لال بھی ہے عازم وغا
ہم سے خفا ہوئے ہیں اجازت کے واسطے
آئے ہیں خیمہ گاہ میں رخصت کے واسطے

بند -۳۲- سنتے ہی اس کلام کے بانو نے رو دیا
غش آیا دل کو تھاما بدن تھر تھرا گیا
بولی تڑپ کے خاک پہ ہے ہے یہ کیا کہا
دکھلائے غم جوان پسر کا نہ کبریا
مشکل پڑی ہے شیر الہی مدد کرو
آئی ہوئی بلا مرے بیٹے کی رد کرو

بند -۳۳- پوچھا بلائیں لے کے کہ کہوں میرے گل عزار
یہ دن یہ سن ہے بیاہ کا یا وقت کار زار
دیکھو تو شکل باپ کی کیا ہے یہ ماں نثار
حسرت سے تم کو دیکھتے ہیں مڑ کے بار بار
کیونکر جئیں گے ہجر سے تجھ نور عین کے
واری یہ بات پوچھو تو دل سے حسین کے

بند -۳۴- بیٹا میں کس طرح تجھے سمجھاؤں آہ آہ
اے نور چشم اب تو کمی کرتی ہے نگاہ
گھر میں دلہن تک آئی نہیں اور ہوا نہ بیاہ
واری ابھی سے گھر کو مرے کر چلے تباہ
اے یوسف حسین جوانی پہ رحم کر
اکبر ہماری تشنہ دھانی پہ رحم کر

بند -۳۵- بانو کے پاس تھی جو سکینہ بحال زار

بولی وہ ننھے ہاتھ اٹھا کر یہ ایک بار
کیا پانی لانے جاتے ہو بھیا بہن نثار
وعدہ چچا کا یاد ہے جاؤ نہ زینہار
بھائی جدائی آپ کی کیوں کر سہوں گی میں
پانی کا غم نہ کھاؤ کہ پیاسی رہوں گی میں

بند -۳۶- زینب کی سمت فضہ چلی پھر بصد فغاں
دیکھا پڑی ہے غش میں وہ خاتون دوجہاں
رو کر پکاری اٹھو بہتر کی نوحہ خواں
اکبر کو بھی چھڑاتا ہے لو تم سے آسماں
سمجھاتے ہیں حسین قیامت کا وقت ہے
ہم شکل مصطفیٰ کی بھی رخصت کا وقت ہے

بند -۳۷- گھبرا کے بولی خواہر سلطان مشرقین
غل کیوں ہے کیا شہید ہوئے بی بی حسین
رو رو کے پھر پکاری یہ فضہ بشور و شین
مرنے چلا ہے آپ کا فرزند نور عین
آیا ہے ماں سے ملنے بھتیجا جناب کا
اک دم میں اب مٹے گا مرقع شباب کا

بند -۳۸- اک دفعہ تھرتھرا کے اٹھی پھر وہ دل حزیں
چادر کہیں تھی مقنع کہیں موزے تھے کہیں
چلا کے پوچھا لوگو کہاں ہے وہ نازنین
بولی سکینہ آؤ پھوپھی بھائی ہیں یہیں
دیکھا کہ غش میں بانو ہے شبیر پاس میں
اکبر کھڑے ہیں سامنے لیکن اداس ہیں

بند -۳۹- ہم شکل مصطفیٰ کی جو ان پر نظر پڑی
رو کر کہا کہ حکم دو اب تم بھی اے پھوپھی
مشکل کشا کے بیٹے پہ مشکل کی ہے گھڑی
اماں سے آکے تم بھی سفارش کرو مری
غیرت یہ کہہ رہی ہے کہ اب سر کٹائیے

ہے لطف زخم کھا کے جو خیمہ میں آئیے

بند ـ ۴۰ـ
بھائی کی سمت غور سے دیکھیں تو اب حضور
ہیں ضعف سے جھکے ہوئے رقت کا ہے وفور
اس وقت ہم نہ قتل ہوں ہمت سے ہے یہ دور
کہیے تو جی چھپائے گا اس دم کوئی غیور
مرجائیں زخم کھا کے یہی دل میں جوش ہے
نے بیاہ کا خیال نہ جینے کا ہوش ہے

بند ـ ۴۱ـ
زینب کا اس کلام سے جی سنسنا گیا
ہم شکل مصطفیٰ کو گلے سے لگا لیا
فرط قلق سے کچھ نہ بنی رو کے یہ کہا
پیارے نہ روؤ جاؤ جو کچھ مرضیٔ خدا
تم کو تو سیر خلد کا یہ اشتیاق ہے
قسمت میں اپنی سینہ زنی ہے فراق ہے

بند ـ ۴۲ـ
بانو پکاری ہائے مرا گھر ہوا تباہ
اٹھارہ سال بھی نہیں پورے ہوئے ہیں آہ
اس سن میں آپ لڑنے چلے سوئے رزم گاہ
لاکھوں ہی سے زیادہ ہیں اعدائے کینہ خواہ
پھر ڈرتی ہوں خفا نہ ہو پیارے میں کیا کروں
اے میری زندگی کے سہارے میں کیا کروں

بند ـ ۴۳ـ
اکبر سدھارو جاؤ مبارک تمہیں ظفر
تسلیم کر کے ماں کو چلا وہ نکو سیر
زینب بھی ساتھ ساتھ تھی گریاں و نوحہ گر
در تک تمام بی بیاں آئیں برہنہ سر
یاں تو فراق ہوتا تھا تن اور جان میں
ھل من مبارز کی صدا آئی کان میں

بند ـ ۴۴ـ
رخصت ہوئے تو خیمہ کے باہر کیا ورود (۱)
غل پڑ گیا غلاف سے مصحف ہوا نمود

ذرے ضیائے حسن سے پڑھنے لگے درود
جھک جھک کے سب درخت بھی کرنے لگے سجود
چمکا جو روئے اکبر ذی شان عقاب پر
برقع پڑا کرن کا رخ آفتاب پر

اصلاح ـ (۱) خیمہ سے ہم شبیہہ نبی نے کیا ورود

بند ـ ۴۵ ـ آمد ہے رن میں نور نگاہ حسین کی
ہے ساتھ روح فاتح بدرو حنین کی
تقسیم ہر طرف جو ہوئی زیب و زین کی
کیفیتیں کچھ اور ہوئیں مشرقین کی
داماں نور رخ کا جو کچھ لمس ہوگیا
ذرہ قمر قمر صفت شمس ہوگیا

بند ـ ۴۶ ـ اے طبع ہاں بیان سراپا کا وقت ہے
تفسیر مصحف رخ زیبا کا وقت ہے
مدح دہن میں حل معما کا وقت ہے
تکشیف پیچ زلف چلیپا کا وقت ہے (۱)
مردم کو رخ کی دید سے معراج چاہئے (۲)
ذروں کو شمسیہ کا سبق آج چاہئے (۳)

اصلاح ـ (۱) توضیح سر زلف چلیپا کا وقت ہے
(۲) مردم کو رخ کی دید سے معراج ہوگئی
(۳) شمسیہ ذرے ذرے کو یاد آج ہوگئی

بند ـ ۴۷ ـ رخسار کو کبھی نہ کہوں میں مہ تمام (۱)
اس میں صفا ہے اس میں کلف صبح یہ وہ شام (۲)
اے طبع آفتاب کہیں گے اسے عوام (۳)
قرآں میں کہتا ہوں کہ ادب کا ہے یہ مقام (۴)
اللہ نے یہ نجم درخشاں اتارے ہیں (۵)
دنداں نہیں حضور کے بتیس تارے ہیں (۶)

اصلاح ـ (۱) کامل ہیں جو نہ رخ کو کہیں گے مہ تمام

(۲) اک چاند کیا نہ برسوں میں وصف اس کا ہو تمام
(۳) لکھیئے نظیر شمس تو یہ خاص ہے وہ عام
(۴) کہیئے ادب سے سورۂ والشمس لا کلام
(۵) تارے جو حق نے برج دہن میں اتارے ہیں
(٦) گنوا رہے ہیں دانت وہ بتیس تارے ہیں

بند - ۴۸ -
پہلوئے رخ میں دیکھ کے زلف سیاہ فام
کہتے ہیں سب کہ آج بہم دیکھے صبح و شام
یا چاہ میں ہیں یوسف ذی جاہ و احترام
یا کعبہ میں خلیل خدا نے کیا قیام
عزم وغا میں ابن شہہ کائنات ہے
مشتاق سیر کی عقب روز رات ہے

بند - ۴۹ -
آنکھیں ہیں زیر ابروئے غازیؑ خوش نہاد (۱)
مطلع کے نیچے یا غلطی سے کیا ہے صاد (۲)
یہ آنکھیں دلبری کے چلن میں ہیں اوستاد (۳)
مطلع پڑھوں کہ وجد کریں اہل فہم و داد (۴)
دنبالے کب ہیں چشم عدیم المثال کے (۵)
آہو کھڑے ہیں دیکھو زبانیں نکال کے (٦)

اصلاح -
(۱) آنکھیں ہیں زیر ابروئے غازیؑ خوش جمال
(۲) مطلع کے نیچے صاد ہے عین ادب پہ دال
(۳) آنکھوں سے ...... کعبہ سے دو غزال
(۴) یہ کعبہ کے ہرن ہیں مگر پیاس سے نڈھال
(۵) دنبالے ہیں یہ چشم عدیم المثال کے
(٦) حیران دو ہرن ہیں زبانیں نکال کے

بند - ۵۰ -
کیا سرخ سرخ ہیں یہ لب غیرت گلاب
ہوتا ہے جن کے عشق میں بلبل کا دل کباب (۱)
آب حیات کیوں نہ ہو خجلت سے آب آب (۲)
مردے تو کیا مسیح ہیں اس دم سے کامیاب (۳)
ہونٹوں پہ پھیرتے ہیں زبان دیکھو پیاس کو

آب عقیق لب سے بجھاتے ھیں پیاس کو

اصلاح ۔
(۱) خشکی پہ جن کی بلبل سدرہ کا دل کباب
(۲) اس لال لب کی پوچھئے منصف سے آب و تاب
(۳) بے آب تین دن سے ھیں لیکن وھی ہے آب

بند ۔ ۵۱ ۔
ڈوبا جو فکر وصف دھن میں دل نزار
گو ھر کی طرح مل گئے مضمون آبدار
خالی نہیں ہے آب سے یہ چاہ زینہار
ہے چشمۂ دھن سے یہاں آب برقرار
چاہ ذقن کے پاس خط مشکبار ہے
کوثر کے گرد سبزہ کی دونی بہار ہے

بند ۔ ۵۲ ۔
قامت کو دیکھ دیکھ کے کہتا ہے آسمان
طوبیٰ نے کیا زمین پہ جا کر کیا مکان (۱)
میکال صور چھوڑ کے کہتے ھیں الاماں (۲)
دنیا میں لو ابھی سے قیامت ھوئے عیاں (۳)
نظروں میں برق جلوۂ قد حضور ہے (۴)
موسیٰ پکارتے ھیں یہی نخل طور ہے (۵)

اصلاح ۔
(۱) اے لو زمیں پہ رن کی ہے طوبیٰ ضیا فشان
(۲) سدرہ کا اس پہ سدرہ نشینوں کو ہے گمان
(۳) رکن رکین عرش بتاتے ھیں انس و جان
(۴) قندیل کعبہ کہتی ہے یہ شمع نور ہے
(۵) موسیٰ پکارتے ھیں ارے نخل طور ہے

بند ۔ ۵۳ ۔
گھوڑا ہے یا کہ یہ ہے چھلاوا کہ ہے پری (۱)
پانی پہ گزرے سم میں نہ آئے کبھی تری (۲)
مومن کے دل کی طرح یہ عیبوں سے ہے بری (۳)
سرعت کے باب میں ہے یہی مدح سرسری (۴)
صر صر جو دوڑنے میں یہ اسپ بلند ہے (۵)
غل ہے ھوا عقاب کے پیکر میں بند ہے (۶)

اصلاح ۔
(۱) صرصر جو کہئے رخش کو ہے مدح سرسری
(۲) گھوڑا ہے یا چھلاوہ ہے یا حور یا پری
(۳) دریا میں دوڑے اور نہ ٹاپوں میں ہو تری
(۴) موسیٰ کا معجزہ ہے نہ یہ سحر سامری
(۵) پرواز میں ہما سے جو یہ سر بلند ہے
(۶) غل ہے پری عقاب کے پیکر میں بند ہے

بند ۔ ۵۴ ۔
شوخی میں مثل رنگ تو پیکر میں دیو زاد
صورت میں حور شکل تو چلنے میں مثل باد
فوجوں میں یوں پہنچتا ہے اسپ پری نژاد (۱)
کافر کے دل میں آتا ہے جس طرح اعتقاد
پایا کبھی ہوا نے نہ اس رہ نورد کو (۲)
پہنچا نہ آسمان کبھی اس کی گرد کو (۳)

اصلاح ۔
(۱) جاتا ہے یوں صفوں میں عدو کی یہ خوش نہاد
(۲) .... سرو بدن پائمال ہے
(۳) دشمن بھی کٹ رہے ہیں سرو ہی کی چال ہے

بند ۔ ۵۵ ۔
کرتا ہے عزم اوج جو یہ اسپ با وفا (۱)
ٹھوکر سے اس کی رہ میں ہے دم توڑتی صبا (۲)
سایہ کو اس کے پہنچے کہاں سایۂ ہما
بڑھ بڑھ گیا ہے تخت سلیماں سے مرتبا (۳)
جس دم اچک کے سوئے آسماں گیا
کہتا تھا ہوش ہیں یہ پری رو کہاں گیا (۴)

اصلاح ۔
(۱) اٹھکھیلیوں کی چال جو چلتا ہے باد پا
(۲) ٹھوکر سے اس کی توڑتی ہے دم ہر اک ہوا
(۳) بڑھ بڑھ گیا ہے تخت سلیماں سے بارہا
(۴) کہتا ہے ہوش ہیں یہ پری رو کہاں گیا

بند ۔ ۵۶ ۔
توسن جو سن سے اڑ کے چلا صورت نفس (۱)
غازی نے ہاتھ یال پہ رکھ کر کہا کہ بس

سنتے ہی اس کلام کے بس تھم گیا فرس (۲)
بولے زبان حال سے صحرا کے خار و خس (۳)
کہتے ہیں لوگ دن جو مصیبت کے آئے ہیں (۴)
خیر البشر جہاد کو تشریف لائے ہیں (۵)

اصلاح -
(۱) توسن جوسن سے اڑ کے بنا اژدھا نفس
(۲) چنگاریوں سے منہ کے جلے رن کے خار و خس
(۳) تنگ اس کے حوصلہ سے ہوئی وسعت ہوس
(۴) غل تھا کہ دکھ جو آل نے امت سے پائے ہیں
(۵) ان کی مدد کو صاحب معراج آئے ہیں

بند - ۵۷ -
پہنچا جو بزدلوں میں وہ شیر ولیؑ حق (۱)
پیر شامیوں کا رنگ ہوا مثل صبح فق (۲)
اک دفعہ محو ہوگئے ما بعد و ما سبق (۳)
ہیبت یہ تھی کہ ہلتے تھے گردوں کے نہ طبق (۴)
شوکت بھی دیکھ دیکھ کے اکبر کی شان کو (۵)
کہتی تھی ٹوک لے تو کوئی اس جوان کو (۶)

اصلاح -
(۱) یوں شامیوں پر آیا وہ ہم شان شیر حق
(۲) جس دبدبہ سے صبح کا منہ آج تک ہے فق
(۳) تھے زلزلہ میں شش جہت و چرخ نہ طبق
(۴) دفتر تھے پرزے پرزے پریشاں ورق ورق
(۵) انصاف دیکھ دیکھ کے اکبر کی شان کو
(۶) کہتا تھا کوئی ٹوک تو لے اس جوان کو

بند -۵۸-
تھی دھوم اہل شر میں کہ خیرالورا ہے یہ
دریا کا شور تھا کہ در بے بہا ہے یہ (۱)
کعبہ پکارتا تھا کہ نور خدا یہ (۲)
چلاتے تھے حسین مرامہ لقا ہے یہ (۳)
کہتا تھا مصر یوسف گل پیرہن یہ ہے (۴)
بلبل یہ کہہ رہی تھی کہ رشک چمن یہ ہے (۵)

اصلاح -

(۱) بحرین میں تھا شور در بے بہا ہے یہ
(۲) غل تھا حرم میں جان خلیل خدا ہے یہ
(۳) فرماتے تھے حسین مرا مہ لقا ہے یہ
(۴) کہتا تھا عرش عز و شرف دو سرا کا ہے
(۵) ہدیہ حسین کا ہے یہ فدیہ خدا کا ہے

بند -۵۹-

گویا ہوا یہ سبط پیمبر کا لاڈلا (۱)
اے اہل شام و کوفہ و روم و رے و ختا
ابن شہ نجف کے ستانے سے فائدا؟
تقصیر کیا ہے جرم ہے کیا کون سی خطا (۲)
چونکو ذرا کہ قبر کی صورت مہیب ہے (۳)
ہشیار ہو کہ روز قیامت قریب ہے (۴)

اصلاح -

(۱) شہزادۂ مدینہ و بطحا نے دی ندا
(۲) اس ہادیٔ دو کون کی ہے کون سی خطا
(۳) چونکو کہ شکل قبر و اجل کی مہیب ہے
(۴) اے اہل شام و صبح قیامت قریب ہے

بند -۶۰-

اے اہل شام تم نہیں واقف کہ کیا ہیں ہم (۱)
شمع رہ نجات ہیں نور خدا ہیں ہم (۲)
گلزار خلد کے لئے رنگ و فضا ہیں ہم (۳)
مالک ہیں ہم معین ہیں ہم مقتدا ہیں ہم (۴)
ہر دم طریق عقدہ کشائی ہے ہاتھ میں (۵)
فضل خدا ہے ساری خدائی ہے ہاتھ میں (۶)

اصلاح -

(۱) روشن نہیں یہ تم پہ کہ نور خدا ہیں ہم
(۲) واقف ہے ذرہ ذرہ کہ شمس الضحیٰ ہیں ہم
(۳) مرحب کش و بلا کش و خیبر کشا ہیں ہم
(۴) قایم مقام قدرت رب ھدا ہیں ہم
(۵) حصہ میں اپنے ارث یداللہ آئی ہے
(۶) قبضہ میں اپنے حکم خدا سے خدائی ہے

بند -۶۱-

یوسف کو ہم نے حسن دل آرا عطا کیا
آیا ہمارے پاس تو فطرس کو پر ملا
آئے ہماری شان میں یٰسین و ھل اتیٰ
ہم نے یہ جبرئیل کو بخشا ہے مرتبا
جھولے میں جو خلاف ادب سر فرو کیا
دو انگلیوں سے کلۂ اژدر کو دو کیا

بند -۶۲-

کرسی و عرش و لوح ہمارے ہیں خطبہ خواں (۱)
آدم کے پیشتر ہیں بظاہر ہیں نوجواں (۲)
بہرام سے تو کھنچ نہیں سکتی ہے یہ کماں (۳)
ہم سے یہی لڑینگے کھڑے ہیں جو پہلواں
نعرہ کریں تو رن کی زمیں بس الٹ پڑے (۴)
غصے سے آسماں کو دیکھیں تو پھٹ پڑے (۵)

اصلاح -

(۱) ہیں منبر فلک پہ ملک ایسے خطبہ خواں
(۲) اک لافتیٰ سے مٹ گئی رستم کی داستاں
(۳) بہرام گور میں ہو نہاں لیں جو ہم کماں
(۴) جوہر کھلا ہے اپنا کہ لاکھوں میں فرد ہیں
(۵) کیوں ہم کو ٹوکتے نہیں کیسے یہ مرد ہیں

بند -۶۳-

سن سن کے یہ رجز یہ فصاحت بعز و جاہ (۱)
ہیبت سے کانپنے لگے ماہی سے تا بماہ (۲)
خجلت سے سر جھکائے تھے اعدائے کینہ خواہ
اکثر تو ڈھونڈھنے لگے جنگل کی بڑھ کے راہ (۳)
کہتے تھے کچھ کہ منہ نہ دکھاتے توخوب تھا (۴)
بعضوں کا تھا مقال نہ آتے تو خوب تھا

اصلاح -

(۱) سننا تھا یہ رجز کہ اٹھا شور واہ واہ
(۲) سب داغ داغ ہو گئے ماہی سے تا بماہ
(۳) اکثر تو ڈھونڈھنے لگے ملک عدم کی راہ
(۴) کہتے تھے بعض منہ نہ دکھاتے تو خوب تھا

بند ۶۴۔
ہلچل پڑی جو نطق فصاحت مآب سے (۱)
ہلنے لگا عمر کا جگر اضطراب سے (۲)
بولا یہ بڑھ کے لشکر خانہ خراب سے
عزت بہت شبیہہ ہے موتی کی آب سے (۳)
باتوں سے ایک طفل کی کیا دل ملول ہو (۴)
لڑ کر مرو کہ عزت دینا حصول ہو (۵)

اصلاح۔
(۱) ہلچل پڑی بیان فصاحت مآب سے
(۲) ہلنے لگا شقی کا جگر اضطراب سے
(۳) کم سمجھو آبرو کو نہ موتی کی آب سے
(۴) سنبھلو بڑھو یہ وقت گیا پھر نہ پاؤ گے
(۵) کیا منہ سقر میں گیو و پشن کو دکھاؤ گے

بند ۶۵۔
چلا کے یہ شقی نے کیا جس گھڑی بیان (۱)
تیرہ دلوں کے پیکر مردہ میں آئی جان (۲)
سب مل کے آئے اکبر غازی پہ الاماں (۳)
کھنچنے لگے ہر ایک طرف چلۂ کماں (۴)
ان کی بھی تیغ کوند گئی فوج گبر میں (۵)
جس طرح سے کہ برق چمکتی ہے ابر میں (۶)

اصلاح۔
(۱) ہیجان ہوگیا رگ غیرت کو ناگہاں
(۲) ہر مردہ دل کے قالب بے جاں میں آئی جاں
(۳) سید ہے چمک چمک کے ہوئے نیزہ و سناں
(۴) باہم کڑک کڑک کے ہوئے ناوک و کماں
(۵) نکلی حضور کی بھی سروھی میان سے
(۶) تیر شہاب جیسے فلک کی کمان سے

بند ۶۶۔
کس زور شور سے وہ ہوئی میان سے جدا
جیسے نہنگ کی یم قلزم میں ہو ھدا
وہ تیغ بے پناہ تھی کس درجہ پر ضیا
اک شمع دو لوبں تھیں زہے قدرت خدا
وہ تیغ تھی نہ ہاتھ میں اس خوش خصال کے
دو سانپ لڑ رہے تھے زبانیں نکال کے

بند -۶۷- از بسکہ آگ ہو گئی تھی تیغ شعلہ بار
سیماب سان نہ لشکر اعدا کو تھا قرار
جان تھی رواں قرار نے تن سے کیا فرار
روحیں نکل کے بھاگ گئیں دل تو در کنار
گل ہائے زخم کھلتے تھے کیا کیا مزا نہ تھا
بلبل یہ تھی تو جسم عدو آشیانہ تھا

بند -۶۸- ڈھالوں میں یوں چمکتی تھی شمشیر آبدار (۱)
کالی گھٹا میں برق ہو جس طرح بے قرار (۲)
سپروں پہ تھا گماں شب یلدا کا بار بار
تیر شہاب تیغ بنی بہر اہل نار
کیوں تیغ آبدار چلی ڈھال کی طرف (۳)
پانی روانہ ہوتا ہے تو ڈھال کی طرف (۴)

اصلاح - (۱) ڈھالوں میں یوں چمک کے گری تیغ آبدار
(۲) بجلی کا وار جیسے ہو کالی گھٹا کے پار
(۳) ابتر ورق تھے دفتر بغض و عناد کے
(۴) حل کر رہی تھی تیغ مسایل جہاد کے

بند -۶۹- اٹھا تھا ابر تیغ برستے تھے سر بہ سر (۱)
سب بہہ رہے تھے خون رواں تھا کمر کمر
بادل سپر کے چھائے ہوئے تھے کہ الحذر (۲)
اک برق تیغ کوند رہی تھی ادھر اُدھر
نے تیغ زن بچے نہ کمان دار رہ گئے
ہر سمت رن میں خون کے پر نالے بہہ گئے

اصلاح - (۱) چھایا تھا ابر تیغ برستے تھے سر بہ سر
(۲) گھنگھور تھے وہ ڈھالوں کے بادل کہ الحذر

بند -۷۰- اللہ رے کاٹ بل بے برش واہ رے چلن
کشتوں کے پشتے خون کا دریا تھا موج زن
ہر دفعہ گل کھلاتی تھی تازہ چمن چمن

بولا جو کوئی دوڑ کے کاٹا وہیں سخن
کانپی زمیں پہاڑ کو مضطر بنا دیا
نہ گنبد سپہر کو ششدو بنا دیا

اصلاح - مصرع دوم کو اول کیا گیا، مصرع سوم کو دوم اور مصرع اول کو سوم کیا گیا -

بند - ۷۱ -
سر پر کمر پہ خود پر آئی چلی پھری (۱)
دل میں در آئی تا جگر آئی چلی پھری (۲)
سر پر چڑھی تو تا کمر آئی چلی پھری (۳)
اک بار بام سے اتر آئی چلی پھری (۴)
چل پھر نے اس کی غلغلے آفت کے ڈالے تھے (۵)
موئے میان تیغ کے کس بل نکالے تھے (۶)

اصلاح -
(۱) بند سپر سے خود پر آئی چلی پھری
(۲) سینے سے جانب جگر آئی چلی پھری
(۳) چار آئینے میں صاف در آئی چلی پھری
(۴) اونچوں کے سر چڑھی اتر آئی چلی پھری
(۵) تلوار پر عدو کی جو وار اس کا چل گیا
(۶) موئے میان تیغ کا کس بل نکل گیا

بند - ۷۲ -
اپنے ہی زور میں وہ دو پیکر اٹھی گری (۱)
بجلی کی طرح باندھ کے چکر اٹھی گری
سر بار آئی خود پہ سر پر اٹھی گری (۲)
گھن کی طرح وہ صاحب جوہر اٹھی گری
سن سے چلی نسوں کا لہو چاٹتی ہوئی (۳)
نکلی وہ تیغ لاشوں سے رن پاٹتی ہوئی (۴)

اصلاح -
(۱) اپنے ہی بل میں تیغ دو پیکر اٹھی گری
(۲) قلب و جناح میں سر لشکر اٹھی گری
(۳) تن سے پھری تو لاشوں سے رن پاٹتی ہوئی
(۴) سن سے چلی نسوں کا لہو چاٹتی ہوئی

بند -۷۳-
چڑھتا تھا کون منہ پہ کسے تھی مجال جنگ
لرزاں تھے شیر کانپتے تھے خوف سے نہنگ
دونوں جہاں تھے تیغ دو پیکر کو اک شلنگ
تھے اہل عرش و فرش سب اس جنگجو سے دنگ
چمکی جو صاف ہو کے تو مہتاب گرد تھا
آتش فشاں ہوئی تو جہنم بھی سرد تھا

بند -۷۴-
لیلائے تیغ حسن دکھاتی تھی ہر طرف
کب ماہ نو نے خواب میں دیکھے تھے یہ شرف
شامی پرے جمائے کھڑے تھے جو صف بصف
جوہر نہیں یہ غیظ سے تھا اس کے منہ پہ کف (۱)
دشمن کی ڈھال کہتی تھی میں کوہ قاف ہوں
چلاتی تھی یہ تیغ میں خارا شگاف ہوں

اصلاح - (۱) جوہر نہیں یہ قہر سے پھیلا دھن میں کف

بند -۷۵-
آیا جو نیزہ باز کوئی نیزہ تان کر
دو حصہ کر کے نیزہ کو پہنچی وہ فرق پر
خنجر کو تول کر جو بڑھا ایک بد سیر
فی الفور اس نے کر دیا فی النار و السقر
گرمی سے روح اہل جفا تلملاتی تھی
یہ تیغ آبدار تھی پانی پلاتی تھی

بند -۷۶-
سر گرم جنگ تھے یونہی اکبر بصد جلال (۱)
نکلا پرے سے ایک سیہ رو پئے جدال (۲)
تھا خود سر پہ سرخ بدن پر تمام بال (۳)
کالی تمام جلد بدن آنکھیں لال لال (۴)
کہتی تھی عمر اُس کی یہ منہ پھیر پھیر کے (۵)
لو لے چلی شقی کو اجل گھیر گھیر کے (۶)

اصلاح - (۱) یوں صرف کشت و خوں تھا نبی زادۂ انام
(۲) ناگہ بڑھا پرے سے اک افراسیاب شام

(۳) دل تھا سیاہ موئے بدن سرخ تھے تمام
(۴) دل میں ترس نہ آنکھ میں اس کی حیا کا نام
(۵) سب سے کہا نقیب اجل نے پکار کے
(۶) لو لے چلی شقی کو قضا گھیر گھار کے

بند -۷۷-

نیزہ بصد غرور ہلاتا ہوا چلا
لشکر کو زور شور دکھاتا ہوا چلا
ملعون غیظ و غصہ میں آتا ہوا چلا (۱)
رہ رہ کے پیچ تاب بھی کھاتا ہوا چلا
شمشیر شعلہ ریز کو آخر نکال کے
آیا قریب اکبر یوسف جمال کے

اصلاح -

(۱) گھوڑے کو پوئیوں پہ لگاتا ہوا چلا

بند -۷۸-

بولا غرور سے وہ خطا کار بد زباں (۱)
ہشیار میرے زور سے واقف ہے اک جہاں (۲)
رستم بھی میری ضرب سے ہے مانگتا اماں (۳)
ہو زلزلہ زمین پہ گاڑوں اگر سناں (۴)
لیتا ہوں کام تیغ کا چین جبیں سے میں (۵)
اک ہاتھ پر پہاڑ اٹھالوں زمیں سے میں (۶)

اصلاح -

(۱) آیا حضور ثانیٔ پیغمبر زماں
(۲) بولا بہوش باش میں ہوں رستم جہاں
(۳) وہ ضرب ہے مری کہ اماں کو نہیں اماں
(۴) بھاگے زمیں فلک پہ میں گاڑوں اگر سناں
(۵) گردوں پھٹے جو ہاتھ بڑھے آستیں سے
(۶) انگلی پہ میں پہاڑ اٹھالوں زمین سے

بند -۷۹-

یہ سن کے آیا اکبر ذی جاہ کو جلال
فرمایا قہر سے کہ خبردار او شغال
خود سر کا سر جھکاتا ہے قہار ذوالجلال
ہے گرز آتشین جہنم ترا مآل

نیزہ ترا چھڑائے گا دنیا کے بند سے (۱)
ہو گا اسیر موت تو اپنی کمند سے

اصلاح - (۱) نیزہ ترا چھڑائے گا ہستی کے بند سے

بند -۸۰- بھاری نہیں ہے تو در خیبر سے او ذلیل (۱)
ہم سنگ کوہ بھی نہیں تیرا قد طویل (۲)
باطل کرے گی تیغ دو پیکر تری دلیل
کٹتے ہیں اپنی ضرب سے پر ہائے جبرئیل (۳)
سکے پڑے ہیں خلق میں اس ذوالفقار کے (۴)
ضیغم ہیں شیر بیشۂ پروردگار کے (۵)

اصلاح - (۱) کوہ اُحد سے تو نہیں ہم سنگ او ذلیل
(۲) خیبر کے در سے کیا ہے تن و توش میں ثقیل
(۳) کٹتے ہیں اپنی ضرب سے شہ بال جبرئیل
(۴) تجھ سے سیاہ قلب خجالت سے گڑ گئے
(۵) سکے دلوں پہ تیغ دو پیکر کے پڑ گئے

بند -۸۱- اکبر ہے نام قاسم خلد و سقر ہیں ہم (۱)
ہم شکل و ہم شمایل خیر البشر ہیں ہم (۲)
مارا تجھے تو باعث فتح و ظفر ہیں ہم (۳)
گر ہو گئے شہید در خلد پر ہیں ہم (۴)
اس خار زار دہر سے کانٹے ہیں پاؤں میں (۵)
ٹہلیں گے جا کے خلد میں طوبیٰ کی چھاؤں میں (۶)

اصلاح - (۱) اکبر ہے نام قاسم نار و جناں ہیں ہم
(۲) آئینۂ جمال رسول زماں ہیں ہم
(۳) مارا تجھے تو غازیٔ نصرت نشاں ہیں ہم
(۴) بے جاں ہوئے تو زندگیٔ جاوداں ہیں ہم
(۵) چھالے پڑے ہیں گو رہ ہستی سے پاؤں میں
(۶) مد نظر خرام ہے طوبیٰ کی چھاؤں میں

بند -۸۲- کھا کھا کے پیچ تاب پکارا وہ خیرہ سر
اکبر تمہیں ہو بانو و شبیر کے جگر

فرمایا ہاں میں ہوں شہ مظلوم کا پسر (۱)
سنتے ہی وہ لعین بڑھا لیزہ تان کر (۲)
غل تھا ملک پہ دیو کا لو وار چل گیا
بانو کا دل حسین کا سینہ دہل گیا (۳)

اصلاح ۔ (۱) فرمایا ہاں عرب کا عجم کا میں ہوں قمر
(۲) سنتے ہی وہ پلید بڑھا نیزہ تان کر
(۳) گردوں کا دل زمین کا سینہ دہل گیا

بند -۸۳- نیزہ کا وار کرنے لگا وہ خطا شعار
ہنس ہنس کے روکنے لگا بڑھ کر وہ گل عذار
پھر پھر کے ان پہ نیزۂ دشمن بھی تھا نثار
اپنی انی سے آپ وہ سوذی تھا دل فگار
خایف ہوا یہ ابن شہ ارجمند سے (۱)
نیزہ شقی کا کھل گیا اک ایک بند سے

اصلاح ۔ (۱) ترساں ہوا یہ ابن شہ ارجمند سے

بند -۸۴- جھنجلا کے تیغ تیز علم کی شریر نے
گھوڑا بڑھایا شیر جناب امیر نے
مارا کمر کا ہاتھ جو اس بے نظیر نے
اک شور مرحبا کا کیا طفل و پیر نے (۱)
غل تھا شکم جو شق ہوا اس نا صواب کا
توڑا شعاع مہر نے شیشہ شراب کا

اصلاح ۔ (۱) اک شور مرحبا کیا برنا و پیر نے

بند -۸۵- احسنت کا جو شور ہوا ہر طرف بلند
شبیر مدح کرتے ہیں سمجھا وہ ارجمند
خیمہ کو دیکھنے جو لگے پھیر کر سمند
نیزہ کمیں سے لے کے چلا ایک خود پسند
مارا شقی نے سینہ پر اس لالہ فام کے

جلتی ہوئی زمیں پہ گرے دل کو تھام کے

بند - ۸۶ - گرنے لگے فرس سے تو مارا کسی نے تیر
عطیہ دبیر - گھوڑے پہ ڈگمگائے یہ حالت ہوئی ......
امڈا سیہ گھٹا کی طرح لشکر شریر
ہالے میں ایک دفعہ گھرا وہ مہ منیر
سینے کو توڑ توڑ کے بھالے نکل گئے
اک جسم نازنین پہ سو وار چل گئے

بند - ۸۷ - گرتے ہوئے پکارے کہ ادرکنی یا حسین
بابا حسین خلق کے حاجت روا حسین
نیزہ شقی کا میرے جگر پر لگا حسین
جلد آئیے کہ آچکا پیک قضا حسین
سوکھے ہوئے ہیں پیاس سے لب لوٹتا ہوں میں (۱)
گھوڑے سے گر کے خاک پر اب لوٹتا ہوں میں (۲)

اصلاح - (۱) جان نزار جسم سے آنکھوں میں آئی ہے
(۲) پامال جسم ہوتا ہے بابا دہائی ہے

بند - ۸۸ - ہاں یاوران ابن شہنشاہ بحر و بر
آقا کے حال زار پر اس دم کرو نظر
فرزند کا پکارنا ادرکنی اے پدر
حضرت کا اضطراب نکلنا وہ ننگے سر
کہنا وہ رو کے اے مرے صفدر کہاں ہو تم
جائے کدھر پدر علی اکبر کہاں ہو تم (۱)

اصلاح - (۱) آواز دو سہی علی اکبر کہاں ہو تم

بند - ۸۹ - فرمانا سر کو تھام کے ہے ہے جواں پسر
عطیہ دبیر - فرزند کی تلاش میں تھامے ہوئے جگر
دریا کی سمت مڑ کے یہ کہنا بچشم تر
عباس دوڑو مر گیا فرزند خوش سیر

اک اک قدم پہ گرتے ہیں ہاتھوں میں ہاتھ دو
بھائی اٹھو حسین کا اس غم میں ساتھ دو

بند - ۹۰ -
فضہ کا جا کے کہنا حرم سے یہ ماجرا
عترت کا در پہ خیمہ کے وہ نوحہ و بکا
اک اک سے وہ حسین کا اکبر کو پوچھنا
زینب کے بین بانوئے بیکس کی یہ صدا
برچھی ستم کی سینہ سے ہے ہے گزر گئی
اکبر سدھارے آہ یہ ماں کیوں نہ مر گئی

بند - ۹۱ -
بیٹا تمہارا بیاہ نہ گھر میں رچانے پائی (۱)
وقت اخیر ہائے نہ پانی پلانے پائی (۲)
درتک بھی میں تمہارے خطر سے نہ آنے پائی (۳)
میت پہ ہائے ایک نہ آنسو گرانے پائی (۴)
ہے ہے کہاں سے ڈھونڈھ کے لاؤں میں آپ کو
تنہا جہاں میں چھوڑ گئے ماں کو باپ کو (۵)

اصلاح -
(۱) تم چل بسے نہ بانو نے شادی رچائی ہائے
(۲) کعبہ مدینہ کون سی بستی بسائی ہائے
(۳) لاش آئی اور برات تمہاری نہ آئی ہائے
(۴) واری دلہن تمہاری نہ دیکھی دوہائی ہائے
(۵) تنہا یہاں پہ چھوڑ گئے ماں کو باپ کو

بند - ۹۲ -
کوثر پہ پہنچے یا سوئے جنت ہوئے رواں
واری گئی زمیں پہ پڑے ہوں گے نیم جاں (۱)
صدقے تمہاری لاش کے اے میرے نوجواں
مجروح تیغ تیز اجل کیوں ہوئی نہ ماں (۲)
بستی بسی ہوئی مری ہے ہے اجڑ گئی (۳)
میں آکے ہائے کیسی مصیبت میں پڑ گئی (۴)

اصلاح -
(۱) جلتی زمیں پہ یا کہ پڑے تم ہو نیم جاں
(۲) لے کر بلا تمہاری تصدق ہوئی نہ ماں

(۳) بستی بسی بسائی مری سب اجڑ گئی
(۴) آفت میں گھر گئی میں تباہی میں پڑ گئی

بند -۹۳- بیٹا اٹھو بہن کو لکھو خط یہاں بلاؤ
روٹھی ہوئی پھوپھی ہیں قدم پر گرو مناؤ
مقتل میں غازیوں کے پروں کو جمانے آؤ
ھل من مبارز کی صدا ہے وغا کو جاؤ
پھر آؤ ماں کے پاس اجازت کے واسطے (۱)
اکبر قدم پہ گر پڑو رخصت کے واسطے (۲)

اصلاح - (۱) سجتے نہیں سلاح اجازت کے واسطے
(۲) اب ہاتھ جوڑتے نہیں رخصت کے واسطے

بند -۹۴- پھر رو کے بولی کہہ تو اب اے خاک نینوا (۱)
پالا تھا تیرے واسطے میں نے یہ مہ لقا (۲)
ہے ہے یہ میرا لال نہ تنہا کبھی رہا (۳)
عباس بھی نہیں کہوں کس سے یہ ماجرا
جاتی زمیں پہ ہائے پڑا میرا پھول ہے (۴)
پیدا ہوئی صدا کہ نگہباں بتول ہے

اصلاح - (۱) پھر پیٹ کر پکاری کہ اے دشت نینوا
(۲) پالا تھا تیرے واسطے اکبر کو میں نے کیا
(۳) اب تک یہ میرا لال اکیلا نہیں رہا
(۴) تنہا زمیں پہ میری مرادوں کا پھول ہے

بند -۹۵- چلائی اس قدر وہ مصیبت کی مبتلا
پیاسی زبان اینٹھ گئی دم الٹ گیا (۱)
اتنے میں لاش خیمہ میں لائے شہ ھدا
پیٹے حرم یہ غم سے کہ محشر ہوا بپا
مردہ پسر کا دیکھ کے چھاتی جو پھٹ گئی
بے اختیار لاش سے بانو لپٹ گئی

اصلاح - (۱) سوکھی زبان اینٹھ گئی دم الٹ گیا

بند -۹۶-
اے شاد بس کہ طول کا دینا نہیں پسند
پہنچی ہے اب کہاں سے کہاں فکر ارجمند
مضموں کے ساتھ ہوں گے ترے مرثیے بلند
مطبوع طبع اہل سخن ہوں گے سب یہ بند
شایان خود پسندی و اعزاز تو نہیں (۱)
یہ پٹنہ ہے یہ پٹنہ ہے کچھ لکھنؤ نہیں (۲)

اصلاح - (۱) یا رب یہ باغ نظم مرا بے خزاں رہے
(۲) اک رنگ پر بصورت باغ جناں رہے

بادهٔ کہن

محمد شاکر ناجی کی ایک غیر مطبوعہ غزل

مرے نامے کا قاصد آج گر لیکر جواب آوے
عجب نیں مجھ دل بیتاب کو شاید کہ تاب آوے

تصور (۱) میں ترے رخ کے گئی ہے نیند انکھیاں سوں
مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اوس کوں خواب آوے

زبس روتا ہوں کر کر یاد اوس گلرو کو گلشن میں
بجا ہے گر مرے انجھواں ستے ہوئے گلاب آوے

ہوا ہے آئنہ شوخی سوں ہم زانو مرے پیو کا
عجب نیں تاب رخ سے مکھ پر آئینے کے آب آوے

اگر ہو دایرے مجلس میں تو اے مشتری طلعت
تو مجرے کو ترے زہرہ فلک سوں لے رباب آوے

اگر ہو میکشی کا دل میں تیرے عزم اے گلرو
تری ساقی گری کوں جام لیکر آفتاب آوے

صبا اوس رشک یوسف کی گلی میں تو اگر جاوے
تو ناجی جاں بلب ہے، چاہ سوں کہیو شتاب آوے

(بیاض نمبر ۶۳۱ کتب خانہ خاص)

---

(۱) یہ شعر مخزن شعرا (ص ۴۸۸) میں ہے مگر اس کے پہلے مصرع میں۔
"انکھیاں سوں" کی جگہ "آنکھوں سے" لکھا گیا ہے۔

سودا اور قائم کی ادبی جنگ

کلب علی خاں فائق رامپوری

کلیات سودا میں ایک ''ساقی نامہ'' ملتا ہے، جس میں ''فوقی'' تخلص کے شاعر کی ہجو ہے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم (۱) کا کہنا ہے کہ قیام الدین ائم چاند پوری جو مدتوں دھلی میں رہے اور آخر میں قصبۂ امروھہ کے ہو گئے تھے، وہ آغاز شاعری کے وقت ھدایت اللہخاں ھدایت(شاگرد درد) شورہ کرتے تھے۔ چنانچہ قائم کے کچھ اشعار اُس زمانے کے جو قصباتیوں ان میں تھے، ھدایت سنایا کرتے تھے۔ قائم نے پھر خواجہ میر درد ملاح لی اور ھدایت سے منحرف ہو کر اُن کی ہجو میں ایک قطعہ بھی کہا سے اُن کی نالائقی ظاہر ہوتی ہے اور محمد طاہر غنی کے شعر (۲) کا سرقہ ہے، وہ قطعہ یہ ہے:۔

شاعری کا اسے آیا ہے بہت سا خترا
جو یہ کہتا ہے وہ اُستاد زماں سنتے ہو
امرہووے تو ''ھدایت'' کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ہوا یوں کہ میاں سنتے ہو
راست ہوتے ہیں کسی سے بھی کہیں کج طینت
تیر ہوتی ہے کہیں شاخ کماں سنتے ہو

اور اُس درویش نہاد اُستاد (ھدایت) نے بھی بشری تقاضے سے مجبور ر کہا:

چشم انصاف سے دیکھو تو میاں قایم تم
چاہئے یوں کہ ''ھدایت'' کو اب استاد کرو

---

۱ مجموعۂ نغز ج ۲ ص ۸۲، ۸۳ (ترجمہ از فارسی)
۲ شعر غنی: کج رابہ تکلف نتواں راست نمودن
کے تیر تواں ساختن از شاخ کماں ھا

اور جو کچھ شاعری کا دل میں تمھارے ہو گھمنڈ
کہہ چکے ہم تو غزل ، بارے تم ارشاد کرو

بہرحال آخر میں قائم نے مرزا محمد رفیع سودا سے مشورہ کیا لیکن خباثت اصلی کی وجہ سے اُن کی شاگردی سے بھی پہلوتہی کرتا تھا ۔ "سودا" نے ساقی نامہ اسی کی ہجو میں کہا تھا اس (قائم) کی عذر خواہی اور رجوع کے بعد اُس ہجو کو خیالی شاعر "فوقی" سے منسوب کر دیا ۔

سودا کے حالات میں آزاد نے یہی روایت نقل کی ہے :

"ہجووں میں ایک ساقی نامہ ہے جس میں "فوقی" شاعر کی ہجو ہے۔ اصل میں قیام الدین 'قائم' کی ہجو میں تھا وہ بزرگ باوجود شاگردی کے مرزا سے منحرف ہو گئے تھے - جب یہ 'ساقی نامہ' لکھا تو گھبرائے اور آ کر خطا معاف کر وائی ۔ مرزا نے ان کا نام نکال دیا اور 'فوقی' ایک فرضی شخص کا نام ڈال دیا ۔" (آب حیات ص ۱۰۵ ، ۱۰٦)

قاسم نے ساقی نامے کی شان نزول بیان کر کے قائم اور سودا کے جھگڑے کی تو وضاحت کردی مگر اس مباحثے کی تفصیلات پھر بھی نظروں سے اوجھل رھیں ۔ ارباب نظر "جنگی غزل" کی تلاش میں رہے ، کلیات سودا اور کلیات قائم کی ورق گردانی سے بھی یہ معمہ حل نہ ہو سکا ۔ راقم السطور نے کلیات سودا کے مختلف نسخے دیکھے تو یہ اندازہ ہوا کہ ساقی نامے کی حیثیت سوال اور جواب کی ہے ۔ اسے تنہا "سودا" کی ملکیت ٹھہرانا قابل غور ہے ۔ اس ساقی نامے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قائم نے سودا کی شاعری پر کچھ اعتراض کیے ، اور اپنے آپ کو شیر اور دوسرے شعرا کو بکری کہا ، اس کے جواب میں سودا نے کہا کہ یہ انداز قطعاً مناسب نہیں اگر بکری بھی جواب میں کچھ کہے تو کیا ہو ۔ اگر شاعری پر گھمنڈ ہے تو قصیدے ، غزل یا قطعہ بند میں جو ردیف اور قافیہ پسند ہو ، خود کہیے اور مجھ سے بھی کہلوائیے اور جس کو بھی چاہے ثالث بنائیے ، زبانی دعووں سے کیا ۔ قائم نے اس کا کیا جواب دیا اس کا پتا نہیں چلتا ۔ البتہ ساقی نامے کے اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سودا اور قائم کی یہ شاعرانہ جنگ آگے بڑھی ایک غزل قائم نے کہی ۔ جواب میں سودا نے بھی کہی ، فیصلہ

غالباً سودا کے حق میں ہوا ۔ سودا نے اس غزل پر تنقید کی اور غزل کی خامیاں گنوائیں ۔ قائم نے جواب دیا اور دوبارہ مشاعرت کی دعوت دی، سودا نے ساقی نامے میں کہا کہ بار بار مقابلے سے کیا فائدہ ۔ ایک غزل تم سے لڑا کر دیکھ لی اور شاعری میں تمہاری لیاقت اور اہلیت معلوم ہو گئی ۔ قائم کے دیوان میں ایک غزل ملتی ہے جس میں یہ شعر بھی ہے جس پر سودا نے اعتراض کیا تھا :-

جوں نقش قدم ہوں وطن گام نخستیں
بالفرض ترے کو سے اگر میں سفری ہوں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قائم کو سودا سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا پھر کیوں ان میں آن بن ہو گی ؟ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سودا نے ایک غزل لکھی تھی ۔ جس کے مقطع میں معاصرین کے اس خیال کی تردید تھی کہ وہ صرف بہترین قصیدہ گو ہے بہترین غزل گو نہیں ہے ۔ مقطع یہ ہے :

کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب
آن کی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاؤں گا

غالباً سودا کی اس غزل کا کافی چرچا رہا ہوگا ۔ قائم کو بھی یہ زمین پسند آ گئی اور اس نے بھی شاعرانہ تعلی کا مقطعے میں اس طرح اظہار کیا :

شوخی سے پہنچے ہے جوں ہند میں طوطی قائم
آگے سودا کے میں لے کر یہ غزل جاؤں گا (۱)

اس شاعرانہ تعلی کو سودا نے اپنی غزل کا جواب سمجھا اور قائم کی غزل پر بزم شعرا میں تنقید کی ۔ قائم کا مقصد استاد کی تضحیک نہ تھا ۔ سودا کے رویے سے دکھ ہوا ۔ معاصر شعرا نے دونوں کو ابھارا، اعتراضات کا سلسلہ بڑھتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ استاد اور شاگرد مقابلے میں خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے ۔ کسی کو ثالث ٹھہرایا گیا اور مصرع طرح تجویز ہوا ۔ سودا اور قائم نے غزلیں کہیں، ثالث کا فیصلہ کس کے حق میں ہوا اس کا دستاویزی ثبوت موجود نہیں لیکن سودا نے جو ساقی نامہ لکھا

---

(۱) قائم کی یہ غزل مخزن نکات میں جس کی تکمیل ۱۱۶۸ھ میں ہو چکی تھی، ملتی ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ پیش آیا ہوگا ۔ فائق

ہے اس میں قائم کی غزل کے ساتھ شعر گنائے ہیں - قائم نے اس مقابلے کے بعد بھی شکست نہ مانی اور مزید مقابلے پر آمادگی ظاہر کی - سودا نے ساقی نامے میں قصیدہ غزل اور قطعہ بند میں مقابلے کی دعوت دی تھی جب قائم نے غزل میں مقابلہ پسند کیا اور " جنگی غزل " کے بعد بھی ہزیمت تسلیم نہ کی تو سودا نے اعتراضات ساقی نامے مین تفصیلاً بیان کئے - سودا کی جوابی غزل نول کشوری نسخے میں نہیں ملتی ' جس سے یہ بحث طلب مسئلہ تشنہ رہ جاتا ہے - قائم کی ایک اور غزل اگر اسی عہد کی ہو تو ، اس کا روئے سخن بھی سودا کی طرف معلوم ہوتا ہے ، اس میں بھی ساقی نامے سے متعلق ایک شعر ملتا ہے جس میں نالے کو ''نے'' سے تشبیہہ دی ہے اور سودا نے اس پر بھی تنقید کی ہے - مقطع میں قائم نے اپنے آپ کو ''بلبل'' قرار دیا ہے اور معاصرین کو ''زاغ و زغن'' کہا ہے اس غزل کو دیکھنے سے پوری بحث واضح ہو جاتی ہے - غزل یہ ہے:

دامانِ گل تئیں ہے کہاں دست رس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ کر اے ہوس مجھے
بھٹکا میں وہ نہیں کہ ملوں قافلے سے پھر
کیوں بے دماغ کرتی ہے بانگ جرس مجھے
بیگانہ ہو وہ مجھ سے ، میں جس کا ہوں آئینہ
کیا کیجئے نہیں ہے محبت سے جسّ مجھے
ساقی نہ کھینچ مجھ کو تو مستوں کے دور میں
اک گردش نگاہ ہی تیری ہے بس مجھے
میری ازل سے ہے گروِ حزن زندگی
جوں ''نے'' دیا ہے نالہ بجائے نفس مجھے
یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اسے
دھڑکا بھی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے
''قائم'' میں عندلیب خوش آہنگ تھا پہ حیف
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

اس غزل کو مباحثے کی روشنی میں پڑھنے سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ نزاعی غزلوں میں اس کا شمار کرنا درست ہے -

سودا کے کلیات میں بعض غزلیں ایسی ہیں جو ادبی معرکہ آرائیوں کی

یادگار معلوم ہوتی ہیں ' لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ ان کا مخاطب کون ہے۔ سودا کی مخالفت قائم کے سوا اور شعرا سے بھی ہوئی ہے۔ جن میں بقا، حسرت، ضاحک، فدوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن سودا معمولی شعرا کے جواب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ ان غزلوں میں روئے سخن قائم ہی کی طرف ہو سکتا ہے:

سودا جو کوئی مرد ہیں میدانِ سخن کے
خاطر میں وہ لاتے ہیں کسی ہیز کے حملے
سودا کو تم سمجھتے تھے کہہ نہ سکے گا یہ غزل
آفریں ایسے وہم پر صدقے میں اس گمان کے
سخنور اب یہ ہیں جس طرح آپ کو کوئی
گہر کسی کا پڑا پا کے جوہری جانے

بہرحال قائم کی طرف روئے سخن ہو یا نہ ہو قائم سے سودا کی معرکہ آرائی اہم ترین ادبی معرکہ ہے۔ فدوی اور حسرت کے جواب میں سودا نے یہ نہیں کہا کہ غزل، قصیدے اور قطعات میں مقابلہ کرلو۔ یہ شرف صرف قائم کو حاصل ہے ہوا کہ استاد (سودا) شاگرد (قائم) کے مقابلے میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے غزلیں کہیں حکم خان آرزو ' اور مرزا مظہر جان جاناں یا شاہ حاتم ہوں گے ' درد اور میر کی حیثیت مساویانہ تھی اس لیے ان پر فیصلے کا انحصار سودا نہیں کر سکتے تھے پھر درد کا تعلق قائم سے استادی اور شاگردی کا رہ چکا تھا۔ قائم اور میر کے درمیان اچھے تعلقات تھے اور دونوں طرحی غزلیں کہتے تھے اس لیے میر کا حکم بننا ممکن نہ تھا قائم اور سودا کی طرحی غزلوں کے بارے میں معاصرین کا کوئی فیصلہ موجود نہیں ' ہاں سودا نے قائم کی جنگی غزل (طرحی غزل) کا مذاق اڑایا ہے۔ قائم کے اس مطلع پر:

نے گریۂ شب ہوں میں نہ آہ سحری ہوں
جوں بانگ جرس ہم نفس بے اثری ہوں

اپنے ساقی نامہ میں یہ اعتراض کیا ہے:

مطلع اول جو وہ جنگی غزل
رکھتی ہے سو اس میں تو ایسا خلل

"نے" نے جس پر یہ کیا شور و فساد
جس سے آیا تھا چھٹی کا دودھ یاد

دوسرا مطلع قائم کا یہ تھا :

جوں شمع دم صبح ' میں یاں سے سفری ہوں
ٹک منتظر جنبش باد سحری ہوں

اس مقطع کی نسبت سودا کا فیصلہ یہ ہے کہ میر کا مملوکہ ہے یعنی میر کا مضمون سرقہ کیا ہے میر کی ہم طرح غزل کلیات میں نہیں ' دوسری زمین میں کوئی ایسا مقطع یا شعر ہوگا جس کا مضمون قائم کے مطلع ثانی سے متوارد ہوگا اسی وجہ سے سودا نے مطلع کو مسروقہ مضمون ٹھہرایا۔ میر کے چند شعر اس مطلع سے معناً قریب ہیں لیکن ان اشعار کو قائم کے مطلع ثانی کا مآخذ نہیں ٹھہرا سکتے ۔ ملاحظہ ہوں :

گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے ، روتے ہی جوں شمع گل گیا
دم صبح ' بزم خوش جہاں شب غم سے کم نہ تھے مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو 'دود' تھا جو 'پتنگ' تھا سو غبار تھا
آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے ہمیں تو "دیا" سا بجھا دیا

تیسرے شعر کو "سودا" نے مہمل کہا ہے۔ موجودہ غزل میں مختلف نسخوں کے مطابق دس شعر ہیں اس لیے تیسرے شعر کا فیصلہ مشکل ہے ان اشعار میں سے کوئی شعر سودا کے نظریے کے مطابق تیسرا شعر ہوگا :

دیکھا نہ میں جز سایۂ بازوے شکستہ
حرمان زدہ جوں حسرت بے بال پری ہوں
میں پیرہن اپنے میں سماتا نہیں جوں گل
جس وقت سے آمادہ پئے جامہ دری ہوں
جاتا ہوں میں جیدھر کو وہ منہ پھیرے ہے مجھ سے
گویا کہ میں گرد قدم رہ گزری ہوں

سودا ان اشعار میں سے کسی کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ بے معنی اور مہمل ہے :

تیسرا جو شعر ہے یہ اُس کا حال
جس کے معنی خلق کے دور از خیال

قائم کے اس شعر پر (جو بہ قول سودا چوتھا شعر ہے) یہ اعتراض ہے کہ نقش پا کو چلنے سے تشبیہ کس طرح دے سکتے ہیں وہ تو ہمیشہ بے حس رہتا ہے آپ (قائم) اسے خواہ کتنے ہی دردناک لہجے میں پڑھیں لیکن شعر کا سقم سب پر واضح ہے اور اگر مفہوم کے سوا اور کوئی معنی جناب (قائم) کے ذہن میں ہیں تو وہ میں تو کیا عقل کل کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

قائم کا شعر یہ ہے :

جوں نقش قدم ہوں (ہو؟) وطن گام نخستیں
بالفرض ترے " کو " سے اگر میں سفری ہوں

سودا کا اعتراض :

شعر یہ چوتھا سنو اے مہربان
جس کے معنی نظم کر ' لکھیے بیان ؟
ہوئے پہلے ہی قدم مسکن صنم
گر چلوں تجھ کو سے جوں نقش قدم
نقش پا کو چلنے سے تشبیہ کیا
وہ تو بے حس محض رہتا ہے سدا
کو اسے پڑھیے بہ آواز حزیں
لیکن اُس کا سقم ' سب کے دل نشیں
اس سوا معنی گر اس بندش میں ہیں
" عقل کل " بھی وہ نہ سمجھے گا نہ میں

قائم کا یہ مقطع بھی محل ایراد ہے :

کس بزم میں دیکھی ہے وہ جھمکی کہ میں " قائم "
جوں شمع سدا محو پریشاں نظری ہوں

اس مقطع کے سلسلے میں سودا کہتے ہیں :

وہ جو مقطع ہے سو ایسا ہے لچر
نکتہ رس کہتے ہیں جس کو دیکھ کر
وہ جو نکتہ سر پہ رکھتی ہے خری
نیچے دے کے ہو گئی شیر جری

باقی دو شعروں کے بارے میں " سودا " نے سکوت کیا ہے اور کہا ہے
پوری غزل میں یہ شعر عیوب سے خالی ہیں خواہ اس کے مالک تم ہو یا
کوئی اور :

شعر دو اچھے ہیں دیکھے کر کے غور
اس کا دعوا تم کرو یا کوئی اور

باقی اشعار قائم کی غزل کے یہ ہیں :

سو خضر سے کم حوصلہ ، واں جی سے گئے ہیں
جس دشت خطرناک کا میں رہ گزری ہوں
جوں سرو رکھا ، سنگ جفا سے مجھے آزاد
مرہون ترا جی سے میں اے بے ثمری ہوں
کیا کم ہو " سکندر " سے اگر دیکھیے مجھ کو
آئینہ صفت مالک خشکی و تری ہوں

اس معرکے کے بعد اُستاد اور شاگرد کے مابین کشیدگی قائم رہی ۔ قائم
کی ایک غزل کا مقطع اس کشیدگی کو واضح کر رہا ہے :

" قائم " ترے سخن کو شوخی میں مانتا ہے
ظاہر میں تجھ سے ناخوش گو ہے ہزار سودا

سودا کو ردیف قرار دینا قائم کی شرارت اور شوخی نہیں تو کیا ہے ۔ یہ
سلسلہ دونوں کے لیے تکلیف دہ تھا سودا کے لیے خصوصاً ذلت کا باعث تھا کہ
اس کا شاگرد حریف بن جائے آخر احباب نے صفائی کی کوشش کی تو قائم نے
بھی قدرے معذرت سے کام لیتے ہوئے " سودا " کی خدمت میں یہ قطعہ بھیجا

لطف صحبت کا وہ ہے قبلۂ کو نین جہاں
دن بہ دن لطف کی امید ہو ، نے بیم گزند

مجھ سے اک خورد سے گو سہو ہوا بالفرض
خشم کس چیز پہ ، گر تھا تو وہ تھا موقع پند
اس سے بھی قطع نظر ، کیا میں کیا تھا تازہ
ناز کرتا ہی ہے والد پہ ' جہاں ہے فرزند
لیک منظور نہ تھی آپ کو مجھ پر اشفاق
بلکہ' خواہش تھی کسی طرح کٹے جیسے یہ پنڈ
سو میسر ہوئی وہ بات پس از مدت عمر
آپ اب خوش رہیں کرتا ہے یہ بندہ بھی انند
کچھ تاسف کی جگہ مجھ کو نہیں ترک کے بعد
کیوں کہ کیا خوب تھا باہم ہوں سخن پست و بلند
پھر وہی باتیں جو پھر بھاتی ہیں اب حضرت کو
پھر وہی بے مزگی آتی ہے خاطر کو پسند
ما بداں مقصد عالی نہ توانیم رسید
ہم مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

یہ قطعہ قائم کے مزاج افتاد کو ظاہر کر رہا ہے ۔ جس طرح سودا بے باک اور نڈر تھا اور لوگوں کی عزت اتارنے میں خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا وہی مزاج قائم کا تھا ' ایک کابلی مغل تھا تو دوسرا علوی داروغہ توپ خانہ' شاہی ' قائم کے مزاج میں سودا سے کم رعونت نہ ہوگی مغلیہ حکومت کا اقتدار لاکھ گر چکا تھا مگر عوام فوجیوں کے اقتدار سے ہمیشہ مرعوب رہے اگر سودا درباری آمرا سے وابستہ تھا تو قائم خود درباری تھا ۔ قائم شاعر بھی تھا اور شاہی دربار سے منسلک بھی ۔ اس لیے سودا کو قائم کی مخالفت گوارا نہ ہوئی ۔ اس قطعے کے تیکھے انداز کو سودا نے نظر انداز کردیا اور مزید صلح کی سلسلہ جنبانی کی ' کلیات سودا میں ایسی کوئی نظم نہیں ہے۔ غالباً اسے شامل کلیات نہیں کیا گیا یا یہ معذرت زبانی ہوگی ۔ قائم کی ایک غزل معذرت کے سلسلے میں ملتی ہے جس پر یہ ادبی معرکہ آرائی ختم ہوگئی ۔ غزل یہ ہے :

قبول عذر تو واں ہے جہاں ملال بھی ہو
بہ جان پاک صفا ' یاں جو کچھ خیال بھی ہو
وہ چاہے صدر نشینی ' جو ہو ترا ہم چشم
مجھے یہ کم ہے کہ جاگہ ' صف نعال بھی ہو

مثال آئنہ دل کو مرے صفا دے اگر
غبار کا تری جانب سے احتمال بھی ہو
کمال جگ میں سزاوار ناز ہے یہ سچ
پہ ناز کرنے کو انساں میں کچھ کمال بھی ہو
قصور خدمت احباب اس قدر "قائم"
کچھ آدمی کو ہے لازم کہ انفعال بھی ہو

مثنوی ابر گهر بار

مرزا اسد الله خان غالب

حکایت

[۱۰] شنیدم که شاهی درین دیر تنگ ز پهلو (۱) برون راند لشکر بجنگ
گزین شهسواران عنان بر عنان مهین نیزه داران سنان بر سنان
به پیچش ز چرمین عنان هاے سخت ز حل را بدلو، اندرون پاره رخت
بجنبش ز رخشان سنان های تیز بروی هوا نور خور ریز ریز
دلیرانه با لشکر نام جوئے بآقلیم بیگانه آورد روئے
ز بس چست خود را به پیکار برد بدشمن شبیخون بآیوار (۲) برد
بدان دم که در رهروے بر گرفت ز بد خواه اورنگ و افسر گرفت
ز کالای تاراج دامن فشاند به لشکر زر و مال دشمن فشاند
از آن گنج کز لعل و گوهر شمرد سر خصم پامزد خود بر شمرد
هنوز از غباری که برجسته بود بسا وره بر خاک ننشسته بود
که در جنبش از چرخ آرام یافت زدادار پیرو زگر کام یافت
نیازی ز فرخندگے بازگشت سوی کشور خویشتن باز گشت
خود آهسته رو بود، در ره ز نیش فرستاد فرمان، بدستور خویش
که فرمان دهد، تا به هر گونه بهر به بندند، آئین شادی به شهر
نمطها، به آراستن، نو کنند پرستاری بخت خسرو کنند
بدین دل کشا مژده کز شه رشید بهار طرب را سحر که رسید
بروزی که با یستی از شاهراه بایوان خرامد، خدا وند گاه
هم از شام مشعل بر افروختند امینان بکوشش نفس سوختند
به مهتاب شستند، سیمای خاک فشاندند پروین بدپیای خاک

---

(۱) خراسان قدیم، ایک علاقے کا پرانا نام

(۲) ایوار روز: بمعنی سفر روز - ۱۲ (غالب)

بازارها سو بسو صف به صف   به پیرایه مندی کشودند کف
ز هر پرده ، نقشی بر انگیختند   به هر گوشه ، چینی در آویختند
بدان گونه آئینه ها ساختند   که بینندگان ، چشم و دل باختند
سحر گه ، چون داد بار آفتاب   ز هر گوشه سر زد هزار آفتاب
زمین را ز گرمی بجوشید مغز   برون داد از کان گهر های نغز
به آرایش جادهٔ رهگزار   صدف ریخت از بحر در بر کنار
تو گوئی ز تاب گهرها بروز   که نگسسته پیرایهٔ شب هنوز
چو هر کس بأندازهٔ دسترس   بشادی زد ، از خود نمائی نفس
گروہے ز بے مایهٔ زندانیان   علی الرغم نوکسیه سامانیان
به آئین به بستند از خویشتن   سیه پردهٔ بر رخ انجمن
که (۱) هر تار زان پرده زنجیر بود   نوا ناله گر بم و گر (۲) زیر بود
به مرغوله کاندر نوا داشتند   همان دود دل بر هوا داشتند
بر اجزای تن جا بجا بند سخت   بهر بند لختی ز تن لخت لخت
نفس گرم شغل چراغان ز آه   ز گرمی خس و خار سوزان براه
چو گیتی گشا مرکب خسروی   قدم سنج اندازهٔ ره روی
[۱۱] بشهر اندر آورد از راه روی   رسیدند ، گوهر کشان پوی پوی
بدان جاده گوهر فرو ریختند   بمغز زمین رنگ و بو ریختند
ز آئین که در شهر بر بسته بود   دو صد نقش بر یک دگر بسته بود
بدان تا رود خطوهٔ چند بیش   بجنبید هر نقش بر جائے خویش
جگرگون نگاهان خونین نوا   گرفتند چون داغ بر سینه جا
ز اشک فرو خورده مشتی گهر   ملک را فشاندند بر رهگزر
ز خون گشته پنهان هوس های خویش   کشیدند خوان هائے یاقوت پیش
شهه دیده ور را ، دل از جای رفت   بخاموشیش بر زبان های رفت
خموشی به دل جوئی آواز شد   ترحم به گفتار دمساز شد
لب از جوش دل چشمهٔ نوش ریخت   نوید رهائی ، بسر جوش ریخت
ده و دودهٔ و گنجد انها ، ز پی   گدا یان روان کاروانها ز پی
عزیزی که یارای گفتار داشت   به هر پرده اندازهٔ بار داشت

(۱) متن ''گه هر تار'' کلیات سے تصحیح کی گئی ہے۔
(۲) '' گر بم و زیر بود'' صحیح نامه ''گز بم و گر زیر بود'' ۔

زبیداد ، ذوق شناساوری فغان بر کشید اندران داوری
که الماس در زر نشاندگان نسنجیده گوهر فشانند گان
بیانید و داغ بپای روند جگر تشنهٔ مرحبای روند
تهی کیسگان تا دمی بر کشند به گردون زر و لعل و گوهر کشند
بحرفی ، کز و لب گهر خیز شد جهانبان ، چنین پاسخ انگیز شد
که اینان جگر خستگان منند به آهن فرو بستگان منند
بجز موے و ناخن که بینی دراز زبان کوته از دعویٔ برگ و ساز
(۱) لباس از گلیم و زر از آهنست گر آهن زمن ، ور گلیم از من است
نیاورده اند آنچه آورده اند زمن برده اند آنچه آورده اند
به آئین در آئینهٔ انجمن مرا کرده اند آشکارا ، به من
از آن رو که در تب ز تاب منند همان ذرهٔ آفتاب منند
تو نیز ایکه! هرچیز و هرکس ز تست بهار و خزان و گل و خس ز تست
بروزی که مردم شوند انجمن شود تازه پیوند جان ها به تن
روان را به نیکی نوازندگان بسرمایهٔ خویش نازندگان
گهر هاے شهوار پیش آورند (۲) فروهیده کردار پیش آورند
ز نوری که ریزلد و خرمن کنند جهان را بخود چشم روشن کنند
به هنگامه با این جگر گوشگان درآیند مشتی جگر نوشگان
ز حسرت بغل برده دندان فرو ز خجلت سر اندر گریبان فرو
در آن حلقه من باشم و سینهٔ ز غم هاۓ ایام گنجینهٔ
در آب و در آتش بسر بردهٔ ز دشواری زیستن مردهٔ
تن از مایهٔ خود به بیم اندرون دل از غم به پهلو دو نیم اندرون
ز نسازی و ناتوانے بهم دم اندر کشا کش ز پیوند دم
[۱۲] ز بس تیرگی های روز سیاه نگه خورده آسیب دوش از نگاه
به بخشای بر ناکسیهایٔ (۳) من تهیدست و درمانده ام ، وای من
بد وش ترازو منه بار من نسنجیده بگزار کردار من
بکردار سنجی میفزای رنج گرانباریٔ درد عمرم بسنج

(۱) متن " سپاس از گلیم " صحیح نامه ـ " لباس از گلیم " ـ
(۲) فرو هیده : بمعنی خوب و نیک ـ ۲۱ ـ (غالب)
(۳) متن " ناکیهای " صحیح نامه " ناکسیهای " ـ

که من باخود از هرچه سنجد خیال ندارم بغیر از نشان جلال
اگر دیگران را بود گفت و کرد مرا مایهٔ عمر رنجست و درد
چه پرسی چوآن رنج و درد، از تو بود غمی تازه در هر نورد، از تو بود
فرو هل، که حسرت خمیر منست دم سرد من زمهریر منست
مبادا، به گیتی چو من هیچ کس جحیمی دلی، زمهریری نفس
به پرسش مرا در هم افشرده گیر پر کاه را صرصری برده گیر
پس آن که بدو رخ فرستاده دان در آتش خس از باد، افتاده دان
ز دودی که بر خیزد از سوز من شود بیش تاریکئی روز من
در آن تیرگی نبود آب حیات که بروی خضر را نویسی برات
ز دود و شراری که من دردهم نه گردون فرازم نه اختر دهم
فتد بر تنم چون از آن شعله داغ نسوزد بخاک شهیدان چراغ
اگر نالم از غم ز غوغای من نه پیچد بفردوس آوای من
که زهاد مینو نشین زان صدا به افشاندن دست کو بند پا
و گر هم چنین ست فرجام کار که می باید از کرده راندن شمار
مرا نیز یارای گفتار ده چو گویم بر آن گفته زنهار ده
درین خستگی پوزش از من مجوی بود بندهٔ خسته گستاخ گوی
دل از غصه خون شد نهفتن چه سود چو ناگفته دانی،(۱) بگفتن چه سود
زبان گرچه من دارم اما ز تست به تست ارچه گفتارم اما ز تست
همانا تو دانی که کافر نیم پرستار خورشید و آذر نیم
نکشتم کسے را با هر یمنے نبردم ز کس مایه در رهزنے
مگرمی که آتش بگورم ازوست به هنگامه پرواز مورم ازوست
من اندوهگیں و می اندہ ربائی چه میکردم،(۲) ای بنده پرورخدائی!
حساب می و رامش و رنگ و بوی ز جمشید و بهرام و پرویز جوی
که از باده تا چهره افروختند دل دشمن و چشم بد سوختند
نه از من که از تاب می گاه گاه بدریوزه رخ کرد با شم سیاه

---

(۱) کلیات و مثنوی میں ''نه گفتن چه سود'' ہے۔ مگر صحیح نامے میں ''به گفتن چه سود'' لکھا ہے۔

(۲) کلیات و متن ابر گہربار میں ''می گردم'' ہے مگر صحیح نامه میں ''می کردم'' لکھا ہے۔

نہ بستانسرائی نہ میخانہ‌ء
نہ دستانسرائی نہ جانانہ‌ء

نہ رقص پری پیکران بر بساط
نہ غوغای رامش گران در رباط

شبانگہ بہ می رہنمونم شدے
سحرگہ، طلب گار خونم شدے

تمنای معشوقہ‌ء بادہ نوش
تقاضای بیہودہ‌ء میفروش

چہ گویم چو ہنگام گفتن گزشت
ز عمر گرانمایہ بر من گزشت

بسا روز باران و شبہای ماہ
کہ بو دست بی می بچشمم سیاہ

[۱۳] بسا روزگاران (۱) بدلدادگے
بسا نوبہاران بہ بی بادگے

افقہا پر از ابر بہمن مہی
سفالینہ جام من از می تہی

بہاران و من در غم برگ و ساز
در خانہ از بے نوائی فراز

جہان از گل و لالہ پر بوی و رنگ
من و حجرہ و دامنی زیر سنگ

در عیش جز رقص بسمل نبود
بآندازہ‌ء خواہش دل نبود

اگر تافتم رشتہ گوہر شکست
و گر یافتم بادہ، ساغر شکست

چہ خواہی ز دلق می آلود من
ببین جسم خمیازہ فرسود من

ز پائیز گویم بہارم گزشت
ز می بگزرم روزگارم گزشت

بنا سازگاری ز ہمسایگان
بہ سرمایہ جوئی ز بے مایگان

سر از منت ناکسان زیر خاک
لب از خاک بوس خسان چاک چاک

بہ گیتی درم بینوا داشتے
دلم را اسیر ہوا داشتے

نہ بخشندہ شاہی، کہ بارم دہد
بہ ہر بار زر، پیل بارم دہد

کہ چون پیل ز انجا برانگیز می
زرش بر گدایان فرو ریز می

نہ نازک نگاری کہ نازش کشم
بہر بوسہ زلف درازش کشم

چوزان غمزہ تیشی بدل بر خورد
رگ جان غم نوک نشتر خورد

بدان عمر ناخوش کہ من داشتم
ز جان خار در پیرہن داشتم

چو دل زین ہوسہا بجوش آمدی(۲)
ز دل بانگ خونم بگوش آمدی

ہنوزم ہمان دل بجوش اندرست
ز دل بانگ خونم بگوش اندرست

چو آن نامرادے بیاد آیدم
بہ فردوس ہم دل نیاسایدم

---

(۱) کلیات و متن ابر گہربار میں ''می گردم'' ہے مگر صحیح نامے میں ''می کردم'' لکھا ہے۔

(۲) کلیات و متن مثنوی میں ''آیدی'' ہے مگر صحیح نامے میں ''آمدی'' بنایا گیا ہے۔

دلی را که کمتر شکیبد بباغ — در آتش چه سوزی بسوزنده داغ
صبوحی خورم گر شراب طهور — کجا زهرهٔ صبح و جام بلور
دم شبرویهای مستانه کو — به هنگامه غوغای مستانه کو
در آن پاک میخانهٔ بیخروش — چه گنجایش شورش نای و نوش
سیه مستی ابر و باران کجا — خزان چون نباشد بهاران کجا
اگر حور در دل خیالش که چه — غم هجر و ذوق وصالش که چه
چه منت نهد ناشناسا ، نگار — چه لذت دهد وصل بے انتظار
گریزد دم بوسه اینش کجا — فریبد به سوگند دینش کجا
برد حکم و نبود لبش تلخ گوئی — دهد کام و نبود دلش کامجوی
نظر بازی و ذوق دیدار کو ؟ — به فردوس روزن بدیوار کو ؟
نه چشم آرزو مند دلالهٔ — نه دل تشنهٔ ماه پر کالهٔ
ازینها که پیوسته میخواست دل — هنوزم همان حسرت آلاست دل
چو پرسش رگی را ، بکاود ، ز دل — دوصد دجله خونم تراود ، ز دل
بهر جرم کز روی دفتر رسد — ز من حسرتے در برابر رسد
[م ۱] بفرسائی کاین داوری چون بود؟ — که از جرم من حسرت افزون بود؟
هر آئینه هم چون منے رابه بند — تلافی فرا خور بود ، نے گزند
بدین مویه در روز امید و بیم — بگریم به انسان که عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چاره جوی — تو بخشی بدان گریه ام آبروی
و گر خون حسرت هدر کرده ای — ز پاداش ، قطع نظر کرده ای
گزشتم ز حسرت امیدیم هست — سپید آب روی سپیدیم هست
که البته این رند نا پارسا — کج اندیشه گبر مسلمان نما
پرستار فرخنده منشور تست — هوا دار فرزانه وخشور (۱) تست
به بند امید استواری فرست — به ' غالب ' خط رستگاری فرست

نعت

بنا میزد ، اے کلک قدسی صریر — به هر جنبش از غیب نیرو پزیر
ز مهرم بدل هم چو آه اندر آی — ز دل تا بر آرم به گردون بر آی
چو بر سلسبیلت ره افتد به خم — خیابان خیابان به مینو به چم
به دم درکش آب گهر سای را — نمودار کن گوهر لای را

---

(۱) وخشور: پیغمبر - (مرتب)

فرو رو بدان لای و دیگر بروی   ز سرسبز گردد فرو سو به پوی
شکافی ازآن در بخویش اندآر   بهشتی نسیمی به ہوش اند آر
بدان نم که اندر سرشت آوری   بدان باد خوش کز بهشت آوری
دل آویز تر جنبشے ساز کن   به جنبش رقم سنجی آغاز کن
درودی به عنوان دفتر نویس   به دیباچه نعت پیمبر نویس
محمد کز آئینهٔ روی دوست   جز اینش نه دانست دانا که اوست
زهی روشن آئینهٔ ایزدی   که در وی، نه گنجید رنگ خودی
ز راز نهان پردهٔ بر زده   ز ذات خدا معجزی بر زده
تمنائے دیرینهٔ کردگار   بوی ایزد از خویش امیدوار
تن از نور پالوده سر چشمهٔ   ولی هم چو مهتاب در چشمهٔ
به هر جام ازو تشنهٔ جرعه خواه   به هر گام ازو معجزی سر براه
کلامش به دل در فرود آمدن   ز دم جسته پیشی، بزود آمدن
خرامش به سنگ، از قدم نقشبند   به رنگی، که نادیده پایش گزند
به دستش، کشاد قلم نارسا   به کلکش، سواد رقم نارسا
دل امید جای، ز زیان دیدگان   نظر قبله گاه، جهان دیدگان
به رفتار، صحرا گلستان کنی   به گفتار کافر مسلمان کنی
به دنیا، ز دین روشنائی دهی   به عقبیٰ ' ز اتش رهائی دهی
بخوی خوش ' اندوه کاه همه   به آمرزش ' امید گاه همه
لب نازنینش ' گزارش پزیر   جهان آفرینش ' سپارش پزیر
زمیں ' دل ز کف دادهٔ پای او   خود از نقش پایش ' سوایدای او
[۱۰] پئی آنکه او را ببوسد قدم   لب آورده یثرب ز زمزم بہم
ز بس محرم پردهٔ راز بود   بنزدیکیٔ حق، سرافراز بود
ر رازی که بادی سرودی سروش   صدائیش بودی، ز اول بگوش
خہی، قبلهٔ آدمی زادگان   نظر گاه پیشیں فرستادگان
کسائی (۱) ده اسل آدم بخویش   روائی ده نقد عالم به خویش
بلندی ده کعبهٔ بالای او   ختن، بستهٔ چین گیسوی او
به کیش فریور، (۲) جهان رهنمای   ز بی راه پویان، خرامش ربای
ز بت بندگی، مردم آزاد کن   جهانی بیک خانه آباد کن

---

(۱) کسائی : بمعنی شخصیت - ۱۲   (۲) فریور : صاحب دبدبه - ۱۲

به محراب مسجد رخ آرای دبر   به اندیش خویش و دعاگوی غیر
تو گوی ز بس دل ز دشمن رباست   که سنگ درش، سنگ آهن رباست
ز خونی که در کربلا شد سبیل   ادا کرده وام زمان خلیل
گزیں بنده کز بندگی سر نه تافت   ز والا بسیجی عوض بر نه تافت
کنش را بدان گونه شیرازه بست   بدین صفحه نقشی چنان تازه بست
که تا گردش چرخ نیلوفری   بود سبز (۱) جایش به پیغمبری
دل افسرده مالک ز خوش خوئیش   کمر بسته رضوان به دل جوئیش
ز کوثر به بینند تا درگهش   ز طوبی همان تا به لشکر گهش
کدوی گدا و شراب طهور   کف پای درویش و رخسار حور
ز بادی که از دم بر افلاک زد   ز نقشی که از مهر بر خاک زد
غرا، زین جهانش ز خود پیش دید   فرو دین گروهش هم از خویش دید
مگس ران خوانش، پر جبرئیل   بخوان گستری' پیش کارش خلیل
جمالش' دل افروز روحانیان   خیالش، نظر سوز یونانیان
به دم، حرز بازوی افلاکیان   به پیوند، پیرایهٔ خاکیان
به معراج رایت به گردون بری   بدین شبروان، بر شبیخون بری
سخن، تا دم از ذکر معراج زد   بمن چشمک خواهش تاج زد
همانا، تهی دستم انگاشته   که خواری بمن، بر روا داشته
چو' نبود مرا' زین تمنا گزیر   هر آینه گر دم تمنا پزیر
ز مه پایه' تا کلبهٔ مشتری   بروبم (۲) فلک رابه چو لانگری
نفس ریزه های فروزنده هور   جگر پاره های کواکب' ز نور
که افتاده بینم' بدان ره گزار   گدایانه برچینم' از ره نثار
نثار شبی' کش ستایش گرم   به چیدن' ز بالا فرود آورم
کنم تاج طرح' از گهر ریزه ها   ز گوهر' بتاج اندر آویزه ها
به سائل دهم' تار سانم سرش   بجای کز انجا رسید افسرش

بیان معراج

[۱۶] همانا' در اندیشهٔ روزگار   شبی بود' سر جوش لیل و نهار
شبی' دیده روشن کن دل فروز   ز اجزای خود، سرمهٔ چشم روز

(۱) سبز بودن جای : بمعنی خالی بودن جای - ۱۲
(۲) اصل میں '' بروبم '' ہے۔ کلیات میں '' برویم ''

شبی، فرد فهرست آثار عید — بیاضش، ز جوش رقم ناپدید
ز ایام، فیض سحر یافته — به شبگیر، خورشید در یافته
به روشن دلی، مایه اندوز بود — چنین شب مگر بهر یک روز بود
دران روز فرخنده آن شب نخست — همه روز، خود رابه خرشید شست
فرو رفت چون روز لیلای شب — برآراست، محمل بر سم عرب
رخی، جلوه گر در پرند (۱) سیاه — چو از مردمک، جوش نور نگاه
به راهش، ز بس نور می بیختند — بهر ذره، خرشید، می ریختند
چه بود، از درخشندگی کان نداشت — نیازی به خرشید تابان نداشت
نه گویم شبی، ماه وش دل بری — خور، از زیور پیکرش گوهری
گر از زیوری، گوهری کم شود — چه از تابش پیکری کم شود؟
به زیر زمین کرده خفاش روی — پئی امن گردید، خرشید جوی
چنان گشته سر تا سر اجزای خاک — فروغانی و روشن و تابناک
که گوئی مگر، مهر زیر زمین — فروزان فوه (۲) بود و پشت نگین
ویا خاک با جوهر آفتاب — بیا میخت، چون درد می با شراب
سحر، با خود از خود بریده امید — که چون پیش این شب توان شد سپید
بفرض، ار دران شب، ز بی ره دوی — زدی مهر تابان، دم از شبروی
بدان گونه بودی بچشم خیال — که شاید نهد بر رخ از مشک خال
شده چشم اعمی، دران جوش نور — تماشا گر حال اهل قبور
دریغا، نبودم، اگر بودمی — و زان روشنی، بینش افزود می
بخندید می، بر دبیر (۳) یسار — چو او را ز خود دید می شرمسار
خرد، گر بکوشش نفس سوختی — برون زین نمط ما یه نندوختی
که بر قیست امشب، که رم نیستش — ز جا جستن دمبدم، نیستش
چگویم، چسان گیتی افروز بود — شبی بود، کز روشنی روز بود
ازان روز، تشبیه عارض به شب — اگر رسم گشتی نه بودی عجب
دران شب ز بس بوده رخشان سرشت — فرو خوانده مردم خط سر نوشت
نگه رابه هنگامه، بے سعی و رنج — نمایان ز دل راز، و از خاک گنج

(۱) اصل میں "در پرند نگاہ" ہے لیکن کلیات میں "در پرند سیاہ" ہے۔
(۲) فوہ: بمعنی ڈانک جو نگ کے تلے رکھتے ہیں۔۱۲
(۳) دبیر یسار: بائیں ہاتھ پر نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ، نکیر۔ (مرتب)

ز بس ریزش نور بالای نور   بگیتی روان بود ، دریای نور
که ناگہه ورود سروشان سروش   درآن بیکران قلزم افگند جوش
ز بادی که از بال جبریل خاست   تنومند موجی ازان نیل خاست
صدائی رسید از پر بہمنی   که خود گوش چشمی شد از روشنی
ہمس پرده دار در کبریا   کشاینده ٔ پرده بر انبیا
ہمایون ہمای پیام آوری   به آوردن نامه ، نام آوری
[۱۔ء] روان و خرد را روانی بدو   نبی را دم رازدانی بدو
امینی (۱) "نخستین خرد" (۲) نام او   ز سر جوش نور حق آشام او
فروزان به فر فروغ یقین   چنان کز محمد دل ' ازوی جبین
سراینده ٔ راز ، بعد از درود   بدین پرده راز لہانی سرود
که " ای چشم ہستی بروی تو باز   نیاز تو ہنگامه آرای ناز " !
خداوند گیتی خریدار تست   شب ست این ' ولی روز بازار تست
چنین لنگر ناز سنگین چرا ؟   نه ٔ طور ' اظہار تمکین چرا ؟
کسان ، جلوه بر طور گر دیده اند   ز راه تو ' آن سنگ بر چیده اند
نه بینی براه اندرون سنگلاخ   کران تا کرانست ' راہی فراخ
بلی ' از گدایان دیدار خواه   نه بیند کسی جز بره روی شاه
عزیزی که فرمان شاہش بود   گزین پایه دربار گاہش بود
به دور تو شد لن ترانی کہن   فصاحت مکرر نه سنجد سخن
ترا خواست یزدان پاک   ہر آئینه از لن ترانی چه باک
تو ئی کانچه موسیٰ باو گفته است   خداوند یکتا بتو گفته است
تو ئی آنکه تا سر ترا خوانده اند   درین ره گزر گرد بنشانده اند
ز ایمن چه گوئی که راه ایمنست   به شبگیر بر شو که شب روشن است
بنه در ره از پرتو روی خوش   چراغی فرا طاق ابروی خویش
نه گویم که یزدان ترا عاشقست   ولی زان طرف جذبه ٔ صادق است
جہان آفرین را خور و خواب نیست   تو فارغ به بستر چه خسپی ' بایست
بیارای شمشاد بی سایه را   به پیمای اورنگ نه پایه را "!
چو خاطر به گفتار خویشش کشید   ہما مایه رخشی به پیشش کشید
بروحانیان پرورش یافته   ز ریحان مینو خورش یافته

---

(۱) " ابرگہربار " کے متن میں " مینی " ہے - غلط نامے میں تصحیح ہے -
(۲) نخستین خرد : عقل اول ' وجود محمدی -

هیونی، که تا دم ز مستی زند   ز بالا قدم سوی پستی زند
ز گنبد به غلطانی ار گردگان   نیفتد که آید فرو، ز آسمان
شتابش برفتار زان حد گزشت   که تا گوئی "آید"، ز آمد گزشت
بہم "چشمی" ہور"، ساغر سمی   بہم دوشی "ہور گیسو" دمی
سبک خیز یش خنده زن بر نسیم   که در جنبش انگیزد از گل شمیم
هم از بادصبحی، سبک خیز تر   هم از نکہت گل، دل آویز تر
ز ساق و سمش، گر ببزم مدام   کنی، ساز تشبیه مینا و جام
نباشد شگفت، ار بدیدن رسد   که آن باده، پیش از رسیدن رسد
ز تیزی، به گلبرگ گر بگزرد   ز گلبرگ، رنگ آن چنان بسترد
که دیگر، بدان دیده راست بین   که بو رنداند، گل از یاسمین
دو صد ره، ز چشم ار به دل در رود   درین ره به جستن سراسر رود
نه اجزای بینش، ز هم بگسلد   ز پیوند هنجار دم، بگسلد
[۱۸] پیمبر، بدین مژده دل نواز   که بودش در اندیشه از دیر باز
ز بس ذوق، ناسوده بریال دست   بران باره، یکبارگی بر نشست
مثل زد برین ماجرا، بلبلی   که "باد آمد و برد بوی گلی"
خرامی، ز مقراض "لا" تیز تر   جمالی، ز "الا" دلآویز، تر
چو بود آتش، آن پویه آتشین   بر افروختنش، باد دامان زین
براق از قدم خار در راه سوخت   پیمبر به دم، "ماسوی‌الله" سوخت
فرس، چون سواری سر افراز یافت   دمی تازه، در خویشتن باز یافت
به جنبش در آمد، عنان ناگہش   فضای زمین گشت، جولانگہش
به سم، گنج قارون نمایان کنان   به دم، عقد پروین، پریشان کنان
چنین، تا ز بیت المقدس گزشت   ازین کہنه کاخ مقرنس گزشت
هوا تا زند بوسه، بر پای او   براه اندر آویخت، در پای او
ولی، توسن از بسکه سرکش گزشت   هوا تا دهد بوسه، ز آتش گزشت
قدم تا بر اورنگ ماهش رسید   باکایل کیوان کلاهش رسید
ببالید چندان، ز بیشی قدر   که بی منت مہر، گردید بدر
شد، از پردلی، هم بتحت‌الشعاع   مقابل به خرشید، در اجتماع
ز مه، گر کند مہر، پہلو تہی   چه غم چون ز خویشش بود فربہی
چو فرمان چنان بودش، از شهریار   که گردد دران راه، منزل شمار
به هنگام عرض نشانهای راه   بران پیک دانا، ببخشود شاه

ز بس ریزش نور بالای نور   بگیتی روان بود ، دریا
که ناگهه ورود سروشان سروش   درآن بیکران قلزم افگند
ز بادی که از بال جبریل خاست   تنومند موجی از ان نیل
صدائی رسید از پر بهمنی   که خود گوش چشمی شد از
مهین پرده دار در کبریا   کشایندهٔ پرده بر
همایون همای پیام آوری   به آوردن نامه ، نام
[۱۷] روان و خرد را روانی بدو   نبی را دم رازدانی
امینی (۱)"نخستین خرد"(۲) نام او   ز سر جوش نور حق آ
فروزان به فر فروغ یقین   چنان کز محمد دل ' از وی
سرایندهٔ راز ، بعد از درود   بدین پرده راز لهالی
که " ای چشم هستی بروی تو باز   نیاز تو هنگامه آرای
خداوند گیتی خریدار تست   شب ست این ' ولی روز باز
چنین لنگر ناز سنگین چرا ؟   نهٔ طور ' اظهار تمکین
کسان ، جلوه بر طور گر دیده اند   ز راه تو ' آن سنگ بر
نه بینی براه اندرون سنگلاخ   گران تا گرانست ' راه
بلی ' از گدایان دیدار خواه   نه بیند کسی جز بره ر
عزیزی که فرمان شاهش بود   گزین پایه دربار گاه
به دور تو شد لن ترانی کهن   فصاحت مکرر نه سنجد
ترا خواست یزدان پاک   هر آئینه از لن ترانی چا
تو ئی کانچه موسیٰ باو گفته است   خداوند یکتا بتو گفت
تو ئی آنکه تا من ترا خوانده اند   درین ره گزر گرد بنشا
ز ایمن چه گوئی که راه ایمنست   به شبگیر بر شو که شب رو
بنه در ره از پرتو روی خوش   چراغی فرا طاق ابروی
نه گویم که یزدان ترا عاشقست   ولی زان طرف جذبهٔ صا
جهان آفرین را خور و خواب نیست   تو فارغ به بستر چه خسپی
بهارای شمشاد بی سایه را   به پیمای اورنگ نه پا
چو خاطر به گفتار خویشش کشید   هما سایه رخشی به پیشش
بروحانیان پرورش یافته   ز ریحان مینو خورش

---

(۱) " ابر گہر بار " کے متن میں " مینی " ہے ۔ غلط نامے میں تصح

هیونی، که تا دم ز مستی زند　　ز بالا قدم سوی پستی زند
ز گنبد به غلطانی ار گردکان　　نیفتد که آید فرو، ز آسمان
شتابش برفتار زان حد گزشت　　که تا گوئی "آید" ز آمد گزشت
بهم "چشمیِ هور" ساغر سمی　　بهم دوشیِ "حور گیسو" دمی
سبک خیز یش خنده زن بر نسیم　　که در جنبش انگیزد از گل شمیم
هم از باد صبحی، سبک خیز تر　　هم از نکهت گل، دل آویز تر
ز ساق و سمش، گر ببزم مدام　　کنی، ساز تشبیه مینا و جام
نباشد شگفت، اربدیدن رسد　　که آن باده، پیش از رسیدن رسد
ز تیزی، به گلبرگ گر بگزرد　　ز گلبرگ، رنگ آن چنان بسترد
که دیگر، بدان دیدهٔ راست بین　　که بو رنداند، گل از یاسمین
دو صد ره، ز چشم ار به دل در رود　　درین ره به جستن سراسر رود
نه اجزای بینش، ز هم بگسلد　　ز پیوند هنجار دم، بگسلد
[۱۸] پیمبر، بدین مژدهٔ دل نواز　　که بودش در اندیشه از دیر باز
ز بس ذوق، ناسوده برپال دست　　بران باره، یکبارگی بر نشست
مثل زد بر این ماجرا، بلبلی　　که "باد آمد و برد بوی گلی"
خرامی، ز مقراض "لا" تیز تر　　جمالی، ز "الا" دلآویز، تر
چو بود آتش، آن پویهٔ آتشین　　بر افروختنش، باد دامان زین
براق از قدم خار در راه سوخت　　پیمبر به دم، "ماسوی‌الله" سوخت
فرس، چون سواری سر افراز یافت　　دمی تازه، در خویشتن باز یافت
به جنبش در آمد، عنان نا گهش　　فضای زمین گشت، جولانگهش
به سم، گنج قارون نمایان کنان　　به دم، عقد پروین، پرشان کنان
چنین، تا ز بیت المقدس گزشت　　ازین کهنه کاخ مقرنس گزشت
هوا تا زند بوسه، بر پای او　　براه اندر آویخت، در پای او
ولی، توسن از بسکه سرکش گزشت　　هوا تا دهد بوسه، ز آتش گزشت
قدم تا بر اورنگ ماهش رسید　　با کایل کیوان کلاهش رسید
ببالید چندان، ز بیشی قدر　　که بی منت مهر، گردید بدر
شد، از پر دلی، هم بتحت‌الشعاع　　مقابل به خرشید، در اجتماع
ز مه، گر کند مهر، پهلو تهی　　چه غم چون ز خویشش بود فربهی
چو فرمان چنان بودش، از شهریار　　که گردد دران راه، منزل شمار
به هنگام عرض نشانهای راه　　بران پیک دانا، ببخشود شاه

به فر قبول خودش ' خاص کرد
بداغش ' نشانمند اخلاص کرد.

به سیمای مه ' داغ چون بر نهاد
دوم پایه را پایه بر تر نهاد

صفای کشاد خدنگ نگاه
بدان حد که شد تیرش آماجگاه

به شمعی که بینش به شبگیر سوخت
شه دیده ور تیر بر تیر دوخت

عطارد به آهنگ مدحت گری
زبان جست بهر زبان آوری.

به دستوری خواهش روزگار
نهان خود از پرده کرد آشکار

در اندیشه ' پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرفت.

به دل گرمیٔ شوق جرأت فزای
شد از دست و گردید ' دستان سرای

درین صفحه مدحی که من می کنم
خود از گفتهٔ خود سخن می کنم.

که ای ذرهٔ گرد راه تو من
ز خود رفتهٔ جلوه گاه تو من

نظر ' محو حسن خدا داد تو
ستم ' کشتهٔ غمزهٔ داد تو

برفتار ' رخش تو اختر فشان
بگفتار ' لعل تو گوهر فشان

قبول غمت ' حرز بازوی شاه
غریب رهت ' جنت آرامگاه

خراج تو بر گنج کلشائیان
نثار تو پارنج مشائیان.

جهان آفرین را گرایش به تو
کنه بخشیش را نمایش به تو

سر من' که بر خط فرمان تست
نجاتش ز دوران ، به درمان تست

[۱۹] درین ره ستایش نگار تو ام
به بخشایش ، امیدوار تو ام

ازان پس که گشت اندران مرحله
عطارد فروزان ، بنور صله

سپہر سوم ، گشت جو لانگہش
جبین سود ، ناهید ، اندر رهش

بط و بربط ، از پیش بر چیدنش
نشان می و نغمه پوشیدنش

بدان گرمی از جا ، بر انگخیت گرم
که خونش ز اعضا ، فرو ریخت گرم

نه تنها برخساره رنگش شکست
که از لرزه در دست چنگش شکست

به ناخن شکستش ازآن زخمه نی
که دلهای شوریده خستی پوی

ز بیم از کف چنگیٔ دل نواز
به غیر از دف مه ' فرو ریخت ساز

چو در حلقهٔ شرع شد چنبری
به دان دف در آمد به خنیا گری

مه و زهره باهم دگر خوش بود
چو ساقی که از نغمه سر خوش بود

بدان دم که زاور'(۱) به رامش گرفت
چو شه سوی بالا خرامش گرفت.

ردای ز نورش به انعام داد
که در جلوه بر سر کشد بامداد

(باقی آئندہ)

---

(۱) زاور : ستارهٔ زهرا - مرتب

نئی کتابیں

پاکستان منزل بہ منزل

مصنف : سید شریف الدین پیرزادہ ۔ صفحات : ۴۹۸

قیمت: چھ روپے ۔ ناشر : گلڈ پبلشنگ ھاؤس ۔ کراچی

" پاکستان منزل بہ منزل " یہ نام ہے ملک کے مشہور وکیل سید شریف الدین پیرزادہ صاحب کی اس کتاب کا جو انگریزی میں Evolution of Pakistan کے نام سے اشاعت پذیر ہوچکی ہے ۔ اس کتاب کا دیباچہ راقم الحروف نے لکھا ہے جس پر کچھ کہنا مناسب ہے نہ ضروری ۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے کتاب پر اظہار رائے کرتے ہوئے مصنف کو مبارکباد دی ہے کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب کی صورت میں ایک معرکہ آراء تاریخی شاہکار پیش کیا ہے ۔ پاکستان منزل بہ منزل ــ کا مطالعہ کرنے والے صدر محترم کی اس رائے سے یقیناً اتفاق کریں گے ۔ تحریک پاکستان کے تاریخی جواز کے سلسلہ میں اب تک اچھا خاصا ادب پیدا ہو چکا ہے لیکن یہ بات سنجیدہ حلقوں میں بڑی شدت سے محسوس کی جاتی ہے کہ ابھی تک اس موضوع پر اعلیٰ درجے کی کتابیں تصنیف نہیں ہوئیں ۔ سید شریف پیرزادہ نے اس کمی کو دور کرنے کے لئے پہلا کامیاب اور قابل تحسین قدم اٹھایا ہے جو یقیناً ملک کے تحقیق پسند حلقوں سے خراج تحسین وصول کرے گا ۔ سید صاحب ملک کے مشہور قانون داں ہیں اس لئے وہ ہر دعوے کے ساتھ ٹھوس شہادتیں پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ۔ ان ٹھوس شہادتوں کی وجہ سے یہ کتاب ایک اہم کتاب حوالہ بن گئی ہے جس کی اساس پر مزید اچھی کتابیں لکھی جا سکیں گی ۔

مصنف کو اس مختصر سی کتاب میں طویل عہد کو سمیٹنا پڑا ہے ۔ اس لئے وہ ہر محل جملوں کے سہارے صدیوں سے گزرے ہیں ۔ مختصر سی عبارتوں میں قرنوں کا جائزہ لیتے گزر گئے ہیں تا اینکہ وہ تحریک پاکستان تک پہنچ

سکے ۔ مسلم ہندوستان کی تحریک آزادی کے باب میں انہوں نے بعض نادر حوالے جمع کئے ہیں جن کی روشنی میں پوری تحریک نئے اور ٹھوس انداز میں زیر بحث لائی جا سکے گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب حوالہ کی حیثیت سے اس تصنیف کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اس کوشش ' کاوش اور محنت کے لئے جو مصنف نے اس کارنامہ کی تدوین میں انجام دی ہے ، وہ ہر تحقیق پسند کے شکریے کے مستحق ہیں ۔

(سید محمد تقی)

صلیب غم

مصنف : عارف عبدالمتین ۔ صفحات: ۱۸۸

قیمت : چار روپے ۔ ناشر : جدید ناشرین ۔ اردو بازار لاہور

عارف عبدالمتین اس کاروانِ شعر و ادب کے ہم قدم رہ چکے ہیں جو آج سے کم و بیش بیس برس پیشتر پرانی ڈگر سے ہٹ کر زندگی کی نئی منزلوں کی کھوج میں نکلا تھا اور جسے اصطلاحاً ترقی پسند ادب کا نقیب کہا جاتا ہے ۔ اس کاروان کے بیشتر مسافر اب اپنے جذبۂ تجسس کی حدت و گرمی کھو کر ان مرغزاروں میں پہنچ گئے جہاں سب کچھ ہے مگر زندگی کی سچی قدروں کے لئے وہ ایثار و محبت نہیں جسے یہ کاروان اپنے لئے منتہائے نظر بنا کر جادہ پیما ہوا تھا ۔

عارف اس کاروان سے الگ ہو گئے ہیں یا کاروان نے انہیں چھوڑ دیا ہے ۔ دونوں فقروں کا مفہوم یکساں ہے ۔ مگر اس واضح اور تابناک حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صلیب غم کا شاعر ابھی تک خود کو اس نصب العین کی صلیب پر لٹکا ہوا محسوس کر رہا ہے جسے کبھی اس کاروان نے روح و رواں بنا رکھا تھا ۔

اگر مجھ سے عارف عبدالمتین کی شاعری کو صرف ایک لفظ میں ادا کرنے کے لئے کہا جائے تو میں بلا تامل اسے ''باوقار شاعری'' کہہ دوں گا ۔ عارف عبدالمتین انسانی زندگی کو ایک بڑی باوقار چیز سمجھتے ہیں ۔ وہ جب بھی زندگی سے متعلق مختلف موضوعات پر غور و فکر کرتے ہیں تو ایک خاص احساس وقار ان کے افکار کے پس منظر میں ایک زندہ و توانا قوت بن کر کارفرما رہتا ہے ۔

چنانچہ ان کی خوشی ہو یا غم چاہت ہو یا گریز پائی وصل ہو یا فرقت — ہر جگہ ان کا شخصی وقار پرتو افگن رہتا ہے ۔

بعض نقاد غالباً اس احساس وقار کو شاعر کی انا سمجھیں گے ۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ انا ایک سطحی انا نہیں ۔ یہ یقیناً پر وقار شخصی انا ہے ۔ یہ شاعرانہ انا بھی ہے مگر شاعرانہ انا سے بڑھ کر موجودہ دور کے اس انسان کی انا ہے جو آج ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور سمندروں کی ظلمت پوش گہرائیوں میں اترتا چلا جا رہا ہے ۔

یہ انسان — انسانیت سے والہانہ محبت کرتا ہے ۔ اس کے ہاں زندگی کی سچی قدروں سے سچا پیار ہے ۔ اور معاملات قلب و نظر بھی زندگی کے ترقی پسندانہ رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں ۔

عارف ہماری فکری شاعری کا ایک بڑا منفرد اور ممتاز نمائندہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے کلام کے اس مجموعے نے ہماری شاعری بالخصوص فکری شاعری میں ایک مستقل اضافہ کیا ہے ۔

ایک بڑی خوبصورت غزل کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

هم مشعل خورشید ہیں قندیل قمر ہیں
جلتے ہیں شب و روز مگر ' دہر نگر ' ہیں
ہر گام پہ چٹکاتے چلے جاتے ہیں غنچے
گلزار میں ہم مثل صبا گرم سفر ہیں
شیشے کے مقابل ہوں تو رنگینیٔ مے ہیں
ہم سنگ سے ٹکرائیں تو آواز تبر ہیں
ہر چند کہ مضطر ہیں مگر خندہ بہ لب ہیں
ہم تاب و تب شعلہ ہیں' ہم رقص شرر ہیں
تاریکیٔ شب ہم سے گریزاں ہے ازل سے
ہم تا بہ ابد پھیلا ہوا نور سحر ہیں

مجموعے کے آخر میں صلاح الدین ندیم نے 'صلیب و مصلوب' کے عنوان سے عارف کی شاعری اور شخصیت پر بھرپور تبصرہ کیا ہے جو شاعر کی شخصیت اور ان کی شاعری کے سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے ۔

(میرزا ادیب)

اردو لسانیات

مصنف : ڈاکٹر شوکت سبز واری ۔ صفحات : ۱۹۶

قیمت : چھ روپے پچاس پیسے ۔ ناشر : مکتبہ تخلیق ادب ۔

مولوی مسافر خانہ ، بندر روڈ ۔ کراچی ۔

علم لسانیات کی روایت ہمارے ہاں کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ یہ علم جتنا اہم اور ضروری ہے ، اتنا ہی اہل علم کی توجہ سے محروم ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنی زبان کے مزاج ، اس کی ساخت و سرشت اور اس کے نظام قواعد و املا سے دلچسپی ہو۔ حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی زبان کو اس وقت تک ترقی نہیں دی جا سکتی، جب تک اس کے مزاج و ساخت کو سمجھ کر نئی ضرورتوں اور تقاضوں کے پیش نظر اس میں تبدیلی کی راہ کو ہموار نہ کیا جاتا رہے۔ زبان تو کسی زبان کے بولنے والے بناتے ہیں' تہذیبی اور سماجی ضرورتوں کے باعث اس میں انجانے طور پر تبدیلیاں لاتے رہتے ہیں ، لیکن زبان کی تراش خراش ، سائینٹیفک بنیادوں پر اس کے اصول و ضوابط کی وضع اور اس کی تہذیب اہل علم کے ہاتھوں ہی ہوتی ہے جو اسے علمی ضروریات کے قابل بنا کر اس میں اظہار کی نئی قوتیں شامل کرتے رہتے ہیں ۔ اس لئے کسی زبان کی ترقی کے لئے دو باتیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس زبان کو زندگی کی ہر سطح پر معاشرہ اپنے استعمال اور تصرف میں لاتا رہے ۔ اس کا سارا اوڑھنا بچھونا ، مرنا جینا اسی زبان میں ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اہل علم اس کے مزاج و سرشت کا مطالعہ کر کے اس میں نئے تقاضوں کے پیش نظر نشو و نما کی قوت کو زندہ رکھیں ۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری ملک کے اُن چند اہل علم میں سے ہیں ، جنہوں نے اپنی زندگی کی ساری قوتیں اُردو زبان کے مطالعے کے لئے وقف کر دی ہیں ۔ اس سے پہلے بھی اُن کی دو کتابیں ''اُردو زبان کا ارتقا'' اور '' داستان زبان اُردو'' اہل علم سے داد وصول کر چکی ہیں ۔ '' اُردو لسانیات '' اُن کی نئی کتاب ہے ، جس میں وہ تین توسیعی خطبات بھی شامل ہیں جو سبزواری صاحب نے پشاور یونیورسٹی کی دعوت پر شعبہ' اُردو میں دئیے تھے ۔ اور ان کے علاوہ

دس وہ مضامین ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً لکھے ۔ یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہونے کے باوجود اپنے اندر ربط ، اتحاد معنی اور تسلسل فکر کی وہ ساری خوبیاں رکھتی ہیں جو اسے ایک مستقل تصنیف کا درجہ دیتی ہیں ۔

اس کتاب کے مطالعے سے اُردو زبان کی اصل و ابتدا ، اس کا ارتقاء اور اس کی ساخت و سرشت واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں ۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان بنیادی لسانی مسائل پر بھی بحث ملتی ہے جو اردو زبان کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں ۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلے باب میں اُردو زبان کی اصل و ابتدا کو لسانی و تہذیبی نقطۂ نظر سے دیکھا اور سمجھا گیا ہے اور اس کے مآخذ اور سرچشموں کا پتا لگایا گیا ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری نے مدلل طریقے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو نے جس پراکرت سے ارتقا پایا وہ بول چال کی زبان تھی جو شورسینی پراکرت اور مغربی اپبھرنش سے پہلے یا اُن کے پہلو بہ پہلو دوآبہ کے بالائی حصے میں بولی جاتی تھی ۔ پالی، شورسینی، مغربی اپ بھرنش اس بول چال کی پراکرت کے نکھرے ہوئے ادبی روپ ہیں ۔ ڈاکٹر سبز واری صاحب کا کہنا ہے کہ " یہ پراکرت چونکہ بول چال تک محدود رہی اس لئے اس کے نمونے دستیاب نہیں ہوتے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ پراکرت ، جسے میں اُردو کی اصل قرار دے رہا ہوں سنسکرت، پالی ، شورسینی پراکرت ، مغربی اپ بھرنش کے سلسلے کی ایک گم شدہ کڑی ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ بر صغیر کی جدید بولیوں میں سے آردو ، برج اور پنجابی سے بہت ملتی ہے ، لیکن آردو میں جمع بنانے کا قاعدہ تنہا اس امر کا ثبوت ہے کہ آردو برج سے ماخوذ نہیں ۔ برج میں اسم کے آخر میں 'ن' بڑھا کر جمع بنالی جاتی ہے، جیسے گھوڑا سے گھوڑن ، سب سے سبن ۔ اردو میں مذکر کی جمع کا قاعدہ مونث کی جمع کے قاعدے سے مختلف ہے ۔ فاعلی حالت میں جمع اور طرح بنتی ہے اور غیر فاعلی حالت میں اور طرح ۔ جیسے مرد مذکر فاعلی ہے' غیر فاعلی حالت میں اس کی جمع "مردوں" ہوگی ۔ اسی طرح کرسیاں مونث فاعلی جمع ہے اور غیر فاعلی جمع کرسیوں بنے گی ۔ ایسی بہت سی مثالوں کے بعد ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ کیا

اس پیچیدہ قاعدے کی موجودگی میں کوئی شخص بھی بقائمیٔ ہوش و حو
برج کو اردو کی اصل قرار دے سکتا ہے۔

اسی طرح پنجابی فعل حال کردا ہے، پڑدا ہے، سے اردو فعل حال کرتا۔
پڑھتا ہے، زیادہ قدیم ہے۔ اس لیے کہ یہ صیغے قدیم پراکرت کے حالیہ
کرت، پڑھت، سے لئے گیے ہیں، جن میں 'ت' ہے۔ اردو نے 'ت'
برقرار رکھا اور پنجابی نے 'د' سے بدل لیا۔

اردو زبان کے ارتقاء کو ڈاکٹر صاحب نے چار ادوار میں تقسیم کیا۔
پہلا قدیم دور ۶۰۰ قبل مسیح پر ختم ہوا۔ دوسرا سنہ ۵۰۰ء پر اور تی
سنہ ۱۰۰۰ء پر۔ چوتھے دور کا آغاز سنہ ۱۲۰۰ء کے لگ بھگ ہوا اور سنہ ۱۰۰
پر اختتام کو پہنچا۔ درمیان کے دو سو سال اردو کے لئے عبوری زمانہ
حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ادوار کی تقسیم سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن
دلائل و شواہد کی روشنی میں سبزواری صاحب نے یہ ادوار قائم کئے
وہ قابل توجہ ضرور ہیں اور بحث کی نئی گنجائشوں کو پیدا کرتے ہ
ان کا خیال ہے کہ اردو قطب الدین ایبک کے دھلی کے تخت نشینی کے زمانے
برج، قنوجی، بندیلی وغیرہ بولیوں سے امتیاز حاصل کر کے پختہ اور
بول چال کی زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی اور اس امتیاز کے بعد اہل
نے اسے کھڑی بولی کا نام دیا اور دوسری ہمسر بولیوں کو 'پڑی' کے
سے موسوم کیا۔

اردو کی ساخت اور سرشت کے بارے میں سبزواری صاحب نے اس امر
زور دیا ہے کہ اردو ہند آریائی خاندان کی زبان ہے۔ اس کا سلسلۂ نسب
واسطوں سے قدیم ہند آریائی تک پہنچتا ہے۔ اس خاندان کی دوسری ج
زبانوں یعنی پنجابی، سندھی، راجستھانی، گجراتی اور مرھٹی کی
بنیادی الفاظ، مادے، لاحقے، سابقے اردو کو اپنی اصل ہند آریائی سے ت
میں ملے۔ وضع الفاظ اور اخذ و اشتقاق کے قاعدے ہند آریائی ہیں۔ ا
نحوی تانا بانا یعنی الفاظ کی ترتیب غیر آریائی ہے جو نتیجہ ہے دراوڑ
کول زبانوں سے تاثر کا۔ اردو کا صرفی حصہ آریائی ہے اور نحوی
دراوڑ یا منڈا۔ اس کے بعد متعدد مثالوں سے ڈاکٹر صاحب نے
خیالات کو واضح کیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے جو یہ ہے کہ اُردو زبان ، قواعد ، املا ، اور صوتیوں کے سلسلے میں جو جو اعتراضات اب تک کئے جاتے رہے ہیں سبز واری صاحب نے ان کا مفصل جائزہ لے کر مدلل جواب دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اُردو کا رسم الخط اور صوتیوں کا نظام ،مکمل و جامع ہے " اُردو حروف کا نظام اُردو صوتیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور اس کی ضرورتوں کے مطابق ہے۔ " پھر یہ بھی بتایا ہے کہ اُردو انداز تحریر رومن سے زیادہ صحیح اور معقول ہے۔ یہاں صرف ایک مثال لیجئے۔ رومن میں KH کی آواز کو ' کھ ' بھی پڑھ سکتے ہیں اور ' خ ' بھی جب کہ اردو میں کھ کھ ہے اور خ خ ۔

پھر یہ بھی بتایا ہے کہ تلفظ اور سماع کی حد تک اگر اہل اُردو ان آوزاوں میں فرق نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ کہاں ہوا کہ تحریری طور سے بھی ان میں فرق نہ کیا جائے اور اسرار بمعنی راز اور اصرار بمعنی تاکید دونوں کو ' س ' سے اسرار پڑھا جائے اور صرف متن کے حوالے سے اس کے معنی سمجھے جائیں ۔ اس بحث کو اُردو صوتیے کے باب میں وضاحت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

دیگر ابواب میں اعرابی نظام ، غنہ آوازوں ، روز مرہ اور محاورہ کے لسانی پہلوؤں ، ترادفی مرکبات ، دخیل الفاظ اور یائے نسبت کے مسئلہ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے اس خشک موضوع کو دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب پڑھتے وقت یوں معلوم ھوتا ہے کہ محفل جمی ھوئی ہے اور سبز واری صاحب علمی و لسانی مسائل پر گل افشانی گفتار فرما رہے ہیں ۔ یہ کتاب اپنی علمی اہمیت اور خوش بیانی کے اعتبار سے علم لسانیات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرہنگ اصطلاحات شامل کر کے کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے ۔ کتاب خوبصورت ٹائپ میں خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ عمدہ کاغذ پر چھاپی گئی ہے ۔

(جمیل جالبی)

بزم آخر

مصنف: منشی فیض الدین دہلوی - مرتبہ: ولی اشرف صبوحی

صفحات: ۱۰۹ - قیمت: دو روپے پچاس پیسے

ناشر: مجلس ترقی ادب - کلب روڈ - لاہور

مجلس ترقی ادب لاہور نے اردو کے کلاسیکی ادب کی اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع کر رکھا ہے 'بزم آخر' اسی کی ایک کڑی ہے۔ پروفیسر اے ایس بخاری مرحوم نے لال قلعہ کی زبان اور معاشرت کے سلسلے میں اسے ایک مستند تصنیف قرار دیا تھا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ تصنیف اپنے اختصار کے باوجود مغل تہذیب کی شان و شوکت اور عظمت کا ایک پورا مرقع پیش کرتی ہے۔ بزم آخر کے مصنف منشی فیض الدین دہلوی نے قلعہ معلیٰ میں پرورش پائی تھی اور انہوں نے قلعہ معلیٰ کی تہذیب کو تماشائی کی آنکھ سے نہیں بلکہ اس تہذیب کے ایک فرد کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ ان کے مشاہدے میں مورخ کی تفصیل پرستی اور تنقیدی رد عمل کی بجائے خلوص، وسعت اور ہمہ گیری ہے۔ اسی خلوص، وسعت اور ہمہ گیری نے بزم آخر میں جگ بیتی کی بجائے آپ بیتی کا لطف پیدا کردیا ہے۔

'بزم آخر' ایک شاندار اور پر عظمت تہذیب کا مستند ادبی مرقع ہے جس میں محل کے صبح و شام اور رات کی کیفیات کا بیان ہے۔ سواری کا اہتمام ہے، کھانوں کی تفصیل ہے۔ جلوس، جشن، تورہ بندی، رت جگے، صحنک اور دوسری رسموں کی جھلک ہے۔ نو روز، محرم، آخری چہار شنبہ، بارہ وفات، رجب، شب برات، رمضان، جمعتہ الوداع، عیدین، دسہرے، دیوالی اور ہولی کی داستان ہے۔ اولیائے کرام کے عرسوں کا حال ہے۔ میلے ٹھیلے اور تماشوں کا بیان ہے اور آخر میں بادشاہ اور ولی عہد بہادر کے جنازوں کی ایک جھلک بھی ہے۔ منشی فیض کے بیانات اگرچہ مختصر ہیں لیکن موثر اور جامع ہیں۔ دیدۂ عبرت کے لئے اس مرقع میں بہت کچھ ہے، وہ سب کچھ جسے ہم بتدریج بھلا رہے ہیں، جس سے ہماری نئی نسل ناواقف محض ہے۔ بزم آخر زبان و ادب کے اعتبار سے بھی ایک مستند تصنیف ہے۔ منشی فیض نے اس کتاب کے ذریعے سے قلعہ معلیٰ کی زبان و بیان کو محفوظ کرلیا ہے اور اس طرح ایک مفید ادبی و لسانی خدمت انجام دی ہے۔

'بزم آخر' کا زیر نظر ایڈیشن ولی اشرف صبوحی دھلوی نے مرتب کیا ھے صبوحی صاحب ذھنی اعتبار سے منشی فیض کی نسل سے تعلق رکھتے ھیں۔ 'دھلی مرحوم' کے بارے میں انہوں نے متعدد مضامین لکھے ھیں اور انھیں بجا طور پر 'دھلی مرحوم' سے تعلق رکھنے والے ادیبوں کا مستند نمائندہ قرار دیا جا سکتا ھے۔ ان کا تحریر کردہ پیش لفظ خاصے کی چیز ھے اور اس کے بعض حصے زبان و بیان کے اعتبار سے بزم آخر کے بیانات سے پہلو مارتے ھیں۔ صبوحی صاحب نے فرھنگ بھی بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے تیار کی ھے۔ وھی اس کام کے اھل بھی تھے اور خوشی کی بات ھے کہ یہ کام ایک اھل ادیب نے سر انجام دیا۔ کیاھی اچھا ھو کہ صبوحی صاحب دلی اور قلعہ معلی سے متعلق ایسے تمام الفاظ کی ایک فرھنگ مرتب کردیں جن کے استعمال اور معنی دونوں سے ناواقفیت بڑھتی جاتی ھے' میرا خیال ھے کہ یہ کام اھل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اردو زبان و ادب اور قدیم تہذیب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے 'بزم آخر' ایک انمول تحفہ ھے۔ اشرف صبوحی کے پیش لفظ اور فرھنگ نے اس تحفے کی دلچسپی اور افادیت کو اور زیادہ بڑھا دیا ھے۔

(ڈاکٹر اسلم فرخی)

کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ

مصنف : ڈاکٹر وحید قریشی ۔ صفحات : ۳۴۶

قیمت : دس روپے ۔ ناشر : مکتبہ ادب جدید ۔ پٹیالہ گراؤنڈ ۔ میکلوڈ روڈ ۔ لاھور

یہ کتاب ڈاکٹر وحید قریشی کے دس تحقیقی مقالات پر مشتمل ھے جن میں چار کتابوں اور پانچ ادیبوں اور شاعروں کے تحقیقی مطالعے پیش کئے گئے ھیں۔ دیباچے میں مصنف نے اردو میں تحقیقی کام کرنے والوں کے بارے میں اجمال کے ساتھ بہت سی کام کی باتیں لکھی ھیں اور ساتھ ھی ان محققین کا بھی ذکر کیا ھے جن سے مصنف نے استفادہ کیا۔ انہوں نے اپنے استاد ڈاکٹر سید عبداللہ کی رھنمائی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے۔ " اس تربیت کے مثبت نتیجے کا تو علم نہیں لیکن آشفتہ مزاجی کے کچھ آثار ضرور ظاھر ھوتے رھے۔" کم از کم اس کتاب کی حد تک یہ آشفتہ مزاجی کہیں نظر نہیں آتی ، یہ کتاب جو بلند تحقیقی معیار پیش کرتی ھے آسے سید عبداللہ جیسے اساتذہ کی تربیت

کا مثبت نتیجہ ہی سمجھنا چاہئے - ڈاکٹر وحید قریشی فارسی و اردو ادبیات اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں ، انہوں نے تاریخ کے استاد کی حیثیت سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا ، پھر فارسی پڑھانے لگے اور اب اُردو کے اُستاد ہیں - تدریسی زندگی کا یہ تنوع ' ادبی تحقیق کے میدان میں اُن کے بہت کام آیا ہے' تحقیقی مسائل پر روشنی ڈالنے میں تاریخ سے انہوں نے بہت مدد لی ہے اور یہی ادبی تحقیق کا موزوں طریقہ' کار ہے -

اس کتاب کا سب سے پہلا مقالہ مثنوی 'چندر بدن ماہیار' کے بارے میں ہے - جس کا مصنف سیف اللہ تھا - یہ اردو مثنوی سکھوں کے عہد میں پنجاب میں لکھی گئی ' ڈاکٹر وحید قریشی نے اس کے ایک نامکمل نسخے کو سامنے رکھ کر اس کی لسانی و ادبی خصوصیات پر بحث کی ہے - اس کے بعد کے دو مقالے ''لکھنو کا دبستان شاعری'' اور ''مصحفی اور اس کا کلام'' کے بارے میں ہیں - ان مقالوں میں بعض تحقیقی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے ، تحقیقی کاموں میں غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں لیکن مذکورہ تصانیف سے یہ نتیجہ نکالنا کہ '' علی گڑھ نے اردو ری سرچ کا کوئی اچھا معیار قائم نہیں کیا'' بڑی زیادتی ہے - کسی فرد کی فرو گذاشتوں کو ایک ادارے کے سر ڈالنا کس طرح بھی مناسب نہیں -

اس کتاب کا دوسرا حصہ تین مقالات پر مشتمل ہے جو شیر علی افسوس ' حیدر بخش حیدری اور میر بہادر علی حسینی سے متعلق ہیں - یہ مقالات ادبی تحقیق کا بہترین نمونہ ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان تینوں مصنفوں کے حالات ' اتنی تفصیل سے کسی دوسری جگہ نہیں ملتے -

تیسرے حصے میں دو مقالے ہیں ایک تو قاضی سراج الدین احمد کے حالات اور اُن کی علمی خدمات کے بارے میں ہے اور دوسرا ''یادگار غالب'' کے متعلق ہے جس میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ حالی نے یادگار کی تالیف میں کافی محنت نہیں کی اس وجہ سے اس کتاب میں بہت سی اغلاط نظر آتی ہیں ، ڈاکٹر قریشی نے بے شمار اغلاط گنوائی ہیں اور آخر میں یہ بتایا ہے کہ حالی نے ''آب حیات سے بہت فائدہ ... اٹھایا ہے ... آزاد کے لکھے ہوئے ذلت آمیز فقروں اور لطیفوں کو چھوڑ کر باقی ماندہ مواد کو تمام و کمال اپنی کتاب میں سمولیا ہے - '' اس دعوے کے ثبوت میں ڈاکٹر قریشی نے '' یادگار غالب '' اور '' آب حیات '' کے بہت سے ایسے اقتباسات دئیے ہیں جن میں مضمون ہی نہیں

عبارت بھی بڑی حد تک یکساں ہے۔ یہ مقالہ مطالعۂ حالی کے سلسلہ میں نہایت اہم معلومات کا حامل ہے۔

آخری حصے کے دو مقالات اقبال کی ابتدائی تعلیمی زندگی کی بعض تفصیلات پیش کرتے ہیں، ان مقالات میں حیات اقبال کے بعض نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔

یہ کتاب ٹائپ میں اچھے کاغذ پر چھپی ہے، افسوس کہ طباعت کی اغلاط خاصی تعداد میں ہیں۔ آخر میں ایک طویل صحت نامہ ہے، کتاب اشاریے کے بغیر چھپی ہے، اس قسم کی تحقیقی کتابوں میں اشاریے کی عدم موجودگی کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

(م - خ)

مطبوعات انجمن

نیا ادب : پنڈت کرشن پرشاد کول

آن جہانی پنڈت کول نے ۱۹۳۰ء کے بعد اردو ادب کے بارے میں جو مضامین وقتاً فوقتاً لکھے تھے، انہیں اس کتاب میں یک جا کردیا گیا ہے ۔ فاضل مصنف نے جدید ادب کی نمایاں خصوصیات اور جدید ادیبوں کے ذہنی رجحانات پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔

قیمت : چار روپے پچاس پیسے

آرٹ ان اُردو پوئیٹری (انگریزی) : شہاب الدین رحمت اللہ

اس میں اردو زبان کی تاریخ اور شاعری کا ارتقاء نیز اہم شعراء کے منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے ۔ مؤلف ، مصوّر بھی ہیں اور انہوں نے بعض اشعار کو تصاویر کی صورت میں بھی ڈھالا ہے ۔ کتاب بڑے سائز پر نہایت نفاست سے طبع کی گئی ہے ۔

قیمت : چھ روپے پچھتر پیسے

فن شاعری (بوطیقا) : تصنیف : ارسطو ۔ ترجمہ : عزیز احمد

ارسطو کے مشہور رسالے '' بوطیقا '' کا مستند ترجمہ مع حواشی ۔ شروع میں مترجم نے ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے جس میں ارسطو کے نظریہٴ شاعری پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۔

قیمت : ۲ روپے پچاس پیسے

کاروان صحافت : ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

اس میں مصنف نے اردو صحافت کی تاریخ کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے ، جن پر اب تک بہت کم لکھا گیا ہے ۔ یہ کتاب اگرچہ مختلف مقالات کا مجموعہ ہے ' لیکن موضوع کی یکسانیت اسے مستقل تصنیف کا درجہ عطا کرتی ہے ۔

قیمت : چار روپے

لغت کبیر اردو

مولفہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

الف ممدودہ

(الف) اردو حروف ابجد کا پہلا حرف

"الف" کے معنے بیل یا بیل کے سر کے ہیں۔ یہ اُس زمانے کی یادگار ہے جب کہ کسی بات یا خیال کا اظہار تصویر کے ذریعہ کیا جاتا تھا، مثلاً کتے کو بتانا ہوا تو کتے کی تصویر بنادی۔ مرد یا عورت کو بتانا مقصود ہوا تو مرد یا عورت کی تصویر بنادی۔ اس کا اندازہ چینی حروف، میخی حروف یا قدیم مصری حروف (هیرو گلیفی) سے ہو سکتا ہے۔

صدیوں بعد ایک ایسا وقت آیا کہ آواز نے تصویر کی جگہ لے لی۔ وہ اس طرح کہ کسی شے کے نام لینے میں جو آوازیں منہ سے نکلتی ہیں اُن میں کی پہلی آواز کو تصویر کا قائم مقام کردیا، یعنی تصویر تو جوں کی توں رهی مگر وہ بجائے آواز کے ہو گئی۔ مثلاً "الف" میں پہلی آواز "آ" کی ہے تو بیل یا بیل کی تصویر سے مراد "آ" لی جانے لگی اور "بیت" (گھر کی تصویر) سے "ب" کی آواز سمجھی جاتی۔ یعنی اگر "اب" لکھنا ہوتا تو بیل کا سر اور گھر کی تصویر بنائی جاتی۔ مرور زمانہ سے تصویر کی صورت بھی بدلتے بدلتے اس قدر مختصر ہو گئی جیسی اب حروف کی ہیں۔

ہماری ابجد سامی ہے جو اہل فنیقیا کا ایجاد ہے۔ دنیا کی اکثر ابجدیں اسی سے نکلی ہیں۔ فنیقیوں سے یونانیوں نے، یونانیوں سے اہل روما نے اور اُن سے

دوسرے مغربی ممالک نے لی۔ اسی طرح اکثر مشرقی ممالک میں بھی اس کا رواج ہوا۔

ہماری آبجد کا پہلا حرف ''الف'' ہے جس کے معنے بیل کے سر کے ہیں، اب اس کی صورت بیل کے سر سے ذرا بدل کر مختلف زبانوں میں یہ ہوگئی ہے۔

فینقی صورت 

عبرانی '' 

عربی '' 

قدیم یونانی '' 

قدیم لاطینی '' A, A

اُردو حروف کی شکل وہی ہے جو فارسی حروف کی ہے اور فارسی کے موجودہ حروف عربی سے آئے۔ الف کی صورت ان میں تقریباً یکساں ہے۔ یونانی میں اس کا نام ''الفا'' ہے۔ چونکہ اس میں بھی پہلی آواز 'آ' کی ہے اس لئے اب یہ لفظ اسی آواز کا قائم مقام ہوگیا۔

دوسری زبانوں میں اس کی صورت یہ ہے:-

فارسی میخی 

اوستا 

پہلوی

فارسی 

۱۔ الفاظ کے شروع میں: - (۱) ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے جیسے اب اندر وغیرہ میں (۲) اسم کی نفی کے لیے "نا" کے معنے میں جیسے اَبھاگ ، ادھرم وغیرہ (۳) امر کے قبل آنے سے صفت منفی بناتا ہے جیسے اٹل، امر ، امٹ۔

۲۔ الفاظ کے درمیان: - (۱) ہمیشہ حرف علت ہوتا ہے جیسے جال اور بال میں - (۲) کبھی دو کلموں میں نسبت ظاہر کرتا ہے۔ جیسے بھیڑ یا چال، جَوالا مکھی، وغیرہ میں (۳) کبھی حرف وصل کے طور پر آکر شدّت اور تَواتر کا اظہار کرتا ہے جیسے کھٹا کھٹ، مارامار۔

۳۔ تعدیہ کے لئے علامت مصدر سے قبل جیسے: دوڑنا سے دوڑانا ، ڈرنا سے ڈرانا ، پھیلنا سے پھیلانا ، وغیرہ۔

۴۔ الفاظ کے آخر میں: - (۱) ہمیشہ حرف علت ہوتا ہے جیسے لا ، جا ، کھویا وغیرہ میں (۲) اسما نیز صفات میں تذکیر کی علامت ہوتا ہے جیسے: مُرغا ، لڑکا ، اچّھا۔ (۳) کبھی تحقیر کے واسطے آتا ہے جیسے: مردوَا ، جُروَا۔ (۴) اسم کو صفت بناتا ہے جیسے بھوک سے بُھوکا ، پیاس سے پیاسا - (۵) تصغیر کے لئے اور پیار سے جیسے بھیّا ، بٹیا ، لٹیا ، بھنا - (۶) امر سے اسم کیفیت یا حاصل مصدر بناتا ہے جیسے: جھگڑ سے جھگڑا ، رگڑ سے رگڑا (۷) تکبیر کےلئے آتا ہے۔ جیسے: ٹوکرا ، رسّا - (۸) ماضی مطلق بناتا ہے - جیسے: چلا ، گیا وغیرہ - (۹) اعداد و شمار میں مرتبہ اور جگہ ظاہر کرتا ہے جیسے: چوتھا ، چھٹا۔

۵۔ سرناموں اور خطوط کی پیشانیوں پر مخفّف ہے اسم ذات اللہ اور قائم مقام بِسْمِ اللہ کا۔

۶۔ اللہ والے آزادوں ، موحد فقیروں کے پنتھ اور مشرب کی علامت، ماتھے سے ناک تک کھڑا تیلک یا الف اللہ: ؎

الف آزاد کے ماتھے کا ترا قد سمجھا (رشک)

۷- (تشبیہاً) درازی قامت یا راستی قد کے لئے:
سرو کچھ اور نہیں جز الف قامت یار

۸- (ص) (تشبیہاً) سوکھا دبلا، قاق - م: کئی مہینے بخار آیا سوکھ کر الف رہ گئے -

۹- ترتیب میں اول یا پہلا جیسے ضمن (ا) یا فقرہ (الف)-

۱۰- عدد ایک کا قائم مقام حساب جمل میں، جس میں حروف ابجد کی قیمت مقرر ہے اور حروف سے اعداد مراد لئے جاتے ہیں-

آ (الف ممدودہ) اصل میں اا (دو الف) ہے جن میں سے ایک مد ہوگیا ہے اس لئے ممدودہ کہتے ہیں-

۱- (مث) پہلے سر کی بے ضغطہ جاری آواز جو سماع کا سماں باندھنے کے لئے مستعمل ہے- طویل لے:
گانے میں غضب کملو یاروں کو رجھاتی ہے
ہر تان پہ آکہ کر ایک اک کو ہلاتی ہے
(جرات)

۲- (امر واحد) اپنی طرف بلانے کے لئے بمعنی حاضر ہو، پہنچ، آ بیٹا آ، آ بھائی آ، (۱) کم رتبہ مخاطب کے لئے جیسے: گھر پر آ (۲) برابر والے یا بے تکلف دوست کے لئے بھی -

۳- دھمکی یا تہدید کے لئے: (عموماً نوکر کے ساتھ) ادھر تو آ، آ تو سہی تیری خبر لوں -

۴- ٹوک کے بلانے یا چنوتی دینے کے لئے - م: کچھ بل کی رکھنا ہو تو آ-

۵- شوق یا الحاح کے طور پر- چل جانے دے، درگزر کر، معاف کر:
آ گلے لگ جا بہانے عید کے

۶- (بطور امدادی فعل) (۱) آکر یا آن کر، کہیں سے چل کر، اٹھ کر، ترک مقام کر کے آنے کے لئے، جیسے:

آ بیٹھنا ۔ (۲) ناگہانی طور پر ، دفعتاً واقع ہونا جیسے:
آ نکلنا ، آ پڑنا وغیرہ میں ۔

آ آ — (۱) آ کی تاکید و تکرار ۔ کثرت اور بہتات کے اظہار کے لئے جیسے: ناک میں دم آ آ گیا ۔ (۲) (مف) ''آ آ کر'' کا مخفف بمعنی بار بار ۔ جیسے : مکھیاں آ آ بیٹھتی تھیں (۳) (مث) آ معنے (اؔ) کی تکرار ۔ م : آ آ زیادہ کرتی اور کاتی کم ۔

— — کر } آکر اور آکے کی تکرار بمعنی (۱) اکثر اور بار بار آکر جیسے: لوگ آ آ کے ستاتے ہیں ۔
— — کے } (۲) یکے بعد دیگرے آکر ۔

اپنے اپنے مکاں پہ آ آ کے
لیٹیں خاموش پاؤں پھیلا کے
(مثنوی عالم)

— بلا گلے لگ — دیکھو ''آ بیل مجھے مار'' م: وہی مثل ہے کہ آ بلا گلے لگ ! کوئی بھی جان بوجھ کر بھڑوں کے چھتے کو چھیڑتا ہے؟

— بننا — (۱) سخت مشکل پڑ جانا ، بری بن جانا ۔ ع:
پھر ایسی آ بنی کہ مری جان پر بنی
(ذوق)
(۲) موافق پڑ جانا ، موافقت کرنا:
تمہیں غیر سے صحبت اب آ بنی
اسی دوستی ہم سے ہے دشمنی
(سجاد)

— بیٹا آ — اڑتے ہوئے کبوتروں کو واپس بلانے کا نعرہ جسے سن کر کبوتروں کی لکڑی گھر کا رخ کرتی ہے ۔ م: آج کبوتر بازوں کی عید ہے آ بٹیا آ کی پکار مچی ہوئی ہے ۔

— بیٹھنا — (بَ ےٹھ نا) (۱) آن کر بیٹھ جانا ، تشریف رکھنا ۔ (۲) آکر لگ جانا ، کارگر ہونا ، م: کوئی ڈھیلا آنکھ پر آ بیٹھا تو آنکھ پھوٹ جائے گی ۔ (۳) اڑ کر بیٹھ جانا ، جم جانا ۔ م: آ بیٹھے تو آ بیٹھے دیکھیں تو اب

کون اٹھاتا ہے۔ (۴) روٹھ کر آ جانا اور رہ پڑنا، پناہ گزین ہونا۔ م: باپ کے گھر آ بیٹھی۔ (۵) جھک کر گر پڑنا، ڈھے جانا۔ م: کہیں دیوار نہ آ بیٹھے۔ (۶) سکونت اختیار کرنا، مقیم ہو جانا۔ م: اب تو وہ علی گڑھ آ بیٹھے ہیں۔

— بیل مجھے مار (۱) اپنے سے بہت زیادہ طاقت ور کو چھیڑ کر مار کھانا۔ (۲) اپنے ہاتھوں اپنے اوپر مصیبت لانا۔ م: تم نے بھی وہ مثل کی کہ آ بیل مجھے مار! نہ تم چھیڑتے نہ اس کا غصّہ تمہارے اوپر اترتا۔

— پڑنا (۱) دفعتاً زور سے اوپر سے نیچے گرنا، ٹوٹ پڑنا، گر پڑنا م: ٹہنا ٹوٹ کر نیچے آ پڑا (آب حیات)۔ (۲) مقیم ہوجانا، رہ پڑنا، پڑاؤ ڈالنا۔ م: تمہارے زیر سایہ آ پڑے ہیں۔ م: ٹڈیوں کا لشکر آ پڑا ہے۔ (۳) بار کفالہ ڈال دینا، ناخواندہ مہمان بن جانا، ڈھٹی دے دینا م: بال بچوں سمیت مجھ پر آ پڑے ہیں۔ (۴) اتفاقاً واقع ہونا (بے ارادہ) وارد ہو جانا:

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
منظور اس سے قطع محبت نہیں مجھے
(غالب)

(۵) آفت مصیبت بن جانا، بپتا پڑنا، مجبوری ہو جانا م: ایسی تم پہ کیا آ پڑی تھی کہ یوں بے سر و سامان نکل پڑے۔

(۶) سابقہ ہونا۔ وابستہ ہونا:

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر
(غالب)

(۷) ٹپک پڑنا، ٹپکنا۔ م: احدیوں کی طرح منہ کھولے پڑے ہیں کہ کوئی بیر حلق میں آ پڑے۔ م: گود خود بخود ثمر مراد آ پڑا (آب حیات)۔

(۸) اڑ کر پڑنا ۔ م: چھینٹ آ پڑی تو کپڑے ناپاک ہو جائیں گے ۔

(۹) چھاپا مارنا ، دھاوا کرنا ، شدید حملہ کر کے چھا جانا۔ م: رات کو سوتے میں غنیم آ پڑا ۔

— پکڑنا (۱) تیز تیز چل کر آگے جانے والے کے برابر ہو جانا ، برابر آ جانا ، آ لینا (رستے میں)۔ م: کچھوے نے سوتے ہوئے خرگوش کو رستے میں آ پکڑا ۔

(۲) دفعتاً پہنچ کر گرفتار کر لینا ۔ م: سوتے میں پولیس نے آ پکڑا :

جا ابھی کوئی آ پکڑتا ہے

(مومن)

— پہنچنا لفظاً ، آ جانا ۔

(۱) آغاز قریب ہونا یا شروع ہو جانا ۔ م: جاڑے آ پہنچے ۔

(۲) یکایک آنا ، دفعتاً نازل ہو جانا ۔ م: تم کہاں سے آ پہنچے ؟ م: غنیم سوتے میں آ پہنچا ۔

(۳) سر پر آ جانا ۔ م: وقت آ پہنچا تو پھر کس کے ٹالے ٹل سکتا ہے ؟

— پھنسنا (۱) (اتفاقیہ) دام میں آجانا۔ ہتھے چڑھ جانا۔ فریب میں آ جانا ۔ م: ایک الّو آ پھنسا ہے اس کو اسامی بنا رہے ہیں ۔

(۲) گرفتار ہو جانا ۔ مبتلا ہو جانا ۔ م: آ پھنسے اب تو جو کہو وہ ماننے کو تیار ہیں ۔

— **پھنسے کی بات ہے** (۱) اتفاقاً آ کر پھنس جانے اور نکل کر یا بچ کر جا نہ سکنے کی وجہ سے یعنی مجبوری ہے ، اب تو پھنس گئے۔ معذوری اور مجبوری ظاہر کرنے کے لئے مستعمل ہے ۔

م: آ پھنسے کی بات ہے ورنہ ہم نے تو قومی جلسوں میں چندہ دینے سے عہد کر لیا تھا۔

— تو سہی (۱) (دھمکی سے) ادھر تو آ بھلا۔ آنے کی جرات تو کرو۔
م: آ تو سہی تیری کیا گت بنتی ہے:

کیوں کہ واں جاؤں دلا تو مجھے بتلا تو سہی
جو کہے دور ہی سے دیکھ کے ہاں آ تو سہی
(معروف)

(۲) (نرمی سے) آکر دیکھ تو سہی۔ آجا۔ م: آ تو سہی یہاں کوئی تیرا بدخواہ نہیں۔

— ٹھہرنا (ٹھیرنا) (۱) آکر (عارضی) قیام و سکونت کرنا۔ م: سرائے میں آ ٹھیرے۔
(۲) موقوف و منحصر ہونا۔ م: مقدمہ تمہاری گواہی پر آ ٹھیرا ہے۔
(۳) ساکن ہونا، تھم جانا۔ م: اُدھر میں آ ٹھہرا۔

— جا آنا کی تاکید۔ (۱) الحاح کے لئے:
آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں
(۲) (مب) آر جار۔ آنا جانا۔ م: کیا آجا لگا رکھی ہے۔

— جاری چڑیا بچوں کو سسکار نے کے وقت فرضی طور پر چڑیا کو ان مقررہ الفاظ سے پکارتے ہیں۔ م: آ جا ری چڑیا، ممالے جا۔

— جاری نندیا تو آ کیوں نہ جا
ننھے کی آنکھوں میں گھل مل جا } (بچوں کو سلانے کی لوری)

— جانا (۱) آنا کی تکمیل فعل۔ م: سلامت آ جائے تب بات ہے۔
(۲) ہاتھ لگ جانا۔ م: ابھی روپیہ آ جائے تو دیکھ کیا گلچھرے اُڑاتے ہیں۔
(۳) کھنچ آنا۔ سمٹ آنا:

جانِ مشتاق مری آنکھوں میں آ جاتی ہے
مژدہ جب یار سناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
(داغ)

(۴) پورا سما جانا۔ بھر جانا۔ م: سیر بھر کے برتن میں پاں سیر کیسے آ جائے گا۔

(۵) درج ہو جانا۔ شمار ہو جانا۔ داخل ہو جانا۔ شامل ہو جانا۔ م: ظالموں کی فہرست میں تمہارا نام بھی آ جائے گا۔

(۶) (بطور امر) ضرور آنا۔ رہ نہ جانا۔ م: پانچ بجے تک آ جانا۔

(۷) آنے کا اتفاق ہو جانا۔ آن پہنچنا۔ م: آ گئے تو اب کھانا کھا کر جانا۔

(۸) جب جی چاہے چلے آنا۔ (امر اختیاری)۔ م: آجانا کچھ جلدی نہیں ہے۔

(۹) قریب آ جانا۔ آ لگنا۔ م: تیرے بھلائی کے دن آ گئے ہیں۔

(۱۰) سکونت اختیار کرنا۔ بس جانا۔ آ رہنا۔ م: تم بھی اس گھر میں آ جاؤ کافی گنجائش ہے۔

(۱۱) مہمان آترنا۔ وارد ہونا۔ م: کوئی آ جائے تو اُس کی تواضع کرتے ہیں یا نکال دیتے ہیں۔

(۱۲) لوٹ آنا۔ اُلٹا پھرنا:

مکّے گئے، مدینے گئے، کربلا گئے
جیسے گئے تھے ویسے ہی چل پھر کے آ گئے
(مہر)

(۱۳) نمودار ہونا۔ نکل آنا۔ م: ڈاڑھی آ گئی۔

(۱۴) (خیال، سمجھ وغیرہ کے ساتھ) جچ جانا۔ کھپ جانا۔ بیٹھ جانا۔ م: بات ذرا ٹیڑھی تھی سمجھانے سے سمجھ میں آ گئی۔

(۱۵) مائل ہونا۔ آتر آنا۔ م: آ گئے اپنی جہالت پر۔ (پر کے ساتھ)

(۱۶) دب جانا۔ کُچل جانا۔ م: ہاتھ مشین میں آ گیا تو مشکل ہوگی۔

(۱۷) چڑھ جانا ، پڑ جانا ، (پر یا اوپر کے ساتھ) م: پانو پر پانو آگیا۔

(۱۸) لاحق ہونا ، عارض ہونا ، (بطور تکلیف یا دُکھ کے) چڑھ آنا۔ جیسے پانو میں موچ آگئی۔ م: ہر دوسرے ، تیسرے بخار آ جاتا ہے۔

(۱۹) اُمنڈ آنا ، چڑھ آنا۔ (سمندر دریا وغیرہ کے ساتھ) م: دریا آگیا۔

(۲۰) پیدا ہونا ، نمودار ہونا ، چڑھنا (مرادف لگنا) م: رکھے رکھے زنگ آجاتا ہے۔

(۲۱) فروخت کے لئے آنا۔ (جنس یا شے کے نام کے ساتھ) بکنے لگنا ، نکل آنا۔ م: آم تو آگئے بازار میں ابھی جامنیں نہیں آئیں۔

(۲۲) اُمنڈ آنا ، جوش کرنا ، زور کرنا :

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

(۲۳) اُبھر آنا ، تیار ہو جانا ، پھول جانا۔ (ڈنڈ یا مچھلیوں کے ساتھ) م: تم بھی ڈنڈ پیلا کرو تمہارے بھی ڈنڈ آ جائیں گے۔

(۲۴) پھیل جانا ، بڑھ جانا۔ م: جیسے دھوپ بہت آگئی۔ گھر آنا جیسے ابر آگیا۔

(۲۵) بیوقوف بن جانا ۔ (فریب خوشامد وغیرہ کے ساتھ) م: چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔

(۲۶) مجرا یا محسوب ہو جانا ، ادا ہوجانا۔ م: پچھلا حساب بھی ان روپیوں میں آگیا۔

(۲۷) گر پڑنا۔ م: بوجھ کے مارے کہیں چھتّا نہ آ جائے۔

(۲۸) موزوں ہونا ، ٹھیک آنا۔ جیسے جوتی اچھی ہے بشرطیکہ آجائے۔

(۲۹) لہر آجانا، موج آجانا۔ (دل طبیعت وغیرہ کے ساتھ) جیسے، جی میں آگئی تو کسی سے بات کرلی ورنہ خاموش۔

(۳۰) ظہور میں آنا، برپا ہونا۔ جیسے۔ قیامت آجائے، زلزلہ آجائے اگر ذرا خلاف مزاج ہو جائے۔

(۳۱) موافق نکل آنا، حسب مراد ہونا (فال استخارہ وغیرہ) م: فال آ گئی تو بسم اللہ کرو۔

(۳۲) چھا جانا، طاری ہونا (اندھیرے کے ساتھ)۔ م: آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔

(۳۳) منزل ہونا، جھڑ جانا، محتلم ہو جانا۔ م: پاجامے ہی میں آگئے۔

(۳۴) ٹھن جانا (جی، دل، طبعیت کے ساتھ) م: آگئی جو جی میں آگئی۔

(۳۵) آکر مل جانا، آ ملنا۔ م: جمنا کے ساتھ چمبل بھی گنگا میں آجاتی ہے (باقی معنے دیکھو 'آنا' کے تحت)

— جتڑنا (دیکھو جڑنا) خبر پہنچا دینا، سنکار دینا، لگا دینا۔ م: یہاں بھی کسی نے آ جڑی کہ وہ ایسا ارادہ رکھتے ہیں۔

— جھانکنا کبھی کبھار اتفاقیہ آجانا۔ م: کبھی تو آ جھانکا کرو۔

— چڑھنا چڑھائی کرنا، یورش کرنا، محاصرہ کرنا۔ م: کوئی غنیم آ چڑھا تو اُس وقت کیا کرو گے۔ (۲) سر پر آ جانا، سوار ہو جانا، دبا لینا:

جس طرح آ چڑھے کسی پر بھرت (انشا)

— چکا (طنزاً) معنے نفی کے رکھتا ہے یعنی آنے سے مایوسی ہے۔ نہیں آئے گا، نہیں آئیں گے، آ نا معلوم، آ چکے۔

— چکنا یقینی یا قطعی طور پر آ جانا، آنے میں کوئی کسر نہ رہنا۔ م: اس مہینے میں ایک من گھی آ چکا ہے۔

آ چک ، آ چکو۔ (امر) یعنی آنا ہے تو آ جاؤ دیر نہ کرو۔

— چلنا — (۱) تیاری کے قریب ہونا ، پخت پر ہونا ۔ م: گوشت گل چکا چاول بھی آ چلے ہیں (۲) خاتمے کے قریب ہونا ، م: ہمارےدن بھی آ چلے (۳) آمادہ ہونا ، قریب ہونا:

بھرنے پہ آ چلے ہیں ہمارے جگر کے زخم
تم زلف مشکبو کے ذرا پیچ کھول دو
(امیر)

— دبانا — اچانک چڑھ آنا اور مغلوب کر لینا ، ناگہاں دبوچ لینا ۔ م: بخار نے آ دبایا ۔

— دبوچنا — (دب وچ نا): دفعتاً آن کر کولی بھر لینا ۔ (۲) یکایک چھاپا مار کر دبا لینا ؟ جھپٹ کر مغلوب کر لینا ۔ م: آن کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے (آن کو) آ دبوچا۔ (تق نذ صفحہ۱۸۳)

— دھمکنا — (د ھ م ک نا) (۱) اتفاقیہ طور پر آجانا ، اچانک آ پہنچنا ۔ (طنزاً و مزاحاً) وارد ہو جانا ، نازل ہو جانا ۔ م: تم اس وقت کہاں سے آ دھمکیں ؟

(۲) ناخوانده یا ناخواستہ طور پر آن پہنچنا یا آ جانا ۔ م: بلایا تھا بہو کو ساس بھی آ دھمکیں ۔ (۳) زور زبردستی یا دھڑلے سے آن گھسنا یا آن پہنچنا ۔ م: کبھی تیمور آ دھمکا کبھی نادر شاہ ۔

— دیکھنا — (۱) اچانک آ کر دیکھ پانا یا مشاہدہ کرنا ۔ (۲) آن کر آزمانا ، مقابلہ یا سامنا کرلینا ۔ م: تمہارے جی میں کچھ حسرت ہے تو تم بھی آ دیکھو۔

— ڈٹنا — زبردستی بے حیائی ، دلیری سے بزور آ موجود ہونا ، آنا اور اڑ جانا ، دھرنا دینا ، ڈھنی دینا ۔ م: کوئی آ ڈٹے تو نکالا بھی نہیں جاتا ۔ ع:

مے پینے کو رند آ ڈٹے پھر (شوق قدوائی)

— رھنا (۱) ناگہاں گر پڑنا، نیچے آ پڑنا، آ پڑنا، ٹوٹ پڑنا، لڑھک جانا ۔ م:

بام فلک سے کوئی فرشتہ نہ آ رہے (سالک)

(۲) ڈھلک پڑنا، جھکاؤ ھونا:

پاؤں پر سر آ رہا ھے ناتوانی سے جنوں
پڑ گئے حلقے مری آنکھوں میں اب زنجیر کے
(ناسخ)

(۳) مکان لینا، سکونت کرنا، بس جانا، بسنا ۔ م: وہ اس محلے میں آ رہے ھیں:

تیری مسجد میں بہک کر آرھے ھم مے پرست
(ناسخ)

(۴) آ پہنچنا، پہنچ جانا، م:

حرم کو سیدھی ھے راہ جاؤ ھم آ رھیں گے فرنگ ھوکر
(امیر)

— سمانا آکر اندر بھر جانا یا حلول کر جانا ۔ م:

اے کوئی بڑا شیطان تجھ میں آ سمایا ھے
(سوز)

— کر (۱) تشریف لا کر، چل کر، پہنچ کر ۔ م:

دو پھول بھی چڑھائے نہ آکر مزار پر

(۲) آنے کے بعد، آنے پر ۔ م: حکیم نے آکر پہلے نبض دیکھی پھر نسخہ لکھا ۔

(۳) یہاں آن کر، اس جگہ پہنچ کر، پاس آکر ۔ م: آکر کیا کرو گے دور بیٹھے ھی ھم دعا کرتے ھیں

(۴) نقل مقام کرکے:

غیر آکر قریب خانہ رھا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رھا
(مومن)

— کودنا — (۱) دفعتاً چھلانگ مار کر آ داخل ہونا ۔ م: ایک ولایتی پٹھان بھی اکھاڑے میں آ کودا ۔

(۲) زبردستی، بے استحقاق دخل دے بیٹھنا یا مداخلت بے جا کرنے لگنا ۔ م: مصر و ترکی کے جھگڑے میں انگریز بھی آ کودے۔

(۳) (بے تکلفی سے) ناگہاں آ جانا ، آ دھمکنا ۔ م: تم کہاں سے اس وقت آ کودے۔

(۴) خلاف مرضی بار خاطر ہونا۔ م: بچوں کے کھیل میں بڑے کیوں آ کودے۔

— کے — دیکھو آ کر ۔

— گرنا — (۱) گر پڑنا ۔ م: گولی کھا کر بھاگا تو نالے میں آ گرا ۔ (۲) ہجوم کرنا ، ٹوٹ پڑنا:

زمانے کے شرابی آ گرے ہیں ایک ساغر پر
(امیر)

(۳) یک بیک حملہ کرنا ، چھاپا مارنا۔ م: قافلے پر ڈاکو آ گرے۔ (۴) پہنچ کر شامل ہو جانا۔ (ندی، دریا میں) م: دریائے کابل بھی دریائے سندھ میں آ گرتا ہے ۔

— لپٹنا — (ل پ ٹ نا) (لفظاً) آ کر لپٹ جانا ۔ (۱) جھپٹ کر گلے لگ جانا ۔ (۲) سر ہو جانا ، جھگڑنے لگنا ۔ م: ان کو چھوڑ کر مجھے آ لپٹے۔ (۳) ہجوم کر آنا ۔ م: ایک آدمی کو سب آ لپٹے۔ (۴) چمٹ جانا ۔ م: ادھر مت جاؤ مکھیاں آ لپٹیں گی ۔

— لگنا — (۱) چل کر یا اُچٹ کر لگ جانا، آ کر پڑنا ، چوٹ لگنا۔ م: ایک پتھر سر میں آ لگا۔ (۲) قریب لگ جانا ، متصل ہو جانا ، آن لگنا :

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

(۳) گھات میں بیٹھنا (پورب) ۔ م: رات کو ڈاکہ ڈالنے کے لئے سر شام سے ھی آ لگے تھے۔ (۴) شروع ھو جانا، آجانا۔ بھادوں بھی آ لگا بارش کا پتہ نہیں۔ (۵) ٹیکا دیا جانا ، آکر ٹھیر جانا ۔ م: پالکی دروازے پر آ لگی :

ذوق اس بحر فنا میں کشتیٔ عمر رواں
جس جگہ پر آ لگی وہ ھی کنارا ھوگیا
(ذوق)

— لینا (۱) تعاقب کر کے پکڑ لینا یا پا لینا ، برابر جا پہنچنا۔
م: خضر نے گم کردہ رہ کو آ لیا
(مومن)

آ لیا اس نے دوڑ کر مجھ کو
تاک کے اوجھل اک کیاری میں
(انشا)

(۲) چھا جانا ، مغلوب کر لینا ، دبا لینا ، داب لینا ۔
م: پس اُن کو زلزلے نے آ لیا ۔ (تق نذ صفحہ ۲۹۱)
م: ھنس کر وہ بولے جائیں کہاں سینہ نے آ لیا ۔
(معروف)

— مرنا (۱) ناخواستہ یا بے موقع آجانے پر کراھتاً یا طنزاً یا ملامتاً اظہار ِ ناراضی کا کلمہ :

خدا جانے تو کس ھوا میں بھرا
کہاں جا رھا تھا کہاں آ مرا
(شوق قدوائی)

(۲) مزاحاً۔ بے تکلفی سے بھی اتفاقیہ آجانے پر۔ م: یار تم کہاں سے اس وقت آ مرے۔

— ملنا (۱) آکر ملاقی ھونا :

یا رب مجھے بلائے وہ یا آپ آ ملے

(۲) پہنچ کر شامل ہو جانا :

کل تک محترمات سے بچتے تھے اس قدر
جالب بھی آج حلقۂ رنداں میں آ ملے

(۳) آ کر باھم ملنا ، سنگھم کرنا - م: کوٹ مٹھن پر پنجاب کے پانچوں دریا آ ملے ھیں -

(۴) متصل یا ملحق ہو جانا ، لگ جانا :

شمشیر یار میرے گلے سے جو آ ملی
(شعور)

(۵) خفیہ سازش یا غداری کرنا، فریق مخالف سے جا ملنا، ٹوٹ کر آ جانا - م: اُدھر کے گواہ ادھر آ ملے ھیں -

(٦) بھڑ جانا ، آ کر بھم ہو جانا - م: دونوں کواڑ آ ملے -

— موجود ھونا (۱) ضرورتاً جھٹ آ کر حاضر ھونا ، آ پہنچنا -

(۲) آ کر ڈٹ جانا - م: کام کے وقت غائب کھانے کے وقت آ موجود ہوتے ھیں -

— نکلنا (۱) اچانک دفعتاً آجانا ، اتفاقیہ چلے آنا ، وارد ھو جانا ، نمودار ھو جانا - م: کسی دن آ نکلے اور دیکھ لیا تو غضب ھو جائے گا -

(۲) بھولے سے آ جانا ، راہ غلط کرنا - م:

آ نکلا کدھر کو میں ارادہ تھا کدھر کا
(رند)

(۳) چلا آنا ، آ جایا کرنا :

راہ پر آپ کا اجارہ کیا
ہم بھی آ نکلیں گے کلی ھی تو ہے
(رند)

روز آ نکلا کرو دم بھر کو زنداں کی طرف
(ا-)

اشاریہ مضامین اردو

(مصنف وار)

سہ ماہی ''اردو''

۱۹۲۱ء تا ۱۹۶۲ء

الف

آرزو جلیلی ، محمد شرف عالم۔

پوچونی (نویں صدی عیسوی کا ایک جلیل القدرچینی
شاعر) ص ۰ ۷۱۴۔ جولائی ۱۹۳۲ع

آرزو، مختار الدین احمد۔

۱۔ خالق باری کی طرز کے تین بہاری مخطوطات
ص - ۱۳۲ - جنوری ۱۹۴۳ع

الف ۔ نصاب طفلان از ملا سعد پٹنوی متوفی ۱۱۹۳ھ
ب ۔ خوش حال صبیان از جگجول داس
ج ۔ نصاب ھندی مصنف نا معلوم سن تصنیف
۱۲۰۰ ھجری ۔

۲۔ دیوان سوز کا ایک نادر نسخہ۔ ص ۴۔ جنوری ۴۵ء

آزاد عظیم آبادی ، مولانا فضل حق ۔

۱۔ نظم (نظم) ص ۲۵۹ - اپریل ۱۹۲۷ع

آسی لکھنوی ، مولوی عبدالباری۔

۱۔ انشا کے کچھ نئے حالات اور غیر مطبوعہ کلام
ص ۳۴۷۔ اکتوبر ۱۹۴۰ع

۲۔ بسمل فیض آبادی اور اودھ کی سب سے قدیم مثنوی
ص ۶۰ - جنوری ۱۹۳۹ع
(مثنوی حسن و عشق ۔ تالیف ۱۲۰۳ھ از بسمل)

۳۔ دیوان میر کا ایک مخصوص نسخہ اور میر کے متعلق
معلومات میں خاص اضافہ ص ۱۔ جنوری ۱۹۳۸ع

۴- رباعیات خیام پر ایک تحقیقی نظر - ص ۴۷۹ -
اکتوبر ۱۹۴۱ع

آصف علی ، (بیرسٹر ایٹ لا)

۱- فانوس حیات یا زندان موجودات (نظم) ص ۲۸۹-
اپریل ۱۹۲۲ع

۲- فسون زار بہزاد (یعنی مرقع فریاد) (نظم) ص
۴۰۹- جولائی ۱۹۲۲ع

ابوا للیث صدیقی ، ڈاکٹر -

۱- اردو قدیم کے دو نادر مخطوطے - ص ۸۰- جولائی ۱۹۵۲ع
(الف) چھند چھنداں
(ب) خوب ترنگ

۲- پاکستان کے لسانیاتی تجزیے کا مسئلہ - ص ۱-
جنوری ۱۹۵۷ع

ابن فرید

شخصیات کے پردہ نگاری میں (بابائے اردو کی خاکہ نگاری
کا جائزہ) - ص ۱۰۶ - بابائے اُردو نمبر ۱۹۶۲ء

اثر رامپوری ، محمد علی خان -

تذکرہ شعرائے رام پور کا ایک بلند پایہ شاعر (بشیر
رام پوری) ص ۸۹- جنوری ۱۹۵۸ع

اجمل خان ، محمد -

۱- اردو کی چند کم یاب کتابیں ص ۲۶۰- اپریل ۱۹۳۶ع
اس مضمون میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ ہے :-
(۱) آداب الصالحین - (مولانا عبدالحق دھلوی)
(۲) ابجد نامہ (فارسی) (۳) احکام العیدین
(۴) احیاء القلوب فی مولود المحبوب (محمد اصغر)
(۵) اردو فرسٹ جغرافیہ (۶) باغ و بہار (میرا من)
(۷) بدر منیر بے نظیر (۸) بشارات ندوة العلما

(۹) پنجارہ نامہ (۱۰) پنجابی نظم (۱۱) پند نامہ سعدی مترجم
(۱۲) تاریخ الحکما۔ تاریخ عجیب۔ (حسیب الدین سوزان)
(۱۳) تحفۃ الزوجین (قطب الدین خاں) (۱۴) تحفۂ حنفیہ
(۱۵) تذکرہ آثار الشعرائے ہنود (۱۶) تعلیم نامہ (محمد ابراہیم)
(۱۷) جغرافیہ (۱۸) جغرافیہ طبعی (۱۹) چار کرسی
(۲۰) حدیث شہداء (امیر الدین علی شہید)
(۲۱) حرمت تمباکو نوشی (۲۲) خلاصہ آخرت
(۲۳) خلاصۃ الرسائل (۲۴) خلاصہ صولت ضیغم علی اعداء
ابن مریم (عباس علی) (۲۵) خیر سنکھہ (پنجابی)
(۲۶) دار الشفا (پنجابی) (۲۷) دستور المعاش
(۲۸) دیوان شرم ۔ عروس مضمون ۔ (شمس النساء)
(۲۹) رد ندوہ (۳۰) رسائل نتھو (پنجابی) (۳۱) رسالہ فرائض
(۳۲) ریاض العارفین (محمد اسحاق)
(۳۳) ریاض النسواں (صبغۃ اللہ)
(۳۴) زاد الآخرت ۔ امام غزالی ۔ (محمد حنیف)
(۳۵) سراج الہدایت (وزیر علی) (۳۶) سوال و جواب مترجم
(۳۷) سیر انگلستان (۳۸) (میر عشرت) جامع الحکایات
(۳۹) شہرہ آفاق (۴۰) صفائی تندرستی (۴۱) طب مغربی
(۴۲) عربی دعائیں مترجم (کرامت علی جون پوری)
(۴۳) عروس المجالس (غلام قاسم مہری)
(۴۴) عروس مضمون (دیوان شرم) (شمس النساء بیگم)
(۴۵) عشق نامہ (یوسف زلیخا)
(۴۶) عشق ہرمز و مہر تاباں (ڈرامہ)
(۴۷) فرہنگ گلستان (۴۸) فسانہ رنگین (سید امجد علی خاں)
(۴۹) فقہ اکبر (۵۰) قصص و رسائل مذہبی
(۵۱) قواعد اردو (۵۲) کاغذ قدیم (خط نستعلیق)
(۵۳) کتاب المحبت و الشوق (مہدی علی تحصیلدار مرزا پور)
(۵۴) کلمات صوفیہ (ترجمہ) (غلام قادر)
(۵۵) کلیات نظیر اکبر آبادی (۵۶) گل بکاؤلی (مذہب عشق)

(۵۷) لٹھ نامہ (۵۸) لیلیٰ مجنوں نظیر (۵۹) مثنویات میر (۶۰) مجربات حکماء (پنجابی) (۶۱) مجموعہ غزلیات (۶۲) مذہب عشق (گل بکاؤلی) (۶۳) مراۃ گیتی نما (احسن اللہ خاں دہلوی) (۶۴) مسائل مذہبی (۶۵) معراج نامہ (فیض اللہ خاں) (۶۶) معلم الحساب (مکتب نامہ) (سہدی علی خاں) (۶۷) مقالات سبحانیہ (۶۸) منتخب اشعار احمد (۶۹) مئے خانہ عشق (۷۰) میزان حق (۷۱) نسخہ حکمت و نظر مرشد (۷۲) نصیحت نامہ (۷۳) نقلیات ہندی (۷۴) نور احمد (۷۵) وصیت نامہ (۷۶) ہدیۂ مرغوب (غلام مصطفیٰ مرغوب) (۷۷) یوسف زلیخا (مذہب عشق) (۷۸) یوسف زلیخا (قادر علی عظیم آبادی)

۲- بنگالی اردو - ص ۲۸۲- اپریل ۱۹۳۸ع
۳- بنیادی ہندوستانی کے الفاظ - ص ۵۷۳- جولائی ۳۹ع
۴- بنیادی ہندوستانی کے الفاظ - ص ۵۷۳- اکتوبر ۳۹ع
۵- بنیادی لفظوں کی مکمل فہرست - ص ۱- جنوری ۴۱ع
۶- ترقی اردو کا واحد ذریعہ رومن رسم خط ہے - ص ۱۰۵- جنوری ۱۹۳۷ع
۷- ہندوستان کے درویشوں کی بولیاں اور اردو - ص ۴۸۷- جولائی ۱۹۳۷ع

احتشام الدین دہلوی، محمد -

تنقید پر اعتراض - ص ۳۳۷- اکتوبر ۱۹۳۰ع
(اس مضمون میں تنقید نگاری پر اظہار خیال کیا گیا ہے)

احسن فاروقی، ڈاکٹر -

۱- دنیا کی عظیم ترین ناولیں (پرائڈ اینڈ پریجوڈیس) ص ۳۹- جنوری، اپریل ۱۹۶۰ع

•

۲- دنیا کی عظیم ترین ناولیں (ٹوم جونس) ص ۱
اکتوبر ۱۹۰۹ع

احمد الحسنی -

انگریزی ادب پر عربی کے اثرات - ص ۲۶۷ -
جولائی ۱۹۰۶ع

احمد الدین ، مارہروی

مغربی اسماء معرفہ اردو قالب میں - ص ۷۵ -
جنوری ۱۹۳۲ع

احمد حسن ، شیخ (برادر بابائے اردو)

ابدی بھائی - ص ۱۹- بابائے اردو نمبر ۱۹۶۲ع

احمد علی ، ایم - اے

آرٹ کا ترقی پسند نظریہ - ص ۳۴۵- جولائی ۱۹۳۶ع

احمد علی ، سید (صدر مدرس وسطانیہ بھینسہ ضلع ناندیڑ)

۱- اصلاح رسم الخط - ص -۱۵۳- جنوری ۱۹۲۲ع

۲- اصلاح رسم الخط - ص ۱۷۲- اپریل ۱۹۲۲ع

احمد فاروقی ، خواجہ -

۱- اردو اور اس کے جدید میلانات پر ایک تنقیدی نظر
ص - ۴۴۰- اکتوبر ۱۹۴۳ع

۲- امیر مینائی (۱۸۲۸ع تا ۱۹۰۰) خطوط کی روشنی
میں- ص ۱۰۰- جنوری ۱۹۴۷ع

۳- سر سید خطوط کے آئینے میں- ص ۱۴۵- اکتوبر ۱۹۴۴ع

۴- سرسید خطوط کے آئینے میں- ص ۳۷- جنوری ۱۹۴۵ع

۵- مومن کی شاعری پر ایک نظر- ص ۴۴۰- اکتوبر ۱۹۴۵ع

۶- معرکہ قتیل و غالب (ایرانی و هندی نزاع کی
روشنی میں) اپریل ۱۹۴۷ع

احمر رفاعی ، احمد حسین خاں-

۱- جگر کا تصوف- ص ۱۸۳ جنوری و اپریل ۱۹۰۹ع

۲- جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر (۱) ص ۱۳۷ - جولائی ۱۹۵۹ع
۳- جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر (۲) ص ۱۹۰- اکتوبر ۱۹۵۹ع
۴- جگر کی شاعری کا واقعاتی پس منظر (۳) ص ۱۸۷- جنوری اپریل ۱۹۶۰ع

اختر اورینوی، سید اختر احمد -
غالب کا فن اور اس کا نفسیاتی پس منظر- ص ۳۲۷- جولائی ۱۹۴۱ع

اختر، جان نثار -
اردو کا پہلا اصلاحی رسالہ (تہذیب الاخلاق) ص ۱۷۱- اپریل ۱۹۴۳ع

اختر انصاری، پروفیسر -
قطعات (نظم) - ص ۱۰۵- جولائی ۱۹۴۰ع

اختر جونا گڑھی، قاضی احمد میاں —
۱- اشرف گجراتی - ص ۱- جنوری ۱۹۴۷ع
۲- دیوان ولی کا قدیم ترین مخطوطہ - ص ۲۰۱- جولائی ۱۹۵۵ع
۳- رسالہ نور المعرفت (از ولی گجراتی) - ص ۱۳۳ اکتوبر ۱۹۵۰ع
۴- شب رو (ڈراما)- ص ۱۴۷- جنوری ۱۹۵۰ع
۵- کلیات ولی کے طبع دوم پر ایک نظر - ص ۴۴۹ اکتوبر ۱۹۴۶ع

اختر حسین، رائے پوری —
۱- ادب اور زندگی- ص ۴۴۹- جولائی ۱۹۳۵ع
۲- خطبہ گارساں دتاسی (۱۸۷۴ء) (ترجمہ)- ص جنوری ۱۹۴۲ع
۳- سویٹ تھیٹر - ص ۱۸۱- اپریل ۱۹۳۶ع

۴۔ سوویٹ روس کا ادب ۔ ص ۶۳۹۔ اکتوبر ۱۹۳۵ع
۵۔ قاضی نذرالاسلام کی تین نظموں کے ترجمے :

(۱) صور اسرافیل
(۲) پیام شباب } ص ۳۷۶ اپریل ۱۹۳۵ع
(۳) یاد ایام

۶۔ محفل رقص کی تصویر (کالی داس' ہرلال اور وزیر حسن کے قلم سے) ۔ ص ۳۶۔ جنوری ۱۹۳۶ع

اختر شیرانی—

۱۔ پروفیسر براؤن ۔ص ۱۵۷۔ اکتوبر ۱۹۲۷ع
۲۔ تنہائی کی وادی میں (چند لمحے غالب کی پرواز خیال کے ساتھ) (نظم) ۔ ص ۲۹۵۔ اپریل ۱۹۲۸ع
۳۔ تیتری (نظم) ص ۲۹۵۔ اکتوبر ۱۹۲۰ع
۴۔ جوگن (نظم) ص ۸۳۔ جنوری ۱۹۲۵ع
۵۔ معصومیت (نظم) ص ۳۱۹۔ اپریل ۱۹۲۹ع
۶۔ نوائے گل (نظم) ص ۷۴۲ جولائی ۱۹۲۰ع

اخلاق حسین —

صہبائی۔ ص ۲۲۶۔ اپریل ۱۹۴۶ع

اداره (رساله اردو)

ادبی معلومات : ۔
(۱) اردو کی نئی انجمنیں ۔ ص ۴۲۰۔ جولائی ۱۹۳۶ع
(۲) انجمن بین اقومی مصنفین برائے محافظت تہذیب۔ ص ۴۲۲ ۔ اپریل ۱۹۳۶ع
(۳) آٹھ سو سال قبل کا ایک جنوبی شاعر مامئے دیو۔ ص ۴۲۳۔ جولائی ۱۹۳۶ع
(۴) بنگلہ زبان اور رسم الخط ۔ص ۴۲۲۔جولائی ۱۹۳۶ع
(۵) صوبہ برما اور اردو ص ۱۸۳۔ جنوری ۱۹۳۷ع
(۶) صوبہ مدراس میں ہندی کی اشاعت ص ۴۳۰۔ جولائی ۱۹۳۶ع
(۷) کلاسکس کی فہرست۔ ص ۶۷۸۔اکتوبر ۱۹۳۶ع

(۸) ھمارے دیہاتی گیت۔ ص ۳۲۷- اپریل ۱۹۳۶ع
(۹) ھندی کے افسانہ نگار۔ ص ۱۷۶- اکتوبر ۱۹۳۶ع

ارشد ، رشید احمد —
عربی کا جدید افسانوی ادب۔ ص ۶۳- جنوری ۱۹۵۰ع

ارضی ، ایم - اے سید —
دلو رام کوثری - اپریل ۱۹۴۷ع

اسپٹ ، پروفیسر - ای - ای —
سر سید راس مسعود۔ ص ۸۶۱ اکتوبر ۱۹۳۷ع

اسد خاں ، محمد —
اثر (خواجہ میر) کی تاریخ وفات۔ ص ۱۳۸ جنوری ۱۹۳۵ع

اسد ملتانی
زبان اردو (نظم) ص ۵۵- جنوری ۱۹۴۰ع

اسلم صدیقی
اردو زبان کا پہلا اخبار - ص ۷۰- جنوری ۱۹۴۷ع
(جام جہاں نما ۲۹ مارچ ۱۹۲۳ع)

اسلوب احمد انصاری
مولوی عبدالحق کی مرقع نگاری۔ ص ۱۸۴- بابائے اردو
نمبر ۱۹۶۲ع

اسمعیل پانی پتی ، شیخ محمد —
۱- انگریزی میں اردو الفاظ۔ ص ۴۵- جولائی ۱۹۳۷ع
۲- سنسکرت کے عربی اور فارسی تراجم - ص ۳۸۱-
جولائی ۱۹۲۲ع
۳- سنسکرت کے عربی اور فارسی تراجم۔ ص ۵۷۷-
اکتوبر ۱۹۲۲ع
۴- ضرب الامثال اور ان کے مآخذ - ص ۸۶ جنوری ۱۹۳۵ع
۵- ضرب الا مثال اور ان کے مآخذ - ص ۳۱۹- اپریل
۱۹۳۵ع
۶- معزز الفاظ کی توھین اردو زبان میں - ص ۶۴۸ -
جولائی ۱۹۳۸ع

اشرف، ڈاکٹر محمد —

۱- روس میں ہندوستانی زبانوں کا مطالعہ۔ ص ۱۱۱-
اکتوبر ۱۹۵۱ء

۲- عہد و سوانح غالب (ڈراما) ص ۱۲۷- جولائی
۱۹۵۲ء

اشرف ندوی، سید نجیب —

۱- اردو زبان کی رقی میں صوبہ بہار کا حصہ۔ ص۹۴-
جنوری ۱۹۲۳ء

۲- اسمعیل امروہی کی ایک اور مثنوی (قصہ معجزہ
انار) ص ۷- جنوری ۱۹۵۴ء

اصغر علی سکندر آبادی

منشی پریم چند کا ایک یادگار کردار (" گئو دان "
کی ایک کسان عورت دھینا) ص۳۰۶- جولائی۱۹۴۳ء

اطہر ہاپوڑی، سید معشوق علی—

" خیام " مولفہ سید سلیمان ندوی پر ایک عروضی
نظر - ص ۱۸۶- اپریل ۱۹۳۰ء

اظہار الحسن غازی آبادی، محمد

لطیفہ، فرقت(مثنوی مصنفہ دیبی پرشاد کول فرقت)
ص ۳۲۴- اپریل ۱۹۲۴ء

اعجاز حسین، ڈاکٹر —

مولانا حالی کا اثر ڈاکٹر عبدالحق پر- ص ۳۲۹- بابائے
اردو نمبر ۱۹۶۲ء

اعظمی، عبداللطیف—

عربوں کی نثر - ص ۱۴۴- جولائی ۱۹۳۹ء

افتخار عالم، سید (مصنف حیات النذیر)

حضرت امیر خسرو کے کلام میں ہندی الفاظ
(تاج خسروی کاایک ادھورا مضمون) ص ۱۱۱-
اپریل ۱۹۲۱ء

افسر صدیقی امروہی

سندھ کے اردو شاعر۔ ص - ۵۸۸- جولائی ۱۹۳۷ع

اس مضمون میں حسب ذیل شعرا کا ذکر ہے :-

(۱) آزاد، سید غلام علی بلگرامی (۲) اثر، پیر بخش (۳) اسد، شیرعلی خاں (۴) اسد افضل، غلام حسین سبز پوش (۵) بیراگی تسلیم، مخدوم محمد معین (۶) بیربل مشتری، منشی پرسرام (۷) بے قید، سید فضائل علی (۸) بے کس، دھنپت رائے (۹) بے نوا، جعفر علی (۱۰) حبیب، محمد زمان (۱۱) خیبر، غلام محمد خاں (۱۲) خلیل، مخدوم محمد ابراهیم (۱۳) زاهد، میاں محمد شاکرانی (۱۴) سید محمد (۱۵) شہید، ملا محمد باقر (۱۶) شیخ محمد کریم (۱۷) صابر، میر محمود رضوی (۱۸) ضیا، سید ضیاء الدین (۱۹) ظہیر، محمد یوسف خاں (۲۰) عبدالجلیل واسطی بلگرامی (۲۱) فائز (۲۲) قاضی عبدالقادر (۲۳) قاضی غلام علی جعفری (۲۴) قانع، میر شیرعلی (۲۵) کامل، ابو تراب میر حیدر الدین (۲۶) کرم، مخدوم عبدالکریم (۲۷) گدا، سید غلام محمد هاشمی (۲۸) محزوں، میر غلام مصطفے (۲۹) محسن الدین شیرازی (۳۰) مخلص، قاضی محمد هاشم (۳۱) مغموم، سیٹھ محمد اسمعیل (۳۲) منیر، منشی محمد (۳۳) میر حفیظ الدین علی (۳۴) میر، میر صوبیدار خاں (۳۵) نظام، عماد الملک غازی الدین خاں (۳۶) نیازی، سعد اللہ انصاری (۳۷) ورد — (۳۸) ولی، ولی محمد (۳۹) ولیم، ولیم برویٹ -

افسر میرٹھی، حامد اللہ۔

بابائے اردو یا بابائے ملت - ص ۱۰- بابائے اردو نمبر ۱۹۶۲ع

اقبال، پروفیسر محمد —

۱۔ تنقید شعر العجم (تصنیف شبلی نعمانی)۔ ص ۶۳۔ اکتوبر ۱۹۲۳ع

۲۔ فردوسی کا مذہب۔ ص ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ع (اس مضمون کا دوسرا حصہ ملاحظہ ہو شمارہ جنوری ۱۹۲۵ع میں از محمود شیرانی)

۳۔ مرحوم علامہ (محمود) شیرانی۔ ص ۳۹۱۔ اکتوبر ۱۹۴۶ع

اقبال، ڈاکٹر سر محمد

۱۔ شاعر (قطعہ) ص ۱۔ جنوری ۱۹۳۶ع

۲۔ مسعود مرحوم (نظم) ص ۷۲۹۔ اکتوبر ۱۹۳۷ع

اقتدا حسن

اسمٰعیل میرٹھی۔ ص ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۵۹ع

اکرام الحق

واقف کی شاعری ص ۵۵۔ جولائی ۱۹۵۰ع (قاضی نور العین واقف ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ع)

التفات حسین، سید —

اردو رسم الخط کے متعلق ایک مشورہ۔ ص ۹۴۵ اکتوبر ۱۹۳۶ع

امین الدین خاں

کنول پھول اور تمدن میں اس کی اہمیت۔ ص ۲۳۳۔ اپریل ۱۹۳۸ع

انصاری، حیات اللہ

۱۔ ٹھیٹھ اردو۔ ص ۵۳۳۔ اکتوبر ۱۹۴۰ع

۲۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں اردو۔ ص ۱۲۱۔ جنوری ۱۹۴۴ع (سہ ماہی تبصرہ): ۱۔ رومن رسم الخط ۲۔ صحافت ۳۔ اشاعت گھر

۳۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں اردو۔ ص ۱۹۸۔ اپریل ۱۹۴۵ع (سہ ماہی تبصرہ): ۱۔ داستان گو ۲۔ داستان گوئی ۳۔ اور اس کا مستقبل

۴- یوپی میں اردو- ص۲۷۷- اپریل۱۹۴۴ع (سہ ماہی تبصرہ) :

انصاری، محمد رضا

۱- جاہلی ادب نئی روشنی میں (ترجمہ) ص ۳۲۴- جولائی ۱۹۴۳ع (از ڈاکٹر طہ حسین المصری)
۲- گریہ و تبسم (ترجمہ) ص ۳۱۷- اپریل ۱۹۴۰ع (دمعہ و ابتسامہ از خلیل جبران المصری)
۳- گریہ و تبسم (ترجمہ) ص ۹۹- جنوری ۱۹۴۱ع (دمعہ و ابتسامہ از خلیل جبران المصری)
۴- گریہ و تبسم (ترجمہ) ص ۴۳- جنوری ۱۹۴۲ع (دمعہ و ابتسامہ از خلیل جبران المصری)

انصاری، محمد معین الدین

اردو ادب کی ترقی اور اشاعت کے متعلق ایک تجویز ص ۶۵۹- اکتوبر ۱۹۲۲ع

انور عنایت اللہ

باباۓ اردو کی ریڈیائی تقریریں - ص ۲۹۲- باباۓ اردو نمبر ۱۹۶۲ع

ایوب قادری، محمد --

باباۓ اردو کے غیر مطبوعہ خطوط - ص ۵۴۳- باباۓ اردو نمبر ۱۹۶۲ع (مکتوب الیھم : مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی، احسن مارہروی، عبدالحمید اشرفی، میاں غیاث الدین، سید الطاف علی بریلوی، محمد مقتدی خاں شروانی، محمود احمد عباسی اور محمد ایوب قادری)

یک طالب علم (سخاوت میرزا کا قلمی نام)

فہرست توضیحی مخطوطات اردو کتب خانہ نواب سالار جنگ پر سرسری نظر- ص ۲۲۶- اپریل ۱۹۵۷ع

"ب"

باقر علی ترمذی ، ڈاکٹر سید

۱- پنج تنتر کے گجراتی ترجمے- ص۱۳۱- اپریل ۱۹۵۱ع

باقر، ڈاکٹر محمد

۱- اُردو قدیم - ص ۲۷۹- جولائی ۱۹۵۶ع
مجموعہ بارہ قصے
(الف) لیلیٰ مجنوں منظوم از عبداللہ واعظ (ب) قصہ نازنین و خان والا شان جعفر خاں مرحوم از حامد (ج) قصہ قاضی و چور کا از نور اللہ (د) قصہ چوہا بلی از شرف دین (ھ) قصہ لڑائی بیرالالم از عظیم الدین (و) جمجمہ کا قصہ از عبداللہ (ز) وفات نامہ خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ مصنف نامعلوم (ح) قصہ زیتون و محمد حنیف از علی خاں

۲- پنجاب میں اردو (مرادالمحبین) ص ۳۳۸- اکتوبر ۱۹۴۲ع

براؤن ، پروفیسر ای جی

مصنفین و شعرائے تیموریہ ص ۱۳۳- جنوری ۱۹۲۱ع
(از تاریخ ادبیات ایران جلد سوم)

برلاس ، پروفیسر نذیر میرزا

اقبال اور خوش حال خاں ـ ص ۸۶- جولائی ۱۹۵۴ع

برنی ، سید حسن

۱- حافظ شیرازی ص ۵۱۶- اکتوبر ۱۹۲۸ع
۲- سعدی ص ۱۱۳- جنوری ۱۹۲۹ع
۳- عطار ص ۱۹۶- اپریل ۱۹۲۹ع
۴- عمر خیام ص ۲۰۶- اپریل ۱۹۲۸ع
۵- کیا کتب خانہ اسکندریہ عربوں نے جلایا۔ ص۹۵۴ اکتوبر ۱۹۲۶ع

بشیر احمد ، میاں
سر راس مسعود ۔ ص ۸۲۶۔ اکتوبر ۱۹۳۷ع

بشیر الدین ، سید
۱۔ اقبال کا تصور زمان۔ ص ۱۰۶۔ اکتوبر ۱۹۳۸ع
۲۔ شاعری کے عام اصول ۔ ص ۱۔ جنوری ۱۹۴۰ع

"پ"

پارسا ، آغا محمد تقی شیرازی (پروفیسر اورنگ آباد کالج)
سخنوران ایران در عصر حاضر۔ ص ۵۲۸۔ جولائی ۱۹۴۶ع
(مصنفہ آقا محمد اسحاق)

پانیکر ، کے ۔ ایم ۔
سید راس مسعود مرحوم ۔ ص ۸۸۰۔ اکتوبر ۱۹۳۷ع

پربھاکر ، ماچوے ۔
زمانہ حال کی مرہٹی شاعری۔ ص ۶۷۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ع

پریم چند ، منشی ۔
۱۔ معلومات ادبیہ :۔
(ہندستانی اکیڈمی کا اجلاس) ص ۳۲۸۔ اپریل ۱۹۳۶ع
۲۔ معلومات ادبیہ :۔
(ادب ہند کے مسائل) ص ۳۳۱۔ اپریل ۱۹۳۶ع

"ت"

تسکین سورو نوی ، محمد یسین ۔
ترچھی نگاھیں (نظم) ص ۳۲۶۔ اپریل ۱۹۲۹ع

تسلیم نارنولی ، مولوی سلیم الدین ۔
مسدس تسلیم بجواب مسدس حالی ص ۴۰۱۔ اپریل ۱۹۵۲ع

تفضل حسین ، سید ۔
یہودی (ترجمہ از روسی مصنف ترگی نف) ص ۴۲۳۔
جولائی ۱۹۲۳ع

تماشائی (فرضی نام)

۱- حیدرآباد کا ایک مشاعرہ ص ۳۰۵- اپریل ۱۹۲۳ع
اس مشاعرے میں حسب ذیل شعرا نے شرکت کی:-
سید اسحاق چچا دھلوی - ساقی حیدرآبادی -
سید علی نواز رضوی - ضامن کنتوری - حکیم عابد
حسین عابد - غلام یسین خاں غلام - مرزا نظام
شاہ لبیب - سید نثار احمد مزاج

تنہا، مولوی محمد یحیی۔

۱- آہ! خواجہ غلام الثقلین - ص ۸۰- جنوری ۱۹۰۸ع
۲- مطبع منشی نول کشور - ص ۹۳- جنوری ۱۹۲۶ع
۳- ولی کا سنہ وفات - ص ۱۳۶- اپریل ۱۹۵۱ع

تھتے، گنیش راؤ (لیکچرار اورنگ آباد کالج)

مسلمانوں کا مرہٹی ادب میں اضافہ - ص ۲۸۹- اپریل
۱۹۳۷ع (از پروفیسر این جوشی)

تہور حسین، خواجہ

۱- ٹکسالی اردو - ص ۴۷ جنوری ۱۹۰۸ع
۲- تصانیف عبدالحق — ایک جائزہ - ص ۲۰۵- بابائے
اردو نمبر ۱۹۶۲ع

"ٹ"

ٹیگور

ادبی معلومات :-
(ادیب کے فرائض) ص ۶۶۳- اکتوبر ۱۹۳۶ع

"ث"

ثاقب رزمی

اردو میں خطوط نویسی کا ماضی و حال- ص ۱۲۱- اپریل
۱۹۴۵ع



حوصلوں اور کارناموں کی کہانی..

[illegible]

ہمدرد نے اپنے آپ کو نوعِ انسانی کی خدمت کے لئے وقف
کر رکھا ہے تاکہ امراض کے علاج کے لئے بہتر سہولتیں میسر آسکیں

ہمدرد یونانی طب کے علمبردار اور دواساز

سہ ماہی

اُردُو

جلد - ۴۳ شمارہ - ۱

جنوری ۱۹۶۷ء

انجمن ترقّی اُردُو بابائے اُردُو روڈ

کراچی-۱

مجلس ادارت

ادارۂ تحریر

فہرست مضامین

طابع : انجمن پریس لارنس روڈ ، کراچی

زیر اہتمام : محمد مصلح الدین سعدی

ناشر : انجمن ترقی اردو - بابائے اردو روڈ - کراچی

قیمت فی پرچہ : ~~تین روپے پچاس پیسے~~

قیمت سالانہ : بارہ روپے

مصحفی کا دیوان فارسی

قاضی عبدالودود

پچیس چھبیس سال قبل رام پور میں مصحفی کا ایک فارسی دیوان (۱) ایک صاحب سے ، جن کا نام میں بھول گیا ہوں ، مستعار ملا تھا اور میں نے اس سے متعلق ایک یادداشت قلمبند کر لی تھی ۔ اب جو اسے دیکھتا ہوں تو کچھ الفاظ پڑھے نہیں جاتے اور کچھ صریحاً غلط ہیں (۲) ۔

مزید یہ کہ بعض ضروری باتیں 'ی' میں نہیں اور بعض غیر واضح ہیں ۔ بہر حال مقالہ ھذا اسی پر مبنی ہے ۔

'ن' میں مصحفی یا کاتب 'ن' کا لکھا ہوا خاتمہ نہیں اور زمانہ کتابت و نام کاتب اس میں درج نہیں ۔ 'ی' میں یہ البتہ مرقوم ہے کہ "قدیم معلوم ہوتا ہے"۔ ورق الف میں جو سادہ ہے محمد حسن کی مہر ہے جو ۱۱۸۷ھ کی ہے ، مگر 'ن' میں اس کے برسوں بعد کا کلام موجود ہے ۔ 'ی' میں یہ اطلاع ہے کہ 'ن' میں کئی صفحات سادہ ہیں ، لیکن یہ نہیں کہ یہ کتنے اوراق پر مشتمل ہے ۔ 'ی' میں ایک جگہ ایک غزل کے متعلق مرقوم ہے کہ ورق (۱۰۷) الف میں ہے ، مگر کہیں اور یہ نہیں کہ کون سی چیز کس ورق سے لی گئی ہے ۔ اس کا مسطر ۱۵ سطری ہے ، لیکن مقطع دو سطروں میں ہیں ۔ اشعار کا آغاز ورق الف ب سے ہوتا ہے اور اس میں ۹ شعر

---

(۱) اس مقالے میں مخففات ذیل مستعمل ہوئے ہیں : ن = نسخہ خطی دیوان ۔ ی = یادداشت نوشتہ راقم ۔ ل = نسخہ بدل ۔

(۲) یہ نہیں کہہ سکتا کہ نقل مطابق اصل ہوئی ہے یا مجھ سے لکھنے میں غلطی ہو گئی ہے ۔

ہیں - پہلی غزل حمد اور دوسری نعت کی ہے ، دونوں کا پہلا شعر بترتیب درج ذیل ہے -

ای دادہ رنگ و بو بگل و لالہ زارہا
یک قطعۂ چمن ز تو باغ و بہارہا

اول کہ بر انگیخت قلم خط جلی را
ز د تحفۂ ہستی رقمِ نامِ نبی را

ذیل میں کچھ اشعار اس لئے نقل ہوتے ہیں کہ یہ مختلف نقطۂ نظر قابل انتخاب ہیں اور کچھ اس لئے کہ ان کے خاص خاص الفاظ کے ' بدا کی حیثیت سے حواشی 'ن' میں دوسرے الفاظ درج ہیں - کہیں کہیں صریحاً اصلاح ہے ، بہر حال حواشی کے نسخ بدل کا ذمہ دار کون ہے ، کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا -

اگر بہ بے خردان ہمدمیم معذوریم
کہ قحط مردم داناست در زمانۂ ما
ضرورتست کہ اے مصحفی کنیم سفر
دگر نماند دریں شہر آب و دانۂ ما

چناں عشقش (۱) پریشاں کرد مارا
کہ ہرگز جمع نتواں کرد مارا

منع نظارہ مکن عاشقِ شیدائی را
کہ نبست است کسے چشمِ تماشائی را

---

(۱) ہجرش ' زلفش - 'ل' -

گذشت (۱) عمر و از وصلِ او نیا سودم
هنوز این طمعِ خام میکشد مارا

در بر رخم مبند که چون بنمش ز دور
خود رشک غیر دور ز غیرت (۲) کند مرا

داغے که کسے نمی خریدش
دادم دل (۳) و من خریدم او را

هر چه میخواستم آن آه ندادند مرا
در (۴) مرادِ دل خود راه ندادند مرا

دلم بسوز ولیکن بران میار مرا
که شعله از نفسِ آتشین (۵) شود پیدا

نه ما از شاعران ریزه چینیم
بفن شعر خلاقیست مارا
کلام مصحفی را خوش نداریم (۶)
به حافظ بس که مشتاقیست مارا

---

(۱) 'ن' میں اصلاح لیکن پڑھی نہیں گئی - (۲) صحبت 'ل'
(۳) جگرو 'ل' - (۴) باز در کوئی کسی 'ل' - (۵) واپسین 'ل' -
(۶) 'ی' میں اسی طرح -

ازاں ورد زباں وقت سحر گہ
"الا یا ایہا الساقیست" مارا

— — —

جاں داد عاقبت بفراقِ تو مصحفی
لیکن بسر نبرد (۱) شب انتظار را

— — —

وا دریغا کہ دگر(۲) ماتمِ شاہست امشب
بہرِ ماتمیاں رخت سیاہست امشب
مصحفی ما تمیم ماتم من پنہاں نیست
بر عزاداریٔ من دیدہ (۳) گواہست امشب

— — —

لبِ ما تر نمی شود از مے
کہ (۴) بدستِ تو ساغر افتادہ است

— — —

ہرگز (۵) تلف بیک دو خدنگی نمی شود
خون کسے کہ بر دمِ خنجر چکیدنیست

— — —

دریغ از تو کہ ما (۶) عشق نداری (۷)
بجز جور و جفا اے بے مروت

— — —

خوں شد دلم اے مصحفی از مصرع جعفر
"اے کاش دلِ من زپے دیدہ نمیرفت"

— — —

(۱) سحر نکرد 'ل' (۲) 'ی' "شب ماتم حسین" صرف 'شب' مراد ہوگی -
(۳) حلق 'ی' = خلق ؟ (۴) خوش 'ل' (۵) آری 'ل'
(۶) 'ی' کذا - با ؟ (۷) نوازی 'ل'

مانا بہیچ کس نبود طرزِ مصحفی
طرز سخن ز وضعِ جدا میتواں شناخت

———

من نامہ خود نہم (۱) بر آتش
چوں نامۂ من نخوانی اے دوست

———

هندوستاں (۲) ز جلوۂ مہ طلعتاں پُر است
زیں قوم کوچہ کوچۂ هندوستاں پُر است
درهر طرف چو خیلِ پری جلوہ میکنند
گوئی کہ ایں دیار تمام از زناں پُر است
اے مصحفی ز کثرتِ هندو زناں مپرس
هندوستاں تمام ازیں کافراں پُر است

———

قفنس صفت بیک نفس آتش بخود دهم
ما را بجستنِ خس واخگر (۳) چہ احتیاج

———

لبت محمد و روئے تو یوسفِ مصریست
چہ خوش فتادہ بهم صحبت ملیح وصبیح

———

یاد آں روز کہ در کوئے تو چوں میر فتم
باسگِ کوئے تو ام لذت (۴) همراهی بود

———

(۱) دهم ' ل ' (۲) دو شعر اور جن میں کثرت حسیناں کی طرف اشارہ ۔
(۳) آذر ' ل ' ۔ (۴) دولت ' ل ' ۔

مجو از مصحفی غالب حریفے زانکہ ایں نادان
دل و دیں باختن دانستہ و بردن نمی داند

———

مصحفی شاعرِ جہاں گرد است
چند شعرے بہر زمیں دارد

———

اے مصحفی ز دھلی بیروں روم چہ سازم
ایں خاکِ خوب یک سو خوباں نمیگذارند

———

چہ خیال (۱) وصل بندم کہ محال مینماید
من و وصل ایں تمنا چو خیال مینماید

———

سادہ رویاں کہ پس از ظلم وفا نیز کنند
لب بہ دشنام کشایند و دعا نیز کنند
توبہ از حسن پرستی نتواں کرد بہ حشر
کیں گناھیست کہ در روز جزا نیز کنند
میتواں کرد زمن رفع ملا لی (۲) کہ مراست
چوں برنجند دو کس صلح و صفا نیز کنند
مصحفی(۳) ایں غزل آنست کہ سعدی گفتہ است
یکساں درد فرستند و دوا نیز کنند

(۱) اس شعر پر 'ن' میں صاد - (۲) و (۳) غباری 'ل'- غزل ردیف 'نیز کنند' جس میں ایسے اشعار بھی ھیں جو نقل نہیں ہوئے - ورق ۱۰۷ الف میں بھی ہے اور اس ورق میں ملالی کی جگہ غباری -

بقول صبری آیا مصحفی بگذشت (۱) در کویت
''که امشب هیچ آوازے ازاں مسکیں نمی‌آید''

مصحفی قدر تو از شعر ترت گشته بلند
ای بقربان زبانِ تو زباندانی چند

بشو دست و خنجر که از خونِ نا حق
هنوز آستینِ تو رنگی ندارد

ہر که خوانم سخن خود که سخن نماند(۲)
مصحفی کاش که میبود فغانی امروز

نه درو راهنمائی نه رفیق
راهم (۳) افتاده براهی که مپرس

نه بی هیچ است شوخیهای (۴) افلاک
که لیلائے بمحمل میکند رقص

ازیں ویرانه بیروں شو که خاطر (۵)
نگردد زیں در و دیوار محظوظ

---

(۱) کذا 'ی' نگذشت ؟ (۲) کذا 'ی' سخن فهم نماند ؟ (۳) باهم 'ل' - (۴) گرد شهای 'ل' (۵) عاقل 'ل'

غزل را مصحفی کردی قصیدہ
من از طبعت شدم بسیار محظوظ (۱)

———

مصحفی شکوہ من زاں بتِ بے پروا نیست
دارم (۲) از دیدہ کہ او شد سببِ خواریٔ دل

———

روز و شب بصد گرمی (۳) در کنار میماند
دل مگو کہ دلدار است ایں دلی کہ من دارم

———

ای کہ کشتی بیگناہم ایں قدر اندیشہ چیست (۴)
گر زمن (۵) پرسند بگویم (۶) من گناہی داشتم

———

مصحفی فاسق بر آمد در حقش
من گمانِ پارسائی داشتم

———

بطفلانِ دگر ایں حسن (۷) و محبوبی نمی بینم
تعالی اللہ کہ من طفلی بایں خوبی نمی بینم

———

دلم بسنبل باغِ بہشت مینگرد (۸)
مگر بزلفِ تو سودا نمی تواں کردن

———

(۱) اس غزل کے ۲۶ شعر ہیں (۲) داغم 'ل' (۳) نازی 'ل' ۔
(۴) غم مخور روز جزا ۔ 'ل' (۵) 'ی' مشکوک (۶) کذا 'ی' ۔ گویم؟
(۷) ناز ۔ 'ل' (۸) بے حد 'ی' ۔ 'ل' بپیچید ؟

جائے (۱) کہ نظیری شوم کہست نظیری
واں جا کہ نظیری نتواں بود نظیرم

کافر (۲) آں قوم کہ بینند و پرستش نکنند
صنمے را کہ ز چین و چگل آید بیروں

ای مصحفی چہ مصرعِ خوش آفتاب گفت
" نبضِ مرا بدیدی و رنجے نیافتی "

مصحفی را چہ باین نام فروشاں سروکار
کو نہ شاگرد کسی ہست و نہ استاد کسی

ای مصحفی یک دم نیم از گریہ تسلی
این ست اگر روز و شبم روز و شبم ہائے

" اے مصحفی الخ " غزل آخر کی بیت آخر ہے، شعر ذیل " ہرچہ میخواستم الخ " کے بعد سمجھا جائے -

العطش گو بلبِ چاہِ زنخداں مردم
قطرہ (۳) آبے از یں چاہ ندادند مرا

اشعار ذیل 'ی' کے آخر میں ہیں - 'ن' کی ردیف دال کے اشعار کے ساتھ ہوں گے - ' ی ' میں اپنی جگہ پر درج نہ ہو سکے :

---

(۱) کذا 'ی'　(۲) عشق بر بود (کذا) سر ناز تو میگرداند - ' ل '
(۳) یک دم ' ل '

ایں درد و ایں اذیت و ایں رنجہا نبود
خوش بود آنکہ دل بکسی مبتلا نبود
شوخی فسانہ کرد ترا در ستمگری
ہر چند در نہادِ تو غیر از وفا نبود

مرغِ چمن امسال چہ آہنگ بر آورد
کز وے سرِ ہر شاخ گلے رنگ بر آورد
عشق آمد و کرد از ہمہ سو خار و خسم جمع
وانگاہ بہ آہن شرر از سنگ برآورد
ساقی تو مئے ناب پیاپے بقدح کن !
یار آمد و مطرب ز بغل چنگ بر آورد
اے مصحفی صد شکر کہ عشق آمد و مارا
از وسوسۂ دانش و آہنگ برآورد

بے روے تو باغ راغ باشد
ہر چند کہ باغ باغ باشد

بیت اول ترجیع بند و بیت ترجیع بترتیب تعداد ابیات ۲۳۵ -

امروز کہ روزگار عشق است
جان و دلِ من نزار عشق است

عشق است کہ میکنم خرابم
عشق است کہ می کند کبابم !

اس کے بعد دوسرے قلم اور مختلف روشنائی سے یہ اردو شعر۔

گھیرے ہوئے ہیں یوں دلِ نالاں کو حسرتیں
زنداں میں جیسے ہو کوئی طفلِ یتیم بند

مخمس غزل فیضی " نمی گویم فلک از کجرویہایت کہ برگردی " (۱)
سات بند۔ اس کے بعد شعر ذیل۔

قطرۂ زلف نہانے میں جو ٹپکا سر سے
میں یہ سمجھا کہ ستارہ لبِ ساحل ٹوٹا

مقطعات۔ قطعہ تاریخ حصار دیگ ۴ ابیات۔

صرف (۲) چار از ذوالفقار الدولہ گیر
بعد ازاں از نام تاریخش بر آر

" ذوالفقار الدولہ " = ۱۲۱۴ مگر یہ سال فتح ڈیگ نہیں، یہ کتب تاریخ سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے بعد یہ پتہ مل سکتا ہے کہ مصحفی کی مراد کیا ہے۔

وفات نجف خاں (یعنی ذوالفقار الدولہ) ۷ ابیات۔

ز دست جود او ہنگام بخشش
اگر جاں خواستہ سائل گرفتہ

مادۂ تاریخ "بگلزار جناں منزل گرفتہ" = ۱۱۴۲۔ اس پر عدد جاں ۵۴ کا اضافہ ہو تو ۱۱۹۶ ہو جائے گا اور سنہ ۱۱۹۶ھ نجف خاں کا سال وفات ہے۔

قطعات تاریخ وفات میر حسن و سودا مثل تذکرۂ ہندی، قطعہ تاریخ وفات مظہر مثل عقد ثریا۔ تاریخ ولادت پسر مرزا میڈو ۴ ابیات۔ چراغ = ۱۲۰۳۔

---

(۱) مصرع از غزل فیضی (۲) 'ی' میں اس طرح کہ حرف بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

غرہٴ شعبان کہ وقت شام بود
یافتم سالِ ولادت از چراغ

تاریخ بنائے چاہ ، نعیم الدولہ ، ثابت جنگ ـ ۳ بیت " الٰہی باد عمر بانیٴ چہ تا جہاں باشد " ـ

قطعہٴ دو بیت :

گر ز نظم نظیرھم پرسی
ہر ز مینش د فینہٴ دارد
و گر از محتشم سوال کنی
لشکر بے خزینہٴ (۱) دارد

قطعہٴ دو بیت :

فغاں از دست ملایانِ ایں عصر
کہ بر سعدی ز بس تالیف کردند
کلامِ شیخ را برباد دادند
گلستانِ دگر تصنیف کردند

قطعہ ۵ بیت : تعریف حسن

مصرع اول " دیدم امروز فرنگی پسرے "

قطعہ :

نسبت ما یک دو تن باشاعرانِ ما سبق
چوں حروف ابجد است اندر عدد وقت شمار
ہرکہ در آخر بود او را بر اول رحبت(۲) است
کز یک اول تا بآخر می شود فرق ہزار
می تواں دریافت ز یں البتہ بیشی و کمی
چوں قلم را در حسابِ ہندسہ آری بکار

---

(۱) نازنینہٴ 'ل'　(۲) کذا 'ی'

کار بر عکس است اما گر ز ماں را بنگری
آنکه زانہا را قرارے بود ما را اضطرار

قطعہ ۶ ابیات :

برائے تہنیت عید آں بزرگ نژاد
کہ دارد از شہ عالم خطاب عالم جان (۱)

قطعہ ۲ بیت :

نواب فلک جناب سیف الدولہ
در شہر بعیش و شادمانی چورسید
چوں مژدۂ عید مقدم دولت او
بر جملہ جہانیاں مبارک گردید

قطعہ ۲ بیت :

مردیست بشہر ما الف قد
کمتر نبود ز پنجہ اش سن
ہر کس بزنش بدید گفتا
ایں... (۲) زن و شوہر زن (۳)

(۴) قطعہ : ۱

بچنیں قد گذر افتد چو سوے باز ارش
طفل شش ماھہ رباید زسرش دستارش

———

قطعہ : ۲

مرد کی هست دریں شہر مکر (۵) در راهش
یک و جب عار زہستی نکند در چاهش

نقطۂ جان 'ی' میں مشکوک ۔
'ی' میں ایک لفظ جو پڑھا نہیں جاتا۔ (۳) زن 'ی' میں مشکوک۔
'ی' میں اسی طرح ، ظاهرا ایک موضوع ہے ۲ قطعے ھیں -
مکر کے بعد 'ی' میں کذا ، متن اشعار مثل 'ی' ۔

از چه خفت کشد از رخ ِ کامل منشان (؟)
مصرع ِ بحر ِ خفیف است قد ِ کوتاهش

رباعیاں ۶۷ ہیں ، پہلی اور آخری رباعی کا مصرع اول بترتیب : " مگریز ز من که عاشق زار تو ام "۔ " دنیا که بصد خرابی آباداست ایں "۔ ایک رباعی کی ایک بیت اور اس کے بعد چند مکمل رباعیاں ۔

بزم ِ تو بود همیشه چوں باغ ِ نعیم
جائے تو بود همیشه (۱) بر مسند ِ ناز

———

حیف است دل شعر چو یخ افسردن
در شعر تصوف چه ضرور آوردن
آری غزل آں مه که بود حاصل ازو
بگداختن و سوختن و خوں خوردن

———

عصمت(۲) تو مرا خراب داری تا چند
در آتش ِ غم کباب داری تا چند
محجوبیٔ تو بمن چه گویم که چه کرد
کافر ز من ایں حجاب داری تا چند

———

ما را با یار الفت دیگر بود
با خال و خطش محبت دیگر بود(۳)

(۱) 'ی' میں مدام (۲) عصمت کا ذکر اردو کے کسی دیوان میں بھی ہے ۔
(۳) 'ی' اس بیت کے بعد ، جو اس پر مشعر که بعد کی بیت کسی اور رباعی کی ، لیکن یه ممکن ہے که غلطی سے لکھا گیا ہو ۔

زیں پیش کسی کہ داشت خوارم ہر وقت
ایں عصمت نیست عصمت دیگر بود (۱)

دل فخرالدین (۲) دلپذیرے دارد (کذا)
صاحبدل و آئینہ ضمیرے دارد
او را چہ غم مصائب دوران ست
در دہر کسی کہ ہمچو پیرے دارد

از بحرِ حقیقت چو خروشی برخاست
طوفان آمد ز آب و جوشی برخاست
کشتی و طناب و لشکرش جملہ بسوخت (۳)
ویں نغمہ ز کوی میفروشی برخاست

روی تو بچشم خیرہ دیدن نتواں
حرف تو بگوش کر شنیدن نتواں
ایں زہر دگر زہر ہلاہل دگر است
پیمانہٴ (۴) سہر تو کشیدن نتواں

---

(۱) 'عصمت دیگر' سے کیا مراد ہے ؟
(۲) اس کی شہادت موجود ہے کہ یہ مصحفی کے پیر تھے ۔
(۳) لفظ ''جملہ'' کے اوپر 'ی' میں ایک لفظ جو پڑھا نہیں جاتا ۔
(۴) 'ی' میں 'تلخابہ'

از بس ما مست نشاءہ توحیدیم
شامل بخدا برنگ ہر تمہیدیم
یک رنگیء ما ہزار رنگی دارد
در آئنہء شکستہ خود را دیدیم

———

ما را تو بجای خویش نائب کردی
ما حاضر و خویش را تو غائب کردی
اعجوبہ نمای صد ظہور تو شدیم
زاں رو کہ تو مظہر العجائب کردی

———

تا پای مرا بکوچہ گردی کار است
ہر جا کہ روم دیدہ چو پا بسیار است
ز آبادیء لکھنؤ چہ پرسی کیں شہر
شہریست ولی تمام ناہموار است

———

ہم صحبت بد قابل تحسیں نبود
تدبیرش غیر لعن و نفریں نبود
گر دین خواہی تو در تعصب میکوش
کاں را کہ تعصب نبود دیں نبود

———

شد صبح و رسیدہ بادلِ خرم عید
ہنگامہء شب را زدہ خوش برہم عید

آوردہ ز آفتاب طشت ِ پر زر
از بہر ِ نثار صاحب ِ (۱) عالم عید

ایک اور رباعی مبارکباد عید میں، نہ معلوم کسے مبارکباد دی ہے۔

سراپائے معشوق (مثنوی) ۱۲۸ ابیات ، بیت اول و آخر بترتیب :

باز خواہم ز سراپائے سخن آغازم
شور در مجمع شیریں سخناں اندازم

قامتی را کہ قیامت کند از دور سلام
طاقت ِ کیست کہ ہمدوش شود وقت سلام

قصیدہ اول حضرت علی کی شان میں ہے۔ مصرع اول " باز بر صفحہای
ژگاں میزنم" - (ابیات ۶۱) دوسرے قصیدے کے پہلے مصرعے کے نیچے ذرا
نارے بائیں طرف مرقوم ہے " مدح مرزا فرخندہ بخت " (ابیات ۵۹)

بیار بادہ و نہ شمع و شیشہ را بوثاق
کہ رو بکوتہی آوردہ باز روز ِ فراق

تو شاد زی کہ بشکل ِ تو یوسف ِ مصری
بروں نہامدہ گہ از قبیلۂ اسحاق

بپیش دیدہ ہماں آں قدر کہ بینم سیر
کہ بعد ابر بر آوردۂ تو سر ز رواق

جدا ز خویش و تبار آں بغم گرفتارم
کہ مادر و پدرش میکنند از خود عاق (کذا)

---

(۱) جہاندار شاہ یا سلیمان شکوہ۔

فغان که در شبِ زلفت مرا ز بختِ سیاه
گزیده افعی و هرگز نمی دهی تریاق
کسی چگونه برد جان سلامت از توی (کذا)
که عضو عضو شوخست و غمزهات شلتاق (کذا)
شرر جهد ز لبم چون که بر خورند بهم
بر آن طریق که آتش بر آید از چقماق
بیا و حالِ دلِ خسته ام تماشا کن
که با قلم نتوان کرد شرحِ این اشواق
چه بوسه ها که دهم بر بیاضِ ساعد او
بدستم افتد اگر دست یار سیمین ساق
سرِ نیاز بمحراب ابروی دارم
که درکجی چو کمانست و در بلندی طاق
اگر به تیغ سرم را بری چه نقصانست
مرا ز روزِ ازل بود با تو این میثاق
درین زمانه چنان کارِ خلق بر عکس است
که زن بشوهرِ بی جرم میدهد سه طلاق
صفا ز آئینهٔ سینه ها برون رفته
ز بس که در دلِ عالم نشسته زنگِ نفاق
بوقت.......... دست خود چه کار کند
بکشوری که بود خود تمام روز احراق
ز بس که گم شده سیم از جهان نمی بینم
چو قرص سیم رخ کس شگفتهٔ و بشّراق
ز ناکسان نتوان چشم آدمیت داشت
که کارِ پارس نیاید گہی ز سنگِ سماق
سپیده زرده نماید ز دور ورنه هنوز
کسی نخوردهٔ یک لقمه هم ازین دو طباق

غم زمانہ گلویم فشردہ است چناں
کہ دم کشیدنم افتادہ است اکنوں شاق
تو گوی از اثر طالع زبوں کہ مراست
بروزگار شدم مبتلاے ضیق و خناق
رہ نجات نمی آیدم بدیدہ ، مگر
روم بدرگہ ممدوح مجمع اشفاق
بلند مرتبہ نواب ناظر آنکہ بود
ز بس بزرگی منظور خسرو آفاق

یاد داشت میں اس قصیدے کے بعد جس قصیدے کے اشعار ہیں ، اس کے
لق مرقوم ہے: " قصیدہ ۷ " ۔ لیکن یادداشت میں دوسری جگہ قصیدہ
۱ و دوم و سوم کے ابیات کی تعداد درج ہے اور قصائد ۴ تا ۷ کے اشعار کی
اد سے مطلقاً بحث نہیں ۔ یادداشت میں کسی ایسے قصیدے کے اشعار بھی
ں جسے قصیدہ سوم بتایا ہو ۔ قرینہ ہے کہ ۷ غلط لکھا گیا اور در اصل
ہی قصیدے ہیں ۔ بہر حال اس قصیدے کے جو تیسرا یا ساتواں ہے ، اشعار
ولہ یہ ہیں ۔ ' ی ' میں قصیدہ ۳ کے اشعار کی تعداد ۴۰ بتائی گئی ہے اور
ا ہے کہ" بادشاہ کی طرف اشارہ ، غالباً جہاندار شاہ " ۔

باز دل آتش زبانی میکند
قصہ سوز نہانی میکند!
خامہ عیسوی نفس در دست من
باز احیای معانی میکند!
ہر فسون طبع من از راہ گوش
جاں بجسم شیخ فانی میکند
خامہ من در کف فردوسیست
داستان باستانی میکند
ہر نقط کز خامہ ام ریزد بسہو
خندہ بر بہزاد و مانی میکند

شعرِ من از فرطِ شہرت اختلاط
با اعالی و ادانی میکند
این دلِ دستان طرازِ من که او
هر نفس فکرِ معانی میکند
از فغانی نوبتش بگذشته است
زور طبعی با مغانی میکند
بس که تیز آمد صریرِ کلکِ من
رخنه در بانگِ اغانی میکند
چون نباشد کین زبان و لب که هست
فکرِ توصیفِ فلانی میکند
یعنی آن مرزا جہان شاه آنکه او
بر جہانے حکمرانی میکند
مدح خوانت باد هر جا شاعریست
تا ز بانم مدح خوانی میکند

— — —

میرا نظریہ تاریخ

سید محمد تقی

انسانی تاریخ کے آغاز ھی سے فلسفہ سماج کے ذھین افراد کی فکری
وششوں کا موضوع رھا ھے۔ فلسفے کو مغربی ممالک طالیس ملطی سے اور
رق وسطیٰ کی تہذیبیں آغاثاذیموس سے شروع کرنے کی عادی رھی ھیں۔
کن انسانی فکر کو جسے دوسرے الفاظ میں فلسفہ کہتے ھیں، یوں کسی
ک بھاری بھر کم شخصیت سے منسوب کر دینا فکر کے اپنے عمل اور بہاؤ
، ساتھ انصاف کرنا نہیں ھے۔ فلسفے کا لفظ سب سے پہلے فیثا غورث نے
تعمال کیا تھا، اس لفظ کا مفہوم حب فکر یعنی فکری عمل سے دلچسپی
۔ محبت تھا۔ یہ فکری عمل کسی ایک شخص سے شروع نہیں ھو سکتا، اس
، بہت سے لوگ اپنی اپنی فکر کا حصہ شامل کرتے ھیں جو کسی زیادہ
ی شخصیت تک پہنچ کر ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل کر لیتا ھے اور
، سے منسوب ھو کر آگے بڑھتا ھے۔ یہ بڑی شخصیت جو سنگ میل کے طور
آتی ھے، گزرے ھوئے ذھنوں کی تخلیقات کو ایک نظام میں پرو کر سب کے
ناموں کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیتی ھے۔ اس لئے فلسفے یا فکری تاریخ کا
از کسی ایک شخص یا کسی بڑے نام سے کرنا تاریخ کی حقیقی منطق سے ناواقفیت
ثبوت دینا ھے۔ یہ قضیہ کہ جن لوگوں نے کچھ لکھا ھے، وہ اُن ان گنت
معلوم افراد سے ذھین تھے جنھیں لکھنے کے لئے سازگار حالات نہ مل سکے،
ترا کی واضح مثالوں کے خلاف ھے۔ تاریخ کے کسی جینیس نے صرف اس
شہرت حاصل نہیں کی کہ وہ اپنی فکری بلندی کے اعتبار سے اس شہرت
ھے اور مقام کا مستحق تھا۔ شہرت صرف اُن لوگوں کو حاصل ھوئی ھے جو
رت حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ ایک منصوبے پر کام کرتے رھے۔ البتہ یہ کہنا

صحیح ہوگا کہ شہرت حاصل کرنے والوں میں ذہین اور جینیس کا اوسط نام آوری سے محروم رہ جانے والوں کے مقابل بہت زیادہ ہوتا ہے۔

انسان کی معلومہ تاریخ یعنی وہ تاریخ جو کسی نہ کسی معلومہ ریکارڈ سے تعلق رکھتی ہے، دس ہزار سال سے ادھر ہی رہ جاتی ہے۔ اس سے ماقبل کی تاریخ جسے تاریخ کی بجائے حالات کہنا زیادہ مناسب ہوگا، قیاسات سے بحث کرتی ہے۔ انہیں قیاسوں میں سے ایک قیاس یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ شکل میں دس لاکھ سال کی عمر رکھتا ہے۔ موجودہ شکل کا مطلب یہ کہ اس تمام مدت میں انسانی دماغ اور اعضا و جوارح میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ گویا یہ دور یکساں دماغ اور یکساں ذہن کے انسان کا دور ہے۔ اس دس لاکھ سال کی مدت میں، جس میں کمی بیشی کا آپ کو پورا اختیار ہے، دس ہزار سال کی مدت گویا کل مدت کا ایک فی صد ہے، جو معلومہ تاریخ کا عہد ہے۔ اب اس ایک فی صد حصے کو ذہین افراد کا عہد کہنا اور پورے ننانوے فی صد حصے کو عہد اغبیا سے تعبیر کرنا آج کے انسان کے لئے بڑا دل خوش کن تصور ہے۔ جو ارتقا کے عروجی نقطے پر آنے کی خوش فہمی کو بھر قیمت باقی رکھنے پر مصر ہے۔ یہ دعویٰ کہ فکر کے منظم ارتقا کے لئے زبان کی ایجاد اولین شرط کی حیثیت رکھتی ہے، میرے خیال میں صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ابھی تک کوئی ایسی دلیل سامنے نہیں آئی جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ تمام ماقبل عہد کا انسان ذہنی یا فکری صلاحیتوں سے یکسر عاری تھا۔ ان تمام حالات کے پیش نظر یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ بہت سے ارسطو، بہت سے افلاطون، بہت سے فیثا غورث اور بہت سے دیمقراطیس عہد ما قبل تاریخ میں زندہ رہے۔ جنھوں نے بنیادی مسئلوں پر فکر کی، اپنے کائناتی فلسفے بنائے مگر کوئی نشان چھوڑے بغیر مر گئے۔ ہمیں ایسے انسانوں کا تصور کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرنی چاہئے، جو تحریر کے بغیر کائنات گیر فکر کرتے رہے ہوں۔ اور تحریری اثرات نہ چھوڑنے کی بنا پر اثریات کے لئے کوئی سرمایہ نہ چھوڑ سکے۔ اس دس لاکھ سال کے عرصہ میں جو جیالوجیائی دور گزرے وہ ہزاروں سال کے فاصلے رکھتے ہیں۔ ان وقفوں میں اچھے خاصے تمدنوں کا اُبھر آنا اور نئے جیالوجیائی عہد کے انقلاب کے ساتھ صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جانا کسی منطقی تقاضے کے خلاف نہیں۔ یہ بات اس تمام بحث میں ذہن کی شعوری سطح پر رہنی

چاہئیے کہ دس لاکھ سال کی اس مدت میں انسان ذہنی طور پر تقریباً یکساں رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اُس کے دماغ کی ساخت میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی، اس لئے غالب قیاس یہی ہے کہ تاریخ سے پہلے بھی عظیم تاریخیں گزری ہوں گی جن کا نشان ارضی طبقات کی تحویل میں نہ آنے کی وجہ سے محو ہو گیا۔

تاریخ کی فکری تدوین کے بارے میں کئی نظرئیے بنائے گئے ہیں جن میں سب سے اہم نظریہ آگسٹ کامٹ کا ہے، جس کے خیال میں تاریخ تین مرحلوں سے گزری ہے۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب انسان صرف مذہبی انداز نظر رکھتا تھا۔ گویا نمایاں رجحان مذہبی اندازِ نظر کو حاصل تھا۔ دوسرا مرحلہ وہ آیا جب انسانی فکر پر فلسفہ غالب آ گیا۔ تیسرے مرحلے پر سائنس کا اقتدار ہوا اور جدید عہد اُسی انداز نظر کے اقتدار کا عہد ہے۔ تاریخ فکر کی یہ تقسیم آگسٹ کامٹ کے سطحی انداز نظر کی چغلی کھاتی ہے، گو ظاہری طور پر صحیح نظر آتی ہے۔ یہ سطحی انداز نظر کی چغلی کیوں کھاتی ہے اور مسئلے کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ اس پر تو میں بعد میں بحث کروں گا، اس وقت تاریخ فکر سے متعلق نظریات میں سے ایک اور نظریے کا یہاں ذکر ضروری ہے تاکہ ابتدائی مراحل سے گزر کر اصل سوالات پر پہنچا جا سکے۔

تاریخ فکر کے بارے میں جدید عہد کا ایک عام رجحان یہ ہے کہ فکر کو مختلف قوموں سے مخصوص کیا جاتا ہے۔ یہ رجحان آگسٹ کامٹ کے نظریے کی دوسری شکل ہے۔ آگسٹ کامٹ ماضی کے ادوار کو مختلف حصوں میں بانٹتا ہے جب کہ جدید انداز نظر حال کے جغرافیائی ٹکڑوں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر سوچتا ہے۔

انیسویں صدی کے ربع ثالث میں عمرانیات کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک نیا نظریہ پیدا ہوا۔ جس نے بیسویں صدی میں پختگی اور ہمہ گیری حاصل کی۔ یہ نظریہ سماجی اضافیت کے اصول پر زور دیتا ہے۔ سماجی اضافیت کے اس نظرئیے کی رو سے سماج محض اضافی حیثیت رکھتا ہے۔ اضافیت کا مطلب یہ ہے کہ فکر کے متعین، اٹل اور یقینی اصول نہیں ہیں۔ حالات اور کیفیات سماجی ماحول اور زندگی کے تقاضوں کی تبدیلی کے ساتھ فکر بھی بدل جاتی ہے اور یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ علم اور فکر شروع سے چند متعین اقدار پر مشتمل

رہے ہیں ۔ اس نظریے کے حامیوں نے بات کو منطقی حد تک نہیں پہنچایا ۔ ورنہ اگر وہ اس اصول کا اطلاق تاریخ فکر پر کرتے تو ہر عہد ' ہر سماج ' اور ہر معاشرے کی فکر اُس سماج اور عہد کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ جاتی ۔ لیکن علم اور فکر کو اس طرح جغرافیائی خانوں میں بند کر دینے سے جو مشکلات پیدا ہوں گی وہ واضح ہیں ۔ سماجی اضافیت کا نظریہ اشپنگلر نے بھی پیش کیا ہے ۔ مگر اشپنگلر کی سماجی اضافیت مذکورہ جغرافیائی اضافیت سے مختلف ہے ۔ اشپنگلر کے ہاں چند اساسی تہذیبی نمونے ہیں ۔ جو اپنی اپنی خود مختاریت رکھتے ہیں اور ہر نمونہ اپنی جگہ ایک جداگانہ کائنات کی حیثیت میں زندہ رہا ہے ۔ یہ سوال کہ اشپنگلر نے ان چند تہذیبی نمونوں کو کیوں چنا اور ان کی تعداد زیادہ یا کم کیوں نہیں ' اس کا اشپنگلر کے ہاں کوئی جواب موجود نہیں ۔

اشپنگلر کی اس تہذیبی اضافیت اور سابقہ جغرافیائی اثرات کے نظریے میں صرف اضافیت ہی مشترک ہے ' اس کے علاوہ یہ دونوں نظریے دو مختلف اساسیں رکھتے ہیں ۔ اشپنگلر کے ہاں بنیادی و ابتدائی اکائی تہذیب ہے جب کہ جغرافیائی اثرات پر زور دینے والے کسی خاص طبعی ٹکڑے یا قطعۂ ارض کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں ، اس لئے گو نتیجے کے اعتبار سے دونوں ہی اضافی ہیں ' تاہم اپنے اطلاقات میں ان دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں ۔ انگلستان اور فرانس جغرافیائی اعتبار سے دو جدا جدا طبعی حصے ہیں اور اس لئے آج کل کے زیادہ اہل قلم انگریزوں اور فرانسیسیوں کی خصوصیات نظریات اور تصورات کو اس انداز میں ایک دوسرے سے جدا خیال کرتے ہیں ۔ جیسے وہ بالکل مختلف انواع اور قطعی خود مختار اور محض جداگانہ تہذیبی اکائیوں کی حیثیت رکھتے ہوں مگر اشپنگلر کے خیال میں صورت حال ایسی نہیں ہے ۔ اُس کے نظریے کی رو سے تمام یورپ ایک ہی برادری ہے ' ایک ہی تہذیبی خول سے گھرا ہوا ہے ۔ ان کا ایک ہی تہذیبی مزاج ہے جس پر جغرافیائی اختلافات اثر انداز نہیں ہوئے ۔

تاریخ کے بارے میں در اصل صرف دو نظریے ممکن ہیں ۔ پہلا نظریہ یہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ ایک ارتقائی عمل ہے اور دس ہزار سال کا یہ سارا عرصہ پستی سے ترقی کی طرف ' ایک مسلسل رفتار ' ایک متواتر دوڑ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ دوسرا نظریہ تاریخی اضافیت کا نظریہ ہے ' جس کی مختلف شکلیں ہیں ۔ لیکن اضافی نظریے کی ان تمام اشکال میں جو بات جوہری طور پر مشترک ہے

وہ یہ ہے کہ ارتقا کا تصور تاریخ پر اطلاق نہیں رکھتا ۔ ہر تمدن اپنی جگہ ایک خود مختار اکائی ہے ۔ وہ کسی پستی کے ارتقا بن جانے سے عبارت نہیں ہے ' وہ بجائے خود ایک کائنات ہے ' بجائے خود ایک دنیا ہے ۔ اس لئے انسانی نسل کے خط مستقیم پر ارتقا کا تصور کوئی بنیاد نہیں رکھتا ۔

پہلا نظریہ جس میں انسانیت پستی سے عروج کی طرف بڑھ رہی ہے دو شکلوں میں سامنے آیا ہے ۔ یہ شکل مسلسل ارتقا کی ہے جس میں ماضی کی تہذیب حال کی ثقافت کو کچھ دے کر مر جاتی ہے اور تاریخی مقصدیت میں اپنا متعین کردار انجام دے جاتی ہے ۔ گویا تاریخ اپنے سفر میں مختلف ریلوے اسٹیشنوں سے گزر رہی ہے ' بار بار تہذیبی قافلے ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک جاتے ہیں اور تہذیب کی ڈاک دوسرے قافلے کے حوالے کر کے وہیں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں اور کچھ عرصے بعد مر کھپ جاتے ہیں ۔ پھر یہ دوسرا قافلہ تہذیبی ڈاک لے کر مستقبل کی سمت میں چلا جاتا ہے ۔

اس نظریے کے پس منظر میں تاریخی مقصدیت کام کر رہی ہے ۔ تاریخی مقصدیت کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ کا بہاؤ کوئی منزل کوئی مقصد سامنے رکھتا ہے ۔ تاریخی مقصدیت کا یہ نظریہ ہر عہد کے انسان کے لئے دل خوش کن رہا ہے ۔ آخر یہ تصور کس قدر قابل اطمینان ہے کہ اب تک جو کروڑوں ' اربوں ' سنکھوں ' سہا سنکھوں انسان گزر گئے ' وہ سب ہم سب سے جو تاریخ کے کسی نقطے پر آتے ہیں پست تھے اور ہر حال کا انسان اُس تمام ماضی کے ارتقا کا ماحصل ہے جو پہلے گزر چکا ہے ۔ آج کا انسان جس کی نمائندگی کا شرف بہر حال مغربی یوروپ اور امریکہ کے انسانوں کو حاصل ہے اس سات ارب سال بوڑھی ، یا میرے خیال میں بارہ ارب سال بوڑھی کائنات کی تمام ارتقائی سرگرمیوں کا خلاصہ ' مقصود اور مآل ہے ۔ کتنا روح افزا ' کس قدر خوش آگیں تصور ہے جس کے صحیح ہونے کی ہر شخص دلی تمنا رکھتا ہے ' خاص طور پر سفید فام اقوام میں تو اس عظیم ذہنی رشوت کا مقبول عام نظریے کی شکل حاصل کر جانا بالکل فطری بات ہے ۔

تاریخی مقصدیت کا یہ تصور فی الواقع نظریۂ ارتقا کے اپنے تقاضوں سے پیدا ہوا ہے اور تاریخ فکر کی دلچسپ مثالوں میں سے یہ ایک قابل ذکر مثال ہے کہ جس نظریے کو مذہب کی مخالفت کی سب سے موثر دلیلوں میں سے

ایک مسکت دلیل کے طور پر اب تک استعمال کیا جاتا رہا وہ فی الواقع مذہبی انداز نظر پر قائم ہے اور دلچسپ تر یہ کہ مسئلے کے اس پہلو کا نہ خود اس نظریے کے مصنف ڈارون کو خیال آیا اور نہ آرچ بشپ آف کینٹربری کو جنھوں نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں ارتقا پر پروفیسر ہکسلے سے تاریخی بحث کی تھی - پھر حیرت انگیز بات یہ کہ اس عہد کے ذہین ترین اہل قلم بھی ارتقا کو مادیت کے حق میں اور مذہب کے خلاف دلیل کے طور پر بار بار استعمال کرتے ہیں اور نظریے کے ان مضمرات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے ، جنھیں روحانیت کے ارتقا کی حمایت میں ایک مضبوط دلیل کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے - ارتقا کے اپنے مفہوم میں غایت اور مقصدیت شامل ہے اور غایت و مقصدیت سائنسی تصورات نہیں ہیں ، یہ اخلاقی اور سماجی قدریں ہیں جو بے روح سائنسی نظریوں پر تھوپ دی گئی ہیں - اب تک مادیت اور روحانیت میں ایک بنیادی اور اساسی بحث یہ رہی کہ کائنات غایتیت اور مقصدیت رکھتی ہے یا نہیں - مادیت اس بات پر مصر رہی کہ کائنات غایتیت اور مقصدیت سے ناواقف ہے جب کہ روحانی نظریے اس نقطے پر زور دیتے ہیں کہ کائنات اور اس کے قوانین غایت اور مقصد رکھتے ہیں - نظریہ ' ارتقا نے غایت اور مقصدیت کو ایک سائنسی اصول کے طور پر اپنا کر مادیت کے بنیادی تصورات پر کاری ضرب لگائی تھی لیکن خود مادیت کے حامی اس پہلو پر توجہ نہ دے سکے اور نظریہ ' ارتقا روحانیت کی اساسوں کو مضبوط کرنے کی بجائے مادیت کی حمایت میں مضبوط دلیل کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا -

ارتقا کسی منزل سے کسی منزل تک پہنچنے کا نام ہے - ایک منزل سے دوسری منزل تک حرکت کا یہ عمل اپنی حد تک محض ایک طبعی عمل ہے جسے زوال سے ارتقا کی طرف پیش قدمی قرار دینا صرف ان اخلاقی قدروں کی وجہ ہی سے ممکن ہے جو ہم نے سماجی مقاصد کے تحت بنائی ہیں - اس کرہ ارض کے ابتدائی سمندروں کی کائی سے شروع ہو کر آج کے اشرف المخلوقات تک جو حرکت مسلسل ہوئی وہ اپنے جوہر میں کوئی قدر نہیں رکھتی - لیکن اربوں سال کے اس عمل کو سماجی مقاصد کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس تمام حرکت کو ایک با مقصد عمل قرار دینا ممکن ہوگا - لیکن یہ مقصدیت اگر طبعی قوانین کی ایک جوہری خصوصیت قرار پا جائے گی تو پھر یہ بھی

ماننا پڑے گا کہ غایت اس کائنات کے اپنے جوہر میں شامل ہے - لیکن یہی وہ چیز ہے جسے روحانیت کے حامی ثابت کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے ہیں - اور جس سے مادیت نے مفاہمت کرنے کی کبھی حامی نہیں بھری - یوں نظریہ' ارتقا اپنے جوہری مفہوم میں ایک ایسا نظریہ ہے جو روحانیت کے بنیادی موقف کی تائید کرتا ہے - بہر حال ذکر تھا تاریخی حرکت سے متعلق دو نظریوں کا جن میں سے پہلا نظریہ یعنی تاریخ عبارت ہے خط مستقیم میں ارتقائی عمل سے ، یہ پچھلی سطور میں زیر بحث آ گیا - دوسرا نظریہ تاریخی اضافیت کے نام سے مشہور ہے ، جس کی مختلف اقسام ہیں ، لیکن اُس کی سب سے نمائندہ قسم وہ ہے جسے اشپنگلر نے پیش کیا ہے - اشپنگلر کا تاریخی تصور مختلف خانوں میں بٹا ہوا ہے - مختلف تہذیبی ٹاپو ہیں جن میں سے کسی ایک کا کسی دوسرے سے کوئی تعلق نہیں - یہ نظریہ مختلف تہذیبی نمونوں کو کسی ایک رشتے میں نہیں پروتا بلکہ اُن کی انفرادیت اور جدائی پر زور دیتا ہے -

اشپنگلر کے یہ تہذیبی ٹاپو خود کفایتی کائناتیں ہیں - جن کے درمیان سارے فکری ، جذباتی ، نظریاتی ، اور تصوراتی ذرائع مواصلات یکسر مفقود ہیں - لیکن جو نظریہ اس انداز کا ہو وہ تاریخی تصور یا اُس تصور کی مروجہ تشریح کی رو سے تاریخی کہلانے کا مستحق نہیں ہے ، کم سے کم اتنا بالکل صاف ہے کہ اس نظریے کے وضع کرنے والے میں تاریخی عمل کا شعور موجود نہیں - در اصل اشپنگلر نے تاریخ کا مفہوم ہی سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے - تاریخ' زمان کے سماجی بہاؤ کا نام ہے - یہ سماجی بہاؤ زمان کے ساتھ چلتا ہے اور زمان کسی منزل پر ٹھہرنے کا نام نہیں لیتا - جب کہ اشپنگلر کے نظریے کو صحیح مان لیا جائے تو زمان جب سماجی خول اوڑھ کر آگے بڑھتا رہا تو وہ مختلف منزلوں پر ٹھہرتا چلا گیا جس سے مختلف تہذیبی نمونے پیدا ہوئے - لیکن زمان کا درجہ بدرجہ ٹھہراؤ محض نا قابل قبول اور زمان کے واضح عمل کے خلاف ہے - البتہ اس مرحلے پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تہذیبی نمونوں پر بحث کے دوان اساسی اہمیت زمان کے بہاؤ کو حاصل نہیں ، اس لئے اشپنگلر پر یہ الزام لگانا صحیح نہ ہوگا کہ وہ زمان کے منزل بہ منزل ٹھہراؤ کا حامی ہے - اشپنگلر نے تو جدا جدا تہذیبی نمونوں پر بحث کی ہے - یہ تہذیبی نمونے بعض تو معاصر تھے اور بعض متقدم و متاخر - لہذا سوال زمان کے خط مستقیم پر بہاؤ کا نہیں' لیکن اگر یہ بات مان لی جائے اور اشپنگلر اپنی تائید میں یہی موقف اختیار کرے تو وہ پھر تاریخی شعور سے فقدان کے الزام

سے نہیں بچ سکتا ۔ اشپنگلر نے جس نقطے پر بنیادی غلطی کی ہے وہ یہ ہے
اس نے زمان کے اس کردار کو نظر انداز کر دیا جو وہ ماضی سے مستقبل
طرف حرکت کے دوران سماجی زندگی میں انجام دیتا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے
زمان نے مختلف جغرافیائی منطقوں میں مختلف سماجی لبادے اوڑھے لیکن اس
وہ کردار اپنی جگہ رہا جو ماضی سے مستقبل کی سمت حرکت میں نمایاں ہو
رہا ۔ تاریخ کا صحیح شعور یہ ہے کہ زمان کو ماضی تا مستقبل کا سما
ارتقا خیال کیا جائے ۔ سماج کا جو بہاؤ ماضی سے مستقبل کی سمت ہو رہا ہے
حقیقی معنوں میں وہی تاریخ ہے ۔ اس کے علاوہ تاریخ کا کوئی اور مفہ
موجود نہیں ۔ اشپنگلر نے اس سماجی بہاؤ کا مفہوم سمجھنے سے انکار کیا ا
اس لئے اس کا نظریہ تاریخی شعور سے عاری ہو گیا ۔ اشپنگلر کی اضافیت
طرح دوسرے وہ نظریے بھی جو مختلف تہذیبی نمونوں کو غیر متعلق کائنات
میں منقسم خیال کرتے ہیں صحت پر مبنی نہیں، اس لئے کہ وہ ان جدا ج
تہذیبی کائناتوں میں کوئی مشترک رشتہ تسلیم نہیں کرتے ۔ یہ مشترک رشت
وہی زمان ہے جس کا بہاؤ تاریخ بناتا ہے اور جو تاریخ اور تہذیب کے ب
میں گزرتا ہوا اپنی حیثیت باقی رکھتا ہے۔

تاریخی اضافیت کے اس انداز کے نظریوں کی تغلیط کے بعد اب پہلا نظ
باقی رہ گیا جو تاریخی بہاؤ کی ایک قدرے قابل قبول توجیہ پیش کرتا ہے
یعنی یہ نظریہ کہ تاریخ خط مستقیم میں آگے بڑھتی رہی ہے ۔

تاریخی عمل کے ساتھ انصاف یہی نظریہ کر سکتا ہے لیکن اس
مقصدیت کا عنصر محض داخلی قدروں کی آمیزش کی حیثیت رکھتا ہے اس
تاریخ کو اگر محض زمانے کے سماجی بہاؤ کی حد تک رکھا جائے اور اس
مقصدیت اور غایت کے زائد تصور کو شامل نہ کیا جائے تو تاریخ کا ا
قابل قبول سائنسی نظریہ پیدا ہو سکتا ہے ۔ تاریخ اپنی پشت پر جیالو
رکھتی ہے ۔ جیالوجی کے عقب میں طبعیات اور اس کے پس منظر میں کیمیا
ہے ۔ کیمیا سے شروع ہو کر نفسیات تک کا یہ عمل سادہ سے پیچیدہ
پہنچنے کا عمل ہے ۔ سادگی سے پیچیدگی کی طرف حرکت کو " تنظیم نوا
حرکت " کہنا زیادہ صحیح ہوگا اس لئے کہ اس " اصطلاح تنظیم نوا
حرکت" میں لفظ ارتقا کے وہ سماجی ، داخلی ، اور اخلاقی تصورات شامل نہ
ہیں جن کی وجہ سے نظریہ ارتقا سائنسی کی بجائے محض اخلاقی نظریہ بن

رہ گیا ۔ ڈارون نے ابتدائی جرثومے سے انسان تک جس حرکت اور عمل کی نشان دہی کی ہے وہ تنظیم نوازانہ حرکت ہے، جو سادہ سے پیچیدہ کی طرف ہوئی ہے ۔

تاریخ بھی سماج کی اسی حرکت کا نام ہے جس میں سادہ سے پیچیدہ کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے۔ یہ پیش قدمی خط مستقیم پر نہیں ہوتی، جیسا اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ تاریخ ایسے سماجی دائروں سے ہو کر گزری ہے جن میں سے ہر دائرہ ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ یہاں مجھے اپنا یہ نظریہ ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہئے تاکہ یہ اہم نقطہ ابہام میں پھنس کر نہ رہ جائے ۔ انسان کی دس هزار سالہ تاریخ کسی خط مستقیم پر حرکت کا نام نہیں ہے ۔ یہ مختلف سماجوں کے اٹھنے، بڑھنے، پھیلنے، کمزور ہونے اور مر جانے کے مسلسل عمل کا نام ہے۔ ہر سماج اپنی جگہ ایک نیم دائرے کی شکل میں حرکت کرتا ہے۔ یہ دائرے اُس کی ابتدا، ارتقا اور زوال کے عمل کو بتاتے ہیں ۔ مختلف سماج مختلف دائروں کو چھو کر گزرتے ہیں ۔ بعض کے چھوٹے، بعض کے بڑے حصے ہوتے ہیں ۔ لیکن گزرے ہوئے معاشروں کے یہ سماجی دائرے نہ خلا میں واقع تھے نہ غیر متعلق تھے، ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کو کاٹتے تھے ۔ جو سماجی دائرے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے اُن کے نتیجے میں تاریخ آگے بڑھتی رہی ۔ رہے وہ سماج جن کے دائرے کسی دوسرے سماجی دائرے کے قریب سے نہ گزرے سو وہ اپنے مخصوص زمانی اور مکانی ماحول سے آگے نہیں بڑھے۔ پیدا ہوئے، بڑھے، گرے اور مر گئے اور مستقبل کے لئے کوئی ورثہ نہ چھوڑ سکے ۔ مر جانے والے اُن سماجوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی، جن کا 'حال' مستقبل نہ بن سکا ۔ یہ سارا عمل عام فطری قوانین کے تحت ہوا جس میں غایت اور مقصدیت کہیں نظر نہیں آتی ۔ جیسا ٹوئن بی کا خیال ہے، جو تاریخ کے ہر قدم پر غایت ڈھونڈنے کے لئے رک جاتے ہیں ۔ میرے خیال میں تاریخ کو سمجھنے کا صحیح تصور نہ خط مستقیم میں سماجوں کی حرکت کا تصور ہے نہ جدا جدا دائروں میں گھومنے والے سماجی نظاموں کا تصور۔ بلکہ ایک ایسا تصور ہے جس میں مختلف سماج اپنی اپنی انفرادی حرکت دوری رکھتے ہیں مگر ان میں سے بعض ایک دوسرے سے متصادم ہوتے رہے جس سے تاریخ کا قافلہ آگے بڑھتا رہا اور بہت سے اپنے اپنے زمانی اور مکانی دائروں میں کھلے اور مرجھا گئے اور کچھ ما بقی چھوڑ کر نہ مرے، اُن آثار کے سوا جو ماہرین

اتریات کی تحقیقات کا موضوع بنے یا بنیں گے۔ تاریخ کو اس طرح دوری اور مستقیمی انداز میں سمجھا جائے تو اس تاریخی روح کا حق ادا ہو سکے گا جو نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی خط مستقیم کی حرکت باقی رکھتی ہے۔ دوری اور مستقیمی حرکت کا یہ اصول جس کا اطلاق میں تاریخ پر کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں صرف سماجوں کی حرکت پر ہی اطلاق نہیں رکھتا ' فرد کی زندگی پر بھی اطلاق رکھتا ہے۔ سماجوں اور افراد کی زندگی بیک وقت دوریت اور مستقیمیت رکھتی ہے۔ اُن کی زندگی نشیب و فراز یعنی دوریت سے گزرتی ہے تاہم اُس کے ساتھ ایک مستقیمیت بھی باقی رہتی ہے۔ دوریت کا یہ مطلب لازماً نہیں کہ فرد یا سماج حوادث کے پورے دائرے سے گزرتے ہیں۔ مدعا صرف یہ ہے کہ فرد اور سماج کی زندگی حوادث کے جس سلسلے سے گزرتی ہے وہ کمانوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ ہر حادثہ ایک نئی کمان سے گزرتا ہے اور یہ کمانیں ایک دوسرے کو کاٹتی رہتی ہیں جس سے مستقیمیت باقی رہتی ہے۔

حادثاتی کمانوں کا یہ نظریہ جس کا میں فرد کی زندگی اور سماجوں کی حرکت پر اطلاق کرنا چاہتا ہوں ، ایک وسیع تر نظریے پر مبنی ہے ۔ وہ وسیع تر نظریہ حرکت سے تعلق رکھتا ہے۔ یونانی مفکرین اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ نقطے کی مکمل حرکت دائرے کی شکل میں ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں دائرہ حرکت کی سب سے اچھی ، سب سے بہتر شکل کی نمائندگی کرتا ہے۔ لیکن یونانی مہندسین خط مستقیم کی حرکت کے بھی قائل تھے ، جبکہ جدید عہد میں خط مستقیم کے عملی وجود سے انکار کر دیا گیا ہے۔ جدید اقلیدس خط مستقیم کا وجود تسلیم نہیں کرتی اور اس لئے ہر حرکت صرف دوری ہی ہوتی ہے۔ حرکت کی اس بحث کے سلسلے میں نیوٹن کے حرکیاتی تصورات سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ نیوٹن کے پہلے قانون حرکت کے تحت ایک متحرک جسم اگر کسی مزاحمت کے بغیر حرکت کرتا رہے تو وہ خط مستقیم پر لامحدود حرکت جاری رکھے گا۔ لیکن چونکہ خلائے محض کو جدید طبعیات بھی قدیم الاسفہ" مشائین کی طرح ناممکن خیال کرتی ہے اس لئے کوئی متحرک چیز خط مستقیم میں حرکت نہیں کرسکتی اور مختلف مزاحمتوں کی وجہ سے وہ اپنی حرکت بدلتی رہے گی ۔ زمین سورج کے گرد صرف اس لئے دوری یا بیضوی حرکت کرتی ہے کہ سورج اور دوسرے سیاروں کی کشش اسے خط مستقیم سے ہٹا دیتی ہے ورنہ اگر یہ کششیں یعنی مزاحمانہ عناصر نہ ہوں تو وہ خط مستقیم

پر حرکت کرتی رہے ۔ آئن اینشٹائن نے اس تصور کی اساس ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یہ رائے قائم کی کہ ہر متحرک صرف دوری حرکت کرتا ہے ، اس لئے کہ خط مستقیم کا سرے سے وجود نہیں ۔ یونانی مہندسین کا دائرے کی شکل میں حرکت کا خیال آئن اینشٹائن کے نقطۂ نظر سے کس قدر متفق ہے ، یہ بات دلچسپ بھی ہے اور فکر خیز بھی ۔ ہر چند نیوٹن اور آئن اینشٹائن کے ان نظریات میں اساسی فکری اختلاف موجود ہے مگر دونوں سے عملاً جو صورت حال پیدا ہوئی وہ یکساں ہے۔ یعنی یہ کہ عملاً مستقیم حرکت کا وجود نہیں اور ہر متحرک جب حرکت کرتا ہے تو وہ حرکت دائرے کی شکل میں ہوتی ہے اس لئے کہ :

(۱) یونانی ریاضیات دان دائرے میں حرکت کو مکمل حرکت سمجھتے تھے ۔

(۲) نیوٹن کے قانون حرکت کی رو سے عملاً صرف دوری حرکت ہی ممکن ہے ۔

(۳) آئن اینشٹائن کے خیال میں ہر جسم صرف دوری حرکت کر سکتا ہے کیوں کہ خط مستقیم کا وجود نہیں ۔

اس بحث سے ہمیں جو نتیجہ نکالنا ہے وہ یہ کہ ہر حرکت مآل کار دوری ہی ہوتی ہے اور حرکت مستقیمی دراصل دائرے کی بڑی قوس پر حرکت کا نام ہے جسے کسی محدود نقطے سے مستقیمی خیال کیا جا سکتا ہے ، جب کہ وہ فی الواقع دوری ہوتی ہے ۔

بہر حال طبعیات کے نقطۂ نظر سے صورت حال یہ ہے اور یہ صورت حال ہر حرکت پر اطلاق رکھتی ہے ۔ میں نے تاریخی حرکت کا جو تصور اوپر پیش کیا ہے ، طبعیات کے اس نظریے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ اس بحث کے ضمن میں ابھی تک میں نے یہ نہیں بتایا کہ تاریخی حوادث کے دائروں کی وہ حرکت جسے مستقیمی کہا گیا ہے ، مآل کار وہ بھی دوری ہوتی ہے ۔ تاہم اس قوس کی حد تک جسے ہم معلومہ تاریخ کا دور کہتے ہیں ، یہ حرکت اب تک مستقیمی نظر آتی ہے ۔ گو آگے چل کر یہ پوری مستقیمی حرکت ایک بڑی قوس کی حرکت بن جائے گی جو ایک بہت بڑے دائرے کا ٹکڑا ہوگی ۔ تاریخ کا وسیع پیمانے سے جائزہ لیا جائے تو حرکت دوری نظر آئے گی جب کہ کسی محدود نقطے سے حالات دیکھے جائیں تو

حرکت مستقیمی ہوگی ۔ دوسرے لفظوں میں ، کائنات کو سطح پر دیکھا جا
تو خط مستقیم کا کوئی وجود نہیں اور کوئی حرکت مستقیمی نہیں ۔ لیؔ
ہمارے محدود زاویوں سے جائزہ لیا جائے تو دوری حرکت کے دائرے کی بڑ
قوس خط مستقیم نظر آتی ہے اور حرکت دوری معلوم ہوتی ہے ۔

میں یہاں جو نظریہ پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ دوری
مستقیمی اور دوری ہے ۔ مستقیمی اس دس ہزار سال کے دور کے اعتبار سے
ایک نسبتہً سیدھی قوس پر آتا ہے ۔ اور دوری اُس وسیع تر زمانے کے اعتبار
جو آئندہ آنے والا ہے ۔ یہ نقطۂ نظر اشپنگلر کی اضافیت سے بھی مختلف ہے
ٹوئن بی کے انداز نظر سے بھی۔ نیز اُن لوگوں کی رائے سے بھی ممتاز ہے جو تا
کو دوری خیال کرتے ہیں اور فلسفۂ تاریخ کے ان مفکروں کے نقطۂ نظر
بھی الگ جو تاریخ کو خط مستقیم میں حرکت کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہی
تاریخ کے اس تصور کی ایک خوبی یہ ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی .
اس کی بنیاد طبعیات کے ٹھوس اصولوں پر رکھی ہوئی ہے اس لئے تاریخ کو
اس طرح سمجھا جائے تو طبعیات اور تاریخ ایک ہی وسیع حرکتی اصول
تشریح قبول کر لیں گی جو کائناتی مسائل کی توضیح میں سابقہ نظریوں
مقابل ایک واضح ارتقا ہوگا ۔

— * —

عظیم ادب اور پرامن دور

ڈاکٹر وزیر آغا

مسئلہ یہ ہے کہ کیا عظیم ادب صرف پر امن دور ھی میں تخلیق ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دینے سے قبل اُن چند ضمنی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے جو اس سوال کی لپیٹ میں آئے ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ عظیم ادب سے مراد کیا ہے؟ یا پر امن دور کے الفاظ سے اشارہ کس قسم کے دور کی طرف ہے؟ — یہ دو باتیں طے ہو جائیں تو مسئلہ زیر بحث کو سمجھنا اور اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا نسبتاً آسان ہوگا۔

پہلے عظیم ادب کے سوال کو لیجئے! عظیم ادب کی تعریف کئی پہلوؤں سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً اس طرح کہ عظیم ادب وہ ہے جو ایک بہتر اور خوب تر معاشرے کو وجود میں لاتا ہے یا عظیم ادب ایک پورے دور کے فکر و احساس کا آئینہ ہے۔ پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عظیم ادب ایک ایسی روحانی عظمت سے مملو ہوتا ہے کہ انسان اُس کی طرف بے اختیار کھنچا چلا جاتا ہے — در اصل عظیم ادب کی لاتعداد پرتیں ہیں اور ہر تعریف اس کی ایک آدھ پرت کو چھو کر سچائی کی جھلک تو دکھاتی ہے لیکن اس کی مکمل نقاب کشائی نہیں کرتی۔ تفاصیل اور پیچیدگیوں سے دامن بچا کر اگر یہ کہا جائے کہ عظیم ادب وہ ہے جو وقت کے بندھنوں سے آزاد ہو کر اپنے اُن دائمی عناصر کو سامنے لاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ افراد کو جمالیاتی تسکین بہم پہنچانے کی سکت رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ تعریف بھی مکمل تو نہ کہلا سکے گی تاہم ''وقت'' اور '' جمالیاتی تسکین '' کے پہلوؤں کو سامنے لا کر عظیم ادب کی اہم ترین پرتوں کی نشان دھی ضرور کردیگی۔ واضح رہے کہ میں نے دقت کے ساتھ جمالیاتی تسکین کے پہلو کو منسلک کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی ادب پارہ اپنی تاریخی حیثیت کے باعث وقت کو شکست دے دیتا ہے اور اس کی تخلیق کے سینکڑوں برس بعد تک بھی اس کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اسے عظیم ادب کے

زمرے میں بھی شامل کیا جائے ۔ عظیم ادب تو وہ ہے جو وقت کو شکست دینے کے بعد اپنی مقناطیسی قوت سے بھی دست کش نہ ہو اور اپنی تخلیق کے سینکڑوں ہزاروں برس بعد بھی انسانی احساسات کو متاثر کر سکے سیفو اور اماروکی نظمیں آج بھی قاری کو زندہ اور تازہ محسوس ہوتی ہیں ا کالیداس اور شیکسپیر کی تخلیقات میں آج بھی انسانی احساسات کو مس کرنے سکت موجود ہے ۔ اسی لئے یہ تخلیقات عظیم ادب کے زمرے میں بھی شامل ہیں

عظیم ادب کے امتیازی محاسن میں جمالیاتی تسکین کے پہلو سے تو شا کسی کو بھی انکار نہ ہو لیکن "وقت" کے عنصر کا ذکر قاری کی کسمساہ کو ضرور تحریک دے سکتا ہے ۔ اس ضمن میں مجھے یہ کہنا ہے کہ گھوڑ د کی طرح ادب دوڑ کو بھی ذرا فاصلے سے دیکھیں تو بات بنتی ہے ۔ یہ فاص مکانی بھی ہو سکتا ہے اور زمانی بھی ! مکانی فاصلے کی اہمیت تو آج کے د میں کچھ زیادہ نہیں رہی ، البتہ زمانی فاصلہ آج بھی اہم ہے ۔ بات یہ ہے قریبی اشیا ، افراد یا ادب پاروں کے بارے میں جب ہم کوئی حکم لگاتے ہیں ہماری اپنی ذات کی بہت سی کوتاہیاں اسے ملوث کر دیتی ہیں ۔ مطلب کہ تعصب یا پاسداری کے میلانات قوت فیصلہ کو مسخ کر دیتے ہیں ا تخلیق اس کے خالق کی حیثیت کے پیش نظر ایک خاص رنگ میں نظر آ لگتی ہے ۔ غالب کے دور میں جب اُن کے کلام سے بے اعتنائی کی روش ء ہوئی تو کیا عجب کہ غالب کی شراب نوشی ، جوئے کے سلسلے م قید و بند اور دوسری باتوں نے بھی قارئین کے تعصب کو تحریک دے د ہو ۔ لیکن اب کہ ایک زمانی فاصلہ درمیان میں آ گیا ہے تو غالب کی شخصیہ کی کوتاہیاں صرف قاری کے تبسم کو جنبش میں لاتی ہیں اور اس کے کلام داخلی توانائی قاری کو پوری طرح متاثر کرتی ہے ٹی ۔ ایس۔ ایلیٹ نے ایک جـ لکھا ہے کہ ادب میں ہر دس برس کے بعد ایک نئی پود جنم لیتی ہے ۔ اپنی پیش رو نسل سے منحرف ہوتی ہے ۔ لیکن اس سے اگلے دس برس کی پود پیش روؤں کو از سر نو دریافت کرنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔ وجہ یہ ، کہ وقت کی گرد کے بیٹھتے ہی فضا صاف ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے حقیة کو اس کے اصل روپ میں دیکھنے لگتے ہیں ۔ یہی بات عظیم ادب کے بار میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ جب واقعات و حادثات کی گرد بیٹھ جانے بھی ایک ادب پارہ اپنی چمک دمک اور متاثر کرنے کی صلاحیت کو برقر رکھ سکے تو گویا اس میں عظمت کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور مخفی ہوتا ہے

اب " پر امن دور " کے الفاظ کو لیجئے ! سوال یہ ہے کہ کیا ہم کسی دور کو پر امن کہہ سکتے ہیں ؟ کیونکہ کسی نہ کسی اعتبار سے ہر زمانہ انتشار اور آویزش کی آماجگاہ بنتا ہے اور اس میں رہتے ہوئے ہر فرد کو ایک داخلی یا خارجی کلبلاہٹ سے نبرد آزما ہونا ہی پڑتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک ایسی نظم پڑھی جو پہلی صدی بعد مسیح میں لکھی گئی تھی اور جس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ امن ، انصاف اور خوشحالی والا ست جگ بیت چکا اور اب نو حرص و آز ، تصادم اور افراتفری والا کل جگ مسلط ہے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں تلملاہٹ اور تموج تو ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس لئے خالص " امن کا دور " ایک مفروضے کے سوا اور کچھ نہیں۔ زیر بحث مسئلے میں امن کے دور کو جنگ ' وبا ، قحط یا بحران کے نسبتاً مختصر اور ہنگامی دور کی نسبت ہی سے متعین کرنا ممکن ہے۔ یعنی یہ کہا جائے کہ الجھاؤ اور تصادم کے ایک کربناک اور ہنگامہ خیز دور کے دونوں طرف جو نسبتاً طویل اور پر سکون ادوار پھیلے ہوئے ہیں ، ان پر بغیر کسی سے مشورہ لئے ، امن کی تختی آویزاں کی جا سکتی ہے۔

عظیم ادب اور پرامن دور کے مفاہیم کو متعین کرنے کے بعد اب مسئلہ اپنی بہت سی شکنوں کو تج کر سامنے آ گیا ہے۔ یعنی اب سوال اس صورت میں ابھرا ہے کہ کیا انتہائی کرب کی اس جذبات انگیز فضا میں جو کسی آسمانی یا زمینی بلا کے نازل ہونے پر وجود میں آتی ہے، عظیم ادب کی تخلیق ممکن ہے ؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ انتہائی ہنگامہ خیز فضا میں تخلیق ادب کا عمل سست رو ہوتا ہے اور اس کی چند خاص وجوہات ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ جذبے کی دم روکنے والی کیفیت اول تو الفاظ میں سمٹنے سے انکار ہی کر دیتی ہے اور اگر سمٹے تو بالعموم ہائے ، اف اور آہ ایسے صوتی اور جذباتی کلمات سے آگے نہیں جاتی۔ بات در اصل یہ ہے کہ ادب بر انگیختہ جذبے کے اظہار کا نام نہیں بلکہ جذبے کی تہذیب کی ایک صورت ہے۔ انتہائی غم ، خوف ، درد یا کسک کے لمحات میں جذباتی ابال کی شدت تخلیق فن کے راستے میں مزاحم ہو جاتی ہے لیکن جب جذبے کا تشنج کم ہوتا ہے تو تہذیب جذبات کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ خود فن بھی اسی تہذیبی عمل کی اساس پر قائم ہے اور جذبے کی بر انگیختگی اور اس کی تہذیب میں جو زمانی بعد ہے ، یہی دراصل فن کا محرک ہے۔ اس مقام پر ذہن ہنگامی

دور میں تخلیق ادب کی سست روی کی دوسری اہم وجہ کی طرف از خود منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر حادثہ ، واقعہ ، شے یا المیہ بہت قریب ہو تو انسان اسے پوری طرح دیکھ بھی نہیں سکتا ، بعینہ جیسے چہرے کو اگر آئینے کے بہت قریب لے جائیں تو اس کے تمام خد و خال ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں چنانچہ تخلیق ادب کے لئے جس فنی بعد Detachment کی اشد ضرورت ہے وہ جنگ ، وبا یا قحط وغیرہ سے قربت کے لمحات میں پوری طرح سامنے نہیں آتا اور اس کے نتیجے میں تخلیق کا عمل بھی ملتوی ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں دو اور باتوں کا ذکر بھی نا گزیر ہے۔ ایک تو یہ کہ ہنگامہ خیز دور چاہے وہ پوری قوم سے وابستہ ہو یا صرف فن کار کی زندگی سے ، در اصل تخلیق ادب میں محض بیج قبول کرنے کا دور ہے کہتے ہیں کہ شیو اور پاروتی کے ملاپ میں ساری کائنات لرزہ بر اندام ہو گئی تھی اصل بات شاید یہ ہے کہ جب جذبات کا جوالا مکھی اپنے عروج پر پہنچا تو تو ملاپ کے راستے ہموار ہوئے تھے - یہی جذباتی ابال تخلیق کا سنگ بنیاد بھی ہے۔ ٹیگور نے اپنی ایک نظم میں دھرتی کے بارے میں لکھا ہے کہ " لو وہ کسان اپنا هل لئے آ گیا اور فرط جذبات سے دھرتی کا سارا سر کانپنے لگا " ۔ جذباتی تموج کا یہ دور در اصل تخم ریزی اور ملاپ کا دور ہے ، تخلیق کا نہیں! تخم ریزی کے بعد ایک نسبتاً پر سکون دور کی آمد ضرور ہے تا کہ کھیتی کو پانی ملتا رہے اور فصل بخیریت تمام خوشوں میں ڈھل سکے

دوسری بات یہ ہے کہ بیج قبول کرنے اور اس کے بارور ہونے میں کوئی فاصلہ مقرر نہیں۔ اور اس بات کا تمام دار و مدار فن کار پر ہے کہ کس قدر جلد یا تاخیر سے فنی بعد کی تحصیل کرتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے حصول میں اسے عمر عزیز کا معتدبہ حصہ صرف کرنا پڑے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے ہی لمحے وہ عرفان کے اس مقام تک پہنچ جائے ۔ اسی طرح کوئی قوم یا معاشرہ بھی اپنے خاص مزاج کے تحت زود یا بدیر اس مقام تک پہنچتا ہے ۔ بہر حال اصل بات " فاصلے " کا وجود ہے اور یہ بات هر گز طے نہیں کہ اس کے ظاہر ہونے میں کتنے منٹ ، گھنٹے ، دن ، سال یا صدیاں درکار ہوں گی ۔ رہا یہ سوال کہ کیسے معلوم ہو کہ یہ " فاصلہ " وجود میں آ گیا ہے تو اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ تخلیق خود بتا دے کہ وہ کسی حادثے کا فوری نتیجہ ہے یا فنی بعد کا ثمر !

— ● —

ولی گجراتی کا غیر مطبوعہ کلام

محمد اکرام چغتائی

دیوان ولی کی پہلی طباعت ۱۸۳۳ء میں ہوئی جب کہ گارسیں دتاسی نے اس کو پیرس سے شائع کیا تھا اور جو کلام اس دیوان میں شامل نہ تھا اُس کی اشاعت ۱۹۲۷ء کے بعد شروع ہوئی جب کہ مولانا احسن مارہروی مرحوم نے دیوان ولی کو مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ ولی کا غیر مطبوعہ کلام پیش کرنے میں اولیت کا سہرا نصیر الدین ہاشمی مرحوم کے سر ہے۔ (۱) جنھوں نے ولی کے غیر مطبوعہ کلام کے ساتھ اپنے قلمی دیوان ولی کا مولانا احسن مرحوم کے مرتب کردہ دیوان ولی سے موازنہ کر کے اختلافات نسخ بھی دئے ہیں۔ (۲) ہاشمی مرحوم کے بعد اس سلسلے کو ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (۳) اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (۴) نے جاری رکھا۔ اس طرح ولی کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام ادبی دنیا کے سامنے آ گیا جو احسن مرحوم کے دیوان میں موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب نے دیوان ولی کی اشاعت ثانی (۱۹۴۵ء) میں مذکورہ مواد سے بہت مدد لی اور بہت سا غیر مطبوعہ کلام اپنے مرتب کردہ دیوان ولی میں بھی شامل کر لیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر عالی جعفری (۵) اور قاضی احمد میاں اختر جونا گڈھی

---

(۱) ہندوستانی ۔ الہ آباد ۔ جنوری ۔ ۱۹۳۳ء

(۲) اختلافات نسخ کا سلسلہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے ہاشمی مرحوم سے قبل شروع کردیا تھا۔ دیکھئے دیوان ولی ۱۹۲۷ء ضمیمہ اول و دوم ۔

(۳) معاصر ۔ پٹنہ ۔ مئی و جون ۱۹۴۳ء

(۴) معارف ۔ اعظم گڈھ ۔ اگست ۱۹۴۵ء

(۵) نوائے ادب ۔ بمبئی ۔ جولائی ۱۹۵۲ء

مرحوم (۱) نے اس طرز کے مطالعہ' ولی کو جاری رکھا لیکن انھوں نے ۔
کے غیر مطبوعہ کلام کے مقابلے میں اختلافات نسخ زیادہ دئے ہیں ۔ ڈا
نور الحسن ہاشمی صاحب نے دیوان ولی اشاعت سوم (۱۹۵۴ء) میں مذکو
حضرات کے مقالات سے بہت فائدہ اٹھایا ۔ موخر الذکر اشاعت کے بعد یہ سلہ
ختم ہو گیا ۔ ۱۹۵۴ء سے لے کر اب تک اس موضوع پر کوئی مضمون ہما
نظر سے نہیں گزرا ۔

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے دیوان ولی کی اشاعت سوم میں بہ
سے قدیم قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھا ہے اور ایک صحیح متن پیہ
کرنے کے لئے بہت محنت سے کام لیا ہے لیکن آن کے پیش نظر دیوان ولی ۔
وہ سات قلمی نسخے موجود نہیں تھے جو کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب ، لا
اور پنجاب پبلک لائبریری لاھور میں محفوظ ھیں اور جن میں بعض نسخ
اپنی قدامت کی وجہ سے دیوان ولی کی ترتیب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں
ان قلمی نسخوں کے علاوہ اول الذکر کتاب خانے میں بہت سی ایسی قل
بیاضیں بھی موجود ھیں جن میں ولی کا کلام بکثرت درج کیا گیا ہے ۔ چنانچ
ہم نے اس مقالے میں ولی گجراتی کے اس غیر مطبوعہ کلام کو پیش کیا ۔
جو مذکورہ سات قلمی نسخوں اور بیاضوں میں موجود ہے ۔ بخوف طوال
اختلافات نسخ نہیں دیئے گئے اور نہ آن قلمی نسخوں اور بیاضوں کی تفصیہ
ھی دی گئی ہے ۔ ہم نے ایک الگ مقالہ بہ عنوان " لاھور کے کتب خانو
میں دیوان ولی کے قلمی نسخے " میں ان امور کو وضاحت کے ساتھ بیان ک
ہے ۔ در اصل زیر تحریر مقالہ اسی مقالے کا ایک حصہ ہے ۔ اب ہم قارئیہ
کرام کی خدمت میں ولی کا غیر مطبوعہ کلام پیش کرتے ہیں :

۱- دیوان ولی (قلمی) ۔ مکتوبہ ۱۱۳۸ھ ۔ مخزونہ کتاب خانہ دانشگ
پنجاب ، لاھور ۔ مجموعہ' حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم ۔ ۹۳ (۲) ۔ ٦ (۳
کے بعد ۔

---

(۱) اردو ۔ کراچی ۔ جولائی ۱۹۵۰ء
(۲) اس سے غزل نمبر مراد ہے ۔ غزلوں کے تمام نمبر دیوان ولی کی اشاعت
سوم (۱۹۵۴ء) پر مشتمل ہیں ۔
(۳) اس سے شعر نمبر مراد ہے ۔

اگر تجھ حسن کامل کی سنیں تعریف مہ رویاں
نہ لاویں پھر زباں اوپر بیاں خوباں نامی کا　　(ورق ۱ الف)

۲۴ - ۲ کے بعد -

مثل یاقوت خط میں ہے شاگرد
ساغرِ مے مدام تجھ لب کا　　(۴ ب)

اسی غزل کے شعر ۴ کے بعد -

جنت حسن میں کیا حق نے
حوضِ کوثر مقام تجھ لب کا　　(ایضاً)

۸۸ - مطلع ثانی -

ہزار شکر کہ امروز سرفراز کیا
کہ طالباں میں مجھے سب سوں امتیاز کیا　　(۱۲ ب)

۲۱ - (ضمیمہ اول) - مطلع کے بعد -

سارے فلک میں ملک غم میں ہیں سر تاپا نگ
جب سوں سناں یو بیاں آہ دریغا دریغ (۱)　　(۲۸ الف)

غیر مطبوعہ شعر -

خجل کرتے ہیں لب تیرے شراب پر تگالی کوں
نہ ہووے کیف کا طالب سنی جن تیری گالی کوں　　(۳۲ الف)

---

(۱) ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے اس غزل کو آن غزلوں میں شامل کیا ہے جو صرف ایک نسخے میں ملتی ہیں - (ضمیمہ اول - ص ۱۱) لیکن یہ غزل ۱۱۳۸ھ کے نسخے کے علاوہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور کے نسخہ مکتوبہ ۱۱۷۲ھ (ورق ۲۹ ب) اور نسخہ مکتوبہ ۱۲۹۴ھ (ورق ۳۲ الف) میں موجود ہے - علاوہ ازیں پنجاب پبلک لائبریری، لاہور کے نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۱ھ میں ' نوحہ ' کے عنوان کے تحت درج ہے (ورق - ۱۱۰ ب)

کاتب نے صرف مذکورہ شعر ہی لکھا ہے ۔ یہ شعر کسی غیر مطبو غزل کا مطلع معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس قافیہ میں کوئی غزل دیوان ولی اشاعت سوم میں موجود نہیں ۔

۳۴۴ - ۸ کے بعد ۔

اپنے کرم و لطف سوں کیتا ہے کرامت
.... روانی (۵۸ ب)

مصرع ثانی کرم خوردہ نہیں ہے بلکہ کاتب نے خود ہی چھوڑ ہے ۔

۳۶۴ - ۷ کے بعد ۔

بسکہ ہوں تیری جداق سوں ضعیف
آر سی دیتی نہیں ہے رو مجھے (۶۰ الف)

مکمل غیر مطبوعہ غزل ۔

ترے خورشید مکھ اوپر عجب جھلکار دستا ہے
تیرے رخسار پر تل نقطہ' پرکار دستا ہے

اگرچہ جام جم میں راز عالم تھا عیاں لیکن
تیرےمکھ کے سجنجل (؟) میں دوجا اسرار دستا ہے

انکھیاں نرگس زلف سنبل دھن غنچہ عذاراں گل
ترے مکھ کے گلستاں میں یو سب گلزار دستا ہے

حقیقت زلف تیری کی (جگت پہ؟) کچھ نہیں ظاہر
یو بیشک مجھ گناہاں کا سیہ طومار دستا ہے

نگہبانی کوں تجھ مکھ کی ہے تیری زلف پر حلقہ
خزینہ حسن کے اوپر یو بیشک مار دستا ہے

تری انکھیاں کے پردےمیں خدا کے راز ہیں مخفی
سیاہی نین کی یو نقطہ' اسرار دستا ہے

ترے گلزار مکھ اوپر پسینے کا یو شبنم نہیں
که هر یک بوند رخ اوپر دُر شہوار دستا ہے

ولی مشتاق درس کا اگر نہیں نو سبب کیا ہے
جو تجھ دربار پر دائم ہزاراں بار دستار ہے
(۶۴ ب)

۳۲۰ - یہ غزل مخطوطے میں دو غزلوں میں منقسم ہے - مطلع ثانی کو چھوڑ کر پہلے دس اشعار پہلی غزل میں موجود ہیں -

دوسری غزل حسب ذیل ہے -

دشمن دیں کا دین دشمن ہے	راهزن کوں چراغ رہزن ہے
زشت روئی ہے حسن اهل لباس	چین دامن کوں زیب دامن ہے
پاکبازی میں دل کدن ہے عزت	صافیٔ درپن آب درپن ہے
باغ گلشن راستی کا ہے سر سبز	سرو گلشن میں حسن گلشن ہے
اے ولی صاحب سخن کی زباں	بزم معنی میں بزم روشن ہے

(۷۰ ب)

مذکورہ غزل کا شعر نمبر ۲، ۳، عاصر کے نسخے میں بھی موجود ہیں (تحتی نوٹ - ص ۲۴۱) لیکن اس نسخے میں نه دونوں اشعار اختلاف کے ساتھ موجود ہیں - شعر ۴ غیر مطبوعہ ہے -

۲ - دیوان ولی (قلمی) - مکتوبہ ۱۱۴۹ھ - مخزونه کتاب خانہ دانشگاہ پنجاب، لاهور - مجموعهٔ پروفیسر سراج الدین آذر مرحوم -

غیر مطبوعہ دو اشعار -

میخانه جس کا جس نے سر پوش کیا
اس هات سوں عالم نے قدح نوش کیا
اس سید عالم کوں جو ہے دیکھا یک بار
یک بارگی عالم کوں فراموش کیا (۸ الف)

ورق ۱۷ ب پر بھی مذکورہ دونوں اشعار درج ہیں لیکن اُن میں تھوڑا سا اختلاف بھی پایا جاتا ہے - مطلع کے مصرع اولیٰ میں ' میخانه ' کے

بعد ' جگ ' کا لفظ آتا ہے اور دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ' ہے ' کا لفظ موجود نہیں ۔

غیر مطبوعہ دو اشعار ۔

کسوت کوں اپس رنگ سوں گل فام کیا
جب بر میں دو دامی کوں گل اندام کیا
دو دام دو بادام دو چہ ہو زلف
ششدام نے مجھ ششدر ناکام کیا (۸ الف ، ب)

جب نہ وہ رشک پری جلوہ گر ناز ہوا
دل تسخیر کتیں مظہر اعجاز ہوا
سبزۂ خط نے رخ یار کوں بخشا ہے جلا
دیکھ یہ رنگ عجب آئینہ پرداز ہوا (۱۶ ب)

مکمل غزل ۔

تجھ قد نے نگاہ کوں عالی نظر کیا
تجھ مکھ نے شوق بدر کوں دل سوں بدر کیا
تجھ مہر کا ہوا ہے دل و جان مشتری
جب سوں ترے جمال پہ میں نے نظر کیا
ہر شب تری زلف سوں مطول کی بحث ہے
تیرے دہن کوں دیکھ سخن مختصر کیا
حق تجھ عذار دیکھ کر سرجا ہے رنگ گل
پیدا ترے لباں شین شہد و شکر کیا
تیرا یو شعر جگ میں مؤثر ہے اے ولی
تو دل منے ہر یک کے جا کر اثر کیا (۱۷ ب)

غزل کے بعد مذکورہ ' سر ہوش کیا ' والے دو غیر مطبوعہ اشعار درج ہیں ۔ ان کے بعد اسی ورق پر مندرجہ ذیل تین مختلف غیر مطبوعہ اشعار درج ہیں ۔

باج حق کے نہیں کوئی واقف ہماری آہ کا
مد ہے یو دیوان بیتابی کی بسم اللہ کا

انجھو کی فوج کا اے شاہ خوباں
دیا ہوں تجھ محلہ میں مخلا (؟)

مجھے اچرج یہی آوے پیا کے پان کھانے کا
نجانو کیا سبب یا قوت اصلی کے رنگانے کا

ردیف 'ن' کے غیر مطبوعہ اشعار۔

نجانو وہ ہلال ابر و کس اوپر
چلیا ہے باندھ تیغ مغربی کوں (۷۴ ب)

اور مجھ پاس کیا ہے دینے نوں
دیکھ کر تجھ کوں رونے دیتا ہوں (۸۴ الف)
دیوان ازل بیچ خدانے بیچوں
یو حکم کیا عالم لہ ہاں کن فیکوں
افراد دو عالم کا بندھے شیرازہ
اس دفتر کونین پہ فہرست ہے توں

ردیف 'ہ' کے تین غیر مطبوعہ اشعار۔

اکثر آہن دل وجو (ع) ہیں تجھ طرف
دل ترا کیا سنگ مقناطیس ہے

درزن کوں کہا کیا ہے تیرے برمیں دیکھا (۱) مجھ
بولی کہ نکو (۲) چھیڑ مجھے سینا ہے

شکستہ دل کی سو یو بات موں میں آئی ہے
شکستگی جو مرے دل کی مومیائی ہے (۹۱ الف)

مذکورہ اشعار نا مکمل غزلیات کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔

---

(۱) دکھا۔
(۲) دکنی زبان کا خاص لفظ ہے جو نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۳- دیوان ولی (قلمی) - مکتوبہ ۱۱۶۱ھ - مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور -

دیوان کے حواشی پر بہت سا غیر مطبوعہ کلام درج ہے - حاشیہ نگار اصل کاتب کے علاوہ کوئی اور شخص معلوم ہوتا ہے - اس لئے ہم نے حواشی کے غیر مطبوعہ کلام کے ساتھ 'حاشیہ' کا لفظ لکھ دیا ہے -

۴۳ - ۶ کے بعد -

ولی ہے مست و بے خود شوق میں تیرے ... ستیں
لیا ہے جب سوں بوسہ اے سجن تجھ لب شرابی کا (۲ الف)

۴۹ - ۶ کے بعد -

اگر تجھ حسن کامل کی سنے تعریف مہ رویاں
تمام آ کر کریں اقرار اپنی ناتمامی کا
اگر تجھ حسن عالمگیر کوں دیکھیں سخن فہماں
نہ لاویں پھر زباں اوپر بیاں خوباں نامی کا (۱) (۳ ب)

۲۳ - ۲ کے بعد -

مثل یا قوت خط میں ہے شاگرد
ساغر مے مدام تجھ لب کا (۴ ب)

اور شعر ۴ کے بعد -

جنت حسن میں کیا حق نے
حوض کوثر مقام تجھ لب کا (۲) (۴ ب)

۲۳ - مخطوطے میں دو جگہ یعنی ورق ۴ الف اور ۱۲ ب پر درج ہے - ۱۲ ب پر جو غزل ہے، اس کے مطلع اور مقطع کے مصرع اولیٰ میں فرق ہے -

طوفاں ہوا ہے جب سوں تیرے مکھ کی آب کا
بازار تب سوں سرد ہوا آفتاب کا

---

(۱) ۱۱۳۸ھ کے دیوان میں یہ مصرع پہلے شعر کا مصرع ثانی ہے -
(۲) یہ دونوں شعر ۱۱۳۸ھ کے نسخے میں بھی درج ہیں -

مجھ اشک کی روانی سنا جب سوں اے ولی
نمناک ہے تدھاں سیں (۱) دامن سحاب کا

۲۷ - مقطع -

یہ بات ولی لے کے سیاھی سو (ں) لکھا ھوں
فریاد ہے فریاد ہے وہ یار نہ آیا　　(۲۱ الف)

مذکورہ مقطع کا مصرع ثانی اسی غزل کے مطلع کا مصرع اولہا ہے -

۲۸ - مقطع -

منسار تجھ سخن سوں ولی کامیاب ہے
یو فیض پہنچا مجھ تنیں سعداللہ شاہ سوں

یہ مقطع کسی دوسرے قلمی یا مطبوعہ دیوان ولی میں موجود نہیں - اب تک کی تحقیق کے مطابق ولی نے صرف ایک مقام پر سعد اللہ گلشن ذکر کیا ہے یعنی اپنے فارسی رسالہ ' نور المعرفت ' کے ترقیمہ میں - لیکن وان میں کسی جگہ گلشن کا ذکر نہیں کیا گیا ، اب مذکورہ مقطع سے اس کی تردید ہوجاتی ہے - بینی نرائن جہان نے اپنے تذکرہ ''دیوان جہان''(۲) ، ولی کی دو غیر مطبوعہ غزلیں نقل کی ھیں - ایک غزل کے مقطع میں گلشن کا ذکر آیا ہے - مقطع حسب ذیل ہے -

شاگرد ھو کے گلشن نامی کا اے ولی
سب شاعراں میں دھوم مچاؤں توں شرط ہے (۳)

لیکن اب ' دیوان جہان ' سے بھی پرانی شہادت ھمارے پاس موجود - علاوہ ازیں اس قلمی نسخے میں حاشیہ نگار نے بہت سا ایسا کلام بھی شی پر درج کیا ہے جس میں گلشن کا ذکر موجود ہے -

---

۱) تب سے -

۲) تاریخ اختتام ۱۲۲۹ھ ہے - مرتبہ کلیم الدین احمد - پٹنہ - ۱۹۵۹ء -

۳) بحوالہ رسالہ ' سب رس ' - حیدر آباد دکن - جون ۱۹۶۵ء - '' دیوان جہان پر ایک نظر '' - پروفیسر شیخ فرید - ص ۲۲ -

مخطوطے میں ردیف ' ن ' کے اختتام پر کاتب کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے جلی قلم سے مندرجہ ذیل غزل نقل کی ہے۔ یہ غزل دیوان ولی کے کسی مطبوعہ یا قلمی نسخہ میں نہیں ملتی۔ حاشیہ کٹ جانے کی وجہ سے بعض الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ غزل شروع ہونے سے قبل صرف '' نقل گرفتہ'' کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔

(چمن سے) نکل نت دیکھوں ہوں ساجن
کیا ہے سانجھ گیتی دل کوں درہن

......نس و ناں خواهش متین میں (؟)
دکھایا گر کدھی تیں اپنا درسن

بلا ہے دل کے ڈسنے کوں یو کافر
میاں تیری زلف کی کالی ناگن

(قطعہ)

ولی کا شعر مردہ بھی اگر ہے
جلا دیتے ہیں اس کوں شاہ گلشن

کہ مجھ استاد سا کوئی یہاں نئیں
زبس پاکیزہ دل ہور صاف باطن   (۶۰ ب)

۲۲۵ کے دو شعر مرتب نے تحتی نوٹ میں لکھے ہیں۔ مخطوطے میں یہ دونوں شعر مختلف صورت میں درج ہیں۔

زشت روئی ہے خیال اہل لباس
چین دامن کوں زهد دامن ہے

پاکبازی میں دل کو ہے عزت
صاف درپن آب درپن ہے   (۷۷ الف)

مذکورہ غزل کا غیر مطبوعہ شعر۔

باغ گل راستی کا ہے سر سبز
سر و گلشن میں حسن گلشن ہے

یہ شعر ۱۱۳۸ھ کے نسخے میں بھی ہے

مخطوطے میں مذکورہ شعر کے الفاظ ' گل ' اور ' گلشن ' پر سرخ نشان لگا کر کاتب نے حاشیہ پر سرخ روشنائی سے یہ عبارت لکھی ہے ۔

" یعنی شاہ گل متخلص بہ گل ۔ شیخ سعد اللہ گلشن " ۔

مخطوطے میں مذکورہ غزل دو غزلوں میں تقسیم کر دی گئی ہے ۔ پہلی غزل میں مذکورہ تین اشعار کے علاوہ مطبوعہ دیوان کی غزل کا مطلع ثانی ، مطلع کے طور پر درج ہے ، مقطع وہی ہے ، جو مطبوعہ میں ہے ۔ دوسری غزل میں باقی تمام اشعار موجود ہیں ۔ دوسری غزل کا مقطع شعر ۱۱ ہے ۔ دوسری غزل ورق ۸۰ الف ' ب پر درج ہے ۔

۲۹۳ - ۳ - حاشیہ پر درج ہے لیکن متن میں اس کی جگہ مندرجہ ذیل شعر ہے ۔

آئینہ جمال منور کوں کر عیاں
خوبان خود پرست کوں حیراں نہ کرو　　(۶۲ ب)

در اصل مذکورہ شعر غزل ۲۹۰ کا شعر ۳ ہے ۔

۳۷۰ - مقطع ۔

ولی ٹک حسن اس کا فکر سوں دیکھ
کہ ہر آئینہ' معنی نما ہے　　(۶۶ الف)

اور مطبوعہ دیوان کا مقطع غزل ۳۷۷ کا چھٹا شعر ہے جو اس طرح ہے ۔

وہی آتا ہے راہ عاشقی میں
کہ جس کوں استقامت کا عصا ہے　　(۶۷ الف)

یہی غزل مخطوطے کے ورق ۸۲ الف پر بھی درج ہے ۔ صرف مطلع کا فرق ہے ۔

نہ تنہا حسن خوباں دلربا ہے
ادا فہمی سخن دانی بلا ہے

اس کے علاوہ مطبوعہ کا شعر ۳ اور مقطع موجود ہیں ۔ " وہی آتا ہے ... " والا شعر بھی موجود ہے ۔ مطبوعہ کا شعر ۴ کا مصرع اولیٰ اس طرح درج ہے ۔ ع　شہیدوں سے بڑھ کے (؟) مت ہو غافل ۔

۳۰۸ - آخری تین اشعار کی جگہ مندرجہ ذیل تین غیر مطبوعہ اشعار درج ہیں ۔

عشاق کے مارنے کوں اے عزیزاں
یک گوشہ چشم اوس کی بہر عتاب بس ہے
دلبند میں لالی صاحب منظر بال کا (؟)
یو زلف تیری پُر پیچ و تاب بس ہے
کہتا ہے بدل ولی یو ثلث بیت موزوں
بجھ دردمند ہجر کے جرے کوں تجھ حساب بس ہے (۷۶ الف)

۳۶۴ - ۷ کے بعد -

بسکہ ہوں تیری جدائی سوں ضعیف
آرسی دیتے نہیں ہے وو مجھے (۸۷ الف)

۳۴۴ - کا مقطع شعر کی صورت میں ہے۔

بجھ پاس سوں مت دور ہو یک لمحہ و یک آن
اے باعث جمعیت ایام جوانی (۹۴ الف)

مخطوطہ میں مذکورہ غزل کا مقطع موجود نہیں اور اُس کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے ۔

مثنوی ۱ شعر ۲۲ کے بعد -

دو عالم میں وہی ہے شمع تنویر
کہ ہے اس شمع کا سورج سوں کلگیر (۱۰۸ الف)

مثنوی ۲ (در تعریف شہر سورت) - شعر ۲۰ کی جگہ -

دوجے اون میں فرنگی بے عدد ہیں
کہ فعل و قول میں مگر وہ بد ہیں (۱۰۹ الف)

۲۱ (ضمیمہ اول) - دوسرا شعر -

سارے فلک میں ملک غم میں ہیں (سرتاپا) تلک (۱)
جب سوں سنے (۲) ہو بیاں آہ دریغا دریغ
(۱۱۰ ب)

۱۳۵ کو دو غزلوں میں تقسیم کر دیا ہے - پہلی غزل کا مطلع حسب ذیل ہے -

بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر
جگ ہنسائی نہ کر خدا سوں ڈر   (۳۴ ب)

اس کے علاوہ بالترتیب شعر ۵ ، ۴ ، ۲ ، ۷ ، ۶ ، اور ۹ پہلی غزل میں درج ہیں -

دوسری غزل کا مطلع یہ ہے -

اب جدائی نہ کر خدا سوں ڈر
بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر

علاوہ ازیں بالترتیب شعر ۳ ، ۵ اور ۲ موجود ہیں - اس غزل میں شعر ۵ کا مصرعہ اولیٰ مندرجہ ذیل ہے -

ع   خون عاشق سوں بے اجازت یار

دوسری غزل کا مقطع یہ ہے -

اے ستمگر غضب سوں رنگ ولی
کہربائی نہ کر خدا سوں ڈر   (۳۵ الف)

چار غیر مطبوعہ سلام -

۱- نبی مصطفیٰ پر درود و سلام   علی مرتضیٰ پر درود و سلام
و و مقصد ہے طٰہٰ و یٰسین کا   کل ہل اتیٰ پر درود و سلام
محمد کے بیٹے ہیں زہر بتول   و و خیر النسا پر درود و سلام
ووخیرالنسا پر درودان اچھو   و و خیر النسا پر درود و سلام
حسین و علی وو کہ شیر خدا   کہ دل سے علی پر درود و سلام

---

(۱) لگ - (قلمی - ۱۱۳۸ھ) -
(۲) سناں - (قلمی ۱۱۳۸ھ) -

کہو اے عزیزاں نہیں دم بدم و و شیر خدا پر درود و سلام
محبت سوں بولیا...(۱) رات دن شہ رہنما پر درود و سلام
(۱۱۰ ب)

۲- اس نور مصطفیٰ پر بولو سلام یاراں
محبوب مرتضیٰ پر بولو سلام یاراں
اس نور انّما پر اس شاہ اولیا پر
سر تاج اتقیا پر بولو سلام یاراں
اس پاک پارسا پر عالم کے رہنما پر
اس لعل بے بہا پر بولو سلام یاراں
اس شیر لافتیٰ پر مقصود...... ... پر
مطلوب انّما پر بولو سلام یاراں (۱۱۱ الف)

۳- یا حسین ابن علی جگ میں تمہارا غم ہنوز
نہیں ہوں گے کم حشر (تلک) سدا ماتم ہنوز
سب جہاں کے دل اوپر زخماں لگے ہے بے عدد
نہیں ہوا پیدا جہاں میں زخم کا مرہم ہنوز
سب گلستاں میں گلاں دل چاک کر روتے پھریں
بلبلاں کے دل میں یو دائم ہے غم ہنوز
سب محباں کوں یو غم ہے دل میں جاری شہید
کیوں ہوے گا کم یو شہ کے درد کا ماتم ہنوز

---

(۱) کاتب نے خود پہلے تین سلاموں میں تخلص کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے ۔ چوتھے سلام اور اس کے بعد کے مرثیے میں تخلص ولی موجود ہے، لیکن وہ کاتب کے قلم کا لکھا ہوا معلوم نہیں ہوتا ہے ۔ راقم کو خود ان سلاموں اور مرثیے کے مستند ہونے کے متعلق شک ہے لیکن چونکہ یہ دیوان ولی کے ایک قدیم قلمی نسخے میں درج ہیں، اس لئے انہیں یہاں بھی درج کیا گیا ہے -

پانی روز اپس مکھ کتیں پیلا کیا
سب جگر پر آسماں اس غم سوں ہیگا غم ہنوز

اے........ ہو مرتبہ ہے سب جگت میں بے نظیر
کیا کروں تعریف تیری فہم میرا کم ہنوز　(۱۱۱ الف)

-۴

ہیگا ہو داغ دل میں ہمارے........
ماتم کا زخم دل کوں ہمارے......
ویراں جہاں کے گلشن میں ....
اس غم سوں عندلیب پکارے......
جس وقت کربلا میں تمہیں جا وطن کئے
روتے ہیں زار زار ستارے........
لاگا ہو تیر سخت ولی کے جگر میں جا
دوجے (؟) نہیں ہیں زخم جاری......　(۱۱۱ الف، ب)

مرثیہ :-

جب گھر میں نہ پائے پیارے حسین کوں
رو رو کے اہل بیت پکارے حسین کوں

گھر چھوڑ کر جنگل میں کھو گیا ہے مقام
کیوں کربلا میں جا کے اتارے حسین کوں

روتا ہے عرش، کرسی، زمیں، آسماں تمام
کس نے دکھ دیا ہے آج ہمارے حسین کوں

دل چاک کر جگر کی لگی آگ بھڑکنے
جا کر کہو یہ درد ہمارے حسین کوں

کیا ستم و کیا حال وو اہل حرم اوپر
کوئی جا کہو یہ درد ہمارے حسین کوں

کیوں کھول کر دئیے ہیں ہلاہل وو ظالماں
دیکھے حسن کا حال بدار (؟) حسین کوں

.... کا جیوناں محال ہے
سہنے لگے عزیزاں سارے حسین کوں

فرزند فاطمہ کے پیارے رسول کوں
وو غا(؟) فلاں سوں کر کہ پیارے حسین کوں

روتے نین سیں (؟) سر گھر گھر پھروں
جب لگ ولی نہ دیکھوں پیارے حسین کوں (۱۱۱ ب)

حواشی پر غیر مطبوعہ کلام ۔

۶۰ ۔ ایک غیر مطبوعہ شعر ۔

یو کناری مکھ پہ تیرے اے زلیخا وش نہیں
سورہٗ یوسف کو لکھا گرد تحریر طلا (۱۹ ب)

ورق ۲۱ ب کے حاشیہ پر مندرجہ ذیل غزل (عنوان کے ساتھ) درج ہے ۔

غزل سر دیوان دیگر محمد ولی

لا مکاں پر بنا احمد جو بنا بٹھلایا
تب ملائک نے ووہیں صلوا علیکم گایا

حور و غلماں نے ترانے سے وہ نغمہ بولے
قاب قوسین کا نوشہ یو ہے سب کو بھایا

تھے براتی وہاں آدم سے لگاتا احمد
اور جبریل امیں گوندھ کے سہرا لایا

حق نے لولاک لما... محمد کے کہا
اس سوا کون ہے مرسل نے یہ رتبہ پایا

مغفرت تیری ولی سہل بلا ریب ہے کیوں
نام احمد کا جو لب پر ترے ہر دم آیا

۱۴۴ ۔ ایک شعر ۔

سن کے وہ چھاتی پہ مرے......
چتوں اپنی کی چھری کوں تیز کر (۳۳ الف)

۴۳ ۔ مطبوعہ مقطع نقل کرنے کے بعد مندرجہ ذیل عبارت اور شعر بھی لکھا ہے ۔

" ایک دیوان میں اس غزل کا یہ مقطع ہے " ۔

قلم سوں شاخ گل کی دیویں ہیں اصلاح جب گلشن
ولی کا شعر پھر (؟) ہوئے ہے گلدستہ معانی کا "　　(۳ الف)

تین مکمل غزلیات ۔

۱- سن تو دل کیوں تو پڑا ہے اس بت عیار کے ہاتھ
کوئی آتا ہے بھلا ایسے ستم گار کے ہاتھ
دام میں آن (کے) صیاد سے بلبل نے کہا
بیچنا مجھ کو کسی آئینہ رخسار کے ہاتھ
بو سے ان ہاتھوں کے لیتا ہوں میں ہر دم ہر آن
کیونکہ مدت سے ہے ہاتھوں میں دلدار کے ہاتھ
جلد پھر اس کوں ملا دے یا مجھے دور رکھے
ایسی ہے بات مری حضرت غفار کے ہاتھ
حشر کا خوف ولی کو تو نہیں ہے واللہ
ہے شفاعت پہ وہاں احمد مختار کے ہاتھ　　(۶۵ ب)

۲- تیرے رخاں کو دیکھ کے سب گل پکھل گئے
گل لالہ داغ کھا کے چمن سوں نکل گئے
پلکیں ہیں تیری تیر بھوں جوں کمان ہیں
چنچل نین کوں دیکھ کے کچن بچل گئے
زلفیں تیری کوں دیکھ کے پاسگ گئے پتال
نازک کمر کی دھاک سیں چیتے چکل گئے
کیا تاب ہے ہرن کی جو دیکھے تری طرف
شیراں تری نگاہ کی دہشت سوں ٹل گئے
تعریف تجھ بدن کی کہاں لگ کرے ولی
چندا چکور ہو کے ترے مکھ پہ بل گئے　　(۹۲ الف)

۳- دل لگا یار سوں پھر اس کا چھڑانا مشکل
عشق کا زخم لگا اس کا سلانا مشکل
حسن ہے دام بلا زلف ہیں دو کالے ناگ
جس کے تئیں ناگ ڈسا اس کا جلانا مشکل
آتش عشق نے بہتوں کا کیا خانہ خراب
آگ دریا کو لگے اس کا بجھانا مشکل
یاد کرنے کوں لیا ہاتھ میں من کا منکا
دل اوپر بوجھ پڑنے لگا پرانا مشکل
طفل ناداں ہٹیلا مراغم اے پیارے
مکتب عشق میں تعلیم دلانا مشکل
عمر جو یاد میں گذرے سو غنیمت بوجھو
سو گیا عیش میں پھر اس کا جگانا مشکل
راز مخفی ولی ظاہر نہ کسو سے کرنا
ہاتھ سوں بات گئی اس کا پھر آنا مشکل (۳۷ ب)

۴- دیوان ولی - (قلمی) - مکتوبہ ۱۱۷۲ھ - مخزونہ کتاب خانہ دانش پنجاب ، لاہور - مجموعۂ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دھلوی -

۳۰ - ٦ کے بعد -

اگر تجھ حسن کامل کا سنے تعریف مہ رویاں
تمام آ کر کریں اقرار اپنی ناتمامی کا
اگر تجھ حسن عالمگیر کوں دیکھیں سخن فہماں
نہ لیاویں پھر زباں اوپر بیاں خوباں نامی کا (۲ الف)

پنجاب پبلک لائبریری کے نسخہ (۱۱٦۱ھ) میں بھی مذکورہ اشعار اسی صورت میں درج ہیں - لیکن ۱۱۳۸ھ کے نسخے میں پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ کو دوسرے شعر کے مصرع ثانی سے ملا کر شعر بنا دیا ہے -

۱۰- ۲ کے بعد -

مثل یاقوت خط میں ہے شاگرد
ساغر مے مدام تجھ لب کا

۰ کے بعد -

جنت حسن میں کیا حق نے
حوض کوثر مقام تجھ لب کا (۹ ب)

۱۱۳۸ھ اور ۱۱۶۱ھ کے قلمی نسخوں میں مذکورہ دو شعر موجود ہیں -

۹۴ کو دو غزلوں میں تقسیم کر دیا ہے - پہلے پانچ اشعار کی پہلی غزل ہے - اس غزل میں پانچویں شعر کو مقطع بنا دیا گیا ہے - مطبوعہ میں ' ولے ' (بمعنی لیکن) لکھا گیا ہے اور مخطوطہ میں اس کو ' ولی ' تخلص لکھا ہے - شعر ۶ مخطوطہ میں موجود نہیں - اور شعر ۷ ، ۸ ، ۹ دوسری غزل میں آتے ہیں - دوسری غزل کے ابتدائی چار اشعار غیر مطبوعہ ہیں جو درج ذیل ہیں -

جب سیں ہوا ہے عاشق تیرے پر آفتاب
تب سیں نہ دیکھتا ہوں نظر بھر کر آفتاب
ہر شام تجھ فراق سیں......... . ...
ہر صبح جھانکتا ہے تجھے گھر گھر آفتاب
تیری طرح کی زیب اگر سور باد کے (؟)
ناچے تو کیا عجب توں ہوا ہر پر آفتاب
در حیرتم کہ تیری گلی بیچ دمکدمگی
کیونکر پڑا ہوا ہے گلی بھیتر آفتاب (۱۹ الف)

۲۱ - ضمیمہ اول -

غم میں ہیں سارے فلک سر سے پانوں تلک(۱)
جب سیں سنیا (۲) یو بیان آہ دریغا دریغ (۲۱ ب)

---

(۱) سارے فلک میں ملک غم میں ہیں سر تاپا ملک (۱۱۶۱ھ) - ۱۱۳۸ھ کے نسخہ میں ' لگ ' ہے -

(۲) سناں (۱۱۳۸ھ) - سنے (۱۱۶۱ھ) -

۲۱۳ - ایک شعر -

تیری نگہہ کے تیر سوں زخمی ہوا شیر فلک
تیری بھواں کے سہم سوں خم ہے کمان آسمان (۳۶ ب)

۳۷۷ - مقطع سے قبل -

وہی آتے ہیں راہ عاشقی میں
کہ جس کو استقامت کا عصا ہے (۶۰ الف)

ورق ۶۰ ب پر وہی غیر مطبوعہ غزل بغیر کسی اختلاف کے موجو ہے جو ۱۱۳۸ھ کے قلمی نسخے میں درج ہے اور جس کا مطلع حسب ذیل ہے ،

ترے خورشید مکھ اوپر عجب جھلکار دستا ہے
ترے رخسار پہ تل نقطۂ پرکار دستا ہے

صرف شعر ۶ کے مصرع ثانی میں 'سیاھی نین کی' کی بجائے 'سیاہ میں نین کی' درج ہے -

۵ - دیوان ولی - (قلمی) - مکتوبہ ۱۲۹۴ھ - مخزونہ کتاب دانش گ پنجاب ، لاھور -

غزل -

جیو کوں نس دن تیرے بن بیقراری ہے سجن
ورد میرا غم میں تیرے آہ و زاری ہے سجن
سبزۂ ترکیوں نہ ہوئیں پلکاں کہ تیرے شوق سوں
نین کے چشمے سوں نس دن آب جاری ہے سجن
دوراہس کے حال سوں کیونکر کروں میں اضطراب
شوق تیرا مایۂ بے اختیاری ہے سجن
کوئی نہیں واقف کہ تابوجھے میرے دل کی خلش
تجھ نگہہ کا تیر مجھ سینے میں کاری ہے سجن
یک نگہہ اپنے کرم سوں کر ولی کے حال پر
تجھ نین کے لطف سوں یو یادگاری ہے سجن (۹۶ الف

قطعہ :

هزار شکر کہ دلبر نے سر فراز کیا
کہ طالباں میں مجھے سب سوں امتیاز کیا
ولی تو حق کے نزیک کر هزار عجز و نیاز
کہ سر سوں پانو تلک مجھ کوں شعلہ باز کیا (١٣٨ الف)

فردیات ۔

پری سینے میں دیکھا هوں مجھے دیوانہ هوناں هے
خیال گنج باندھا هوں مجھے ویرانہ هوناں هے (١٣٩ ب)

هے ترے لب سوں اے شکر گفتار
بات کہناں نبات سوں شیریں (١٣٩ ب)

نین کشتی تری و پتلی نوح
تس میں گردش سوں عین طوفاں هے (١٤٠ ب)

تیری شیریں زباں پر اے سریجن
ولے هو کر (؟) رها فرهاد کوہ کن (ایضاً)

٦ - دیوان ولی (قلمی) ۔ سنہ کتابت ندارد ۔ مخزونہ کتابت خانہ دانش گاہ پنجاب ، لاهور ۔

٣٩ - ٦ کے بعد ۔

اگر تجھ حسن کامل کی سنے تعریف مہ رویاں
نہ لاوے پھر زباں اوپر بیاں خوباں نامی کا
اگر تجھ حسن عالمگیر کوں دیکھے سخن فہماں
تمام آ کر کرے اقرار اپنی ناتمامی کا (٤ ب)

پہلے شعر کی یہی صورت ١١٣٨ھ کے نسخے میں هے ۔ لیکن دیگر قلمی نسخوں میں مختلف هے ، جیسا کہ آپ نے پچھلے صفحات پر ملاحظہ فرمایا هوگا۔

۲۴ ۔ مطلع کے بعد ۔

مثل یاقوت خط میں ہے شاگرد
ساغر مے مدام تج لب کا

۴ کے بعد ۔

جنت حسن میں کیا حق نے
حوض کوثر مقام تج لب کا		(۵ ب)

دیگر تمام قلمی نسخوں میں بھی مندرجہ بالا دونوں اشعار موجود ھیں

۷۱ - ۷ کے بعد ۔

اے گل باغ وفا سرو تیرا قد آ کھیں (؟)
دل پہ ہر آزاد کے صورت سوہان ہوا		(۱۴ ب

۷۲ - مقطع ۔

رات دن ہے ذکر میں اس کے ولی
دل میرا جیوں دانۂ سمرن ہے

کاتب نے غلطی سے ردیف کو ' ہوا ' کی بجائے ' ہے ' لکھ دیا ہے ۔

۱۳ - ۲ کے بعد ۔

اے ناز بھری نازلی مت مکھ کوں چھپاتی جا
درسن کے بکھاری کوں کچھ خیر دلاتی جا		(۲۰ الف

مکمل غزل ۔

یار جفا کار ہوا الغیاث
جگ میں ستمگار ہوا الغیاث

بے گل روئے توا (؟) کلگوں قبا
باغ مجھے خار ہوا الغیاث

درد فراق و غم ھجران او
سینے اوپر چھار ہوا الغیاث

ابروئے تجھ مافی مجھ بیگناہ
تیر خونردار ہوا الغیاث

کنج وصلش نہیں دیتا رقیب
در حق من مار ہوا الغیاث

(۲۸ ب)

۱۳۰ - ایک شعر -

خون عاشق سوں ہے اجازت ناز
کف حنائی نہ کر خدا سوں ڈر (۳۹ ب)

۱۱۶۱ھ کے قلمی نسخے میں بھی مصرع اولیٰ درج ہے -

مکمل غزل -

میں کیا کروں جہاں کوں مجھے دل ربا ہے بس
وہ کیا کرے کام کوں جسے وہ پیا ہے بس
سر و چمن کوں دیکھے کہ ہرگز نہ جاوے گا
جن کی بغل میں دلبر رنگیں ادا ہے بس
جگ کوں کیا کرے گا طلبگار دوست کا
اس کوں دونوں جہاں میں وہ گل لتا ہے بس
اس کی پیاس جاوے نہ گر سو دریا پیوے
جن نے مدام وصل کا شربت پیا ہے بس
کیوں کر سکے نکلنا ولی پھاندے عشق سوں
دل جن کا دام زلف سوں جا کر پھنسا ہے بس
(۴۱ الف، ب)

۱۸۸ - مطلع کے بعد مندرجہ ذیل چار اشعار غیر مطبوعہ ہیں -

جب کہ ابرو کے تو کماں کہیں ...
تیر مژگاں نے تب سنبھال لی پھال

زلف کے پیچ دیکھ کر سنبل
پیچ ہور تاب میں ہے ڈالیں ڈال

کئے شکاریاں نے تجھ نگہہ کا دام
دیکھ آتشی میں غمگیں جا لے جال

اس ولی پر نظر رحم کی کر
ہے ہو تقصیروار بالیں بال (۵۰ الف)

۳٦۹ - ۳ کے بعد -

تغافل نے تیرے زخمی کیا مجھ
تیری یو کم نگاہ نیمچا ہے (٦۷ الف)

یہ شعر مطبوعہ کلیات میں غزل ۳۷۷ کا چوتھا شعر ہے -

۳۷۷ - ٥ کے بعد -

وو ہی آپے ہیں راہ عاشقی میں
کہ جن کوں استقامت کا عصا ہے (٦۷ الف)

یہ شعر مطبوعہ کلیات کی غزل ۳۷٥ کا مقطع ہے - لیکن دیگر قا نسخوں میں یہ بطور شعر درج ہے -

۳۸٥ - ٦ کے بعد -

وا ہے جو جبیں فرسا تیری محراب ابرو میں
صف عشاق میں اس کوں اقامت ہی اقامت ہے (۷۸ ب)

۳۲٥ - تحتی نوٹ کے دوسرے شعر کے بعد -

باغ گل راستی کا ہے سر سبز
سروگلشن میں حسن گلشن ہے (۸٦ الف

مندرجہ بالا غزل کو مخطوطے میں دو غزلوں میں تقسیم کر دیا ہے - پہلی غزل کے پانچ اشعار ہیں جس کا مطلع مطبوعہ کلیات کی غزل دوسرا شعر ہے - اس کے بعد تحتی نوٹ کے دو شعر اور مذکورہ شعر درج ہیں مقطع وہی ہے جو مطبوعہ کی غزل کا ہے - اس غزل کے باقی تمام اشعار دوسہ غزل (۹۰ الف' ب) پر درج ہیں - صرف مقطع کا فرق ہے جو حسب ذیل ہے

اے ولی تیغ غم سوں خوف نہ کر
خاکساری بدن پہ خوشتر ہے

یہ شعر اس غزل کا مقطع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس شعر میں قا تبدیل ہو گیا ہے - ویسے مذکورہ شعر غیر مطبوعہ ہے -

۴۳۰ کا دوسرا شعر ۴۲۹ کے دوسرے شعر کے بعد آتا ہے ۔ (۹۱ ب)

۴۳۲ کے مقطع کا پہلا مصرع ۴۳۳ کے مطلع کے دوسرے مصرع سے ملا کر شعر بنا دیا ہے جو بالکل غلط ہے (۹۲ الف) ۔

۳٦۴ - ۷ کے بعد ۔

بسکہ ہوں تیری جدائی سوں ضعیف
آرسی دیتی نہیں ہے رو مجھے (۹۷ الف)

۳٦۷ کو بھی دو غزلوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔ (۹۷ ب) - پہلے تین اشعار اور پانچویں شعر کی پہلی غزل ہے اور شعر ۴ ، ٦ ، ۷ ، ۸ ، کی دوسری غزل ۔ ہمارے خیال کے مطابق کاتب کو پانچویں شعر کے لفظ ' ولے ' سے دھوکا ہوا ہے اور اس نے اسے ولی کا تخلص سمجھ کر ایک غزل کے دو حصے کر دئیے ہیں ۔ اس وقت ' ی ' کو عموماً ' ے' لکھتے تھے ۔ اس طرح دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ کاتب کو اسی مطابقت کی بنا پر دھوکا ہوا ہے ۔ بہت سی دوسری غزلوں کو بھی اسی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ۔

۳۵٦ - ٦ کے بعد ۔

تیر ہے جب فاتحہ ظالم لب جاں بخش سوں ظالم
شہادت گاہ عاشق چشمہ آب بقا ہوئی
(۱۰۳ الف)

۷ - دیوان ولی (قلمی) - سنہ کتابت ندارد ۔ مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری' لاہور ۔

مثنوی در تعریف شہر سورت مخطوطے کے ورق ۱۰ الف پر ختم ہوتی ہے ۔ اس کے بعد غزلیات شروع ہو جاتی ہیں لیکن مثنوی اور غزلیات کے درمیان مندرجہ ذیل دو شعر درج ہیں ۔

گئی رات معراج کی عرش اوپر بلغ العلے بکمالہ
کھلے پردے بھید کے سر بسر کشف الدجا بجمالہ
ہوئی حق کی ان پر جب نظر حسنت جمیع خصالہ
ہوا حکم حق کا عیاں اوپر صلوا علیہ و آلہ

۴۹ - ٦ کے بعد -

اگر تجھ حسن عالمگیر کوں دیکھیں سخن فہماں
نہ لیاویں پھر زباں اوپر بیاں خوباں ناسی کا
اگر تجھ حسن کامل کی سنیں تعریف مہ رویاں
تمام آکر کریں اقرار اپنی ناتمامی کا (۲۱ ب)

یہ اشعار دیگر تمام قلمی نسخوں میں موجود ھیں لیکن یہاں اشعار کی ترتیب بدل گئی ہے -

۲۴- ۲ کے بعد -

مثل یا قوت خط میں ہے شا گرد
ساغر مے مدام تجھ لب کا

۵ کے بعد -

جنت حسن میں کیا حق نیں
حوض کوثر مقام تجھ لب کا (۲۲ الف)

یہ اشعار دیگر تمام قلمی نسخوں میں درج ھیں -

مکمل غزل -

(لاگی) ہے لگن تم سیں چھڑا کون سکے گا
اب مجھ کوں وطن اپنے لیجا کون سکے گا

مارا ہے جو ظالم نیں نزاکت کے خنجر سوں
اوس جگ میں میری داد دلا کون سکے گا

ہے نقش کٹاری کا تیرے جامہ کے اوپر
دامن کوں تیرے ھاتھ لگا کون سکے گا

وھی ہے تن چاک تمھاری گلی میں
اب ھم کوں جنازے میں اٹھا کون سکے گا

...... ولی کوں کہتا ہوں سن کھا کر(؟)
ہو ناز تیرا جگ میں اٹھا کوں سکے گا

(۳۲ ب ، ۳۳ الف)

ایک اور غزل -

اے ناز بھری کافر (۱) مت مکھ کوں چھپاتی جا
درس کے بھکاری کوں ٹک دان دلاتی جا (۲)
گر ہوش ہووے تجھ کوں پامال کرے جگ کوں
لٹکے سوں قدم رکھ کر پچھیں(؟) کوں بجاتی جا (۳)
اے بت کی پوجن ہاری(۴) دلہری(؟) کی طرف جا توں
کہ رام برھمن کوں بت پوجا کراتی جا
اے شوخ چنچل ناری کاجل کو کھلا (؟) کے یوں
ابرو کی اشارت کر گھر اپنا بتاتی جا
اے مست جوانی کی کرتا............... پھا کن
توں مہرو محبت سوں ٹک رنگ دکھاتی جا
آج رین دوالی (۵) کی چل اپنے لے گھر سندر
یا ساتھ ولی کے چل یا ٹھاؤ (۶) بتاتی جا (۳۴ ب)

---

(۱) نازلی (نسخہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب سنہ کتابت ندارد - ۲۰ الف) -
(۲) درسن کے بکھاری کوں تجھ خیر دلاتی جا (ایضاً) -
(۳) اس شعر کے بعد مخطوطے میں مطبوعہ کی غزل ۱۳ کا شعر ۴ درج ہے - غزل ۱۳ بھی مخطوطے میں ہے لیکن اس میں یہ شعر موجود نہیں -
(۴) تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
اے بت کی پجن ہاری ٹک اس کوں بچاتی جا
(مطبوعہ - غزل ۱۳) - لیکن مخطوطے میں یہ شعر بھی ' مت غصے کے شعلے سوں ...' والی غزل میں موجود نہیں ہے-
(۵) دیوالی - (۶) جگہ یا پتہ -

١٨- مطلع کے بعد -

تری جھلک سوں گئی ھیگی آب موتی کی
صدف جیون ھوا بیتاب اور سمند جدا (٣٥ ب)

٦٠ کو دو غزلوں میں تقسیم کر دیا ہے - پہلی غزل کا مطلع اور مق
مطبوعہ کی غزل کا مطلع اور مقطع ہے- پہلی غزل میں مطبوعہ غزل کے شـ
٢ ، ٣ ، ٥ ، ١٢ ، ٦ ، درج ھیں - دوسری غزل میں پہلے دو اشعار اور مق
غیر مطبوعہ ھیں -

... اے سیم تن ہے فکر تسخیر طلا
زرد چہرہ عاشقاں کا تجھ ہے اکسیر طلا
ہو کناری مکھ پہ تیرے اے زلیخاوش نہیں
سورۃ یوسف کوں بھی کر و تحریر طلا (١)
ہو خموشی دیکھ تری حق ولی لوح قلم
دھر کے صفحہ اوپر کھینچا ہے تصویر طلا

(٣٦ ب ، ٣٧ الف)

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ دوسری غزل میں مطبوعہ کے شعر ٨ ،
٧ ، ١٠ ، ١١ بالترتیب درج ھیں -

٧٧ - ٦ کے بعد -

بیمار ہرہ کے پڑھنے کو جو مہرباں ہو
مجھ دکھ کے پوچھنے کوں جز درد سر نہ آیا (٣٧ ب)

٩٦ - ایک شعر -

دل منے اپس کے ھمت عالی پر کر نظر
آخر لباں سوں اپنے چکھایا عجب عجب (٤٠ الف)

---

(١) یہ شعر ١١٦١ھ کے نسخے میں حاشیہ پر درج ہے -

۹۰ - ۹۱ کے بعد -

جب سوں ترا جمال نمایاں ہوا سجن
تب سوں ہوا ہے حسن سبھی گلرخاں کا مات (۳۰ الف)

۱۰۰ - کی یہ صورت پائی جاتی ہے -

اسی شوخ سوں تجھ انکھیاں کی ہود ہے
کہ جیوں برچھی کو لے نکسے ہے رجپوت (۳۰ ب)

مکمل غزل -

جگ منیں غفلت سوں سوناں ہے عبث
عمر ساری مفت کھوناں ہے عبث
فکر وصل یار کا کرنا بھلا
غیر سوں ہمراز ہوناں ہے عبث
داغ عشق اوس شاہد بیباک کا
دل او پر انجھواں سوں دھوناں ہے عبث
جو لکھا تقدیر سوں مٹتا نہیں
عاقبت دو کھ غم سوں روناں ہے عبث
اس جہاں کے شور دھرتی میں ولی
زندگی کا بیج بوناں ہے عبث

(۳۲ الف ، ب)

یہاں تک دیوان ولی کے قلمی نسخوں سے ولی کا غیر مطبوعہ کلام پیش کیا گیا ہے ' اب کتب خانہ دانش گاہ پنجاب ، لاہور کی قلمی بیاضوں سے ولی کا غیر مطبوعہ کلام درج کیا جاتا ہے -

۱ - بیاض ۱۵۲ - مجموعہ' شیرانی مرحوم -

مکمل غزل -

عجب چنچل ہٹیلی ہے دیکھو یارو نظر کر کر
نکالا جیو مجھ تن میں نجانو کیا سحر کر کر
بکڑ کے گھر انگن میں کھڑی وہ نازنیں سندر
مگر ہمنا کے مارن کوں لیا ابرو خنجر کر کر

نظر کا تیر سندر نے چلایا جب میرے (اُپر)
لیا وہ اوٹھ ہی میں نے جگر کی ہاں سپر کر کر

بس.................... کر کر نکالا ناز زاھد کوں
ترے مکھ کے کھول اوپر رکھا مجھ کوں ... کر کر

خبر میری نہیں تجھ کوں ولی کچھ کچھ سمجھتا ہے
دکھن سوں ہند کوں طوطی چلے ھنس ھنس صغر(؟) کرکر

(٢٢ الف ، ب)

٥٧ کے ابتدائی چار غیر مطبوعہ اشعار۔

تجھ غمزہ خونخوار سوں اڑ کون سکے گا
تجھ ناز ستمگر سوں جھگڑ کون سکے گا

تجھ حسن کے بازار میں دیوانۂ دل کوں
بن زلف کی زنجیر کے جکڑ کون سکے گا

پھرتے ھیں سب مست ھو شمشیر نظر لے
بن نینہ اس انکھیاں کوں پکڑ کون سکے گا

ھیں خضر کے چشمہ سوں تیرے لب تو لبالب
بن سبزۂ خط اس کوں اپڑ کون سکے گا (١)

ان اشعار کے بعد غزل ٥٧ کے شعر ٤ ، ٥ ، آتے ھیں۔ شعر ٣ بیاض کی غزل کا مقطع ہے جو حسب ذیل ہے۔

تجھ زلف کا بستار لکھا آج ولی میں
اس سحر کے طومار کوں پڑھ کون سکے گا

(٢٥ ب و ٢٦ الف)

٥٣ ۔ ایک شعر ۔

زخمی کیا ھوں اب تیری پلکوں کی انی نے
یو ظلم تیرا خنجر بھالاں میں کھوں گا　　(١١ الف)

(١) اس مضمون میں تمام اشعار "مطابق اصل" نقل کئے گئے ھیں ۔ بیشتر مصرعے املا کی معمولی تبدیلی سے موزوں ھو سکتے تھے لیکن عمداً ایسا نہیں کیا گیا ۔

۲ - بیاض ۱۷۹۶ - مجموعۂ شیرانی -

اس بیاض کی غیر مطبوعہ غزل پنجاب پبلک لائبریری ، لاہور کے قلمی دیوان ولی (مکتوبہ ۱۱۶۱ھ) میں بھی موجود ہے (۳۷ ب - حاشیہ) لیکن بعض مصرعوں اور شعروں میں اختلافات ہیں - صرف اختلافی مصرعے اور اشعار درج ذیل ہیں -

ع دل لگا یار سے اس دل کا چھوڑانا مشکل
ع حسن ہے دام بلا زلف نہیں دو کالے ناگ -

یاد کرنے کو لیا ہاتھ میں منکا منکا
دل اوپر بوجھ پڑے منکا پھرانا مشکل

ع عمر جو یاد میں گذری سو غنیمت سمجھو - (۴۷ ب، ۴۸ الف)

۳ - بیاض ۲۱۴۵ - مجموعۂ شیرانی -

دو غزلیں -

عجب خوابی نیکو دیدم سجن گھر موں آیا ہے
سیاہی اور سفیدی کا فرش نین بچھایا ہے
سجن کے دیکھنے کارن کی میں روشنی من موں
رکت کی بتیاں سج کر جو دھر سب تن جلایا ہے
عبیر و عنبر و صندل سبھی کا اوگجا کیتا
اگر کے تخت بیٹھا کر سجن کے انگ لگایا ہے
پیالے بیت کے کبھی جو بھر کر میت کو دیتے
پلائی حُبّ ...... سوں پیارے کوں چھکایا ہے
بہئیں بیدار جب اکھیاں گئیں مجھ چھوڑ سب سکھیاں
پھروں بیہوش مہ کارن پیتم اجھوں نہ آیا ہے

(۱۳۶ ب ، ۱۳۷ الف)

نس دن سجن تجھ بن مجھے تن برہ کا بھارا ہوا
تجھ چاند کے درسن بدل یکیک انجھو تارا ہوا

تجھ حسن کے قرآن منے جس نے پڑھا والشمس کوں
غم .... تب چھیل کر دل غم کا سیپارا ھوا
تیری بھواں شرم سوں کشتی ...... جل میں ...
میرے نین کے نیر سبھ مل کر سمند کھارا ھوا
طالب ہعطر ھو رھا تجھ زلف کے دوراں منے
جس بو نے سیں مشک ختن حور عنبر سارا ھوا
تجھ زلف کے مشرب منے ... گلی ھوا نس دن ولی
یکتل کہیں اچھتا نہیں دل تو .... پارا ھوا (۱۳۸ ب)

۳ - بیاض ۱۹۷ - مجموعہ شیرانی -

۲۹۲ - ایک شعر -

تیر مژگاں کے اگر قاتل ھیں
چین ابروں کے چھڑایا نہ کرو

اسی غزل کے شعر ۴ ، ۸ اس طرح ھیں -

گرچہ ھے خاطر عشاق عزیز
بے سبب غصہ سوں آنا نہ کرو
مجھ کوں نہیں برداشت غیرت کی
غیر کوں دوس دکھایا نہ کرو

دوسرے شعر کا پہلا مصرع غیر مطبوعہ ھے۔

۴۳۲ کے چار شعر -

پیا بن مجھ کوں بیقراری ھے
میری اکھوں میں اشک جاری ھے
کیوں نہ ھو چاک چاک دل میرا
شوخ کے ھاتھ سوں کٹاری ھے

تیرے ابرو نے مجکوں قتل کیا
کہاں بلا اس میں آبداری ہے
اے ولی ہے کیا تیرا منظور
بات تیری جگت سوں نیاری ہے

۵ - بیاض ۵۳۲ - ذخیرۂ شیرانی -

۳۲۶ - چوتھا شعر موجود نہیں ہے - بیاض کی غزل میں شعر ۳ مقطع ہے اور مطبوعہ کے مقطع میں ' اے ولی ' کی بجائے ' اے دلا ' درج ہے -

اے دلا اوس بے وفا کی مہربانی پر نہ بھول
دل کا دشمن ہے وہ باتاں کرتا ہے پیار کی

بات کہنے کی نہیں ہے جو کبھی سمجھے ولی
بھول سب جاتے ہیں باتاں دیکھ صورت یار کی

غزل -

آج کیا مجھ کو بیقراری ہے	میری انکھوں میں شبا خماری ہے
کیوں نہ ہو چاک چاک دل میرا	شوخ کے ہاتھ سوں کٹاری ہے
تیغ ابرو نے مجھ کوں قتل کیا	کیا بلا اوس میں آبداری ہے
کھا گئی فوج عاشقوں کی شکست	آج معشوق کی سواری ہے
کیوں نہ ہو بلبلوں کا گھر ویران	آج لالہ میرا ہزاری ہے

اس غزل کے بعض اشعار اختلاف کے ساتھ بیاض ۹۱۷ کی غیر مطبوعہ غزل میں بھی موجود ہیں -

۶ - بیاض ۱۳۷۹ - ذخیرۂ شیرانی -

۵۶ - مقطع سے قبل -

ڈرتا ہے برہ غم ہے مجھے دلہی سوں بو بس
اوس بحر میں تجھ باج سوں تر کون سکے گا (۳۶۳ الف)

۲۱ - ۴ کا پہلا مصرع -

رشتہ کوں بندگی کے ڈالا اہس گلے میں (۳٦۳' الف)

۲۳ - مطلع -

طوفاں ہوا ہے جب سوں تجھ مکھ کی آب کا
بازار تب سوں سرد ہوا ماہتاب کا (۳٦۴ الف

بیاض کے ورق ۳٦۹ ب ، ۳۷۰ الف پر بھی غزل دوبارہ نقل کی گئی۔ جس میں مطبوعہ مطلع درج ہے -

۴۹ - دو شعر -

اگر تجھ حسن کامل کی بولے تعریف مہ رویاں
تمام آئے کر کریں اقرار اپنی ناتمامی کا
اگر تجھ حسن عالمگیر کوں دیکھیں سخن فہماں
نہ لاوین پھر زباں اوپر بیاں خوباں نامی کا
(۳٦۹ الف ، ب

یہ اشعار دیوانِ ولی کے قلمی نسخوں میں موجود ہیں جیسا کہ آپ پچھلے صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں -

۲۴ - دو شعر -

مثل یا قوت خط میں ہے شاگرد
ساغر مے مدام تجھ لب کا
جنت حسن میں کیا حق نے
حوض کوثر مقام تجھ لب کا (۳۷۰ الف

یہ اشعار بھی لاہور کے قلمی نسخوں میں نقل ہوئے ہیں -

۳۳ - (ضمیمہ اول) - ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے اس غزل کے صرف چار اشعار دیئے ہیں جو ان کو اس قلمی نسخہ سے ملے تھے جو احسن مارہروی کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھا - لیکن انہوں نے اس غزل کا مقطع نہیں دیا تھا - اس بیاض میں یہ غزل مکمل ہے اور مقطع بھی ہے جو

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل ولی کی نہیں بلکہ کسی نا معلوم شاعر حسن کی ہے۔ مکمل غزل حسب ذیل ہے۔

سجن تم مکھ ستی کھولو نقاب آہستہ آہستہ
کہ جوں گل سے نکلتا ہے گلاب آہستہ آہستہ

عیاں گھونگھٹ کی گرمی سے پسینا چہ زنخداں پر (۱)
کہ جوں خم سے نکستی ہے شراب آہستہ آہستہ

سلونے سانورے ساجن (۲) تیری موتی کی جھلکاری (۳)
کیا عقدۂ ثریا کو خراب آہستہ آہستہ

حسن کی ساتھ لے نوجاں چمن میں یوں لٹک چلتا
فجر کو جوں نکستا آفتاب آہستہ آہستہ

ہزاروں (۴) لاکھ خوباں میں سجن میرا چلے یوں کر
ستاروں میں چلے جوں ماہتاب آہستہ آہستہ

لیا روز ازل سے ہمارا دل تمہیں ساجن
جواب کرتے ہو کیا مجھ سے حجاب آہستہ آہستہ

ہوئے تجھ زلف حیراں سے .... مجھے اپس من
نہ کر (؟) ساجن زلف کو بے حجاب آہستہ آہستہ

حسن تو چھاڈ اس غم کو نچنتا ہو دو عالم سے
اپس دل کیوں جلاتا ہے جوں تاب آہستہ آہستہ

۷ - بیاض ۲۰۹۱ ذخیرۂ شیرانی۔

---

(۱) ع آیا نکہت کی گرمی سوں پسینا جب زنخداں پر
(مطبوعہ - ضمیمہ اول - ص ۱۷)

(۲) پیتم (ایضاً)

(۳) جھلکاں نے (ایضاً)

(۴) ہزاراں (ایضاً)

غزل ۔

خانۂ جاناں تلک اول تو جانا منع ہے
اور گئے تو حلقہ در کا ہلانا منع ہے
حلقہ در کا ہلانا تب تو غافل ہو رہا
پھر کروں کیا نام سے ان کو بلانا منع ہے
نام سے ان کو بلایا تب تو بولے کون ہو
کیا کروں میں نام بھی اپنا بتانا منع ہے
نام بھی اپنا بتایا تب تو جنجلا کر کہا
جاؤ کیوں آئے ہمارے در پہ آنا منع ہے
سن ولی یہ بات بولا بخش دیجو یہ گناہ
بولے جاؤ بخشیا اب غل مچانا منع ہے (۱۰ ب)

۸ ۔ بیاض ۔ مجموعۂ کیفی دہلوی ۔

بیاض کی غیر مطبوعہ غزل پنجاب پبلک لائبریری ، لاہور کے قلم نسخہ (مکتوبہ ۱۱٦۱ھ) میں بھی موجود ہے۔ چند اختلافات درج ذیل ہیں ۔

ع پلکاں ہیں تیری تیر بھواں جوں کماں ہیں ۔
ع نازک کمر کی دھاک سے چیتے چکل گئے ۔

قلمی نسخہ (۱۱٦۱ھ) کے تمام اشعار کے علاوہ غزل ۸۴۴ کے شعر ۳ بھی درج ہیں ۔

۹ ۔ بیاض ۔ مخزونہ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب ، لاہور ۔

غزل ۔

فدا ہوں روز اول سے کہ جس دن عشق آیا ہے
ہمن جیسے غریبوں کو جو محبوباں بلایا ہے
نہ چھیڑو نا بلاؤ ہی اور اس محبوب میرے کو
سساہیں منتاں کر کر نہالی پر لٹایا ہے

خدا تم کو قیامت کو کہے گا اک سخن نازک
کہ اس مسکین عاجز پر توں خنجر کیوں چلایا ہے
صفائی دلبری جاناں عجب ہے خوش جہاں اندر
کہ یک تولہ صفائی کا ہزاروں پر ... . ہے
ہزاروں فکر کے ڈونڈے بھی ہے عشق کے دریا
ولی اوس کا کنارا بھی ہر گز نہ پایا ہے
(۳ ب ، ۴ الف)

۱۰ - بیاض - مجموعہ کیفی -

فرد -

لاکھ آوے تو ہم کو کیا مطلب
ایک آنا تیرا کفایت ہے		(۱۰۶ ب)

بادۂ کہن

ملک الشعرائے بیجا پور ملا نصرتی کی غیر مطبوعہ غزل

سبد سخن تجہ لبد تے میں ادک شیریں زبانی کا
ہوا ہے مرطباں مجہ دل صفا شہد معانی کا

کشادا دیکہ ابرو تجہ مراد اب دل کی منگ لیتا
کھڑا یکدھات رہسے نا گھڑی بھر موج پانی کا

ترے اوتار پھل پر ہت دھریا تو توڑ لیؤں نا
منجے اتنا بھی حاصل کیا لہ ہونا تجہ جوانی کا

سکھی تجہ ناز نازل کا نہ صورت لکھ سکے یک مو
دھرے گر سو زباں نازک قلم نقاش مانی کا

تری غصے کی باتاں پر برا نا مانسوں ہر گز
انکھیاں میں عین تجہ پر تو ہے دل کی مہربانی کا

توں ہے دلدار نت اچھنا ہے تجہ میں رسم دلداری
دکھانا ید لاں کے دل ، روش نہیں یار جانی کا

جو ہے عاشق سو بدنام اس کرے اے نصرتی عالم
ولے میں فخر کرتا ہوں کہ ہوں عاشق فلانی کا

— * —

حالی کی اخـــلاقی سماجیات

ڈاکٹر فاطمہ شجاعت

(۱)

انسان تضادوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی فطرت میں خیر و شر، نیکی اور بدی، ایمانداری اور بے ایمانی، وفاداری اور غداری، غرض اتنی مختلف خصوصیتیں پائی جاتی ہیں کہ اگر ان پر تحدیدیں عاید نہ کی جائیں تو سماج کے لئے باعث خطرہ ثابت ہوں۔ اسی مقام پر اخلاقیات کی ضرورت پڑتی ہے کہ سماج کے پسندیدہ طریقوں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی یاد دلا کر افراد کو راہ راست سے ہٹنے نہ دیا جائے۔ در اصل ایک پائدار اور صحت مند سماجی تنظیم کے لئے اخلاق کی بنیادی اہمیت ہے۔ فیر چائلڈ کا خیال ہے:

" اخلاق ان کاموں کی انجام دہی ہے جسے ہماری گروہی وحدانیت صحیح سمجھتی ہے۔ اخلاق سماج کی سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ توقعات سے مطابقت کرنے کا نام ہے" (۱)۔

ہر زمانے کے ہر سماج میں کچھ نہ کچھ اخلاقی اصول ضرور مروج رہے ہیں۔ متمدن سماجوں سے لے کر تہذیب و تمدن کے ابتدائی درجے پر زندگی بسر کرنے والے غیر شائستہ، جاہل اور غیر متمدن سماج کے افراد بھی کچھ نہ کچھ اخلاقی اصولوں پر ضرور عمل پیرا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماج اور اخلاق میں گہرے بندھن ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے علاحدہ کر کے منظم زندگی گزارنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا سماج کسی جگہ بھی مستحسن نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا جس کے افراد

---

(۱) ص ۳۵ - Fairchild "Element of Sociology".

بادهٔ کہن

ملک الشعرائے بیجاپور ملا نصرتی کی غیر مطبوعہ غزل

سید سٙن تجہ لب تے میں ادک شیریں زبانی کا
ہوا ہے مرطباں مجہ دل صفا شہد معانی کا

کشادا دیکہ ابرو تجہ مراد اب دل کی منگ لیتا
کھڑا یکدہات رہیے نا گھڑی بہر موج پانی کا

ترے اوتار پھل پر ہت دہریا تو توڑ لیؤں نا
منجے اتنا بھی حاصل کیا نہ ہونا تجہ جوانی کا

سکھی تجہ ناز نازل کا نہ صورت لکھ سکے یک مو
دہرے گر سو زباں نازک قلم نقاش مانی کا

تری غصے کی باتاں پر برا نا مانسوں ہرگز
انکھیاں میں عین تجہ پر تو ہے دل کی مہربانی کا

توں ہے دلدار نت اچھنا ہے تجہ میں رسم دلداری
دکھانا یید لاں کے دل ، روش نہیں یار جانی کا

جو ہے عاشق سو بدنام اس کرے اے نصرتی عالم
ولے میں فخر کرتا ہوں کہ ہوں عاشق فلانی کا

— * —

حالی کی اخــلاقی سماجیات

ڈاکٹر فاطمہ شجاعت

(۱)

انسان تضادوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی فطرت میں خیر و شر، نیکی اور بدی، ایمانداری اور بے ایمانی، وفاداری اور غداری، غرض اتنی مختلف خصوصیتیں پائی جاتی ہیں کہ اگر ان پر تحدیدیں عاید نہ کی جائیں تو سماج کے لئے باعث خطرہ ثابت ہوں۔ اسی مقام پر اخلاقیات کی ضرورت پڑتی ہے کہ سماج کے پسندیدہ طریقوں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی یاد دلا کر افراد کو راہ راست سے ہٹنے نہ دیا جائے۔ در اصل ایک پائدار اور صحت مند سماجی تنظیم کے لئے اخلاق کی بنیادی اہمیت ہے۔ فیر چائلڈ کا خیال ہے:

" اخلاق ان کاموں کی انجام دہی ہے جسے ہماری گروہی وحدانیت صحیح سمجھتی ہے۔ اخلاق سماج کی سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ توقعات سے مطابقت کرنے کا نام ہے" (۱)۔

ہر زمانے کے ہر سماج میں کچھ نہ کچھ اخلاقی اصول ضرور مروج رہے ہیں۔ متمدن سماجوں سے لے کر تہذیب و تمدن کے ابتدائی درجے پر زندگی بسر کرنے والے غیر شائستہ، جاہل اور غیر متمدن سماج کے افراد بھی کچھ نہ کچھ اخلاقی اصولوں پر ضرور عمل پیرا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سماج اور اخلاق میں گہرے بندھن ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے علاحدہ کر کے منظم زندگی گزارنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا سماج کسی جگہ بھی مستحسن نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا جس کے افراد

(۱) ص ۳۵ - Fairchild "Element of Sociology".

تعلیم یافتہ، محنتی، پیدائش دولت کے نت نئے طریقوں سے واقف، مادی اعتبار سے خوش حال تو ہوں مگر انتہائی مفاد پرست، خود غرض، بے مروت، نفاق کا شکار، کم ہمت اور جھوٹی نمائش کے دلدادہ ہوں ۔ مختصر یہ کہ جس سماج کا اخلاق معیار گر جاتا ہے وہ کبھی زیادہ دنوں تک اقبال مندی اور خوش حالی کے راستے پر نہیں چل سکتا ۔ اس کے بر خلاف جب سماج کے ارکان اخلاقی قدروں کی پابندی کرتے ہیں تو وہاں غیر سماجی عناصر پیدا ہونے نہیں پاتے ۔

حالی کے سماجی تخیل کا نمایاں ترین پہلو اخلاقی تعلیم ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنے اساسی اور حیوانی جذبات پر قابو پا کر ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنائے جو خود اس کے اور سماج کے لئے خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں ۔ بوگارڈس کہتا ہے :

" اخلاق انسانیت کی طرف لے جاتا ہے جس کا مسلک ملیوریت (Meliorism) ہے ۔ ملیوریت سماج کو پہچاننا چاہتی ہے تاکہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مسرتیں حاصل ہوں " ۔ (۱)

بوگارڈس نے موجودہ زمانے میں اخلاقیات کے اس نئے تصور پر بھی روشنی ڈالی ہے :

" اخلاق کے معنے ان دنوں سماجی مسلک سے ہم آہنگی کے ہیں اور ہر وہ چیز اخلاقی تصور کی جاسکتی ہے جو ایک مسلکی نظام میں یا ایک اکمل سماج کے قیام میں مدد دے" ۔ (۲)

(۲)

اخلاق موضوعات میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے ۔ عام طور پر جب لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے اخلاق بہت اچھے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ شخص کی بات چیت اور برتاؤ میں شائستگی پائی جاتی ہے اور وہ آداب محفل سے واقف ہے ۔ لیکن یہ اخلاق کا بہت ہی محدود مفہوم ہے، بے شک ایک با اخلاق شخص کی گفتگو میں شیرینی اور دلچسپی نہ

---

(۱) صفحہ ۳۱۷ .Bogardus: "The Development of Social Thought"

(۲) صفحہ ۹۰۰ .Bogardus: "The Development of Social Thought"

سچی ملائمیت اور نرمی پائی جاتی ہے اور اس کے برتاؤ میں حفظ مراتب کا خیال بھی ہوتا ہے ، لیکن اگر یہ صفات وہ محض دکھاوے کے لئے اختیار کرتا ہے تو وہ کوئی زیادہ وقعت کا حامل نہیں ۔ بہت ممکن ہے کہ ایک بدظن اور بدکردار شخص لوگوں کو فریب دینے کے لئے اس قسم کے جھوٹے اور نمائشی اخلاق پر عمل کرے ۔ ہمیں روز مرہ ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو اس ظاہری اخلاق میں ماہر ہونے کے باوجود نہایت درجہ بد اخلاق ہوتے ہیں ۔ ایسے لوگ سماج کے لئے خطرہ ہیں ۔ عوام بہت جلد ان کے فریب میں آ جاتے ہیں ۔ البتہ وہ لوگ ان کی اصلیت اور حقیقت کو تاڑ جاتے ہیں جو کھرے اور کھوٹے ، اصلیت اور ظاہرداری میں فرق کر سکتے ہیں ۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اخلاق کے مفہوم کو زیادہ وسیع معنوں میں پیش نظر رکھیں ۔ سیرت و کردار کو اونچے معیار پر پہنچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عمدہ اخلاق کا اظہار انسان کے ہر کام سے ظاہر ہو ، خواہ اس کا تعلق سیاست سے ہو یا تجارت سے ، محنت مزدوری سے ہو یا سرکاری ملازمت سے ، گھریلو زندگی سے ہو یا دوست احباب کی محفل سے ۔ حقیقی اخلاق اور سچی تہذیب کی پہچان یہ ہے کہ جن لوگوں کی سیرت میں اخلاق کے اصولوں کا نمایاں دخل ہوتا ہے وہ محض ظاہری شائستگی اور آداب محفل ہی کا خیال نہیں کرتے بلکہ ان کا خلق ہر ایک سے ہمدردانہ برتاؤ میں ظاہر ہوتا ہے ، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب ، ان پڑھ ہوں یا عالم ، جوان ہوں یا بوڑھے ، مرد ہوں یا عورت ۔

نفسیات ، مذہب اور اخلاق کی تعلیم یہی ہے کہ انسان آزاد ہے ۔ اس کو اپنی بھلائی اور برائی کا اختیار ہے اور وہ خود اپنی قسمت بناتا اور بگاڑتا ہے ۔ انسان کی سیرت اخلاق کمال پر اسی وقت پہنچ سکتی ہے جب وہ اپنے اہم فرائض کو اپنی پسند اور اپنی سمجھ کے لحاظ سے انجام دے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ معاشرے کی نظر میں اچھا سمجھا جائے ۔

اخلاق کی تکمیل کے لئے کسی شخص کو اچھے کام محض اس لئے نہیں کرنے چاہئیں ، کہ سماج کے فرائض اور اخلاقی اصول اس کے موئید ہیں اور نہ برے کاموں سے صرف اس وجہ سے پرہیز کرنا چاہئے نہ انہیں سماج میں کوئی مقام حاصل نہیں ' بلکہ مکمل اخلاق کا یہ مقتضا ہے کہ جب انسان بالکل تنہا ہو یعنی سوائے اپنی ذات یا ضمیر کے کوئی اس کا نگراں نہ ہو اس

وقت بھی اس کے خیالات اور جذبات میں پاکیزگی پائی جائے اور وہ خیال میں بھی برے افعال کا مرتکب نہ ہو - وہ یہ محسوس کرے کہ ایمان داری ، راست بازی بردباری اور حلم نہ صرف اس لئے ضروری ہیں کہ ان کی وجہ سے معاشی کاروبار اچھی طرح چلتے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ وہ اپنی شخصیت کی تکمیل نہیں کر سکتا - ایسے ہی موقعوں پر جہاں انسانی قانون کی دسترس نہیں وہاں بھی اپنے آپ کو اعلیٰ ترین قانون کا پابند رکھنا چاہئے - مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمس (William James) کا خیال ہے کہ عمدہ عادتیں ایک سرمائے کی طرح ہیں ، جب ہم انہیں جمع کر لیتے ہیں تو ان کا سود عمر بھر ملتا رہتا ہے -

(۳)

مذہب اور فلسفے کی طرح اخلاق بھی ہمیشہ سے مشرق شاعروں کے لئے فکری اور تخیلی سر چشمہ رہا ہے - پھر حالی تو اپنی طبعیت اور فطرتی رجحان کے لحاظ سے بڑے اخلاق پرست تھے اسی لئے ان کی تحریروں سے اخلاق اور شرافت کے متعدد موضوعوں اور پہلوؤں پر روشنی ڈالنے والے خیالات مل سکتے ہیں - ان سے اتنا تو بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حالی کے اخلاقیاتی تصور میں کس قدر پھیلاؤ تھا - انہوں نے انسانی سیرت و کردار کی چھوٹی بڑی برائیوں اور کوتاہیوں یعنی غیبت (۱) تعصب (۲) نکتہ چینی (۳) اسراف (۴) غرور (۵) بات بات پر قسم کھانا (۶) دکھڑے بازی (۷) خودستائی (۸) رشک (۹) اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا (۱۰) خوشامد (۱۱)

۱- مسدس - بند ۲۱۵ - دیوان ص ۱۱۵
۲- مسدس - بند ۱۱۹ ؛ ۲۰۰ ، ۲۱۰
۳- دیوان - ص ۱۴ ، ۷۵ ، ۹۳ ۴- دیوان - ص ۷ ، ۲۰ ، ۱۲۱
۵- دیوان - ص ۱۱۱ ۶- کلیات نظم - ص ۱۳۸
۷- دیوان - ص ۹۳ ۸- مسدس - بند - ۲۲۵ - دیوان - ۲۹ ، ۳۹ ، ۶۸
۹- دیوان - ص ۳۴ ۱۰- دیوان - ص ۳۶
۱۱- دیوان - ص ۳۳

بے اعتدالی (۱) مکروریا (۲) تضیع اوقات (۳) نفاق (۴) تن آسانی (۵) حسد اور کبر (۶) کور باطنی (۷) فتنہ انگیزی (۸) جھوٹ اور مبالغہ (۹) غفلت (۱۰) کاہلی (۱۱) غرض (۱۲) دوستوں سے بے جا توقع (۱۳) عیش و عشرت (۱۴) بے پروائی اور بے غیرتی (۱۵) کم ہمتی (۱۶) جھوٹی نمائش (۱۷) بدگمانی (۱۸) اور حرص (۱۹) کی بجائے عفو پسندی (۲۰) جفا کشی (۲۱) آپ اپنی مدد (۲۲) آپ اپنی عزت (۲۳) کفایت شعاری (۲۴) اتفاق (۲۵) محبت (۲۶) بلند ہمتی (۲۷) متفقہ کوشش (۲۸) سیر و سیاحت (۲۹) علم و فن کا شوق (۳۰) صلح کل (۳۱) تدبیر (۳۲) ہمدردی (۳۳) اور

۱: دیوان - ص ۳۸　　۲: مسدس- بند ۱۴۲ - دیوان - ص - ۱۱۳
۳: مسدس - بند ۱۲۷　　۴: مسدس - بند ۲۱۲ - دیوان ص - ۱۸۳
۵: مسدس - بند ۱۵۲　　۶: مسدس - بند ۲۱۶
۷: مسدس - بند ۲۱۹
۸: مسدس - بند ۲۲۱　　۹: مسدس - بند ۲۲۴
۱۰: مسدس - بند ۲۷۵　　۱۱: مسدس - بند ۳۵، ۳۶۶
۱۲: دیوان - ص ۱۱۲　　۱۳: دیوان - ص ۱۱۱
۱۴: دیوان - ص ۱۱۴ - ۱۱۵
۱۵: دیوان - ص ۱۱۶　　۱۶: دیوان - ص ۱۱۶
۱۷: دیوان - ص ۱۱۸
۱۸: مسدس - بند ۱۱۹ - ۲۰۰، ۲۱۰　　۱۹: دیوان - ص ۳۵
۲۰: دیوان - ص ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۲
۲۱: دیوان - ص ۱۱۷ - مسدس - بند ۳۴۱، ۳۴۹، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲
۲۲: مسدس - بند ۴۱۲ - ۴۱۴، ۴۱۷ - ۴۱۹
۲۳: کلیات نظم - ص ۶۴　　۲۴: مسدس - بند ۶۱
۲۵: مسدس - بند ۲۱۳　　۲۶: مسدس - بند ۱۳۷
۲۷: دیوان ص - ۱۱۶　　۲۸: مسدس - بند ۵۱، ۴۴۹
۲۹: مسدس - بند ۸۷　　۳۰: مسدس - بند ۴۳، ۸۹
۳۱: مسدس - بند ۱۱۰　　۳۲: مقالات پہلا حصہ - ص ۸۹ - ۱۱۴
۳۳: مسدس - بند ۱۷۴، ۱۷۵ - مقالات - دوسرا حصہ - ص ۱ - ۱۰

احسان بے منت (۱)، وغیرہ جیسے جذبوں کو اجاگر کرنے کی تعلیم دیتے ہیں
مسدس حالی ان خیالوں سے بھری ہوئی ہے، سنجیدگی اور شرافت کی حد
میں رہ کر مولانا نے اس طویل نظم میں جس طرح لوگوں کی کوتاہیاں او
کمزوریاں بے نقاب کی ہیں اس کے متعلق جیمس لائل (James Lyall)
یہ خیال بالکل ٹھیک ہے:

"Never have the vices and shortcomings of a people been lashed by one of themselves with more vigorous denunciation, or with more earnestness of moral purpose". (۲)

واقعہ یہ ہے کہ جس بلند اخلاق مقصد کو پیش نظر رکھ کر مولانا نے
اپنی قوم و ملت کو غیرت دلائی ہے اور غیرت، حمیت، شرم اور ڈانٹ کے
جو ترغیبی اور تحریصی ذریعے اختیار کئے ہیں وہ آپ اپنی نظیر ہیں
وہ ہمیں اہل مغرب کی مثال دے کر وقت کی قدر دانی سکھانا چاہتے ہیں۔ (۳)
صداقت اور صفائی سے سینوں کو منور کر کے محبت کا سبق دیتے ہیں۔ (۴)
آرام دوستی اور عیش پسندی کی مذمت کر کے جان توڑ محنت کی عظمت او
اہمیت بیان کرتے ہیں۔ بھیک اور فقیری، خود فریبی اور تاویل بازی ک
مخالفت کر کے آپ اپنی مدد کی تعلیم دیتے اور ہنرمندی کا افادی پہلو اجاگ
کرتے ہیں۔ (۵) کاہلی اور تنگ نظری، تعصب اور کینہ پروری کی برائ
پیش کر کے علم و فن اور سیر و سیاحت کا شوق اجاگر کرنا چاہتے ہیں
تاکہ ہم میں وسعت نظر پیدا ہو اور ہم دوسرے ملکوں کی حالت دیکھ کر اپنی
کیفیت کا صحیح اندازہ لگا سکیں (۶)۔ نا اُمیدی اور پست ہمتی کی مذمت
کر کے جوانمرد اور باہمت بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔ نا اتفاقی اور پھوٹ کے

۱: دیوان ۔ ص ۔ ۱۱۲
۲: ان سائی کلو پی ڈیا آف برٹینیکا ۔ جلد ۱۳ ۔ ص ۹۱۴
۳: مسدس ۔ بند ۔ ۳۱ ۔ ۱۲۷ ۔ ۱۳۳ ۔ "مجالس النسا" پہلا حصہ ۔ ص ۸
۴: مسدس ۔ بند ۔ ۴۴ ۔ ۴۵ ۔ ۵۱
۵: مسدس ۔ بند ۔ ۱۹۵، ۲۰۱ ۔ ۲۰۲، ۲۵۶ ۔ ۲۶۲، ۴۱۲ ۔ ۴۱۳
۶: مسدس ۔ بند ۔ ۴۳، ۴۶، ۷۴، ۷۸، ۸۸، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۱۰

نقصانات بیان کر کے اتفاق اور اتحاد کی برکتیں پیش کرتے ہیں - (۱) وہ مخفی صلاحیتوں کا احساس دلا کر انہیں آگے بڑھنے کی طرف راغب کرتے ہیں (۲) - غرض مولانا کی نگاہ دور رس، گہری اور وسیع تھی ' اس لئے انہوں نے انسانی فطرت اور سیرت و کردار سے متعلق بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں -

(۸)

حضرت مسیح کی زندگی کا ایک واقعہ ہے کہ جب وہ یروشلم کے رومی گورنر پائلٹ (Pilate) کے سامنے پیش کئے گئے اور انہوں نے کہا کہ صداقت کا ہر حامی میری بات مانتا ہے تو پائلٹ نے پوچھا: ''سچ کیا ہے؟'' لیکن جواب کا انتظار کیے بغیر چلتا بنا (۳) -

یوں تو دنیا جہاں میں کروڑوں کتابیں ہیں، رودادیں ہیں، شہادتیں ہیں، آپ بیتیاں اور سوانح عمریاں ہیں، تاریخیں ہیں، علمی تحقیقات کے دفتر ہیں، سرکاری رپورٹیں ہیں، عالموں کے بیانات ہیں، منصفوں کے فیصلے ہیں، پنچایت سے لے کر عدالت العالیہ تک ہر منزل اور ہر درجے پر مختلف معیار کے تحقیق شدہ واقعات ہیں، پھر بھی کسی کے متعلق صد فی صد اصلیت یا مکمل حقیقت بیان کرنا ممکن نہیں - ظاہری طور پر بد ترین مجرم نظر آنے والا بے قصور ہو سکتا ہے - باغی، وفادار اور دکھاوے کا وفادار پکا مفسد اور سازشی ہو سکتا ہے - غرض ظاہر و باطن میں تضادی اور معکوس خصوصیتوں کا یکجا ہونا بہت عام ہے - اگر اکبر نے کہا تھا :

'' گفتنی درج گزٹ، باقی جو ہے نا گفتنی ''

تو نپولین نے! "What is history? But a Fable agreed upon"
(تاریخ کیا ہے؟ وہ تو ایک افسانہ ہے جس پر اتفاق کر لیا گیا

۱: مجموعہ نظم - ص ۸٦ ' ۹۳

۲: مسدس - ہند ۳۹۵ ' ۳۹۷

3. Pilate saidth unto him:
"What is truth? "
And when he had said this, he went out again".
(St: Jhon 19 Chapter 18 verse 37)

ہو !) کہہ کر اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ اصلیت اور عام طور پر باور کی جانے والی بات ہرگز لازم و ملزوم نہیں اور ان میں تضاد پایا جانا عام ہے۔ حالی بھی اس حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں :

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے ' نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے (۱)

اکثر انسان ڈر اور مصلحت ، کپٹ اور نفرت ، کم استطاعتی اور بے لیاقتی کی وجہ سے نہ تو سچائی معلوم کر سکتے ہیں اور نہ مصلحت ، مروت اور دلجوئی کی وجہ سے بیان کر سکتے ہیں۔ بڑوں کا ادب ، چھوٹوں کا لحاظ ، احساس وفاداری ، غرض ، طمع ، لالچ ، مرعوبیت ایک دو نہیں سینکڑوں چھوٹی بڑی وجوہ ہمیں قلم اٹھانے نہیں دیتیں ، زبان کھولنے نہیں دیتیں اور ہم دم بخود رہ جاتے ہیں ، یا پھر دیدہ و دانستہ یا مصلحت آمیز اور خوشامدانہ بیان دے کر یا ان کی تاویلیں اور تشریحیں کر کے تاریخ کو مسخ کر دیتے ہیں۔ اس امر کو دوسرے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے مولانا نے کہا ہے انسان نہ صرف ریاکار ہوتا ہے بلکہ اپنے آپ کو مغالطوں میں ڈالنے کی کوشش بھی کرتا ہے :

جیسا نظر آتا ہوں ، نہ ایسا ہوں میں
اور جیسا سمجھتا ہوں ، نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے
بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں (۲)

جرمن مفکر کانٹ کا خیال ہے: " لوگ ایک دوسرے سے حذر کریں گے ' اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں "۔

۱: کلیات نظم حالی - صفحہ ۲۸
۲: کلیات نظم حالی - صفحہ ۱۰۷

بہر حال فرد کی اس حالت و کیفیت کے مد نظر مولانا انسان کی فطرت کی تضادیت کا اعتراف کرتے ہیں ۔ مولانا کی اخلاقی تعلیم کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ واعظ یا ناصح کی حیثیت سے نصیحت بازی نہیں کرتے بلکہ مختلف پیرایوں میں سیرت و کردار کے مختلف نمونے نظر کے سامنے پیش کر کے تقلید کے موقعے دیتے ہیں ۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ انسان نصیحت اور اصول یا ہدایت سے برائے نام یا بہت کم سیکھتا ہے ۔ حقیقی مثالوں یا جیتی جاگتی تصویروں یا مثالی ہستیوں میں بہت زیادہ کشش اور جاذبیت ہوتی ہے اور یہی کردار آموزی کا بڑا ذریعہ ہیں ۔ مولانا حالی کی سیرت اور ان کا کلام دونوں اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ انہوں نے کردار سازی کے اس اصول کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ۔ خود اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ تھے اور ان کا کلام بھی اسی کا مظہر ہے ۔

(۵)

حالی کی اخلاقی سماجیات کا نمایاں ترین جز عفو پسندی کی تعلیم اور انتقام لینے کی قدرت کے باوجود در گزر کرنے کی صلاحیت ہے ۔ ان کا اخلاقی نصب العین نہ تو پرانی انجیل کے اس قدیم مقولے "An eye for an eye and a tooth for a tooth". سے مطابقت کرتا ہے اور نہ اس شاعر سے جو انتقام کو موثر سمجھتے ہوئے کہتا ہے ۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا ، جیسی کہے ' ویسی سنے

بلکہ اس سلسلے میں مولانا کے خیالات حضرت عیسیٰ کے عفو پسندانہ مسلک سے بالکل قریب ہیں ۔ ان کے نزدیک سیرت و کردار کی بلندی ، باہمتی اور اولوالعزمی کا راز انتقام لینے میں نہیں بلکہ در گزر کرنے کی صلاحیت میں مضمر ہے ۔ انہوں نے اخلاق کے اس بلند مسلک کی تعلیم اپنی ایک رباعی میں انتہائی دل پزیر انداز میں دی ہے :

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ " اے بار خدا !
مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا ؟ "

ارشاد ہوا : " بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ " (۱)

اخلاق کا یہی وہ سنہرا مسلک ہے جس کی ترقی یافتہ شکل ہم کو حضرت عیسیٰ کی پہاڑی والی تقریر ("Sermon on the Mount") میں ملتی ہے جس میں انہوں نے "آنکھ کا بدلہ آنکھ اور دانت کا بدلہ دانت" سے لینے کی بجائے شرافت اور بردباری سے کام لے کر لوگوں کو رام کرنے کا یہ اصول بتایا ہے کہ جو کوئی بھی تمہارے سیدھے گال پر تھپڑ مارے اسے اپنا دوسرا گال بھی پیش کر دو ۔

مولانا حالی اپنی طبیعت کے مطابق اور افادیت کے نقطہ نظر سے بھی اس فلسفے کے سچے معتقد اور قائل تھے ۔ وہ قوت انتقام کے باوجود در گزر اور عفو پسندی کا گر اس لئے پیش کرتے ہیں کہ انتقام پسندی کی وجہ سے فتنہ و فساد تعداد اور نوعیت کے اعتبار سے اور بڑھتے ہیں ، جن سے اور نقصانوں کے منجملہ وقت ، سکون اور انسانی جانوں کا بڑا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے ۔ اس لئے مولانا کے نزدیک فتنہ اور فساد کا حل نہ تو بدلہ لینے میں مضمر ہے اور نہ کلام کی گرمی میں بلکہ معافی اور شیریں بیانی میں ہے ۔ اسی لئے وہ سمجھاتے ہیں ۔

فتنہ کو جہاں تلک ہو دبیجے تسکیں
زہر اگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں (۲)

عفو پسندی کے نظریے کو مولانا حالی نے ایک اور رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے جس سے ہمیں بالواسطہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ در گزر کرنے کے اصولوں اور عفو پسندی کو سچے دل سے بہترین سمجھتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں ۔

---

۱ : " کلیات نظم حالی " ۔ پہلی جلد ۔ صفحہ ۱۵۰ ۔
۲ : " کلیات نظم حالی " ۔ پہلی جلد ۔ صفحہ ۱۵۰ ۔

ہندو سے لڑیں ، نہ گبر سے بیر کریں
شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں کہ "ہے جہنم دنیا"
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں (۱)

گویا جہنمی دنیا کو بہشت میں تبدیل کرنے کا موثر ذریعہ بدوں سے نیکی کرنا ، عفو پسندی اور شیریں کلامی ہے ۔ کلیات میں اسی خیال کو مولانا نے بڑی خوبی سے نظم کیا ہے ۔

فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے
ہر اک شعلے کو آبِ بُردباری سے بجھاتا رہ (۲)

مولانا کے نزدیک یہی شیریں بیانی ، بردباری ، تحمل پسندی اور عفو پسندی اخلاق اور سیرت و کردار کا وہ بلند مسلک ہے جو لوگوں کے دلوں کو بالآخر موہ لیتا ہے ۔ اسی سلسلے میں مولانا نے آنحضرت صلعم کی شخصیت کے عفو پسندانہ پہلو کو بھی پیش کیا ہے تا کہ لوگ آپ کی نظیر پیش نظر رکھتے ہوئے انتقام پسندی سے باز رہیں ۔

وہ رسول ہاشمی ، وہ رحمۃ اللعالمیں
پیروی کا جس کی دم بھرتے ہو تم صبح و مسا
جانتے ہو قوم سے تھا اپنی کیا اس کا سلوک ؟
اُس طرف سے تھی جفا اور اس طرف سے تھی دعا
کون سی تکلیف تھی جو قوم نے اس کو نہ دی
پر کبھی چاہا نہ اس نے قوم کا اپنی برا
جب احد میں ہو گیا دندان پاک اس کا شہید
قوم کے حق میں نہ نکلا منہ سے کچھ اس کے سوا

۱: "کلیات نظم حالی" ۔ پہلی جلد ۔ ۔ ص ۱۴۳
۲: "کلیات نظم حالی" ۔ دوسری جلد ۔ ص ٦٣

کر ہدایت قوم کو یا رب کہ ہیں معذور یہ
ان کی عقلوں پر ہے پردہ جہل و غفلت کا پڑا
قوم کے حملے رہے جب تک کہ اس کی ذات پر
خندہ پیشانی سے سب ان کے سہے جور و جفا(۱)

بعینہ یہی خیالات حضرت عیسیٰ نے اس وقت ظاہر کئے تھے ج
آپ کو صلیب پر چڑھانے کے بعد ان کے مخالف آپ کی عبا وغیرہ کی تقسیم
جھگڑتے ہوئے آپ پر تمسخر بھی کر رہے تھے ۔ '' خدایا ، تو انہیں معا
کر ، یہ جانتے نہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں ۔ ''

اس سلسلے میں مولانا کی وہ نظم نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو انھو
نے '' جوانمردی کا کام '' ، کے عنوان سے لکھی ہے ۔ اس طویل نظم میں ،
عفو پسندی کی تعلیم ایک حکایت کے ذریعے دیتے ہیں اور بالآخر اس نتیج
پر پہنچتے ہیں کہ سب سے بڑا جوانمرد وہ ہے جو اپنے دشمن کی مصیبت م
مدد کرتا ہے اور اسے خجالت یا بار احسان سے بچانے کے لئے اپنی شخصیہ
چھپاتا ہے ۔ (۲) یہی اخلاق سدھار کا وہ مشہور و معروف تریاق ہے جس
کنگ فتسو سے لے کر لن یوٹانگ تک ، عیسیٰ سے لے کر رومین رولاں تک
سب بڑے بڑے گیانی اور نیتا ، فلسفی اور مفکر سراہتے رہے ہیں ۔ وہ تریا
کیا ہے ؟ محبت کا امر سبق ، پریم کا لافانی گیت جس کے اثر سے ۔

بنتے ہیں غیر اپنے ، ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں (۳)

(۶)

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ جو کچھ بھی وہ دوسروں کے سا
تھوڑی بہت نیکی یا احسان کرتا ہے وہ صد فی صد بے لوثی پر مبنی نہ
ہوتا ۔ وہ یا تو اپنی کسی نہ کسی غرض کے تحت ایسا کرتا ہے یا پھر خودنما

۱: '' جواہرات حالی '' ۔ ص ۸۰

۲: '' مجموعہ نظم حالی '' ۔ ص ۱۰۳ - ۱۰۷

۳: '' کلیات نظم حالی '' ۔ پہلی جلد ۔ ص ۱۰۵

اور تحسین و آفریں کی خواہش پر ۔ یہ نفسیاتی نکتہ مولانا نے "مجالس النسا" میں ایک دلچسپ حکایت کے طور پر پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں ۔

" ایک بھلے مانس کا لڑکا کہیں بیاہنے چڑھتا تھا ۔ اس نے دو چار گھڑی کو کسی اپنے دوست کا دوشالہ مانگ لیا ۔ جب بیٹی والوں کے ہاں جا کر برات اتری ایک آدمی نے پوچھا :

" کیوں صاحب ، دولہا کون سے ہیں ؟ "

جس سے دولہا نے دوشالہ مانگا تھا کہیں وہ بھی وہیں کھڑا تھا ' کہا :

" حضرت دولہا تو وہ بیٹھے ہیں ، پر دوشالہ مانگے کا ہے " ۔

دولہا بیچارہ یہ بات سن کر پانی پانی ہو گیا اور وہ دوشالہ اتار کر اس کے حوالے کیا ، اس نے کہا ۔

" بھئی ، اب کے تو مجھ سے قصور ہو گیا ۔ خیر اسے تو معاف کیجئے ، پر اب ایسا نہیں ہونے کا " ۔

اور وہ دوشالہ پھر دولہا ہی کو دے دیا ۔ تھوڑی دیر میں ایک اور شخص اس طرح پوچھتا ہوا چلا آیا اور اس نے کہا ۔

" صاحب ، دولہا یہ بیٹھے ہیں اور دوشالہ ان ہی کا ہے ! "

دولہا نے دوشالہ اتار کر پھینک دیا اور کہا ۔

" ایسے اوچھے کے احسان سے خدا بچائے " ۔

اس نے پھر منت سماجت کر کے دوشالہ دے دیا ۔ تھوڑی دیر میں ایک تیسرا اور پوچھتا چلا آیا ۔ اس نے جلدی سے دوڑ کر کہا ۔

" حضرت ، دولہا تو یہ ہیں اور دوشالے کا کچھ ذکر نہ ں ! "

آخر لاچار ہو کر دولہا نے اس کا دوشالہ اس کے حوالے کیا اور پھر تمام عمر کوئی چیز نہ مانگی ! (۱)

۱: " مجالس النسا " ۔ دوسری جلد ۔ ص ۴۰ ۔ ۵۵

ٹھیک کہا ہے کسی شاعر نے ۔

احسان لے اگر تو کسی باوقار کا
بیٹھے اگر تو سائے میں اونچے مکان کے

مولانا حالی بھی غرض کی تواضع اور غرض کی مدارا(۱) کے قائل نہ
وہ اس چیز کو جانتے ہوئے بھی کہ :

ہے نفس میں انساں کے جبلی یہ مرض
ہر سعی پہ ہوتا ہے طلب گار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے
دیکھا تو نہاں ان میں بھی تھی کوئی غرض(۲)

نیکی برائے نیکی کی تعلیم دیتے ہیں ، وہ بھی مطلق نیکی کی ۔ وہ چا
ہیں کہ انسان جو بھی کام کرے اس کے معاوضے پر نہ جائے بلکہ بے ا
طریقے پر کرے۔ اگر وہ کسی معاوضے کے تحت احسان کرنا چاہتا ہے تو
سے بہتر ہے کہ وہ احسان ہی نہ کرے ۔ یہی نہیں کہ وہ صرف مطلق
کے قائل ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ نیکی سے مستفید ہونے والوں پر نیک
بوجھ بار احسان کے روپ میں باقی نہ رہ جائے، اس لئے وہ نیکی خاص افراد
محدود رکھنے کی بجائے نیکی کی توسیع اور تعمیم کا پرچار کرتے ہیں ت
احسان مند افراد بار ممنونیت سے مبرا ہو جائیں ۔ ان سب باتوں کو بیان ک
ہوئے مولانا لکھتے ہیں :

احساں کے ہے گر صلہ کی خواہش تم کو
تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احسان نہ کرو
کرتے ہو اگر احسان تو کر دو اسے عام
اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو (۳)

۱: "مسدس حالی" ۔ بند نمبر ۱۲۲
۲: "دیوان حالی" ۔ ص ۱۲۱
۳: "کلیات نظم حالی" ۔ ص ۱۵٦

جس خوب صورتی سے مولانا حالی نے اخلاقیات کے ایک اچھوتے نکتے کو کامل وضاحت کے ساتھ چار مصرعوں کی محدود گنجایش میں بیان کیا ہے وہ بہ یک وقت ان کے قادر الکلام اور مفکر اخلاقیات ہونے کا ثبوت ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ احسان کی تعمیم و توسیع کی جو وجہ مولانا نے پیش کی ہے وہ خود محسن کے احسانوں کی اہمیت و وقعت بڑھاتی اور ذہن رسا کو اعلیٰ ترین اخلاق کے مدارج تک پہنچاتی ہے۔

(۷)

ایک پرانی ضرب المثل ہے۔ " خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں "۔ مولانا حالی بھی اسی خیال کے حامی ہیں کہ انسان اپنے بل بوتے پر کام کرے اور جہاں تک ہو سکے خود ہی اپنے درد کا درماں بنے۔ اگر انسان خود سے کوئی کام کرے اور نراسیوں کی پروانہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جائے تو وہ خود مشکلوں پر غالب آسکتا ہے۔ مسدس کا یہ بند مولانا کے انہیں خیالوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

تمہیں اپنی مشکل کو آساں کروگے
تمہیں درد کا اپنے درماں کروگے
تمہیں اپنی منزل کا ساماں کروگے
کروگے تمہیں کچھ اگر یاں کروگے
چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے (۱)

اپنی ایک رباعی میں مولانا اپنی مدد آپ کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں۔

اترو دریا سے اپنے بل تیر کے پار
کب تک تیروگے ہو کے تونبوں پہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو ساماں
اوروں کا سہارا تکنے والو ہشیار (۲)

۱: مسدس حالی - بند - ۱۹۴
۲: کلیات نظم - پہلی جلد - ص ۱۶۶

مولانا لوگوں کے دلوں میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ سراسر دوسروں کی عنایتوں ، مہربانیوں اور امداد کا سہارا تلاش کرنے بجائے ہمت سے کام لے کر آپ اپنی مدد کی تعلیم دیتے ہیں اور سمجھاتے ہیں ۔

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے
جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو خود آپ ہانکو (۱)

مولانا اس حد تک کہہ کر عبرت دلانا چاہتے ہیں :

بہت خوان بے اشتہا تم نے کھائے
بہت بوجھ بندھ بندھ کے تم نے اٹھائے
بہت آس پر ساز کی راگ گائے
بہت عارضی تم نے جلوے دکھائے
بس اب اپنی گردن پہ رکھو جوا تم
کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم (۲)

(۸)

دنیا کے ہر باشعور اور سمجھ دار فرد نے آرام طلبی اور تن آسانی کی مخالفت کر کے محنت پسندی کی تعلیم دی ہے ۔ مولانا حالی بھی سماج سے تعطل اور جمود کو ختم کرنے کے لئے ایک خارکش کی دل پذیر مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ انسان اسی وقت حقیقی معنوں میں رزق کھانے کا مستحق

۱: مسدس حالی ۔ بند ۲۱۷ ۲: مسدس حالی ۔ بند ۲۱۸

ہو سکتا ہے جب وہ اپنے زور بازو کی کمائی سے پیٹ بھرے، اگر شاعر مشرق ، اقبال نے کہا تھا :

اے طائر لا ہوتی ، اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

تو مولانا حالی بھی ' مسدس ' میں یہ کہتے ہیں :

یہ اک خار کش صبر و ہمت میں کامل
یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اٹھانا ہے مشکل
وہی ہیں کچھ اے دل اٹھانے کے قابل
حلال آدمی کو ہے کھانا ، نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا (۱)

ہماری زبان کی ایک کہاوت ہے ' بے کاری سے بیکار بھلی ' جرمن مفکر نیتشے (Nietzsche) تو بیکاری اور تعطل کا اس قدر مخالف تھا کہ وہ اس کی مذمت میں یہاں تک کہتا ہے۔''اگر دعا نہیں دے سکتے ہو تو بد دعا دو'' (۲) اور دوسری جگہ کہتا ہے '' بد نما رقص لنگ سے بہتر ہے '' (۳)

اگر ان خیالوں کے پس منظر میں ہم '' مسدس '' کے ان بندوں کو پڑھیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کن مختلف طریقوں سے کاہلی کی مذمت کر کے محنت پسندی کی تعلیم دیتے ہیں :

مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہے بہتر
کہ ہے اہل ہمت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسر
تو پہنچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر

۱: مسدس حالی - بند ۲۰۴

۲: "Wenn man nicht segnen kann, soll man fluchen lernen"

۳: "Besser plump tanzen als lahm gehen."

یہ تکلیف و راحت ہیں سب اتفاق
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باق
ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے
لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے
مثل ہے کہ "کرنے کی سب بدیا ہے"
یوں ہی وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھووں سے ہیں زک اٹھاتے
یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری
جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری
یہی ہے کلید در فضل باری
اسی پر ہے موقوف عزت تمہاری
اسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب
اسی پر ہیں مغرور میں اور تو سب
گلستاں میں جوبن گل و یاسمن کا
سماں زلف سنبل کی تاب و شکن کا
قد دلربا سرو اور ناردن کا
رخ جاں فزا لالہ و نسترن کا
غریبوں کی محنت کا ہے رنگ و بو سب
کمیروں کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب
ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو
جہاں عطر حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو
نہ حق پھیلتا ربع مسکوں میں ہر سو

حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

" مقالات " میں بھی مولانا نے کہا ہے :

"سچ تو یہ ہے کہ باغ دنیا کی پود کبھی سرسبز نہ ہوتی اگر شہیدوں کے خون سے اس میں آب پاشی نہ کی جاتی " ۔ (۱)

یہ حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی اور سائنس کی متعدد ایجادوں کو منظر عام پر لانے اور ہر قسم کی جد و جہد میں محنت پسندی اور قربانی کا نمایاں حصہ ہے ، اس لئے کار لائل نے کہا ہے :

" Genius is 90% of perspiration
and 10% of inspiration. "

اصل چیز محنت اور استقلال سے کام کو آگے بڑھانے کی صلاحیت ہے ۔ انسان چاہے کتنا ہی ذہین ہو جب تک وہ مسلسل کوشش نہ کرتا رہے اس وقت تک کامیابی نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے ۔ اس لئے مولانا حالی "حیات جاوید " میں لکھتے ہیں :

" محنت سے ایسے بڑے بڑے کام ظہور میں آئے ہیں کہ بعض حکما کو شبہ ہو گیا ہے کہ آیا ذہانت بغیر محنت کے فی نفسہ کوئی چیز ہے یا نہیں " ۔ (۲)

مولانا حالی کی اخلاقی سماجیات کا یہ روشن پہلو ہے کہ وہ کاہلی اور تن آسانی کے دشمن ہیں ۔ وہ اس اساسی نکتے پر بار بار زور دیتے ہیں کہ دنیا کی ترقی اور دین کی کامیابی کا دار و مدار محنت پر ہے ۔ (۳) اسی لئے وہ ان لوگوں کو بھی کام کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں ۔ انہیں نراس ہونے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چل پڑنا بیٹھے اور

۱: مقالات حالی ۔ جلد اول ۔ ص ۔ ۱۳٦

۲: حیات جاوید ۔ دوسری جلد ۔ ص ۳۰۸

۳: مقالات حالی ۔ پہلی جلد ۔ ص ۸۹ ، ۹۱

رهنے اور ہار مان لینے سے بہتر ہے۔ ان کے نزدیک عزت، فضیلت اور
کا راز محنت پسندی میں مضمر ہے۔

جفاکش بنو کر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا ہے بھید ذلت میں پنہاں

مشقت کی ذلت جنہوں نے آٹھائی
جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
فضیلت، نہ عزت، نہ فرماں روائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں(۱)

غرض حالی کی اخلاقی سماجیات ہر جہتی سدھار کی حامل ہے، ج
ہر چار وہ اپنی متعدد نظموں، قطعوں اور رباعیوں میں کرتے ہیں۔ :
نے سماج سدھار اور اخلاق سدھار سے متعلق بیسیوں مختلف اور متضاد موض
پر ان کی نوعیت کی مناسبت سے یکساں قابلیت اور ژرف نگاہی سے تبصرہ کیا
ان میں انہوں نے نہ صرف بھلائی اور خوشحالی بلکہ شرافت اور انسانیت
متعلق اچھے اور سچے خیالوں کو پیش کیا ہے۔ ان خیالوں کو دل و
میں اتارنے کے لئے شاعرانہ تشبیہوں سے کام لیا گیا ہے اور ایسی تم
استعمال کی گئی ہیں جو نئی، اخلاق سے ہم آہنگ اور معنی خیز ہیں۔

۱: مسدس حالی - بند نمبر ۳۸۹ - ۳۹۰

ہومر اور رزمیہ شاعری

ڈاکٹر احسن فاروقی

ہومر Homer کو دنیا کا پہلا شاعر مانا جاتا ہے اور اس کے نام سے جو دو طویل نظمیں الیڈ Iliad اور اوڈیسے Odyssey منسوب ہیں انہیں دنیا کی اولین نظمیں کہا جاتا ہے۔ ان نظموں کے مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پس منظر میں شاعری کی اہم روایات ضرور ہوں گی مگر ان روایات کی بابت ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ یہ امر بھی بحث طلب ہے کہ آیا یہ نظمیں ایک ہی شخص کی تصنیف ہیں اور وہ شخص ہومر تھا یا کوئی اور۔ ہومر خود بھی اپنے حالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ بہر حال یہ دو نظمیں ہمارے سامنے ہیں جن کا دنیا کی ہر اہم زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ ایپک شاعری کی بہترین مثال ہیں اور یورپ کے ادب کی ابتدا انہیں سے ہوتی ہے۔

(۱)

پہلی نظم الیڈ Iliad ٹرائے Troy کے قصے پر مبنی ہے۔ یہ پورا قصہ یہاں بیان نہیں ہوتا بلکہ ہیلن Helen کو واپس لینے کی کوشش میں جو عظیم جنگ یونان اور ٹرائے کے درمیان دس برس تک ہوئی اس کے صرف دسویں سال کے حالات اس نظم میں ہیں۔ اس جنگ میں یونان کا سب سے اہم ہیرو اکیلیز Achilles ثابت ہوا تھا اور ''الیڈ'' اکیلیز کے جلال کا عالم اور اس کے اعمال کے نتائج سامنے لاتی ہے۔ یہ نظم چوبیس حصوں پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں۔

(۱) نظم دعا سے شروع ہوتی ہے جس میں ہومر اکیلیز کے جلال کو کامیابی سے بیان کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ آگے بڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یونانی فوج کے سپہ سالار آگامنن Agamemnon نے اپولو Apollo دیوتا کے پجاری کرائسس Chryseis کی لڑکی کو بہ عوض رقم واپس کرنے سے

انکار کیا - پجاری نے دیوتا سے فریاد کی اور دیوتا نے یونانیوں کو بیماری میں مبتلا کر دیا - اکیلیز کا غصہ اگامنن کی اسی حرکت پر ہے۔ اکیلیز تمام یونانی سرداروں کو جمع کرتا ہے اور بحث کے بعد یہ طے پاتا ہے کہ لڑکی کو واپس کر دیا جائے اور اپولو کی نذر دلائی جائے۔ اگامنن راضی ہو جاتا ہے مگر معاوضہ مانگتا ہے ، اکیلیز کی سخت تقاریر سے ناراض ہوکر اگامنن اس کی محبوبہ کو قبضے میں کر لیتا ہے۔ اکیلیز یونانی فوج سے مستعفی ہو جاتا ہے اور اپنی آسمانی ماں تھیٹس Thetis سے فریاد کرتا ہے جو زیس Zeus دیوتا کو انتقام لینے پر راضی کر لیتی ہے -

(٢) زیس اگامنن کو نقصان پہنچانے کے لئے اسے ایک خواب دکھاتا ہے جس میں فوراً ہی ٹرائے پر فتح یاب ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے - اگامنن اسی خواب کا ذکر خاص لوگوں سے کرتا ہے اور اپنی فوج کی فرماں برداری کا امتحان لینے کے لئے واپسی کا اعلان کرتا ہے۔ فوج فوراً واپسی کے لئے تیار ہونے لگتی ہے - اس وقت اوڈسیس Odysseus جو اتھینا Athena دیوی کی مدد سے آگے آتا ہے فوج پر قابو پا لیتا ہے اور پھر اگامنن نسٹر Nestor کی مدد سے ان کو حملہ کرنے کے لئے تیار کر لیتا ہے۔ اب ایک طرف یونانی فوج کی اور دوسری طرف ٹرائے کی فوج کی فہرست پیش ہوتی ہے جس سے اس زمانے کے سیاسی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

(٣) دونوں فوجیں جنگ کے لئے بڑھتی ہیں۔ مگر ٹرائے کے سردار ہکٹر Hector اور پیرس Paris جنگ کو روک کر یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ پیرس اور مینیلاس Menelaus اکیلے اکیلے لڑیں - اگر پیرس جیت جائے تو ہیلن اس کے پاس رہے اور یونانی فوج واپس جائے۔ اگر مینیلاس جیتے تو ہیلن اور اس کا سب سامان واپس کر دیا جائے اور صلح ہو جائے - اس وقت پریم Priam شہر کی فصیل پر آتا ہے جہاں ہیلن پہلے ہی سے موجود ہے . وہ اسے تمام یونانی سرداروں کی طرف اشارے کر کے ان کے حالات بتاتی ہے - پریم فوج کے درمیان آتا ہے اور دونوں فوجوں سے معاہدے پر قائم رہنے کی قسم لیتا ہے - پیرس اور مینیلاس لڑتے ہیں اور پیرس ہار جاتا ہے ، مگر افرو ڈائٹ Aphrodite دیوی اسے بچا لیتی ہے اور ٹرائے واپس لے جاتی ہے -

(۴) آسمان پر دیوتاؤں میں مشورہ ہوتا ہے اور ہیرا Hera کی ٹرائے سے مخالفت کی بنا پر یہ طے ہوتا ہے کہ صلح کا معاہدہ توڑ دیا جائے اتھینا بھیس بدل کر پنڈاروس Pandarus کے پاس آتی ہے اور اسے مینیلاس پر تیر چلانے کی ترغیب دیتی ہے - تیر مینیلاس کے لگتا ہے جو زخمی ہوجاتا ہے - اس وقت اگامنن اپنی محبت جتانے کے لئے پریشانی کا اظہار کرتا ہے - اگامنن بڑی تیزی سے اپنی فوج کا جائزہ لیتا ہے اور پھر تقریر کرتا ہے جس سے ڈیومیڈ Diomede پر برا اثر پڑتا ہے مگر بہر حال سخت جنگ شروع ہو جاتی ہے -

(۵ - ٦) ڈیومیڈ اتھینا کی مدد سے اپنے جوہر دکھاتا ہے - وہ افرو ڈائٹ کی کلائی کو زخمی کر دیتا ہے جب کہ وہ اپنے لڑکے آئیناس Aeneas کو بچانے کی کوشش کرتی ہے - وہ آریس Ares کو بھی گرا دیتا ہے جب وہ ٹرائے والوں کو جمع کرکے ان کی مدد کرتا ہے - اب ہکٹر ٹرائے کی طرف جاتا ہے تاکہ اپنی ماں ہکوبا Hecuba سے اتھینا کی مدد کے واسطے دعا کرائے - شہر پہنچ کر وہ اپنی ماں سے ملتا ہے - ہیلن سے بات چیت کرتا ہے - پیرس کو تیار ہو کر جنگ میں شامل ہونے کے لئے بلواتا ہے اور بیوی اندرومیچ Andromache اور اپنے لڑکے آستیانکس Astyanax سے ملتا ہے - اس درمیان میں ڈیومیڈ کا گلاؤکس Glaucus سے آمنا سامنا ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کو پہچان کر یہ طے کرتے ہیں کہ آپس میں نہ لڑیں گے -

(۷) اب ہکٹر اور پیرس میدان میں واپس آتے ہیں - ہکٹر اکیلا مبارز طلب ہوتا ہے - قرعہ سے اجاکس Ajax کا نام نکلتا ہے اور وہ ہکٹر سے لڑتا ہے مگر لڑائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا - دونوں ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں اور یہ طے ہوتا ہے کہ جنگ میں جو لوگ کام آگئے ہیں ان کی لاشیں دفن کی جائیں - ٹرائے والے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ہیلن کا مال و متاع واپس کر دیا جائے مگر اسے پیرس کے پاس رہنے دیا جائے ، یونانی اس کو نہیں مانتے - نسٹر کی ہدایت پر یونانی اپنی خیمہ گاہ کو محفوظ بنانے میں لگ جاتے ہیں -

(۸) زیوس دوسرے دیوتاؤں کو جنگ میں حصہ لینے سے منع کر دیتا ہے - وہ خود ٹرائے والوں کی طرف داری کرتا ہے اور ایک دن کی لڑائی کے بعد یونانی اپنی خیمہ گاہ میں واپس جاتے ہیں - ٹرائے والے کھلے میدان میں آرام کرتے ہیں -

(۹) اگا ممنن مخالف حالات سے متاثر ہو کر ایک کونسل بلاتا ہے۔ نسٹر کے مشورے پر اوڈسیس اور فوانکس Phoenix کو بیش بہا تحفو ساتھ اکیلیز کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ اکیلیز کو سمجھاتے ہیں مگر وہ طرح نہیں مانتا ۔ فوانکس اکیلیز کے ساتھ رہ جاتا ہے جو وطن واپس جا لئے تیار ہے۔

(۱۰) اگاممنن کی نیند اُڑ جاتی ہے اور وہ تمام سرداروں کو جمع ہے ۔ وہ سب میدان جنگ کا جائزہ لینے جاتے ہیں اور نسٹر یہ رائے دیتا ہے ٹرائے والوں کی طرف کوئی جاسوس بھیجا جائے تاکہ ان کی تیاریوں لگائے۔ ڈیومیڈ جانے کے لئے تیار ہوتا ہے اور اوڈسیس کو ساتھ لے جا التجا کرتا ہے۔ راستے میں وہ ٹرائے کے ایک جاسوس ڈولن Dolon کو لیتے ہیں جو یہ بتاتا ہے کہ تھریشیا Thracia کے لوگ اپنے بادشاہ رھیو Rhesos کے ماتحت آ کر ٹرائے والوں کے ساتھ شریک ہو گئے ، اندھیرے میں ان لوگوں پر حملہ کر کے یہ رھیسوس اور اس کے بارہ سا کو مار ڈالتے ہیں اور ان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی خیمہ گاہ کو آتے ہیں ۔

(۱۱) صبح کو یونانی فوج پھر بڑھتی ہے اور ٹرائے والوں سے ہوتی ہے ۔ اگا ممنن بہادری سے لڑتا ہے مگر زخمی ہو کر میدان سے چلا ہے ۔ ڈیومیڈ اور اوڈسیس بھی زخمی ہو جاتے ہیں اور پوری فوج خیمہ کو واپس آتی ہے - اکیلیز پیٹرو کلوس Patroclus کونسٹر کے پاس : ہے ۔ نسٹر اکیلیز کی سخت دلی کی شکایت کرتا ہے اور پیٹرو کلوس سے کرتا ہے کہ اگر اکیلیز خود نہیں آتا تو اپنے سپاهی بھیج دے اور اپنو پیٹرو کلوس کو پہنا دے تا کہ ٹرائے والوں کو معلوم ہو کہ اکیلیز جنگ میں شریک ہو گیا ۔ پیٹروکلوس واپس ہوتا ہے مگر راستے زخمی یورپیلوس Eurypylos سے ملتا ہے اور اس کی تیمارداری میں جاتا ہے ۔

(۱۲) ٹرائے والے اپنی فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے کرتے ہیں ۔ گھمسان کا رن پڑتا ہے ۔ آخر کار ہکٹر ایک پھاٹک توڑ دیہ اور فصیل پر قبضہ کر لیتا ہے۔

(۱۳) ساحل پر کھڑے ہوئے جہازوں پر شدید جنگ ہوتی ہے اور یونانیوں کی دفاع کی دوسری قطار میں پوسیائیڈن (Poseidon) انسانی صورت میں آتا ہے اور ان کو ترغیب دیتا رہتا ہے۔ یونانیوں میں آئڈومینس Idomenous امتیاز حاصل کرتا ہے اور اجاکس Ajax ہکٹر کو روکنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(۱۴) هیرا افروڈائٹ سے ایک تعویذ لے کر پہنتی ہے جس سے وہ حد سے زیادہ حسین ہوجاتی ہے اور زیس کی توجہ کو جو آئڈا Ida کی پہاڑی سے جنگ کو دیکھ رہا ہے، اپنی طرف لگا لیتی ہے۔ زیس اس کی گود میں سو جاتا ہے۔ پوسیائڈن اور شدت سے جنگ کرتا ہے اور ٹرائے والے خیمہ گاہ سے بھاگ نکلتے ہیں۔ ہکٹر کو اجاکس ایک پتھر مار کر بے ہوش کر دیتا ہے۔

(۱۵ - ۱٦ - ۱۷) زیس جاگتا ہے اور هیرا پر غصہ کرتا ہے۔ آئرس کو پوسیائڈن کے پاس جنگ روکنے کے لئے بھیجتا ہے اور اپولو کو حکم دیتا ہے کہ ہکٹر کو واپس کر دے۔ ٹرائے والے پھر حملہ کرتے ہیں اور یونانیوں کو دیوار کے پار بھگا کر جہازوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ پیٹروکلوس جنگ کی شدت سے متاثر ہو کر اکیلیز کے پاس جاتا ہے اور اس سے اس کی زرہ لے کر خود پہنتا ہے اور اس کے سپاہی ساتھ لاتا ہے۔ ٹرائے والے جو ایک جہاز کو آگ لگا چکے ہیں اب پیٹروکلوس کے حملے سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اکیلیز کی ہدایت کا خیال نہ کرتے ہوئے وہ ٹرائے والوں کا پیچھا کرتا ہوا شہر کی دیوار تک پہنچ جاتا ہے جہاں اپولو خود اس پر حملہ کرتا ہے اور اسے پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اپولو اسے گرا دیتا ہے اور اس کے ہتھیار چھین لیتا ہے۔ یوفوربوس Euphorbos اسے زخمی کر دیتا ہے اور ہکٹر اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ ہکٹر اس کی زرہ اتار کر خود پہن لیتا ہے۔ یونانی پیٹروکلوس کی لاش لے کر اپنی خیمہ گاہ کو واپس ہوتے ہیں۔

(۱۸) پیٹروکلوس کی موت کا حال سن کر اکیلیز غم سے پاگل ہو جاتا ہے۔ تھیٹس سمندر سے نکل کر اسے تسکین دینے آتی ہے اور اس سے نئے ہتھیار لادینے کا وعدہ کرتی ہے۔ هیرا آئرس Iris کو بھیجتی ہے جو اکیلیز کو جنگ میں حصہ لینے کے لئے روانہ کرتی ہے اور اس کے رجز سے ٹرائے والے ڈر جاتے ہیں۔ ہکٹر ضرورت سے زیادہ مطمئن ہے اور پولیڈیمس Polydamas کی ہدایت کے خلاف

اپنی فوج کو میدان ہی میں شب بسری کی اجازت دیتا ہے۔ تھیٹس اپنا وعدہ پورا کرتی ہے۔ اس کے بعد مصنف نے ہتھیار اور خاص طور سے ڈھال کی تیاری کا حال بیان کیا ہے۔

(۱۹) صبح کو اکیلیز تھیٹس کی اس پیشین گوئی کے باوجود کہ وہ ہکٹر کے بعد زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا، جنگ میں شامل ہونے کے لئے پریشان ہے۔ اوڈسیس اگامنن سے باقاعدہ صلح پر زور دیتا ہے اور تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ فوج کو ناشتہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگا ممنن لمبی تقریر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اٹی Ate کے اثر سے مغلوب تھا۔ پیٹرو کلوس کے جنازے پر عورتیں بین کرتی ہیں۔ اکیلیز کھانا کھانے سے انکار کرتا ہے تو تھیٹس اس کے سینے میں اتھینا کی ہدایت پر آب حیات بھر دیتی ہے۔ اور اس کا گھوڑا زینتھوس Xanthos اس کی موت کی پیشین گوئی کرتا ہے۔

(۲۰) زیس تمام دیوتاؤں کی کونسل بٹھاتا ہے اور سب کو اپنی مرضی کے مطابق جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ دیوتا زمین پر اترتے ہیں۔ اکیلیز حملہ کرتا ہے اور ٹرائے والے پسپا ہو جاتے ہیں۔ اپولو کی مدد سے آئنیاس Aeneas اکیلیز کا مقابلہ کرتا ہے مگر جب مارا جانے والا ہوتا ہے تو پوسائیڈن اسے ہٹا لے جاتا ہے کیونکہ قسمت میں یہ لکھا ہے کہ اس کی اولاد ٹرائے کی بادشاہت کرے گی۔ ہکٹر بھی کچھ دیر اکیلیز کا مقابلہ کرتا ہے اور اپولو اسے بھی بچا لیتا ہے۔ اکیلیز بہت سے اور سرداروں کو قتل کر دیتا ہے۔

(۲۱) ٹرائے والے بھاگ نکلتے ہیں۔ دریائے اسکیمنڈر Scamander ان کے راستے میں آتا ہے۔ یہ دریا اکیلیز سے التجا کرتا ہے کہ اس کے پانی کو لاشوں سے خراب نہ کرے، مگر اکیلیز نہیں مانتا۔ اس پر دریا بڑھنے لگتا ہے اور قریب ہے کہ اکیلیز ڈوب جائے مگر ہیرا کے حکم سے ہیفاسٹوس Hephaestus اپنی آگ سے پانی کی رو کو روکتا ہے۔ اب دیوتا آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔ پوسائڈن اور اپولو، ہرمیز Hermes اور لیٹو Leto آپس میں صلح کر لیتے ہیں۔ مگر اتھینا آئرس کو پتھر مارتی ہے اور بعد میں افرو ڈائٹ کو دھکیل دیتی ہے جو ائرس کو لئے جا رہی ہے۔ ہیرا آرٹیمس Artemis کی کمان چھین کر اسی سے اسے مارتی ہے۔ اپولو ہکٹر کو انٹی نور Antenor سے بچا کر خود ہکٹر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ باقی لوگ بھی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

(۲۲) اکیلیز کو کافی دور لے جا کر اپولو اپنے آپ کو اس پر ظاہر کرتا
اکیلیز ٹرائے کی طرف واپس آتا ہے اور ہکٹر کو دیوار کے باہر دیکھتا ہے جو
والدین کے بلانے پر بھی اندر نہیں داخل ہوتا کیونکہ وہ اپنی شکست پر
ندہ ہے ۔ اکیلیز کو دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ تیزی سے
ار کے چاروں طرف بھاگتا ہے ۔ اکیلیز اس کا پیچھا کرتا ہے ۔ اپولو اخری
ہکٹر کی مدد کرتا ہے تا کہ وہ اکیلیز سے جو تیز رفتاری کے لئے مشہور
تیز بھاگ سکے ۔ اب اتھینا ہکٹر کے بھائی کی صورت میں سامنے
ہے اور اسے روک کر مدد کا وعدہ کرتی ہے ۔ دونوں اپنے بھالے پھینک
ہیں مگر اتھینا اکیلیز کا بھالا اسے واپس کر دیتی ہے ۔ اب ہکٹر کو
وم ہوتا ہے کہ وہ اکیلا ہے اور اتھینا اس کے بھائی کی صورت میں آئی
، ۔ وہ اکیلیز پر حملہ کرتا ہے مگر زخمی ہو جاتا ہے اور مرتے وقت یہ
عا کرتا ہے کہ اس کی لاش کو واپس کر دیا جائے ۔ اکیلیز اس کی لاش
اپنے رتھ کے پہیئے سے باندھ لیتا ہے اور اسے گھسیٹتا ہوا خیمہ گاہ کی
ب واپس ہوتا ہے ۔ دیوار پر لوگ اسے دیکھ رہے ہیں ۔ ان میں ہکٹر کی
ی اندرومیچ بھی ہے جس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا شوہر دیوار کے
ر تھا ۔

(۲۳) رات کے وقت پیٹروکلوس کا بھوت اکیلیز کے پاس آتا ہے اور
یز و تکفین کی التجا کرتا ہے تا کہ وہ ہیڈس (Hades) میں داخل ہوسکے۔
رے دن اس کا جنازہ شان سے اٹھایا جاتا ہے ۔ بارہ فوجی قیدی اور بہت
گھوڑوں اور کتوں کی بھینٹ دی جاتی ہے ۔ اب زور آزمائی کے کھیل
تے ہیں جن میں رتھ کی دوڑ ، پیدل دوڑ ، تیر اندازی ، گھونسا بازی اور
تی شامل ہیں ۔ اکیلیز صدر ہوتا ہے اور انعامات دیتا ہے ۔ اگامنن
نسٹر سے خاص تکلف برتتا ہے ۔

(۲۴) ہکٹر کی نعش گیارہ دن تک پیٹروکلوس کی قبر پر سے صدقہ
جاتی ہے ۔ اب دیوتا دخل انداز ہوتے ہیں ۔ اپولو نعش کو سڑنے سے
تا ہے ۔ تھیٹس اکیلیز کے پاس بھیجی جاتی ہے تا کہ اسے لاش کی واپسی پر
ی کر لے اور آئرس ، پریم کے پاس جاتی ہے تا کہ وہ زر و جواہر لے کر
نی خیمہ گاہ کو جائے ۔ ہرمیز ایک جوان سپاہی کی صورت میں اسے راستہ
اتی ہے ۔ اکیلیز کے پاس وہ اس وقت پہنچتے ہیں جب وہ اطمینان کے عالم

میں ہے۔ وہ بوڑھے بادشاہ سے ہمدردی کا برتاؤ کرتا ہے اور ھکٹر کے جنازے کے حال پر اور اس کے ساتھ ماتم کے طویل بیان پر نظم ختم ہوتی ہے۔

نظم کے اس خلاصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصے کے خاص اجزاء ان حصوں سے مل کر بنے ہیں ۔ پہلا حصہ جس میں امر واقعہ کی تفصیل ہے ۔ نواں حصہ جس میں اکیلیز جو اب تک راہ راست پر تھا اپنے کو غلط راہ پر ڈال دیتا ہے اور ایک المیہ کشمکش پیدا کر دیتا ہے جس میں نہ کسی فریق کی تعریف کی جا سکتی ہے اور نہ برائی ۔ سولھواں حصہ جس میں اکیلیز کی ضد آخر میں اسے اپنی سزا کو پہنچاتی ہے ۔ بائیسواں حصہ جس میں قصے کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ باقی نظم کے مختلف حصے الگ الگ مقصد رکھتے ہیں ۔ جیسے کہ تیسرا حصہ قصے میں طوالت لا کر تجسس پیدا کرتا ہے ۔ کچھ حصے جیسے ھکٹر کا الیون Ilion جانا ، محض تنوع پیدا کر کے تفریح بہم پہنچاتے ہیں ۔ کچھ حصے جیسے کہ دسواں حصہ ایک فضا قائم کر کے اگامنن کی فوج کی پسپائیت کو ختم کرکے عزم وھمت کی لہر دوڑاتے ہیں یا کسی کردار کے ارتقائی مدارج دکھاتے ہیں ۔ تیئسواں حصہ یونانیوں کے اخلاق اور عادات کی کمال کے ساتھ ترجمانی کرتا ہے۔ چوبیسویں حصے میں اکیلیز کی فطرت کا وہ پہلو سامنے آتا ہے جو جنگ کے ھنگامے کی وجہ سے پس پشت پڑ گیا تھا ۔ غرض یورپ کے ادب کی یہ پہلی نظم نہ صرف ایک داستان بیان کرتی ہے بلکہ تعمیر کی وہ مثال قائم کرتی ہے جو اب تک بے مثل ہے۔

(۲)

" اوڈیسے " Odyssey ھومر کی دوسری نظم ہے جو پہلی نظم سے اس بناء پر تعلق رکھتی ہے کہ اس کا ھیرو اوڈسیس بھی ٹرائے کی جنگ کے اھم سرداروں میں سے تھا۔ اس نظم میں اس کی واپسی کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اوڈسیس کی مہمات کا طویل سلسلہ ایک نہایت دلچسپ داستان سامنے لاتا ہے۔ اس نظم کا موضوع یہ ہے کہ کس طرح ایک ھیرو طویل عرصے تک غائب رہنے کے بعد اس وقت گھر پہنچتا ہے جب کہ اس کی بیوی اس کی موت کا یقین کر کے کسی اور کے ساتھ شادی کر لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس نظم کے بھی چوبیس حصے ہیں ۔

(۱) یہ نظم دیوتاؤں کی مجلس سے شروع ہوتی ہے جس میں پوسیائڈن Poseidon شریک نہیں ہے۔ اتھینا Athena تجویز پیش کرتی ہے کہ اوڈسیس کو وطن واپس کیا جائے۔ زیس اس کی بات مان لیتا ہے۔ اتھینا اتھیکا Ithaca میں آتی ہے، ٹیلمیکس Telemachus کو ورغلاتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے عشاق کو نکال دے اور اپنے باپ کو دریافت کرنے نکلے - وہ اس کے سامنے اوڈسیس کے دوست منٹیز Mentes کی صورت میں آتی ہے ۔

(۲) اس کی ہدایت کے مطابق ٹیلمیکس ایک مجلس منعقد کرتا ہے اور عشاق سے چلے جانے کو کہتا ہے ۔ وہ انکار کرتے ہیں ۔ ٹیلمیکس اس نا معلوم دیوتا سے دعا کرتا ہے جو اس کے سامنے آیا تھا ۔ اتھینا پھر ظاہر ہوتی ہے ۔ اس مرتبہ وہ منٹر Mentor کی صورت آتی ہے۔ وہ ایک جہاز لے آتی ہے اور آدمی جمع کرتی ہے اور دونوں جزیرے سے چلے جاتے ہیں ۔

(۳) وہ نسٹر Nestor کے شہر پیلوس Pylos میں پہنچتے ہیں ۔ اتھینا چڑیا بن کر اڑ جاتی ہے ۔ نسٹر اس کے لئے دان دیتا ہے کیونکہ اسے خود اوڈسیس کی بابت کچھ نہیں معلوم ۔ وہ ٹیلمیکس کو ایک رتھ دے کر اور اپنے لڑکے پیائی سسٹروٹس Peisistratus کو ساتھ کر کے لیک ڈیمن Lacedaemon بھیجتا ہے ۔

(۴) یہاں پہنچ کر وہ مینیلاس سے ملتا ہے جو واپس ہونے والوں میں اب تک آخری فرد ہے۔ مینیلاس بتاتا ہے کہ جب وہ فاروس Pharos کے جزیرہ پر ہوا رک جانے کی وجہ سے ٹھیرا تھا تو اس نے سمندر کے دیوتا پروٹیس Proteus سے پوچھا تھا ۔ اس دیوتا نے بہت سی باتیں بتائیں جن میں آئیاس Aias کے غرق ہونے اور اس کے بھائی اگامنن کے قتل کا واقعہ بھی تھا۔ اوڈسیس کی بابت اس نے یہ بتایا کہ وہ مارا نہیں گیا بلکہ کیلپسو Calypso کی قید میں تھا جو اس سے شادی کرنا چاہتی تھی ۔ اس دوران میں عشاق ٹیلمیکس کو مار ڈالنے کی سازش کرتے ہیں ۔ اس کی ماں پینی لوپ Penelope کو خواب میں جو اتھینا کی طرف سے آیا تھا ، تسلی دی جاتی ہے۔

(۵) زیس ہرمیز کو کیلپسو کے پاس بھیجتا ہے تاکہ وہ اوڈسیس کو رہا کر دے۔ وہ اُسے ایک بڑی کشتی بنانے کے لئے سامان دیتی ہے جس میں وہ جزیرے سے چلا جاتا ہے۔ جب وہ زمین کے قریب پہنچتا ہے تو پوسیائڈن ایک

طوفان کے ذریعے کشتی کو تباہ کر دیتا ہے ۔ انولیو کولتھیا eukolthia
اسے اپنا نقاب دے دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ ڈوبنے سے بچ جاتا ہے ۔ تی
دن وہ ایک انجان زمین کے قریب پہنچتا ہے اور زمین پر آتا ہے ، وہ ننگا ۔
لئے پتوں سے بھرے ایک غار میں چلا جاتا ہے اور سو جاتا ہے ۔

(٦) جس ملک میں اوڈیسیس آ گیا ہے اس کی شہزادی
Nausicaa کے پاس اتھینا خواب میں آتی ہے اور اسے دریا کے دھانے پر
دھونے کی ہدایت کرتی ہے۔ اوڈیسیس جو قریب ہی سو رہا ہے ایک ملاز
چیخ پکار سے جاگ اٹھتا ہے ۔ وہ ایک پتوں دار ٹہنی کی لنگی باندھتا ہے
سامنے آتا ہے ۔ وہ اسے کھانا اور کپڑا دیتی ہے ، شہر کے کنارے تک
لے جاتی ہے اور اپنے والد کے محل کا پتہ بتاتی ہے اور وہاں کی تہذیب
بابت ہدایت کرتی ہے ۔

(٧) اتھینا اوڈیسیس کو نظروں سے غائب کر کے محل میں
دیتی ہے اور وہ چولھے کے پاس فقیر کی طرح بیٹھ جاتا ہے ۔ ملکہ
Arete اس کی تواضع کرتی ہے اور بادشاہ الکینوس Alcinous اسے
ایک تیز جہاز میں وطن روانہ کر دینے کی التجا قبول کرتا ہے ۔

(٨) الکینوس اپنے ملک کے امیروں کو دعوت دیتا ہے اور او
کے لئے کھیل منعقد کرتا ہے ۔ ان کھیلوں میں اوڈیسیس ایک ڈسکس کو
دور پھینک کر سب کو تعجب میں ڈال دیتا ہے ۔ اب سب مان لیتے ہیں
وہ کوئی بڑا سردار ہے اور اس کی عزت کرتے ہیں ۔ ایک ناچ دکھایا جاتا ہے
پھر سب کھانے پر جاتے ہیں ۔ ایک موسیقار ٹرائے کے حال کا گیت گاتا ہے
اوڈیسیس رونے لگتا ہے ۔ بادشاہ اس کا نام پوچھتا ہے ۔

(٩ - ١٢) اوڈیسیس اپنا سارا حال بیان کرتا ہے ۔ وہ ٹرائے سے
کر کیکونیس Cicones کے ملک پر حملہ آور ہوا مگر آسے مار بھگایا
پھر ایک طوفان نے اسے لوٹوس Lotos کے جزیرے میں پہنچایا ۔ بہادر
کے کچھ آدمی لوٹوس کا پھل کھا کر بالکل کاہل ہو گئے اور زبردستی
سے ہٹائے گئے ۔ پھر وہ ایک چھوٹے جزیرے پر سائیکلوپس yclops
سر زمین کے قریب پہنچا اور دوسری صبح کو اس سر زمین میں داخل ہوا
اور اس کے کچھ ساتھی پولی فیمس Polyphemus کے پھندے میں آ

جس نے ان کو غار میں قید کیا اور غار کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا ۔ اس نے اوڈ سیس کے دو ساتھیوں کو رات میں اور دو کو صبح کے وقت کھایا ۔ جب پولی فیمس بکریاں چرانے گیا ہوا تھا تو اوڈ سیس نے ایک نوکدار ڈنڈا بنایا اور رات میں جب پولی فیمس نشہ میں چور تھا تو اسکی آنکھ میں بھونک دیا ۔ وہ چلایا ۔ اس کے ہم قوم آئے اور پوچھا کیا معاملہ تھا ۔ پولی فیمس نے کہا کہ '' نہ کوئی '' (یہی اوڈ سیس نے اسے اپنا نام بتایا تھا) اس کو ستا رہا تھا ۔ وہ لوگ یہ سن کر چلے گئے اور صبح اوڈ سیس اور اس کے ساتھی بھیڑوں کے ساتھ غار سے نکل آئے ۔ اوڈ سیس نے اپنے جہاز سے پولی فیمس کا مذاق اڑایا جس نے اپنے باپ پوسیائڈن سے انعام کی درخواست کی ۔ اب اوڈ سیس ہوا کے دیوتا آئیولسAeolus کے جزیرے میں پہنچا جہاں اس کی آؤ بھگت ہوئی اور جہاں سے رخصت ہوتے وقت دیوتا نے اسے تمام ہوائیں ایک تھیلے میں بند کر کے دیں ۔ جب وہ اپنے ملک اتھیکا کے پاس پہنچا تو اس کے ملازمین نے تھیلے کو پھاڑ دیا اور ہوائیں اس کو آئیولوس واپس لے آئیں جہاں کے لوگوں نے اسے اترنے نہیں دیا ۔ پھر وہ مردم خور دیو لسٹری گونین Lestrygonian کے ملک میں پہنچا جہاں دیوؤں نے اس کے سب آدمیوں کو کھا لیا ، صرف وہ خود اور اس کے جہازی باقی بچے ۔ وہ آئی آئی Aiaie کے جزیرے پر پہنچا جہاں سرسی Circe دیوی رہتی تھی جس نے جادو سے اس کے جہازیوں کو سوروں میں تبدیل کر دیا ۔ اس کی ہرمیز سے ملاقات ہوئی جس نے اسے ایک بوٹی دی جس کے اثر سے اس کے جہازی سرسی کے جادو سے نکل آئے ۔ اس جزیرہ پر وہ سال بھر رہا اور پھر واپسی کی اجازت چاہی ۔ سرسی نے اسے ٹائیرسیاس Teiresias پیغمبر کی روح سے ملنے کے لئے ہیڈز Hades بھیجا ۔ وہ سمندر کی دھار کے نیچے والے حصہ پر چلا اور ہیڈز پہنچ گیا ۔ وہاں ٹائیرسیاس نے اسے بتایا کہ آگے اسے کیا مہمات سر کرنا پڑیں گی ۔ یہاں اس کی اپنے ماں باپ کی روحوں اور اپنے بہت سے مرے ہوئے دوستوں کی روحوں سے ملاقات ہوئی ۔ وہ آئی آئی واپس آ کر پھر وطن کی طرف چلا اور سرسی کی ہدایت کے موافق سارئنز Sirens کے جزیرے کے پاس سے گزرتے ہوئے (جو اپنے راگ سے گزرنے والوں کو مست کر دیتی تھی) اس نے اپنے ساتھیوں کے کان موم سے بند کر دئے اور خود کو جہاز کے مستول سے لٹکا لیا ۔ پھر وہ اس آبنائے سے نکلا جہاں ایک

طرف اسکیلا Scylla تھی جس نے اس کے چھ آدمی نگل لئے اور دوسری طرف کاربڈیز Charybdis کا بھنور تھا ۔ وہ تھری نا کیا Thrinacia کے جزیرے پر پہنچا جہاں سورج کے مویشی تھے ۔ یہاں وہ ناموافق ہوا کی وجہ سے ٹھہر گیا اور اس کے آدمیوں نے مویشیوں کو مار کر کھایا ۔ اس کی سزا میں جب وہ واپس ہوئے تو جہاز پر بجلی گری ۔ صرف اوڈسیس سلامت بچا اور اوگی گیا Ogygia جزیرے پر پہنچا جہاں کیلپسو نے اسے پہلے سات برس تک قید رکھا تھا ۔

(۱۳ - ۱۴) بادشاہ نے اوڈسیس کو قیمتی تحفے دئے اور اپنے ایک جہاز میں اتھیکا روانہ کر دیا ۔ اوڈسیس اپنے ملک پہنچا اور یہاں اتھینا ایک جوان کی صورت میں اس کے سامنے آئی جس نے اسے تمام حالات بتائے ۔ اتھینا نے اپنے آپ کو اس پر ظاہر کر دیا اور عشاق پر فتح پانے کی ترکیب بتائی ۔ اس نے اوڈسیس کو ایک بڈھے فقیر کی صورت میں تبدیل کردیا ۔ وہ ٹیلمیکس کو بلانے گئی اور اوڈسیس اپنے غلام یومائیوس Eumaeus کے گھر پہنچا جہاں اس نے اپنے حالات بیان کئے ۔

(۱۵ - ۱۶) اتھینا خواب میں ٹیلمیکس کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کسی اور راستے سے وطن واپس جائے کیونکہ عشاق اس کی گھات میں ہیں ۔ وہ راستے میں ایک عالم تھیوکلی مینوس Theoclymenus کو اپنے ساتھ لے لیتا ہے اور یومائیوس کے گھر پہنچ کر فقیر سے ملتا ہے ۔ جب دونوں اکیلے ہوتے ہیں تو اتھینا فقیر کو اوڈسیس میں تبدیل کر دیتی ہے ۔ باپ بیٹے ملتے ہیں اور عشاق کو زیر کرنے کی تدبیر سوچتے ہیں ۔ اوڈسیس فقیر کی صورت میں اپنے محل جا کر خود سب حالات کا مشاہدہ کرتا ہے ۔

(۱۷) ٹیلمیکس محل واپس آتا ہے اور تھیوکلی مینوس Theoclymenus پینی لوپ کو بتاتا ہے کہ اس کا شوہر بہت جلد واپس آنے والا ہے ۔ محل جاتے ہوئے اوڈسیس گڈریے میلانتھیوس Melanthius سے ملتا ہے جو اسے گالی دیتا ہے اور مارتا ہے ۔ محل پر پہنچتے ہی اس کا کتا اسے پہچان کر فوراً مر جاتا ہے ۔ وہ عشاق کے سامنے بھکاری بنتا ہے اور ان کے سردار انٹینوس Antinous سے متاثر ہوتا ہے ۔

(۱۸) عشاق اوڈسیس کو ایک اور فقیر آئرس Irus سے لڑواتے ہیں ۔ وہ اس فقیر کو بہت چپکے سے مارتا ہے اور اس کا جبڑہ توڑ دیتا ہے ۔ اٹروس ہال سے نکال دیا جاتا ہے اور اوڈسیس سے روا داری برتی جاتی ہے ۔ امفینومس Amphinomus اس سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے مگر اس کی باتوں کے پوشیدہ معنی نہیں سمجھتا ۔ پینی لوپ جس کو اتھینا نے حد سے زیادہ خوبصورت بنا دیا ہے ، ہال میں آتی ہے اور عشاق اس کو قیمتی تحفے دیتے ہیں ۔ اس کے جانے کے بعد یوری میکس Eurymachus اوڈسیس پر ایک اسٹول پھینک دیتا ہے مگر ٹیلمیکس اسے ڈانٹتا ہے ۔

(۱۹) عشاق کے چلے جانے پر اوڈسیس اور ٹیلمیکس ہال میں لٹکے ہوئے ہتھیار ہٹا دیتے ہیں ۔ پھر وہ پینی لوپ سے بات کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کا شوہر جلد واپس ہوگا ۔ وہ ایک قصہ سناتا ہے جس کا پینی لوپ پر بڑا اثر ہوتا ہے ۔ وہ اپنی دائی سے فقیر کے پاؤں دھلانے کو کہتی ہے ۔ پیر دھونے میں دائی ایک نشان پہچانتی ہے مگر اسے آگے کچھ کہنے سے روک دیا جاتا ہے ۔ پینی لوپ کہتی ہے کہ اس نے طے کر لیا ہے کہ وہ عشاق میں سے اس کے ساتھ شادی کر لے گی جو اوڈسیس کی کمان کو چڑھا کر تیر سات پھاوڑوں میں سے گزار دے گا ۔ فقیر اسے ہدایت کرتا ہے کہ وہ جلد ایسا کر لے ۔

(۲۰) اوڈسیس کو نیند نہیں آتی اور وہ زیس سے اچھی نشانیاں دکھائی دینے کی دعا کرتا ہے ۔ صبح کو فلو آئیٹس Philoetius گڈریے سے ملتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ عشاق پر عذاب ضرور نازل ہوگا ۔ جب دعوت ہو رہی ہوتی ہے تو کٹیسایپس Ttesippus اوڈسیس پر ایک ہڈی پھینکتا ہے ۔ تھیوکلی مینوس Theoclymenus کو پھر الہام ہوتا ہے اور وہ عشاق کی بربادی کی پیشین گوئی کرتا ہے ۔ وہ سب اس پر ہنستے ہیں اور وہ ہال سے باہر چلا جاتا ہے ۔

(۲۱) پینی لوپ کمان لاتی ہے اور اپنی اغراض کا اظہار کرتی ہے ۔ عشاق یکے بعد دیگرے اسے چڑھانے میں ناکامیاب ہوتے ہیں ۔ ٹیلمیکس بھی کوشش کرتا ہے مگر اپنے باپ کے اشارے پر چھوڑ دیتا ہے ۔ آخر میں اوڈسیس جس نے اس دوران میں اپنے آپ کو دونوں گڈریوں پر ظاہر کر دیا ہے ، التجا کرتا ہے

کہ اسے بھی اجازت دی جائے ۔ وہ آسانی سے کمان کو چڑھاتا ہے اور تیر کو سات بھاوڑوں میں سے گزار دیتا ہے ۔ ٹیلمیکس اپنی تلوار باندھ لیتا ہے اور بھالا ہاتھ میں لے لیتا ہے ۔

(۲۲) اوڈ سیس اپنے چیتھڑے اتار کر ہال کی چوکھٹ پر آ جاتا ہے ۔ وہ ایک خاص مقام پر نشانہ لگانے کا بہانہ کر کے انٹینوس کو تیر مارتا ہے اور انٹینوس مر جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سب پر ظاہر کرتا ہے اور صلح سے انکار کر کے ان کو مارنے میں لگ جاتا ہے ۔ وہ لوگ اپنی تلواروں سے اور میزوں کو ڈھالوں کی طرح استعمال کر کے لڑنے لگتے ہیں ۔ ٹیلمیکس اور دونوں گڈرئیے اس کو سامان بہم پہنچانے میں لگ جاتے ہیں اور میلاتھیوس عشاق کی مدد کرنے لگتا ہے مگر گڈرئیے اس کو پکڑ کر باندھ لیتے ہیں اتھینا مدد کو آتی ہے اور عشاق کے بھالوں کے رخ موڑ دیتی ہے ۔ چاروں مل کر سب عشاق کا خاتمہ کر دیتے ہیں ۔ عشاق کی خادمائیں ان کی لاشیں اٹھانے پر مجبور کی جاتی ہیں ۔ پھر ان کو پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے اور میلاتھیوس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاتے ہیں ۔

(۲۳) پینی لوپ پر اتھینا نے نیند غالب کر دی ہے ۔ وہ جا گتی ہے اور جب اسے سارا حال معلوم ہوتا ہے تو یقین کرنے سے انکار کر دیتی ہے ۔ وہ ہال میں آتی ہے جہاں گانا اور ناچ جاری رکھا گیا ہے تاکہ باہر والوں کو خبر نہ ہونے پائے ۔ آخر کار اوڈ سیس اپنے کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی شادی کے پلنگ کی بناوٹ کا راز بتاتا ہے جو اسے اور ایک ملازمہ ہی کو معلوم ہے۔ وہ مل جاتے ہیں اور اپنے اپنے حالات بیان کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔

(۲۴) اوڈ سیس دیہات میں جاتا ہے اور اپنے باپ لیارٹیز Laertes پر اپنے کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ فوج جمع کرتے ہیں تاکہ عشاق کے عزیزوں کی یورش کا جواب دے سکیں۔ مرے ہوئے عشاق کی روحیں ہرمیز اور ہیڈز میں جاتی ہیں۔ انتقام لینے والے انٹینوس کے باپ یوپیا تھیس Eupeithes کی سرداری میں آتے ہیں مگر لیارٹیز جو پھر سے جوان ہو جاتا ہے اسے مار دیتا ہے۔ اب زیس لڑنے والوں پر ایک بجلی گراتا ہے اور امن قائم ہو جاتا ہے۔

اس نظم میں بھی قصے کا خاص جزو پہلے ہی حصے میں آ گیا ہے۔ اوڈ سیس کی مہمات اس کے اپنے بیان کے ذریعے سامنے لائی جاتی ہیں اور

پندرھویں حصے سے آخر تک اوڈسیس کے سامنے اپنی بیوی کو عشاق کے پھندے سے چھڑانے ہی کا معاملہ رہتا ہے۔ حالاں کہ یہاں بھی لڑائی جھگڑوں سے مفر نہیں ہے مگر یہ قصہ زیادہ تر درباروں اور محلوں کی پر امن زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور اس لئے یونانیوں کی زندگی کے پر امن پہلوؤں کی تصویر کہا جا سکتا ہے۔ اس میں مافوق فطرت حالات اور عجائبات بھی کثرت سے ہیں جب کہ ایلڈ میں ان کا بہت ہی کم ذکر ہے۔ نیوسیکا کے محل میں اوڈسیس نے جو اپنے حالات بیان کئے ہیں ان کا مخصوص پلاٹ سے براہ راست تعلق نہیں ہے مگر اوڈسیس کے کردار ایسے ایک ایسا رومانی رنگ دیتے ہیں کہ وہ مقبول خاص و عام ہو جاتا ہے اور یہ نظم ایک سے زیادہ رومانی داستان کے دائرے میں آ جاتی ہے۔ اس کی عجوبہ چیزوں سے یورپ کا بچہ بچہ واقف ہے اور یورپ کا ہر عالم ان میں گہرے معنی ڈھونڈھتا ہے۔

(۳)

یہ دونوں نظمیں ہزاروں برس سے زیر مطالعہ ہیں اس لئے ان کے سلسلے میں لاتعداد مسائل اور مبحث ظہور میں آ چکے ہیں اور آتے جا رہے ہیں۔ یہ بھی زیر بحث ہے کہ یہ نظمیں کس نے لکھیں۔ چونکہ یہ ایک شخص ہومر کے نام سے وابستہ ہو گئی ہیں اس لئے گھوم پھر کر یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ ایک اندھا آدمی جو پیشے سے " بارڈ " (شاعر و موسیقار) تھا اسی نے ان کو تصنیف کیا۔ یہ بھی زیر بحث ہے کہ آیا دونوں ایک ہی آدمی کی تصانیف ہیں یا دو مختلف آدمیوں کی۔ ان کے طرز میں یک رنگی ہے اس لئے انہیں ایک ہی شخص کی تخالیق مانا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کب لکھی گئیں۔ دسویں یا نویں صدی قبل مسیح میں کوئی تاریخ ان کی تصنیف کی مانی جاتی ہے۔ عموما ۸۵۰ سال قبل مسیح پر اتفاق رائے ہوتا ہے۔ یہ بھی یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ یونانی ادب کی سب میں پہلی نظمیں ہیں۔ ان میں فن کی پختگی کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پس منظر میں طویل فنی روایات ضرور رہی ہوں گی۔ ہومر کی بابت نظریات اپنی جگہ پر ایک علم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور اس کی نظموں پر غیر ادبی بحثوں کا ایک طومار لگ گیا ہے۔ ان سب سے یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ بہت سے ایسی جزئیات کی طرف توجہ دی گئی ہے جو عام قارئین کو ان نظموں سے متاثر ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ ہمارے سامنے ان امور کی پوری تصویر صاف آجاتی ہے جن کے ماتحت یہ

تصانیف وجود میں آئیں۔ یہ عام تصور کہ ہومر ایک اندھا بارڈ تھا جو الہامی قوت کے ماتحت آ کر ایک غیر تہذیب یافتہ قوم کے سامنے ہارپ پر یہ نظمیں گاتا تھا ، اب بدل گیا ہے اور یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ہومر ایونا Iona کا تہذیب یافتہ اور تربیت یافتہ ادیب تھا جس کا ذہن عام روایتی واقعات اور سابق شعرا کے کلام سے بھرا ہوا تھا اور جو ڈنڈا یا ہارپ ہاتھ میں لے کر تہواروں کے موقعوں پر رؤسا کے سامنے اپنی نظمیں گایا کرتا تھا ۔ اس کے شاگرد بھی تھے جو شاعری اور موسیقی دونوں میں اس کا تتبع کرتے تھے ۔ اس کی یہ دونوں نظمیں فوری طور پر وجود میں نہیں آئیں بلکہ ٹکڑوں میں لکھی گئیں اور بعد میں ان ٹکڑوں کو جوڑ کر مربوط کیا گیا ۔ ان کی زبان کو برابر بدلا جاتا رہا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہومر کے بعد بھی اس کے پیروؤں نے اس میں بہت کچھ ترمیم کی ہو ۔ بہر حال یہ دونوں نظمیں اپنی جگہ پر مکمل ہیں اور بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ان سے بہتر ایپک نظمیں اب تک وجود میں نہیں آئیں ۔

یہ نظمیں ایپک شاعری کی عمدہ مثال ہیں ۔ ایپک یونانی لفظ ''ایپاس'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''لفظ'' مگر جس سے کہانی اور گیت کے معنی بھی وابستہ ہو گئے تھے ۔ بنیادی طور پر ہومر کی نظمیں کہانیاں ہیں جن کو نظم میں لکھا گیا اور گا کر سنایا گیا ۔ مگر یہ کہانیاں تاریخ پر مبنی ہیں اس لئے یہ ایک قوم کی تمام تاریخ مع ان سب قدروں کے جن پر اس قوم کا عقیدہ یا عمل تھا ، ہمارے سامنے لاتی ہیں ۔ ہومر کا نقطۂ نظر مکمل یونانی ہے ، وہ ان سرداروں کے حالات بیان کرتا ہے جو یونان کی تاریخ میں اہم تھے اور ان دیوتاؤں پر عقیدہ رکھتا ہے جو یونان کے اولمپس پہاڑ پر رہتے تھے ۔ اس نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ یونان کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ضرور ہے کیونکہ اسی واقعے سے وابستہ گونا گوں حالات ہی قریب قریب تمام یونانی ادب کو بنیادی مواد فراہم کرتے ہیں ۔ یہ نظمیں یونان کی سوسائٹی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے لاتی ہیں ۔ مذہباً یونانی اصنام پرست تھے ۔ ان کے دیوتا لا تعداد ہیں مگر ان میں سب سے خاص زیس ہے جو چند مخصوص دیوتاؤں اور دیویوں کے ذریعے کائنات پر حکومت کر رہا ہے ۔ دیوتاؤں کی مجلس شوریٰ بیٹھتی ہے اور مختلف دیوتا مختلف سرداروں کے طرف دار ہو کر میدان جنگ میں آتے ہیں اور اس طرح آپس میں بھی برسر پیکار رہتے ہیں ۔ ان دیوتاؤں میں انسانی کمزوریاں نمایاں ہیں اور اکثر کوئی دیوی اپنے حسن سے

کسی دیوتا کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔ دیوتا خوبصورت عورتوں پر عاشق ہو کر ان کا پیچھا کرتے ہوئے اور ان سے بچے پیدا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ مگر یہ دیوتا اور دیویاں اہم ذہنی اور اخلاق صفات کے مجسمے اور اشارے بھی ہیں ۔ ان نظموں میں دو دیویاں خاص طور پر نمایاں ہوتی ہیں ۔ ایک اتھینا یا منروا جو عقلمندی کی دیوی ہے اور دوسری وینس جو حسن کی دیوی ہے۔ پہلی یونانیوں کی طرف اور زیادہ تر اوڈیسس کے سامنے نمایاں ہوتی ہے جو تمام سرداروں میں سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ وینس ٹرائے والوں کی طرف دار ہے اور ہکٹر یا پیرس کی مدد کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی نظام دنیاوی نظام کے متوازی چل رہا ہے۔ یونان مختلف حکومتوں میں بٹا ہوا ہے، ان حصوں کے حکمران اپنی جگہ بالکل آزاد ہیں اور جو ٹرائے سے لڑنے کے لئے ایک خاص موقعے پر اگممنن کے ماتحت آ گئے ہیں ۔ ان کے بھی آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں اور ہر ایک کا الگ مخصوص دیوتا اس کی مدد اس کے دشمن اور دشمن کے دیوتا کے خلاف کرتا ہے۔ ان کی آپس میں محبتیں بھی سخت ہیں اور ہمیشہ محبتیں نفرتوں پر غالب ہی آجاتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ بہادر اور جنگ جو قوم کے افراد ہیں اور ان کا فن سپاہ گری بڑے اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے ۔ نبرد آزمائی کے علاوہ یہ چالبازی سے بھی کام لیتے ہیں ۔ دیوتاؤں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی رسمیں جن میں جانوروں سے لے کر بیٹی بیٹوں تک کو بھینٹ چڑھانے کی رسم خاص ہے، بڑے خلوص سے ان کو پورا کرتے ہیں۔ ان کو پوری رسموں کے ساتھ تجہیز و تکفین پر بہت زیادہ عقیدہ تھا کیوں کہ بغیر ان رسموں کے روح ہیڈس میں داخل نہیں ہو سکتی ۔ ہیڈس ان کا عالم ارواح ہے جس تک اس زندگی کے بعد پہنچنے کے لئے ایک دریا کو پار کرنا پڑتا ہے ۔ عام طور پر مرنے کے بعد ہی اس عالم تک رسائی ہوتی ہے ۔ مگر اوڈیسس کو اس میں زندہ ہی پہنچنے کی اجازت مل جاتی ہے اور وہ وہاں اپنے تمام مرے ہوئے ساتھیوں سے ملتا ہے ۔ ہیڈس کو جہنم بھی کہا گیا ہے مگر سزا اور جزا کا کوئی بڑا واضح تصور یونانیوں میں رائج نہیں نظر آتا ۔ ان کے عام اخلاق بھی اور خاص طور سے ازدواجی تعلقات کے سلسلے والے اخلاق کچھ زیادہ تشفی بخش نہیں ہیں ۔ مجموعی طور پر یہ سپاہیوں کی قوم ہے جس میں عورت کا کوئی خاص حق نہیں ہے اور جس میں تفریحات بھی اس قسم کی ہیں جیسے جنگی کھیل ۔ با اقتدار طبقہ ہی سب کچھ ہے اور عوام ان کے غلام ، ان کی بھیڑیں چرانے والے اور

ان کے لئے کاشت کرنے والے ہیں - حسین عورت کے لئے معرکہ آرائی دونوں نظموں کا خاص موضوع ہے اور اس میں محبت سے زیادہ عزت کا سوال اہم ہے۔ بہر حال یہ دونوں نظمیں ایک مکمل شاندار اور پر شکوہ عالم ہمارے سامنے لاتی ہیں اور اس امر کی مثال قائم کرتی ہیں کہ ایپک نظم ایک شاندار قوم کی پر شکوہ زندگی اور اس کی تمام روحانی اور مادی قدروں کا مکمل نقشہ ہوتی ہے۔

قوم کی مجموعی تاریخ کے علاوہ یہ نظمیں قوم کے اعلیٰ سرداروں کے مرقعے بھی سامنے لاتی ہیں اور اس طرح ایپک نظم میں کردار نگاری کی بھی دائمی مثال قائم ہو جاتی ہے - ان نظموں کے تمام چھوٹے بڑے کردار نہ صرف زور دار ہیں بلکہ دوسرے ادب پاروں میں یونانی زمانے سے اب تک لائے جاتے رہے ہیں اور اس لئے یورپ کی ذہنی اور ادبی زندگی کے اہم دائمی اشارے بن گئے ہیں - ''الیڈ'' کے مخصوص کرداروں میں اگمنن اور مینیلاس کے علاوہ اکیلیز یونانیوں میں اور ہکٹر اور پیرس ٹرائے والوں میں سب سے زیادہ اہم ہیں - اکیلیز کو اس نظم کا ہیرو کہا جاتا ہے اور اسے ایپک نظم کا مثالی ہیرو بھی مانا جاتا ہے۔ ہکٹر اس کا مد مقابل ہے۔ اس نظم کا سب سے دلچسپ کردار ہیلن ہے جس کے لئے لڑائی لڑی جاتی ہے اور جو دنیا کی حسین ترین عورت ہے۔ ہومر نے اس کے حسن اور اس کے جذبات کے بڑے دلکش نقشے کھینچے ہیں مگر اس کی بابت سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ نسائیت کا عینی کردار مانی جاتی ہے اور نہ صرف حسن میں بلکہ سیرت سے بھی وہ اس قسم کی عورت کی مثال ہے جو بے وفائی میں اپنے اپنے آپ کو نمایاں کرتی ہے۔ اس کے بالکل متضاد اوڈیسے کی ہیروئن پینی لوپ ہے جو گھریلو اور وفادار بیوی کی دائمی مثال بن کر سامنے آتی ہے۔ اوڈیسیس دونوں نظموں میں ملتا ہے۔ وہ عقلمندی کا نمونہ ہے اور عقل کی دیوی اتھینا کا محبوب ہے۔ دوسری نظم کا نام اسی کے نام پر ہے اور اس کے واقعات اور مہمات میں بڑی دل کشی ہے - ٹرائے سے یونان واپس آتے ہوئے وہ جن جن عجیب الخلقت لوگوں سے ملتا ہے وہ انسانی تخئیل کی دلکش ترین تخلیقات مانی جاتی ہیں اور اب انہیں انسانی قدروں کے اہم ترین اشارے سمجھا جاتا ہے۔ اوڈیسیس خود عظیم انسان سے زیادہ نارمل انسان کا نمائندہ ہے - اس کا لڑکا ٹیلمیکس سعادت مند لڑکے کی مثال ہے مگر ان سے زیادہ سائیکلوپ' دیو آدم خور سائیلا ، پیغمبر ٹائیرسیاس ، جادو کا

راگ گانے والی سرسی اور اسی قسم کے رومانی کردار یورپ کے ہر پڑھے لکھے شخص کے ذہن میں دائمی علامتوں کی صورت میں زندہ ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کردار محض بشریت کے درجہ سے اونچے ہیں اور اس لئے ایک شاعری کے مثالی کردار ہیں ۔ مگر ان کی اہمیت یہ ہے کہ یہ یورپ کے ادب میں کردار نگاری کی پہلی مثالیں ہیں اور انہیں کے اثر سے کردار نگاری یورپ کے ادب کی ہر صنف کی اہم ترین صفت بن گئی ۔ بنیادی طور پر یہ سب انسان ہیں اور ان ہی کی وجہ سے انسان کی انسان سے دلچسپی یورپ کے ادب کا بنیادی موضوع ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان نظموں نے یورپ کے ادب کے موضوع کا تعین ہمیشہ کے لئے کر دیا ۔

یہ نظمیں فن شاعری کی بھی دائمی مثالیں ہیں ۔ یہ قصے کے اس تعمیری فن کی مثالیں ہیں جو یورپ کی ہر صنف سخن کا طرہٗ امتیاز ہے ۔ پہلی نظم کا موضوع اکیلیز کے جلال کے ماتحت ایک اتحاد میں آ جاتا ہے اور دوسری کا اوڈسیس کی تلاش (جو اس کے لڑکے ٹیلمیکس کی تلاش سے متوازی ہے) کے ماتحت عظیم مہمات اور زمان و مکان کے الگ کئے ہوئے گوناگوں واقعات اور کرداروں کو آپس میں جوڑتا ہے ۔ ہر جملہ بلکہ ہر لفظ اس اتحاد سے ہم آہنگ ہے اور یہ نظمیں طرز ادا کی بھی دائمی مثالیں بن جاتی ہیں ۔ بنیادی طور پر ان کا طرز وہ ہے جسے ایپک کا طرز ''گرانڈ اسٹائل'' یا پر عظمت طرز کہا جاتا ہے ۔ اس کی بنیادی صفت یہ ہے کہ یہ ایپک شاعری کی دیوی کیلیوپ Calliope کا طرز ہے جو اپنی عظمت کو قائم رکھتے ہوئے عظیم لوگوں کا قصہ عام لوگوں کو سناتی ہے ۔ لہذا اس میں عام قصہ گویوں کے طرز کے عناصر ، جیسے تکرار کے ساتھ ساتھ شاندار زبان کے عناصر ، پر شکوہ الفاظ اور تراکیب' عمیق تلمیحات' مبالغہ اور دل کو بڑھانے والا ترنم' اس طرح ملے جلے ہوتے ہیں کہ بلاغت اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے ۔ ان میں ایک خاص قسم کی طویل تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں جن کو '' ہومرک سملی'' کہا جاتا ہے اور جو بعض جگہوں پر نظم کے پر شکوہ رنگ کو گہرا کرتی ہیں اور بعض جگہ حسین رنگ لا کر ایک تنوع کا عالم ظہور میں لاتی ہیں ۔ ایپک کے اس مخصوص طرز کا یورپ کے تمام ایپک لکھنے والوں نے تتبع کیا ہے ۔ ان میں جو بحر استعمال ہوئی ہے وہ طویل سات رکن والی ہے اور جس کو ایسے فن اور ایسی لطافت سے استعمال کیا گیا ہے کہ ایک عزم بڑھانے والا

راگ ہر جگہ سنائی دیتا ہے ۔ ان نظموں میں فن کی پختگی اور کمال کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے پس منظر میں عوامی اور تہذیب یافتہ شاعری کی طویل روایات ضرور رکھتی ہیں اور اس وجہ سے ان کو سب سے پہلی نظمیں اور ان کے لکھنے والے کو سب سے پہلا شاعر نہیں کہا جا سکتا ۔

(۳)

ہومر کی نظمیں ایک خاص فرقے کی ملکیت ہو گئی تھیں جس کو ہومریڈائی Homeriad کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہ یونان بھر میں مقبول ہو گئیں اور ایتھنز نے جو ادب اور تہذیب کا مرکز قرار پایا، ان کی روایات کو شدت کے ساتھ اپنایا ۔ ٹرائے کے قصے میں خاص دلچسپی ہوئی اور اس قصے کے ان واقعات کو جو ہومر کی نظموں میں نہیں ملتے منظوم کیا گیا ۔ اس سلسلے میں جو نظمیں لکھی گئیں وہ سب تلف ہو گئیں، ان کے نام اور ان کے اقتباسات کہیں کہیں نظر آتے ہیں ۔ کیپریا، آئی تھیوپس Aithiopis ، لٹل الیڈ Little Iliad ، نوسٹوائی Nostoi اور ٹیلیگونیا Telegonia کے نام خاص شہرت رکھتے ہیں مگر ان کے مصنفین کی بابت بہت زیادہ اختلافات ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ دیگر موضوعات پر لکھی ہوئی ایپک نظموں کے بھی نام اور کچھ ٹکڑے ملتے ہیں ۔ ہومر کے اثر کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ "ہومرک ہمنز" Homeric Hymns وجود میں آئیں جو دیوتاؤں کی حمدیں تھیں ۔ ان میں اپولو، ہرمیز، افروڈائٹ، ڈائیونی سس Dionysius کی حمدیں اب بھی مکمل موجود ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایپک کی ایک تحریک چل پڑی تھی اور شاعر زیادہ عرصے تک اس سے متاثر ہوتے رہے ۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایپک کے ساتھ ساتھ اس کی مخالف پیروڈی بھی وجود میں آ گئی تھی اور اس کے نمونوں میں باترا کومیو ماچیا Batrachomyomachia (مینڈکوں اور چوہوں کی جنگ) سب سے زیادہ نمایاں ہے ۔

ماہنامہ

قومی زبان

کا

بابائے اردو نمبر

۱۹۶۶ء

ڈاکٹر سید عبد اللہ	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	میاں بشیر احمد
خواجہ غلام حسین	رئیس احمد جعفری	ماہر القادری
فرقت کاکوروی	نواب مشتاق احمد خاں	ڈاکٹر محشر عابدی
ڈاکٹر احسن فاروقی	سید شبیر علی کاظمی	ڈاکٹر وزیر آغا
سید قدرت نقوی	رئیس امروہوی	

اور دیگر اہل قلم کے گرانقدر مضامین کا مجموعہ

"مرقع عبدالحق" کے نام سے بابائے اردو کی دو درجن سے زائد نادر و نایاب تصاویر شائع کی گئی ہیں۔

"بزم عبدالحق" کے عنوان سے بابائے اردو کے دوستوں اور نیاز مندوں کا تذکرہ۔

بابائے اردو کے متعدد غیر مطبوعہ خطوط

آفسٹ کی چھپائی　عمدہ سفید کاغذ　صفحات ساڑھے تین سو　قیمت چھ روپے

انجمن ترقی اردو بابائے اردو روڈ کراچی

کند مالا

(چنبیلی کا ہار)

چوتھی صدی عیسوی کا ایک سنسکرت ڈراما

تصنیف

دن نگا آچاریہ

تعارف

ممتاز حسن

مقدمہ و ترجمہ

صمدانی نقوی

تعارف

ممتاز حسین

'کند مالا' کا ڈرامہ سنسکرت کے کلاسیکی ادب میں ایک مستقل اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے مگر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تمثیل نگاری کا یہ شاہکار ایک بڑی حد تک زمانے کی غفلت اور بے پروائی کا شکار رہا ہے۔ حتیٰ کہ آج اس کے مصنف کا نام بھی ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں۔ اگر وہ کالیداس کا ہم عصر تھا تو بہت ممکن ہے کہ یہ ہم عصری ہی اس کی شہرت کی تباہی کا باعث بن گئی ہو۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ یہ ڈرامہ ایک عرصہ دراز تک پردۂ گمنامی میں رہا۔ اب کچھ عرصے سے اہل علم و ادب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ دور پیشیں کی نا انصافیوں کی ایک حد تک تلافی ہو سکے۔ صمدانی صاحب کا ترجمہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

یہ ترجمہ دو لحاظ سے قابل قدر ہے۔ اول تو یہ کہ یہ 'کند مالا' کا اردو ترجمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سنسکرت ادب کے ترجمے اردو میں اتنے کم ہیں کہ ان میں ایک کا اضافہ بھی غنیمت ہے۔ اس وقت تک ارباب اردو نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں فرمائی۔ جہاں انگریزی، فرانسیسی اور دوسری یوروپین زبانوں کے سینکڑوں ترجمے موجود ہیں، وہاں سنسکرت کے ترجمے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی جیسے تفریحی

قصوں سے قطع نظر کیجئے تو کچھ زیادہ باقی نہیں بچتا ۔ شکنتلا کا ترجمہ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے کیا ہے ۔ وکرم اروسی کا عزیز مرزا مرحوم نے ، میگھ دوت کا اقبال ورما سحر ہتگامی نے ، گیتا کا جعفر علی خان اثر نے اور کمار سنبھو اور مدرا راکھشس کا بشیشور ناتھ منور لکھنوی نے ۔ ان کے علاوہ راماین کے کچھ حصے کا ترجمہ غالباً برج نرائن چکبست مرحوم نے کیا تھا۔ مہا بھارت کے بعض حصوں کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے ۔ ایک آدھ پران بھی اردو میں منتقل ہوا ہے ۔ شاید ان سب کے علاوہ اور ترجمے بھی موجود ہوں مگر ان کا وجود بھی تحقیق و تفتیش کا طالب ہے ۔ یہ چیز نہ اردو کے لئے فخر کی بات ہے ، نہ مسلمانوں کے لئے ، ذرا غور کیجئے کہ جس قوم نے ابو ریحان البیرونی کے پائے کا سنسکرت کا عالم پیدا کیا ہو اور جس کے دور انحطاط میں بھی غلام علی آزاد بلگرامی جیسے فاضل ، متبحر ، سنسکرت کی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے موجود ہوں ، جس کی تاریخ فیروز شاہ تغلق اور جلال الدین اکبر جیسے بادشاہوں اور دارا شکوہ جیسے شاہزادوں کی سنسکرت نوازی سے پُر ہو ، آج پاکستان میں وہ قوم دو تین اہل علم سے زیادہ نہیں رکھتی جنہیں سنسکرت سے واقفیت ہو ۔ اس کم مایگی پر جتنا افسوس بھی کیا جائے ، بجا ہے ۔

کند مالا کے مترجم صمد نبی نقوی عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں ۔ ادب سے زمانۂ طالب علمی سے دلچسپی رکھتے ہیں ۔ وقتاً فوقتاً متعدد افسانے اور مضامین ان کے قلم سے نکلے ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں ۔ مذہب اور ادب کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ ہے ۔ ایک قلندر طبع ، وسیع مشرب انسان دوست انسان ہیں ۔ روزگار کا غم غلط کرنے کے لئے ایک کاروباری ادارے کی ملازمت اختیار کر لی ہے ۔ مگر یہ ملازمت ان کے مشاغل میں حائل نہیں ہے ۔ ترجمے میں یہ ان کا پہلا تجربہ نہیں ہے ۔ اس سے پہلے سامرسٹ مام کے ایک ناول کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں کر چکے ہیں ۔

صمدانی صاحب کو ترجمے میں ایک خدا داد ملکہ ہے ۔ 'کند مالا' کے ترجمے کی زبان سادہ سلیس اور شیریں ہے ۔ ان کے انداز تحریر میں فارسی اور ہندی کے امتزاج نے ایک امتیازی دلکشی پیدا کر دی ہے اور یہ طرز تحریر سنسکرت ادب کے ترجمے کے لئے خاص طور پر موزوں ہے ۔

' کند مالا ' کے نفس مضمون کے متعلق میرے لئے کچھ کہنا غیر ضروری ہے ۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ صمدانی صاحب نے اپنے دیباچہ میں کہہ دیا ہے ۔ اس ڈرامے کے کرداروں کے احساسات اور تاثرات عام انسانی زندگی سے اتنے قریب ہیں کہ انہیں سمجھنے کے لئے سمجھانے کی ضرورت نہیں ۔ ' کند مالا ' کے مصنف نے دیوی دیوتاؤں کی سیرت نگاری نہیں کی ہے ۔ ہمارے اور آپ جیسے انسانوں کی دلی کیفیات کی عکاسی کی ہے ۔ مزید برآں صمدانی صاحب کا ترجمہ اس قدر رواں ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا ۔ اس ڈرامے اور اس کے ترجمے کی خوبیوں کے اعتراف کے لئے اس کا پڑھ لینا ہی کافی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین نہ صرف اس ترجمے سے حظ اٹھائیں گے بلکہ اردو ادب کی اس خدمت کے لئے جو صمدانی صاحب نے کی ہے ان کا شکریہ ادا کرنے میں بھی میرے ہم نوا ہوں گے ۔

نیشنل بنک آف پاکستان
کراچی

ممتاز حسن

مقدمہ

(۱)

۱۹۲۳ء میں مدراس سے "کند مالا" کی اولین اور باضابطہ اشاعت عمل میں لائی گئی جو رام کرشنا کوی، ایم - اے اور رام ناتھ شاستری کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ تھی - اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں، جے چند شاستری ایم - اے، ایم - او - ایل نے اس کی شرح سنسکرت زبان میں لکھی اور انگریزی ترجمے کے ساتھ اسے پنجاب سنسکرت بک ڈپو کی جانب سے شائع کروایا - اس نسخے میں ویداویاس ایم - اے، ایل - ایل - بی اور سارن داس بھانوت ایم - اے کے تنقیدی نوٹ بھی شامل ہیں - یہ گویا اس ڈرامے کی دوسری باضابطہ اشاعت تھی - اس اشاعت کے ٹھیک تین سال بعد، اے سی وولنر نے جو اس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے، راست سنسکرت زبان سے اس ڈرامے کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو بہت صاف ستھرا اور نکھرا ہوا تھا - ڈرامے کے سارے محاسن کا خوبی کے ساتھ اس میں احاطہ کر لیا گیا تھا اور نظم کے حصوں کو انگریزی میں منتقل کرتے ہوئے، اس کے اظہار بیان کی ندرتوں اور خیال کی شاعرانہ بلندیوں کو ان کی اپنی لطافتوں کے ساتھ باقی رکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی- یہ ترجمہ ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ مطبوعات مشرق کی جانب سے، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے چھاپا اور شائع کیا - اس کے بعد تقریباً ربع صدی کی مدت گزر چکی ہے اور کند مالا بہ حیثیت ڈرامہ اب بھی دنیا کے اہل ذوق حضرات کے لئے محل توجہ ہے-

اس ڈرامے کی شرحیں اگرچہ بارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئیں لیکن ان کوششوں کی حیثیت بالکل ابتدائی تھی اور اشاعت کے باضابطہ مراحل سے انھیں کوئی نسبت نہ تھی -

ڈرامے کے مصنف کے بارے میں مشرقی ممالک کی صوفیانہ کسر نفسی اور روایتی رمزیت پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے - یہ وہی جذبہ ہے جو مشرق کے بہت سے تخلیق کاروں کو ہماری نظروں سے اوجھل رکھے ہوئے ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اجنتا کے نقاش کون تھے ؟ ایلورا کے سنگتراشوں کے نام کیا تھے ؟ تاج کی صورت گری کس نے کی تھی ؟ ان حسن کاروں کے پاس ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، تخلیق ہی ایک اول و آخر مقصد تھا ، شہرت اور نام و نمود کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی - انہوں نے اپنی جگر کاوی سے ، اپنے ذہن کے نور اور فطرت کی بلندیوں سے ایسے نقوش صفحہٗ ہستی پر مرتسم کر دئے جو رہتی دنیا تک باقی رہیں گے - نام سے انہیں کیا لینا تھا ! - جنوبی ہند کے اس ڈرامہ نگار کا خمیر بھی کچھ ان ہی عناصر سے مرکب تھا - اس کے نام کی کھوج میں ہماری تحقیق کے قدم ان دو قدیم نسخوں کی طرف جاتے ہیں جو تنجور اور میسور کی لائبریریوں میں زمانے کی دست برد سے کسی نہ کسی طرح بچ گئے ہیں - تنجور میں اس ڈرامے کا جو نسخہ ہے اس میں ڈرامے کے مصنف کا نام دھیرانگا بتایا گیا ہے جو انوپا رادھا کا رہنے والا تھا - میسور کا مخطوطہ نام اور مقام کے بارے میں مختلف روایت کا حامل ہے - اس کے افتتاحیہ میں مصنف کا تعارف کچھ اس انداز سے کروایا ہے - سوتر دھار یا اسٹیج مینجر کہتا ہے -

" حاضرین کا حکم ہے کہ میں کند مالا جو ارارا لا پورا کے ایک نامور شاعر دن نگا کی تصنیف ہے آپ کی خدمت میں پیش کروں - "

جہاں تک مقام کا تعلق ہے ، مسٹر وولنر کا خیال ہے کہ دونوں مسودات ناقابل اعتماد ہیں - انوپا رادھا یا ارارا لا پورا نام کے کوئی شہر دنیا کی تاریخ میں مشہور نہیں ہوئے - قیاس یہ کہتا ہے کہ انورا دھاپور ، کتابت کی غلطی یا الفاظ کے مسخ ہو جانے کی وجہ سے انوپا رادھا یا ارارالا پورا پڑھا گیا ہو - انورا دھاپور ، کسی زمانے میں سیلون کا پایہ تخت رہ چکا تھا اور بہت ممکن ہے کہ کند مالا کا مصنف وہیں کا متوطن ہو -

دھیرانگا نام کے کسی شخص سے تاریخ کے صفحات روشناس نہیں ہیں - البتہ دن نگا نام کے دو آدمی گزرے ہیں جن میں سے ایک بدھ مت کا مشہور فلسفی تھا جو پانچویں صدی عیسوی میں زندہ تھا اور دوسرا وہ شاعر ہے جس کا ذکر میگھ دوت کے شارحین نے کالی داس کے ہم عصر کی حیثیت سے کیا ہے -

ویدا وباس اور سارن داس بھانوت کا خیال ہے کہ کند مالا کا مصنف بدھ مت کا فلسفی نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ وہ اعتقاداً گنیش اور شیو جی کے گندھے ہوئے بالوں کا ذکر کرتا ہے ۔ ان کی رائے میں یہ وہی شاعر ہے جو کالی داس کا ہم عصر تھا اور جس کا ذکر میگھ دوت کے چودھویں بند میں کیا گیا ہے ۔

ملی ناتھ نے جس نے بارھویں صدی میں اس ڈرامے کی شرح لکھی تھی، اس کے مصنف کا نام دن نگا چاربہ بتایا ہے اور اسے کالی داس کا پراتی پکسا یا ہم عصر اور حریف تسلیم کیا ہے ۔

یوں تو اس ڈرامے کی پہلی اشاعت کے ساتھ ہی ، سنسکرت ڈرامہ اور اسٹیج سے دل چسپی رکھنے والے حلقوں میں یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ کند مالا اپنی قدامت میں شکنتلا کا ہم عصر ہے ۔ ۱۹۳۴ع میں بھنڈارکر نے اس ڈرامے کی تاریخ تصنیف پر ایک تحقیقاتی مقالہ لکھا تھا جو " انلز آف دی بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ " کی جلد ۱۵ میں صفحہ ۲۳۸ پر شامل کر دیا گیا ہے ۔ لیکن اپنی نارسائی کی وجہ سے میں اس مقالے سے استفادہ نہیں کر سکا۔ یہ صاحبان نقد و نظر کے ذوق و شوق اور ہمت و حوصلہ پر منحصر ہے کہ وہ تحقیق کے ان راستوں سے رکاوٹوں کو دور کر کے حقیقت کو منصۂ شہود پر لے آئیں ۔ اس سے ہٹ کر کچھ اور تبصرے بھی ہیں جن میں اسی مقالے کی وساطت سے کئی باتیں کی گئی ہیں ۔ ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کند مالا چوتھی اور پانچویں صدی کے درمیان کی تخلیق ہے ۔ یہ کم و بیش وہی زمانہ ہے جب اجین میں کالی داس کے ڈرامہ شکنتلا کی نمائش کا سامان ہو رہا تھا۔ راجہ بکرماجیت کے محل کا سنگت ہال موسم کے رنگا رنگ پھولوں سے سجایا جا رہا تھا ۔ دور دور کے ملکوں سے صاحبان ذوق اور دانشور ان وقت مدعو کئے گئے تھے۔ راج جوتشی درھامید اس کی مہورت کا سمے نکالنے میں مصروف تھا ۔ بسنت کا موسم ، رنگ و نکہت سے شگفتہ محفل کی دلفریب دھنک ، راج کی پر وقار اور پر تمکنت فضا ، روشنیوں کی خیال آسا کیفیتیں اور اس میں شکنتلا کی حسن و محبت سے مہکی ہوئی فسوں ساز کہانی — نتیجہ یہ تھا کہ ڈرامے کی پہلی نمائش کے ساتھ ہی اس کی شہرت ملک کے باہر پہنچ گئی اور اور گوئٹے جیسے شاعر نے اسے قرار واقعی خراج تحسین ادا کیا ۔ ان حالات میں کالی داس کی شہرت و مقبولیت کے آگے ، نہ جانے اس دور کے ایسے کتنے فنکار

ہوں گے جو اپنی فطرت کی اپج اور تخلیق کی صلاحیت کے باوجود ابھر نہ سکے ہوں اور زمانے نے انہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دیا ہو۔ دربار کی سرپرستی نے جہاں ایک شاعر کو شہرت کی ایسی اوج ، ایسی رفعت عطا کی ، وہاں دوسری مفید صلاحیتوں کو ، ابھرنے ، زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کے مناسب مواقع فراہم نہیں کئے۔ اس رجحان کی وجہ سے فنی تخلیقات کی راہ میں خاصے عرصے تک جمود اور تعطل چھایا رہا اور مشرق کا ذہن ، اپنی روایت پرستیوں اور وضعداریوں کے زعم میں ہر اس نئی صلاحیت سے انکار کرتا رہا جو اس کے مسلمہ ہیرو کے مقابلے میں ابھری اور اس سے انصاف کی متمنی ہوئی ۔ بہر کیف حالات کچھ ہی رہے ہوں ، قرائن یہ کہتے ہیں کہ کند مالا کا مصنف ایک عوامی شاعر تھا جسے کسی دربار کی سرپرستی حاصل نہ تھی بلکہ اسے ایک ایسا سخت اور امتحانی زمانہ ملا تھا جبکہ کالی داس اپنی درباری شہرت کی وجہ سے مشرق کا بے مثال شاعر تسلیم کر لیا گیا تھا اور ہر طرف اسی کے گن گائے جا رہے تھے ۔ دن نگا نے محض اپنی اپج اور فنکارانہ تخلیق کاری کے جذبے سے مجبور ہو کر ڈرامے لکھے ' اسٹیج کھڑے کئے ، اداکاروں کو تیار کیا اور جنوبی ہند میں ان کی نمائش کا اہتمام کیا ۔ یہ عوامی اسٹیج ، بہت ممکن ہے خاطر خواہ بار نہ پاسکے ہوں اور دن نگا بھی اور صاحبان علم و فن کی طرح اپنے روایتی نصیبے پر شاکر ' گمنام مر گیا ہو۔ رات کی تاریکیوں میں اپنے ذہن کے نور سے اجالا کر کے اس نے جن روشن ادب پاروں کی تخلیق کی تھی وہ بھی شاید زمانے کی تغافل شعاریوں کا شکار ہو گئے اور کچھ جو بچ گئے ، انہوں نے کسی نہ کسی طرح تنجور اور میسور کی لائبریریوں کے سرد خانوں تک پہنچ کر ہمیشہ کے لئے چپ سادھ لی ۔ ان پر گرد کی تہیں جمتی رہیں ۔ سینکڑوں برس گزر گئے لیکن انہیں کسی نے نہ پوچھا ، بالآخر ۱۹۲۳ء میں ان پر باضابطہ کام کرنے کے لئے دو باشعور ماہرین سنسکرت نے کمر کس لی اور گرد کی تہوں سے انہیں باہر نکال لیا ۔ اور اسی وقت سے یہ خیال تحقیق طلب چلا آ رہا ہے کہ آیا کند مالا اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ شکنتلا۔ مسٹر وولنر کا خیال ہے کہ یہ ڈرامہ شکنتلا کی طرح قدیم نہیں بلکہ ممکن ہے یہ ساتویں صدی عیسوی کے بعد لکھا گیا ہو۔ اس ڈرامے کا انداز بیان ، اتر رام چرتر کے انداز بیان سے ملتا ہے اور زبان اور محاورے جو اس میں استعمال کئے گئے ہیں وہ اتنے قدیم نہیں کہ انہیں چوتھی صدی کی ادبی تخلیقات سے نسبت دی جا سکے ۔ اس کے علاوہ ڈرامے میں کہانی کی تکنیک ،

بھوبھوتی کی تیکنک سے ملتی جاتی ہے اور شکنتلا کے مقابلے میں اس کا فنی برتاؤ، اس کی نفسیاتی تحلیل، اس کا انداز فکر بہر حال ایک ترقی پزیر رجحان کی غمازی کرتا ہے۔ کند مالا میں پراکرت کے جو مکالمے ہیں ان سے بھی زبان کی قدامت کا اندزہ نہیں ہوتا۔

مسٹر وولنر کی رائے ان مختلف تحقیقاتی کاموں پر غالب نہیں آ سکتی جو سنسکرت زبان ہی میں اس ڈرامے پر کی جاتی رہی ہیں۔ مسٹر وولنر کو بہت ممکن ہے، زبان کے سمجھنے اور اس کی قدامت کا تعین کرنے میں کچھ تسامح ہوا ہو اور اسی وجہ سے وہ کند مالا کو اتنا قدیم نہ سمجھتے ہوں جتنا کہ شکنتلا ہے۔ مگر سنسکرت کے جن ماہرین کا ہم نے ابتدائی صفحات میں ذکر کیا ہے، زبان کے تعلق سے ان کی قابلیت، مختلف ادوار کی ادبی تخلیقات پر ان کی گہری نظر اور سنسکرت اور پراکرتی زبانوں پر ان کا تبحر اور استدراک، مسٹر وولنر کے مقابلے میں ان کی آرا کو زیادہ وقیع بناتا ہے۔ زبان کے قدیم اور جدید ہونے کا جو گمان مسٹر وولنر کو ہوا ہے، ممکن ہے وہ زمانہ کے فصل کا نتیجہ نہ ہو بلکہ مقامات کے فرق کا نتیجہ ہو۔ زبان کے ماہرین کہتے ہیں کہ زبان مسافتوں کے ساتھ بدلتی جاتی ہے۔ اس کا لب و لہجہ، اس کے اظہار و بیان کی خصوصیتیں، مقامی اثرات قبول کر کے زبان کو ایک نیا رنگ دیتی ہیں۔ یورپ کے مختلف مقامات پر جو انگریزی بولی جاتی ہے وہ ہر مقام کے اعتبار سے جداگانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ یہاں تک کہ شمالی انگلستان کے رہنے والے، جنوبی انگلستان کے رہنے والوں سے مختلف انداز میں انگریزی بولتے ہیں۔ پھر ہندوستان تو رقبہ کے اعتبار سے اور بھی وسیع ملک رہ چکا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ چوتھی صدی میں جو سنسکرت اجین میں بولی جاتی تھی، وہی بغیر کسی فرق کے دکن اور سیلون میں بولی جاتی ہو گی۔

اگر شکنتلا کا نسخہ آپ کے سامنے ہو تو آپ میرے اس خیال سے اتفاق کریں گے کہ ڈرامہ کی فنی تکنک میں کوئی فرق بظاہر نہیں پایا جاتا۔ اس کا آغاز اور انجام، المیہ سے انحراف، انکوں کی ترتیب، روپ اور رس کا نکھار سب وہی ہے۔ وہی سوتردھار ڈرامہ کا تعارف کراتا اور دعا اور مناجات کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ وہی منظر کے اندر منظر کی پیش کشی کا سامان ہے۔ وہی ودوشک ہے جو راجاؤں کا بچپن کا ساتھی اور ہم راز ہے اور جو اپنی حرکات و

ممکنات سے ، اپنے لباس کی تراش خراش سے ، ڈرامے میں مزاح کا عنصر شا
کرتا ہے ۔ صرف کہانی کا برتاؤ مختلف ہے ۔ اور یہ ممکن ہے ، ڈرامہ نگاروں
طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے ہو یا موضوع کے بدل جانے کی وجہ سے ۔ بہرکیف
وجوہ کو بنیاد بنا کر کند مالا کی قدامت سے انکار معدلت پسندی کے خلا
نظر آتا ہے ۔

(۲)

کند مالا کی کہانی کا ماخذ والمیکی کی راماین ہے جس کے ۴۸ ویں
سے یہ داستان شروع ہوتی ہے ۔ ڈرامہ نگار نے اپنی ضروریات کے مطابق
کہانی میں قطع و برید کی ہے اور اسے اسٹیج کے قابل بنایا ہے ۔

اتر کاندا کے ۴۸ ویں بند میں مذکور ہے کہ راما نے اپنے بھ
لکشمن سے کہا کہ سیتا کا لنکا میں قیام ملک کے طول و عرض میں ؛
چہ میگوئیاں پھیلا رہا ہے ۔ اس لئے اسے چاہئے کہ اگلی صبح سیتا کو لے
وہ اس دیس سے باہر کہیں دور نکل جائے ۔ گنگا کے ساحلوں کے اس پا
والمیکی کا آشرم ہے جو تمازا کے کنارے اپنی بہشتی خوبصورتی اور سکون
آسائش کے لئے مشہور ہے ' سیتا کو وہیں چھوڑ دے اور فوری لوٹ آئے ۔

لکشمن نے حکم کی تعمیل کی اور سیتا کو لے چلا ۔ سیتا نے چلنے
پہلے بہت سے جواہر اور قیمتی کپڑے ساتھ لے لئے تاکہ آشرم کی داسیوں
نذر کئے جا سکیں ۔ دوسرے دن دوپہر ہونے تک وہ گنگا کے کنارے پہ
گئے ۔ لکشمن نے رو رو کر ساری داستان سنا دی ۔ سیتا کی کچھ سمجھ
نہ آیا ۔ سیتا کو گمان تھا کہ لکشمن اپنے بھائی کی اس مختصر سی جد
کو بھی برداشت نہیں کر سکتا ۔ سیتا نے اسے تسلی دی اور لکشمن نے آ
پونچھتے ہوئے مانجھی کو آواز دی کہ وہ اپنی ناؤ لے کر ادھر آجائے ۔ ناؤ
بیٹھ کر لکشمن اور سیتا گنگا کی لہروں پر بہنے لگے اور ایسے میں دو
لکشمن نے سیتا کو اس کے سفر کا مقصد بتانے کی کوشش کی ، رعایا
شر انگیزیوں سے اسے خبردار کیا اور والمیکی کے آشرم میں اس کے بن باس
ذکر بھی کر دیا ۔ لکشمن لوٹ آیا ۔ سیتا نے سلام و پیام بھجوا ۔
سیتا اکیلی رہ گئی ۔

آشرم کے باسیوں نے سیتا کو دیکھا اور والمیکی کو اطلاع کی ۔ وال
نے سیتا کو آشرم میں بلا لیا ۔

لکشمن نے سیتا کو آشرم کی طرف جاتے دیکھا اور اس کی جلا وطنی اور بن باس کے حکم پر اظہار خیال کرنے لگا۔ جس پر سمنترا نامی ، رتھ بان نے اسے بتایا کہ یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں ۔ لکشمن اجودھیا واپس ہو گیا ۔

اس کے بعد رامائن کے کئی بند ایسے ہیں جن میں سیتا کا کوئی ذکر نہیں۔ ۹۱ ویں بند میں کہا گیا ہے کہ راما نے گھوڑے کی قربانی (اشومیدھ) کا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ رسم نیمزا کے جنگل میں گومتی کے کنارے ادا کی جائے گی اور بھرت اور دوسرے عوام کی موجودگی میں سیتا کا حسین پیکر وہاں ایستادہ کیا جائے گا ۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس رسم میں شرکت کے لئے والمیکی بھی وہاں پہنچا ۔ یہ رسم سال بھر جاری رہی۔ وہیں والمیکی نے کسا اور لاوا اپنے دونوں نوعمر چیلوں کو حکم دیا کہ وہ راما کے محل کے آگے رامائن کے اشلوک پڑھیں ۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور راما نے ، یہ سوچ کر کہ یہ بچے سیتا کے بچے ہوں گے ، انہیں محل میں طلب کر لیا ۔ پھر اس نے والمیکی کے پاس پیام بھیجا کہ اگر سیتا بے گناہ ہے تو اس کی بے گناہی ثابت کی جائے ۔

سیتا نے اپنی بے گناہی اس طرح ثابت کی کہ زمین شق ہوئی اور ایک تخت برآمد ہوا جو سانپوں کے سروں پر قائم تھا ۔ دھرتی کی دیوی نے سیتا کا استقبال کیا اور اسے اپنے بازووں میں تھام کر تخت پر بٹھا دیا ۔ پھر تخت آہستہ آہستہ ڈوبتا گیا ، یہاں تک کہ وہ زمین میں سما گیا ۔

راما کا اس حزنیہ انجام پر برا حال ہوا اور اس نے اپنا جانشین اپنے دونوں بچوں کو بنا کر راج گدی سے علیحدگی اختیار کر لی ۔

اب اس سادہ سے قصے میں کند مالا کے مصنف نے جو رنگ آمیزی کی ہے ، احساسات کی جو دنیا بسائی ہے ، اصل قصے سے اپنے مقاصد کے لئے جو حسین گریز کیا ہے ، اس کا احساس آپ کو ڈرامے کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دن نگا کا چالاک ذہن ، راما اور سیتا کو اوتار کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک عام مرد اور عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے ۔ ان کے احساسات کو ، ان کی دلی واردات کو ، ان کے واقعاتی ردعمل کو ، وہ کوئی فوق فطرت رنگ نہیں دینا چاہتا ۔ بلکہ اسی دنیا میں ، ہمارے درمیان رکھ کر ، مشرقی مزاج اور انداز فکر کی بھر پور ترجمانی کے لئے انہیں استعمال

کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہے، یہ ڈرامہ دیکھنے والے ہی آپ کو بتا سکیں گے۔

(۳)

سنسکرت ڈرامہ چاہے وہ روپک کی کوئی قسم ہو یا ناٹک کی قسم، اداکاری اور ہیئت کے اعتبار سے ایک مخصوص کیفیت اور ایک جذبے یا رس کا دوسرا نام ہے۔ سنسکرت اسٹیج پر اداکار صرف حقیقت کی نقل نہیں کرتا بلکہ نفسیات انسانی کے تجزیہ و تحلیل کا ایک انوکھا اور روپ دھار لیتا ہے۔ جذبات نہایت باریک بینی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ میں بانٹ دیئے جاتے ہیں اور ہر جذبے کی علت اور تحریک کا پتہ لگانے کی ممکنہ کوشش کی جاتی ہے۔ اداکار کا کمال یہ ہے کہ وہ انسان کے خارجی پر اندرونی جذبات اور کیفیات کے رد عمل کا تعین کرتا ہے جو کسی نہ فطری داعیہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ تجزیہ و تحلیل بجائے خود شاعری ہے اور اداکاری بھی۔

منی بھرت کے زمانے سے لے کر سنسکرت ڈرامے کے دور متوسط تک اپنی سادگی اور پرکاری کے لئے ممتاز رہا ہے۔ اسٹیج کے اندرونی حصے میں پردہ تان دیا جاتا تھا جس کے پیچھے اداکار اپنا لباس درست کرتے تھے۔ میک اپ اور نک سک سے سج کر پردہ کے باہر نکل آتے تھے جہاں وہ اپنا اپنا کمال بے ساختگی سے ادا کرتے اور حاضرین سے داد حاصل کرتے تھے۔ ان کے فن کی تکمیل کے لئے کسی خارجی منظر یا سامان آرائش کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ماحول کے پابند نہ تھے بلکہ اپنے فن کی لطافتوں ہی سے وہ ایسا ماحول پیدا کرتے جس کی ترجمانی کے لئے وہ اسٹیج پر آئے تھے۔ ان کی اس کوشش کی حیثیت ایک ہندسیاتی جدول کی تھی۔ اور اس کا نتیجہ اتنا ہی یقینی اور معنی خیز تھا جتنا کہ ایک ہندسے کو دوسرے ہندسے سے جوڑنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ انہیں اپنے فن اور اپنے خلوص پر بھروسہ تھا اور اس بھروسے میں انہیں کبھی ناکامی کی صورت دیکھنی نہیں پڑی۔

سنسکرت اسٹیج کی اس سادگی کے باوجود جن باتوں کا خاص اہتمام ہمیں ملتا ہے وہ اس کے اداکاروں کا روایتی مخصوص لباس اور ان کے کی زبان ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ برہمن یا شودر جو ڈرامے کے اہم

ھیں ، سنسکرت چھوڑ کر پراکرت بولنے لگے ھوں ۔ پراکرت عورتوں اور عوام الناس کی زبان سمجھی جاتی تھی اور اس میں کسی لطیف خیال ، کسی دقیق مسئلے ، کسی حسین جذبے کی ترجمانی ممکن نہ تھی ۔ یہ تصور بہت ممکن ھے کہ قدیم برھمن سامراج کے بندھے ٹکے اصولوں اور ھندو معاشرے کی طبقاتی تقسیم کا نتیجہ ھو لیکن سنسکرت اور ھندی ڈرامے میں یہ خصوصیت اعتقاد کا درجہ حاصل کر گئی تھی ۔ اسٹیج پر عورتوں کا رول عورتیں ادا کرتی تھیں ، کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر لڑکے بھی اس مقصد کے لئے لے لئے جاتے تھے ۔ اداکاروں کے انتخاب میں بڑی دقیقہ سنجی اور باریک بینی سے کام لیا جاتا تھا ۔ جس رول کے لئے جو اداکار فطرتاً مناسبت رکھتا تھا ، اس کا انتخاب بلا کسی رو رعایت کے عمل میں لایا جاتا تھا ۔ رس اور بھاؤ کے مظاھروں کے لئے اگر ضرورت پڑتی تو جانور بھی اسٹیج پر لائے جاتے تھے لیکن یہ کوئی لازمی بات نہ تھی ۔ جیسا کہ ھم زیر نظر ڈرامہ کند مالا کے مطالعہ کے دوران میں محسوس کرتے ھیں کہ وہ رتھ جو سیتا کو لے جانے کے لئے اسٹیج پر لایا گیا تھا ، زندہ گھوڑوں سے جتا ھوا نہ تھا ۔ رتھ بان اپنے شانوں کی جنبش ، اپنے جسم کی حرکت اور ھاتھوں کی لرزش سے وہ کیفیت پیدا کرتا تھا جس سے اندازہ ھوتا تھا کہ رتھ کے گھوڑے سرپٹ بھاگے جا رھے ھیں اور انہیں روکنے کے لئے رتھ بان نے باگیں تھام رکھی ھیں ۔ رتھ میں بیٹھنے والوں کے مکالموں اور حرکتوں سے بھی رتھ کی رفتار کا اندازہ ھوتا تھا ، چنانچہ کند مالا کے یہ مکالمے اسی مقصد کو پورا کرتے ھیں :۔

لکشمن ۔ ھاں سمنترا ، گھوڑوں کو روکنے کی کوشش کرو ۔

سمنترا ۔ میں نے ساری کوشش کرلی ۔ مہاراج ۔ وہ نغمہ کے ایسے شیدائی ھیں کہ میری ھر کوشش رائگاں جا رھی ھے ۔ ھنسوں کے گیت ان کے کانوں کے پردوں پر بج رھے ھیں ، باگ تو ان پر کوئی اثر ھی نہیں کرتی ۔ ان کی رفتار اور بھی تیز ھو گئی ھے ۔

لکشمن ۔ لیکن سمنترا ۔ اگر وہ اسی رفتار سے اڑے جاتے ھیں تو انہیں ھموار اور ناھموار زمین میں تمیز نہ ھو سکے گی اور یکبارگی پورا

رتھ کا رتھ گنگا کے کٹے پھٹے ساحل پر اوندھا نظر آ۔
سو تمہیں اپنی پوری شکتی سے انہیں قابو میں کرنا ہے۔

(سمنترا حرکات سے باگوں پر قابو پانے کا اظہار کرتا ہے) ''۔

غرض یہ کہ زندہ جانوروں کا اسٹیج پر لایا جانا کوئی لازمی امر سوائے امر کے کہ اس کی ضرورت شدید ہو، جیسے شکنتلا کے استغراق محو انتظار رہنے کے لئے اس کے محبوب ہرن کی موجودگی۔

سنسکرت اسٹیج کے دور متوسط میں مختلف نوعیت کی صنعت کا اضافہ نظر آتا ہے۔ اب اسٹیج کو ماحول سازی کی خاطر طرح طر ساز و سامان سے آراستہ کرنے کی رسم چل نکلی تھی۔ چنانچہ شکنتلا کی سے پہلی پیش کش کے تعلق سے پروفیسر هورروٹنر نے جو رپورٹ مرتب اس کے پڑھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اسٹیج پر قدرتی مناظر کے پیش میں یہاں تک اہتمام کیا گیا تھا کہ پہاڑ سے آبشار کے گرنے کی آوا تک سنائی دے رہی تھی۔ طلوع آفتاب کی سنہری شعاعیں سرسبز درخ پتوں سے چھن چھن کر مہاراجہ وشودنت (کردار) کے چہرے پر پڑ تھیں۔ مہاراجہ دہقانی لباس پہنے، تیر اور کمان ہاتھ میں لئے اپنے رتھ سے اتر پڑا۔ پھر اسٹیج کا عقبی حصہ ابھرنے لگا اور دو سانولی لڑکیاں پودوں کو سینچتی دکھائی دیں۔ سوتر دھار نے اپنے لمبے عـ گردش دے کر اعلان کیا کہ شکنتلا اسٹیج پر نمودار ہو رہی ہے۔ شک اسٹیج پر آنا گویا شباب اور حسن کی تمام رنگینیوں کا سمٹ کر اسٹیج پر تھا۔ غرض یہ کہ اب اسٹیج پر صرف ایک پردہ آویزاں نہ تھا جو ادا کے میک اپ اور تبدیل لباس کے تخلیہ کا مقصد پورا کرتا، اب تو وہاں جـ کی آواز، رتھ کی ہوا میں پرواز، سبزہ زاروں کی لہلہاہٹ، مور کا مستانہ نوخیز و نو بہار سکھیوں کا عشوہ ساز حسن، سبھی کچھ موجود تھا۔ اسٹیج پ اور Decor کا خاص طور پر اہتمام کیا جانے لگا تھا تاکہ اس سے ماحول میں مدد مل سکے۔

کند مالا اس اجتہاد کے خلاف ایک صدائے باز گشت تھا۔ کـ غالباً اپنے نامساعد حالات اور وسائل کی کمی کے خیال سے کند مالا کے نے اپنے اسٹیج کو اسی قدیم سادگی اور پرکاری سے آراستہ کرنے کی کـ کی ہوگی اور کچھ اس خیال سے بھی کہ اسے اپنی ذہنی جودت اور اپج۔

ایک ایسا "کینوس" چاہئے تھا جس پر اس کے اپنے نقش، اس کے اپنے خاکے، انفرادی تاثر کے ساتھ نمایاں ہو سکیں۔ اسی لئے اس نے ان ساری صنعت کاریوں سے احتراز کیا ہے جو اس کے ڈرامے کی پیش کش میں کسی مرحلے پر بھی رکاوٹ بن سکتی تھیں۔ بغیر کسی غیر معمولی ساز و سامان کے کند مالا کسی دور میں بھی آسانی کے ساتھ اسٹیج کیا جا سکتا ہے اور اپنی سادگی کے باوجود، فنی تجربات کا دیرپا تاثر دیکھنے والے کے ذہن پر چھوڑ سکتا ہے۔

کند مالا اپنی ہئیت کے اعتبار سے ایک دلچسپ تجزیہ ہے۔ اس کے انگوں کی ترتیب سے کہانی کے ارتقائی مدارج کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہر انگ کے شروع میں ہمیں ایک ایسا کردار ضرور ملتا ہے۔ جو اہم بھی ہے اور غیر اہم بھی۔ اس کا کام پچھلے انگ کے واقعاتی تسلسل سے آنے والے انگ کے واقعات کو مربوط کرنا اور نہایت لطیف پیرائے میں آنے والے کرداروں سے حاضرین کو متعارف کرانا ہے۔ ڈرامے کی بساط پر کسی کردار کا آنا بے جوڑ نہیں معلوم دیتا بلکہ ذہن اس کے استقبال کے لئے پہلے ہی سے تیار رہتا ہے۔

کند مالا کا تیسرا انگ (ایکٹ - ۳) اسٹیج پر ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جس میں دو مختلف مناظر بہ یک وقت ناظرین کے سامنے آتے ہیں۔ ایک حصے میں لکشمن اور رام آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ سیتا کے بن باس کے خیال سے ان کے محسوسات میں ایک ہیجان سا ہے۔ چنبیلی کا ہار اور کسی کے انداز نقش پا ان کے تصورات کے لئے مہمیز کا کام دے رہے ہیں۔ امید کے چراغوں سے ان کے دل کے نہاں خانوں میں جیسے اجالا سا ہونے لگا ہے۔ ایسے میں ایک اور گوشہ سا اسٹیج پر نمایاں ہوتا ہے جو گویا ابھی تک تاریکی میں تھا اور اب روشنی میں آ جانے کی وجہ سے نظر آنے لگا ہے۔ بیلوں کے جھنڈ تلے سیتا پھول توڑنے میں مصروف ہے۔ راما کی آواز سن کر اپنے آپ سے کہنے لگتی ہے۔

" یہ کون ہو سکتا ہے جس کی آواز برسات کے گرجتے ہوئے بادل کی طرح گمبھیر ہے اور جس نے میرے جسم کو لرزا دیا ہے — "

راما اپنے خیال میں غرق، سیتا کی موجودگی سے بے خبر، اپنے آپ سے باتیں کئے جا رہے ہیں اور سیتا ان تمام باتوں کو سن کر وفور جذبات سے مغلوب

هو کر جس خود کلامی میں مصروف هوتی هے وہ بہ یک وقت حاضرین کے
گزار بھی هے اور راما کے اضطراب حال کا مناسب و معقول جواب بھی

یہی کیفیت چوتھے انک (ایکٹ - ۴) کے آخری حصے میں ب
پیدا هو جاتی هے اور مطالعہ کرنے والے کے ذهن پر اپنے گہرے نقوش
جاتی هے -

منظر کے اندر منظر کی پیش کشی ، اگرچہ صرف کند مالا کی خص
نہیں هے لیکن اس کے انکوں کے غائر مطالعہ سے همیں یہ احساس هوتا
کند مالا کے مصنف نے اس خوبی کو بھی مکمل سادگی کے ساتھ اپن
کوشش کی هے - اسٹیج کی جدید سہولتوں اور سائنس کی گوناگوں برکت
مد نظر رکھتے هوئے یہ بات همارے لئے بہت آسان دکھائی دیتی هے
چوتھی صدی میں جب کہ قدرت کے عناصر اربعہ پر انسان کو اتنا اقتدار حا
تھا ، اسٹیج پر منظر کے اندر منظر کی پیش کشی کافی دقت طلب کام هو

ودوشک اپنے لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے مضحکہ خیز
لیکن مکالموں کے تعلق سے وہ ڈرامہ کا ایک وقیع کردار هے - ایسا
هوتا هے کہ اس کے ظاهر اور باطن کے اختلاف سے مزاح پیدا کرنے کی
از منہ قدیم سے سنسکرت زبان کے ڈرامہ نویسوں کے پیش نظر رهی -
دیکھنے میں ایک کردار هے لیکن باتیں سوجھ بوجھ کی کرتا هے - واق
تنقیدی نظر رکھتا اور ڈرامے میں کاروبار شوق کا جو سلسلہ هے ، اس
بڑھانے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں هنستے بولتے کام کر
هے -

ایسے مقامات جہاں فطرت کی هولناکیوں کا مظاهرہ کرنا مقص
وهاں ایسا محسوس هوتا هے جیسے موسیقی سے یہ کیفیت پیدا کرنے کی
کی جاتی تھی -

غرض کہ کند مالا اور شکنتلا دونوں ایک هی دور کی تخلیقات
فرق صرف اتنا هے کہ ایک کو دربار کی سرپرستی حاصل تھی اس لئے ساز
سے آراستہ تھا اور دوسرا اپنی بے سر و سامانی کے باوجود سنسکرت ا-
سادگی اور پرکاری کا مرقع تھا -

(۴)

تقابلی مطالعے کی غرض سے یہ مناسب ہوگا کہ کالی داس کے ڈرامے وکرم اروسی اور شکنتلا کا مختصر طور پر فنی جائزہ بھی لیا جائے ۔

جہاں تک وکرم اروسی کا تعلق ہے ، یہ شکنتلا کے فن کارانہ حسن اور جاذبیت کو نہیں پہنچ سکتا ۔ اس ڈرامے میں ایک ایسی کہانی کا سہارا لیا گیا ہے جو اپسراؤں سے تعلق رکھتی ہے ، اس لئے کہانی کے موضوع میں ابہام بہت ہے ۔ آکاش پر اندر کے سورگ کے تماشے ، دیووں اور دیوتاؤں کی جنگ ' رشیوں اور اوتاروں کی فضائی نبرد آزمائیاں ، یہ سب فوق الفطرت مظاہر ہیں جن سے کہانی کی تشکیل کی گئی ہے ۔ اروسی لاکھ ادمیت کا روپ دھار لے ، پڑھنے والے کے ذہن پر اس کا وہی اپسرائی وجود غالب رہتا ہے ، اس لئے کہانی کے کردار ہم میں سے ہوتے ہوئے بھی ہم میں سے نہیں ہوتے ۔ پھر خود راجہ کا کردار ایک ' لوبھی ' حسن کے متوالے کا کردار ہے جو اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسری عورتوں سے ، چاہے وہ کیسی ہی اپسرائیں کیوں نہ ہوں ، موہ لیلا رچاتا ہے ۔ ایسا کردار شاعری کو بھی رفعت نہیں بخش سکتا چہ جائیکہ کسی معاشرتی ڈرامے کو ۔

فنی اعتبار سے بھی ' وکرم اروسی ، شکنتلا کے پائے کی تخلیق نہیں ، اس میں مکالمے طویل اور بے کیف ہو گئے ہیں ، کالی داس کی شعریت نے اس بے کیفی کو سہارنے میں بڑی حد تک مدد کی ہے پھر بھی اکثر جگہوں سے یہ دامن چاک نظر آتا ہے ۔

شکنتلا کی بات اس سے مختلف ہے ۔ اس ڈرامے میں کہانی کا برتاؤ بڑا فن کارانہ ہے ۔ اس میں کالی داس نے بھرپور شاعری کی ہے اور ڈرامے کی ابتدا سے لے کر آخر تک وہ اپنی حسن کارانہ روش میں کامیاب ہے ۔ موضوع ویسا مبہم نہیں جیسا کہ وکرم اروسی کا ہے ۔ فوق الفطرت مظاہر سے اس ڈرامے میں بھی کام لیا گیا ہے لیکن وہ گوارا ہیں ۔ انسانی نفسیات کی ہجرو وصال کی حالت میں جو عکاسی کی گئی ہے وہ فنی اعتبار سے بڑا وزن رکھتی ہے ۔ مقامی تشبیہات نے محسوسات کی دنیا میں بہار کی سی رنگا رنگ کیفیت پیدا کر دی ہے ۔

شکنتلا کا ہیرو بھی عاشق مزاج ، دل پھینک زدو پشیمان ، چندر بن
گھرانے کا راجہ ہے ۔ بھولی بھالی شکنتلا پر فریفتہ ہو جاتا ہے
اپسرا کے بطن سے ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا تاثر ا
کرنے کے لئے اپسرا سے تعلق قائم کر دینا کچھ ضروری خیال کیا
تھا۔ وصال کی لذتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد ، راجہ ایک رشی کی بد دعا
کارن شکنتلا کو بھول جاتا ہے ۔ کہانی کے نقطۂ نظر سے راجہ کی یہ بھو
موضوع کی گرفت کو ڈھیلا کر دیتی ہے ۔ چنانچہ وہ مقام جہاں شکنتلا راجہ
سامنے آتی ہے اور گوتمی مائی اسے راجہ کے حوالہ کرنا چاہتی ہے ، راجہ کا س
سے شکنتلا کو بیوی ماننے سے انکار ، ڈرامے کو ایک انتہائی جذباتی عروج
لے آتا ہے۔ اور پڑھنے والے کا دل چاہتا ہے کہ اب محسوسات کی گر
کھلیں ، ضبط کے بند ٹوٹ جائیں اور کالی داس کا موئے قلم ان گھورے
چھپے ہوئے محسوسات کی عکاسی کرے جو شکنتلا کے دل میں جوالا مکھی
طرح پھوٹ رہے ہوں گے ۔ مگر یہ دیکھ کر پڑھنے والے کو مایوسی ہوتی
کہ وہ اس نقطۂ عروج سے اس طرح گزر جاتا ہے جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی
پھسل پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو مزاجوں ، دو صنفوں اور دو سم
حیثیتوں کا یہ ٹکراؤ ایک معمولی واقعہ نظر آتا ہے اور اپنا کوئی
نقش پڑھنے والے کے دل و دماغ پر نہیں چھوڑتا ۔ اس کے بعد ایک اپ
کا شکنتلا کو اٹھا لے جانا ، کہانی کی جاذبیت اور گھمبیرتا سے ایک اور
نکال لیتا ہے اور وکرم اروشی کی طرح پھر ڈرامے میں ابہام کی سی کیفیت
ہو جاتی ہے ۔

شکنتلا کا آخری منظر جس میں راجہ دشینت کی ملاقات اس کے
لڑکے سے ہوتی ہے ، وہ تاثر پیدا نہیں کرتا جو کند مالا کا پانچواں اور
منظر پیدا کرتا ہے۔ کند مالا میں لڑکیوں کا کردار زیادہ حقیقی اور زیادہ
ہے ۔ ان میں زندگی اور حرارت سی محسوس ہوتی ہے۔

کند مالا ، بہ حیثیت ڈرامہ ، شکنتلا سے ممتاز ڈرامہ ہے ۔ اس کی ک
میں بڑی گہرائی ، بڑی گرفت اور بڑی گیرائی ہے ، اس کے کردار فوق اا
بن کر نہیں بلکہ معمولی انسانوں کی طرح سامنے آتے ہیں اور
محسوسات کی ایک ایسی تنویر بکھیرتے جاتے ہیں جس میں آپ کے اور ہما
احساسات کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان کے غم فراق میں ہم
غم فراق اور ان کے عہد وصال میں ہم اپنا عہد وصال محسوس کرتے ہ

مشرق کی عورت کی جو حسن کارانہ تصویر کند مالا میں ہمیں ملتی ہے، ویسی تصویر ہمیں شکنتلا میں بھی نہیں ملتی۔ شکنتلا کے کردار میں انفعالیت زیادہ ہے۔ شوہر پرستی اور وفا شعاری کے جذبے نے اس سے خودی کا احساس چھین لیا ہے۔ اس کی سپردگی میں عورت کا نسوانی وقار مجروح نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس کند مالا کی سیتا کا کردار مشرق عورت کے کردار کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ شکنتلا ایک الھڑ، نا تجربہ کار دوشیزہ ہے اس لئے مشرق کی عورت کی مکمل نمائندگی نہیں کرتی۔ سیتا ایک بیاہتا عورت ہے اور اپنے احساسات میں تکمیل کی منزل کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے اندر عورت کا ہر جذبہ ایک خاص دلکشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ سپردگی اور فنادگی کا قیامت خیز جذبہ بھی ہے، خود داری اور غیرت کا بھرپور احساس بھی۔ محبت اور شیفتگی نے سامان جنون بھی مہیا کر رکھے ہیں، بیوی کی حیثیت سے وفا شعاری اور شوہر پرستی کے جذبات نے خرد کی باگیں بھی تھام رکھی ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کے انداز میں مشرق کا روایتی حسن رچا ہوا ہے۔

کند مالا کی کہانی جن قدروں کے سہارے آگے بڑھتی ہے وہ ایسے جذبات ہیں جو سچے ہیں، پاکیزہ ہیں اور ہمارے مشاہدات اور محسوسات کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ ان میں کسی اخلاقی یا سماجی جرم کی عفونت نہیں۔

سیتا بہ حیثیت عورت اور رام بہ حیثیت مرد، مشرق کے مخصوص انداز فکر کی ترجمانی کرتے ہیں اور پھر اس ڈرامے میں کون سا کردار ہے جو مشرقی تہذیب اور روایات سے سرمو منحرف نظر آتا ہو۔

مجموعی حیثیت سے کند مالا کا تاثر جتنا گہرا ہمارے دل و دماغ پر ہوتا ہے، اتنی نہ تو شکنتلا سے ہمیں سیرابی ہوتی ہے اور نہ وکرم اروسی سے۔ پلاٹ کے فنکارانہ استعمال میں دن نگا کا ذہن کالی داس سے زیادہ روشن اور متحرک دکھائی دیتا ہے۔ وہ محض جذباتیت میں گم نہیں ہوتا بلکہ کہانی کو مکالموں کی چابک دستی سے ایسا گوندھتا جاتا ہے کہ اس کے تسلسل اور گیرائی میں کہیں جھول نظر نہیں آتا اور آپ اس کے ہر موڑ پر اس کے حسن کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ دن نگا کی خوبی یہ ہے کہ اس نے کہانی کی سادگی اور پرکاری پر زیادہ بھروسہ کیا ہے اور وہ ایسی ایسی الجھنوں میں مبتلا نہیں کرتا جن سے حیرانی تو پیدا ہو سکتی ہے

لیکن کہانی کا حسن ، واقعات کی ہموار رفتار اور احساسات کا متوازن ک
مجروح ہو جاتا ہے ۔ کہانی کا عروج وہی ہے جو اس کا نقطہٗ آغاز ہے ۔ ۔
کو بن کے حوالے کرنے کا ارادہ خود کہانی کو اس بلندی پر لے آتا ہے جہ
پڑھنے والے کے ذہن میں ایک ترحم آمیز اضطراب کروٹیں لینے لگتا ہے
وہ سوچتا ہے کہ آخر یہ سب کیوں ہے ۔ انسانی اعتبار سے شبہ کی صداقت
یقین کرتے ہوئے بھی سیتا کے بن باس کو ظلم سمجھتا ہے، یہ ظلم ستیا
نہیں بلکہ عورت پر ہے۔ اضطراب کی اسی کسک کو لئے آپ مصنف کے ۔
ہو جاتے ہیں جو آپ کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں کوئی بات ،
تو یقینی نہیں ۔ آپ کے دل میں پیدا ہونے والے چھوٹے سے چھوٹے رد ع
کو وہ زبان دے دیتا ہے اور ڈرامے کا کوئی نہ کوئی کردار آپ کے ذہن کی،
کے محسوسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ایسے میں آپ کی حالت اس آوارہ ، خ
رسیدہ پتے کی طرح ہے جو پانی کی لہروں پر ڈولتا پھرتا ہے۔ آپ کو کہ
رام چندر جی پر غصہ آئے گا ، جنھوں نے سیتا کو تج کر ظلم کیا ہے
مگر دوسرے ہی لمحہ آپ ایسا نہ کہہ سکیں گے۔ آپ کو محسوس ہوگا
رام چندر جی بھی ایک انسان تھے ، ایک مرد تھے اور مرد ، عورت کے تہ
سے ، ان حالات میں کس قدر شکی اور کس قدر رشک کرنے والا ہوتا ہے
انھوں نے غلطی ضرور کی لیکن اپنی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر ۔
ان کی نیت پر غور کریں گے جس کی تہہ میں کھوٹ نہیں ۔ سیتا کے جذ
آپ کے تخیلات ، تفکرات اور محسوسات کو پر لگا کر اپنے ساتھ لے اڑیں
اور آپ اس کی ہم خیالی میں کبھی رام چندر جی کو '' نروی '' کہیں ۔
کبھی قابل رحم سمجھیں گے ۔ یہ تذبذب کی کیفیت اس وقت تک ہے جب
کہ رام اور سیتا ایک جھیل کے کنارے یکجا نہیں ہو جاتے اور پھر ''فر
وصال نما '' کی کیفیات میں جو جو موشگافیاں کی گئی ہیں وہ آپ کے جذ
میں ایک گہرے اور باوقار حزن کا کیف بھر دیں گی ۔ یہ ڈرامے کا وہ ۔
ہوگا جہاں مصنف آپ کی فکری صلاحیتوں کو اپنی گرفت میں لے لے گا
پھر آپ کے دل میں آرزو بیدار ہوگی کہ کاش یہ فراق کی گھڑیاں ختم ہوں
رام چندر جی کو ان کی سیتا ، مرد کو اس کی عورت مل جائے ۔ ڈرامہ
مسکرائے گا ۔ ایسا ہی ہوگا ۔ پھر وہ فوراً نہیں بلکہ ایسی سنجیدگی اور ا
دھیرج کے ساتھ کہ آپ محسوس بھی نہ کر پائیں ، واقعات کے بہاؤ کا رخ
دے گا ۔ اور چپکے چپکے آپ کے دل سے اندوہ فراق کی کیفیت گھٹتی ہوئی مس

ہو گی اور امید کے دیپ جیسے، ایک کے بعد ایک، آپ کے احساس کی دنیا میں روشن ہو جائیں گے۔

جب آپ ڈرامہ ختم کر چکیں گے تو آپ کا دل مطمئن ہوگا کہ مصنف نے آپ کے احساسات کی پراگندگی کا جو جرم کیا تھا وہ اس کا خوشگوار اور خوش آئیند بدل بھی آپ کو دے گیا۔ اس نے آپ سے کوئی چیز لی نہیں بلکہ آپ کے احساس میں تھوڑی سی ہلچل پیدا کر کے انہیں دوبارہ اس طرح مربوط کر دیا جیسے پیانو کی پتیوں کو بے قرار کر کے مغنی کوئی ہم آہنگ اور رسیلا نغمہ پیدا کر لیتا ہے۔

اس کے پاس شاعرانہ معدلت ہے اور اس کے لئے حسین اور لطیف اظہار بیان بھی۔

(۵)

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے، میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ زبان سادہ اور اثر انگیز رہے اور موقع محل کے اعتبار سے صرف ایسے ہندی الفاظ سے فائدہ اٹھایا جائے جو ہمارے کانوں کے لئے ابھی غیر مانوس نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے استعمال سے مکالموں کی روح کے برقرار رکھنے اور کرداروں کے ساتھ میں نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ ڈرامے کو ہم مزاج کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ڈرامے کے اصل متن سے ایماندارانہ مطابقت برقرار رکھتے ہوئے، اس انداز فکر کو گھائل نہ ہونے دیا جائے جو ڈرامہ لکھتے ہوئے اس عظیم فن کار کے پیش نظر تھا۔

ہم آج جس دور سے گزر رہے ہیں وہ مغرب زدگی کا دور ہے جس میں ہم نے اپنی مشرقی روایات، اخلاقی قدروں اور تہذیبی ورثے کو یکسر بھلا دیا ہے۔ کنند مالا ایک صدائے بازگشت ہے جو آپ کو ان روایات ہی کی ایک جھلک دکھائے گا۔ آپ کی فطرت کے چھپے ہوئے جوہر پھر ایک بار جگمگا کر آپ کو احساس دلائیں گے کہ وہ آپ کی بھول کے دھندلکوں میں کھوئے گئے ہیں۔ انہیں کھو کر آپ نے مغرب کے مریض ذہن اور بیمار روح کو اپنایا ہے اور ان کے ظاہری علوم و فلسفہ کی چکا چوند میں زندگی کی

پر سکون شاہراہوں سے ہٹ گئے ہیں ۔ آج ان مغربی حکماء کو بھی ذہنی امراض کا مداوا چاہئے ۔ وہ بھی اب سینہ' مشرق سے گرمی' احسہ سکون حیات اور آسودگی' فکر کے طلبگار ہیں ۔ اگر کند مالا کے کردا کے اندر اس احساس کی تھوڑی سی کسک بھی پیدا کر دیتے ہیں ، سمجھ لیجئے کہ کند مالا اپنی تخلیق کے مقاصد میں ناکام نہیں ۔

— * —

لغت کبیر اُرْدُو

مؤلفہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

(قسط - ۴)

مہاروپ - ۴ - خود خلق شدہ ، آپ پیدا شدہ یعنی خالق ، خدا [٥]

- زندم جہاں زندہ
- زندہ جہاں زندہ } (آر فقرہ) جہلا کی گھڑی ہوئی مثل ، یعنی ۱- ہم زندہ ہیں تب تک دنیا بھی زندہ ہے - ہماری آنکھ بند ہونا ہماری نظر سے ساری دنیا کے فنا ہو جانے کے برابر ہے -

- سے (مف) ۱- خود بخود ، از خود ، آپ ہی - م : عورت رہے تو آپ سے نہ رکے تو سگے باپ سے (کہاوت)

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
(ذوق)

۲- بلا جد و جہد ، بے منت -

مقسوم کا جو ہے سو وہ پہنچے گا آپ سے
پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پسارئیے
(آتش)

۳- دیدہ و دانستہ ، جان بوجھ کر یا اپنے ہاتھوں -

کوئی بھی آپ سے پڑتا ہے دلا آفت میں
تھا یہ تقدیر کا لکھا جو ہوئے آن پر غش
(سید احمد)

۴- اپنی خوشی سے ، بہ طیب خاطر - ع

آپ سے ہم نے مقرر کی ہے اپنی جا قفس
(یقین)

کہا کہ ہم نہیں آنے کے یاں تو اُس نے نظیر
کہا کہ سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو -

- سے آپ (مف) ۱- اپنی خوشی سے ، بے منت ۲- خود بخود - آپ ہی -

بخت سرگشتہ اگر ہو گئے سیدھے اپنے
تو چلے آئیں گے سیدھے وہ یہیں آپ سے آپ
(ظفر)

۳- بے وجہ ، بے سبب یا بلاوجہِ معقول ۔

دل پہ کچھ صدمہ غم عشق نے پہنچایا ہے
چشم رہتی نہیں اشکوں سے یہ تر آپ سے آپ
(ظفر)

۴- بے کوشش و تدبیر ، منجانب اللہ ، قدرتاً ۔

کسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کرم
کام بگڑے ہوئے بن جائیں یوں ہی آپ سے آپ
(ظفر)

۵- حسب عادت ، عادتاً ۔

نہ چھٹی توپ تو کیا مر گئے وہ بھی شب د
بول اٹھتے تھے جو مرغانِ سحر آپ سے
(شاد لکھنوی

۶- خواہ مخواہ ، زبردستی ۔ م: زبردستی کس کے
جاؤں ، آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں (محمد
ص ۱۱۲)

— سے اچھا خدا (فقرہ) دیکھو آپ سے خوب خدا ۔

— سے آنا اپنی خوشی سے آنا (دیکھو '' آپ سے '' معنی نمبر

— سے باھر (ص ۔ مف) ۱- ضبط و اختیار سے باھر، قابو سے بے
حواسوں سے خارج ، مست ۔

آپ سے ہو گیا ہے کیوں باھر
آگ لگ جائے تیری مستی کو
(نواب مرزا شوق)

۲- مارے خوشی کے جامے سے باھر ، فرطِ مسرت
لبریز ، باغ باغ ۔

کس نے وعدہ گھر میں آنے کا کیا
آپ سے باھر ہوئے جاتے ہیں ہم
(رند)

۳- جامے سے باہر ، غیظ و غضب میں - م : ذری سی بات میں آپ سے باہر ہو جاتے ہیں - ۴- مغرور ، متکبر ، ٹرّا - م : اوچھے کو خدا دولت نہ دے کہ اسے آپ سے باہر کر دے - ۵- کسی بات میں دریغ کرنے والا ، حکم سے روگرداں یا گریزاں ، غیر مطیع - م : آپ ہمارے ساتھ سلوک کریں تو ہم بھی آپ سے باہر نہیں - (مصادر : کرنا - ہونا)

آپ سے بے آپ ہونا (ف ل) ۱- دیکھو ' آپے سے باہر ہونا ' - م: اتنی سی بات پر آپ سے بے آپ تو نہ ہوں - ۲- ہوش و حواس کھو دینا ، ہوش و حواس میں نہ رہنا -

آپ سے بے آپ ہو جائیں گے تجھ کو ڈھونڈ کر
گھر سے بے گھر ہم کو کر دے گی ترے گھر کی تلاش
(قدر)

دیکھو آپ سے گزر جانا -

— سے تم ، تم سے تو ہونا (ف ل) ۱- رفتہ رفتہ قدر و منزلت گھٹتے گھٹتے کچھ نہ رہنا - تو تکار سے مخاطب ہونے لگنا -

آپ سے تم ، تم سے تو ہونے لگی
اب یہ میری آبرو ہونے لگی

۲- بات بڑھ کر تو تکار کی نوبت آ جانا ، آخر گالم گلوچ ہونے لگنا - م : آپ سے تم ، تم سے تو ہونے لگی تھی جوتی پیزار کی کسر باقی تھی کہ بیچ بچاؤ کرا دیا گیا -

— سے جانا (ف ل) ۱- ہوش و حواس کھونا ، بے سدھ ہونا ، گم ہونا -

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ کے خیال کس گھر کا

۲- آپ (مخاطب) سے بے تعلق یا قطع تعلق ہو جانا

یا کسی دوسرے کے کام کا نہ رہنا ۔ م : ہم آپ سے گئے اور آپ ہم سے ۔

— سے خوب خدا (کہاوت) ۱- اپنے سے بڑھ کر کوئی نہیں ۔ ۲- اپنے سے زیادہ مستحق صرف خدا ہے ۔

آپ سے خوب اے صنم ہے خدا
(شاد)

— سے دور (فقرہ) دیکھو ' آپ کی جان سے دور ' ۔

تپ فرقت سے تھیں ابھی رنجور
جان پر بن گئی تھی آپ سے دور
(شوق لکھنؤی)

— سے (گزر) جانا (ف ل) ۱- ہوش و حواس کھو دینا

پوچھ مت قافلۂ شوق کدھر جاتا ہے
راہ رو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے
(درد)

۲- اپنی ہستی بھول کر مغرور ہو جانا ۔ انسانیت سے باہر ہو جانا ۔ م : داروغہ کیا ہوئے آپ سے گزر گئے۔

— فضیحت اور کو نصیحت } (محاورہ) ناصح کا عمل اپنی نصیحت کے برخلاف ہے ۔

— کاج (مثل) ۱- ذاتی کام ، اپنا کام - ۲- اپنے ہاتھ سے کیا ہوا - م : آپ کاج مہا کاج -

[ہ : (آپ + کاج) دیکھو کاج]

— کا سر (فقرہ) جھلا کر بول اٹھتے ہیں جب کہ نفی میں جواب دینا یا کچھ نہ بتانا مقصود ہوتا ہے م : پوچھا صبح سے کچھ کھایا بھی ، بولے ' آپ کا سر ' ۔

۲- بہت خراب اور نکما - م : اس کو کہتے ہو کہ کام اچھا ہوا ! آپ کا سر ہوا ۔

آپ کو (مف) ۱- اپنی ذات ، کنہ و حقیقت کو - م : جس نے آپ کو پہچانا خدا کو پہچان لیا - ۲- بجائے خود الگ - م : یہ آپ کو لال پیلے ہو رہے ہیں ، وہ آپ کو منہ پھلائے بیٹھے ہیں - ۳- اپنے تئیں ، خود کے تئیں ، خود کو - ع

نہ ڈبو دیدہ و دانستہ صبا آپ کو تو
(صبا)

۴- ہم کو ، اپنے کو - م: جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ہم نے اپنے دل سے کہا کہ آپ کو کیا جیسی پڑے گی وہ آپ بھگتے گا - ۵- ایک کنارے - م : آپ کو ہوجا سامنے سے موٹر آ رہی ہے - ۶- جسم و اعضا کو ، دست و پا کو ، بدن کو - م : چپ لمبے لیٹ کر آپ کو ڈھیلا چھوڑ دو ۔

— **کو آسمان پر کھینچنا** - (ف م) اپنے کو بہت ارفع و اعلیٰ سمجھنا ، آسمان پر دماغ پہنچانا ، بہت غرور و تکبر کرنا ۔

کیا آسماں پہ کھینچیے کوئی میر آپ کو
جانا جہاں سے سب کو مسلم ہے زیر خاک
(میر)

— **کو بھلا دینا ، بھلانا** (ف م) ۱- اپنے پچھلے زمانے اور سابقہ حالت کو فراموش کر دینا - ۲- اپنی حد پر نہ رہنا - گستاخ و بے ادب ہونا ، بڑھ چلنا - اترانا - م: آپ کو بھولی چھوکری تو ابھی مزا چکھا دوں گی - (عو) ۳- اپنے تن بدن کا ہوش نہ رکھنا ، اپنے کھانے پینے پہننے سے بے پروا ہو جانا - م : بچوں کے پالنے میں ایسی پڑی ہے کہ آپ کو بھلا دیا ہے - ۴- خودی کو مٹا دینا ،

نفس کو فنا کر دینا ۔ م : فقیری میں آپ کو تو بھلا ہی دینا پڑتا ہے ۔

آپ کو بھول جانا — (ف ل) دیکھو ' آپ کو بھلا دینا ' ۔

— کو پانا — (ف م) اپنی کنہ ، ہستی کو دریافت کرنا ، اپنی حقیقت و ماہئیت کا پتا لگانا ۔

جو کوئی آپ کو پائے تو اس کو بھی پائے
سراغ یار کا اپنے سراغ سے ڈھونڈو
(ظفر)

— کو پیٹ لینا — (ف م) (عو) اپنے تئیں خود دو ہتّڑ مار لینا ۔ م : کچھ بس نہیں چلتا آپ کو پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے ۔

— کو تاننا — (ف م) غرور کرنا ، اکڑنا ، اینٹھنا ۔ ع : اس شاعری پہ آپ کو اتنا نہ تانیے ۔

— کو دور جاننا — (ف م) ۱۔ اپنے تئیں بڑا سمجھنا ۔ ۲۔ اپنی نسبت بلند رائے رکھنا ۔

۳۔ خود کو دانشمند یا بزرگ خیال کرنا ۔

ابلہی سے دعوئ عقل و شعور
اپنے نزدیک آپ کو جانے ہے دور
(مومن)

— کو دور کھینچنا — (ف م) ۱۔ کنارہ کش ہونا یا الگ الگ دور دور رہنا ، بچنا ۔ ۲۔ نفرت کرنا ۔ ع : دور اتنا آپ کو مجھ سے نہ اے خونخوار کھینچ (ناسخ)

۳۔ مغرور و متکبر ہونا یا غرور کرنا ، اپنے تئیں سب سے فائق و بالا تر سمجھنا ۔

کہیں فلک پہ نہ چڑھ جائے چاند جھومر کا
کہ دور آپ کو کھینچے ہے تیرے سر چڑھ کر
(ذوق)

— کو دے دے دے مارنا } (ف م) دیکھو ' دے دے مارنا ' ۔

— کو روکنا (ف م) اپنے نفس کو قابو میں رکھنا ، اپنے تئیں باز رکھنا ۔

اول شب تو بہت آپ کو ہم روکے رہے
نہ رہی وصل میں پر ضبط کی تاب آخر شب
(ناسخ)

— کو شاخ زعفران سمجھنا } (ف ل) ۱- غرور کرنا ، دون کی لینا ۔ ۲- اپنے آپ کو دنیا سے نرالا یا برتر سمجھنا ۔
— کو شاخ زعفران گننا

گنے ہے آپ کو کیا شاخ زعفران دیکھو
شگوفہ اور ہی لائی ہے اب کی بار بسنت
(نصیر)

— کو فلک پر کھینچنا } (ف ل) دیکھو ' آپ کو آسمان پر کھینچنا ' ۔

آپ کو لاکھ وہ مہ پارہ فلک پر کھینچے
دیکھ ہی لیں گے کبھی دور سے چلتے پھرتے
(منیر)

— کو کچھ سمجھنا } (ف ل) اپنے دل میں ، اپنے تئیں بڑا لائق ، قابل ، شہزور وغیرہ تصور کرنا ۔ م : آپ کو کچھ سمجھتے ہیں جبھی تو اکڑتے ہیں ۔
— کو کچھ گننا
— کو کھونا (ف م) ۱- اپنی ہستی اور خودی کو فراموش کرنا ، آپ سے گزر جانا ۔

آپے پانا نہیں آساں کہ ہم نے
نہ جب تک آپ کو کھویا نہ پایا
(ظفر)

۲- اپنے تئیں بیکار و ضائع کرنا - م : ایسی صحبتوں میں بیٹھ کر کیوں آپ کو کھوتا ہے، کچھ تو عقل سے کام لو -

— کو کھینچنا (ف م) دیکھو ' آپ کو دور کھینچنا ' معنی نمبر ۱- ع:

نہ اتنا آپ کو اے آسماں کھینچ
(شاد لکھنوی)

— کو مٹا دینا (ف م) ۱- خودی کو چھوڑ دینا ، نفس کو ملیا میٹ کر دینا - ع

مٹا دے آپ کو منظور ہے گر نامور ہونا
(رند)

۲- اپنی حالت خراب کر لینا - حیثیت بگاڑ لینا - م : جس کے پیچھے آپ کو مٹا دیا افسوس وہی ہمارا نہ ہوا -

— کی بلا سے (فقرہ) دیکھو بلا سے

— کی جان سے دور (فقرہ) (عو) دیکھو ' جان سے دور ' -

— کی جوتیوں کا صدقہ ہے - } (محاورہ) (کلمۂ اخلاق و انکسار) ۱- آپ کی جوتیاں اٹھانے سے یہ دولت و علم وغیرہ نصیب ہوا ہے، آپ کی خدمت گزاری کرنے کا صلہ ہے - ۲- آپ کے مبارک قدوم کی برکت ہے - ۳- یہ آپ کی عنایت و شفقت کا ظہورا ہے - م: استاد کے قدم لے کر کہا ''حضور یہ سب آپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے'' - ۴- (لطیفہ) آپ کی جوتیاں فروخت کر کے یہ دعوت آپ کی کی گئی ہے - م : مہمان کھانے کی تعریف کرتا جاتا تھا اور میزبان ہر تعریف پر کہتا جاتا تھا '' یہ آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے'' آخر مہمان رخصت ہونے لگا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کی جوتیاں ندارد ہیں -

کی خفت سر آنکھوں پر } (فقرہ) رفع خجالت کا کلمہ ، کسی کا راز منہ در منہ کھولتے وقت معذرت کے طور پر مستعمل -

بزم اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھوں پر
مہرباں آپ کی خفت مرے سر آنکھوں پر
(داغ)

یعنی آپ کچھ شرمندگی نہ اٹھائیں آپ کی خجالت کا بار سر آنکھوں سے اٹھانے کو میں حاضر ہوں - گویا اس طرح اُسے اور شرمندہ کرنا ہوتا ہے -

کی دعا سے (کلمۂ اخلاق و انکسار) آپ کی دعائے خیر کی برکت سے ، آپ کے کرم سے - م : آپ کی دعا سے میری بڑی بڑی ریاستوں میں مانگ ہے (دلی کی آوازیں ص ۷۴)

کی صورت تو دیکھو } (فقرہ) ۱- آپ جو چاہتے یا فرماتے ہیں اُس بات سے ان کی شکل کا تو مقابلہ کرو ، صورت سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں ؟ - م: نواب کی بیٹی سے شادی کریں گے ، آپ کی صورت تو دیکھو -

کی کیا بات (فقرہ) دیکھو ' بات ' کے تحت -

کے دشمن (مذ) دیکھو ' دشمن ' کے تحت -

کے میرے (مف) (لکھنؤ) میرے آپ کے درمیان ، ہمارے اپ کے باہم -

میں رو دیا جو امیر اُن کے مسکرانے پر
تو بولے آپ کے میرے ہنسی نہیں ہوتی
(امیر)

کے فرمانے کی بات ہے ! } (فقرہ) ('کے' پر زور کے ساتھ) استفہام انکاری - آپ کے کہنے کے لائق یہ کلمہ نہیں - م : میں آپ کا خورد آپ بزرگ ، آپ میرے ہاتھ دھلانے کو کہیں بھلا آپ کے فرمانے کی بات ہے - ۲- آپ ایسی بات کہتے ہیں -

مجھ سے ہو اظہار الفت واہ وا
آپ کے فرمانے کی یہ بات ہے
(امیر)

— مردم جہاں } (محاورہ عوام) میں مرا تو جہان مر گیا (دیکھو ' آپ
مردم } زندم جہان زندم ' جواسی قبیل کا ہے)

— مرے جگ پرلو (کہاوت) (ہندو) ہم مر گئے تو ہمارے نزدیک قیامت آ گئی یعنی دنیا کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

— میں (مف) ۱- اپنے اندر ، اپنے میں م : میں ایک نازنین کے بھی بجا آوری' حقوق کی آپ میں ہمت نہیں دیکھتا
(۸- بوستان خیال صفحہ ۱۶۰)

— میں آنا (ف ل) ۱- ہوش و حواس میں آنا ، حواس بجا ہونا ، غش سے سنبھلنا ۔

شمشاد و سرو دونوں پھر آپ میں نہ آئے
گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ٹک لٹک کر
(میر)

۲- اپنی حد اور ہستی کو پہچاننا ، خود فراموشی چھوڑنا ۔ م : آپ میں آؤ خبر بھی ہے کس سے بات کر رہے ہو ۔ ۳- حواس درست کرنا ، سکون سے ہونا ۔

پہنچ کے سامنے اُس کے یہ حال ہوتا ہے
کہ ہم کو آپ میں آنا محال ہوتا ہے
(امیر)

م : آپ میں آؤں تو بات کروں ، سانس پھولا ہوا ہے ۔

— میں پانا ہوش و حواس میں پانا ۔

بھول کر بھی وہ اگر یاد کریں یاں مجھ کو
تو کبھی آپ میں پھر مجھ کو نہ پائے کوئی
(۱- معروف صفحہ ۱۹۲)

— میں رہنا (ف ل) ۱- ہوش و حواس نہ کھونا ، قابو میں رہنا ، اپنے آپے میں رہنا ، حد سے نہ بڑھنا ۔

یہ کہہ گیا کوئی نا آشنا سنا کے مجھے
کہ آپ میں نہیں رہتا ہے کوئی پا کے مجھے
(جلیل)

— میں نہ رہنا (ف ل) ہوش و حواس کھو دینا ، قابو میں نہ ہونا ، بے آپے ہو جانا ۔

روکتا کیا اسے جرأت نہ رہا آپ میں میں
بیٹھے بیٹھے جیوں ہی اس نے کہا جاتا ہوں

— میں نہ سمانا (ف ل) دیکھو آپے میں نہ سمانا ، جامے میں نہ رہنا ، آپے سے باہر ہو جانا ۔ م : سن کر اس قدر غصے میں آئیں گے کہ آپ میں نہ سمائیں گے ۔ ۲- پھولا نہ سمانا باغ باغ ہو جانا ، کھلا پڑنا ۔ م : وہ خوشخبری سنائیں کہ آپ میں نہ سمائیں بلکہ شادی مرگ ہو جائیں ۔

— میں ہونا (ف ل) ۱- اپنے ضبط و اختیار میں ہونا ، ہوش و حواس میں ہونا ، آپے میں ہونا ۔ م: آپ میں ہو کوئی تو اس سے بات کی جائے ، جو آپ ہی میں نہیں اس سے کیا بات کی جائے ۔ م : (نفی میں) ہوش میں نہ ہونا ۔ ۲- سخت بے تاب و مضطر آپے سے باہر ہونا ۔

ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے
کیا جانے وہ کس کے گھر رہے رات
(مومن)

— ناک چوٹی گرفتار } (محاورہ) (عو) دیکھو ' ناک چوٹی گرفتار ' ۔

— نے اڑائیں ہم نے بھوں بھوں کھائیں } (فقرہ) ہم آپ سے بھی زیادہ چالاک اور استاد ہیں ۔

جو آپ نے اڑائیں وہ یاں بھون بھون کھائیں
کیا آپ جانتے ہیں ، سمجھتے ہی ہم نہیں
(سخن دہلوی)

— ہی آپ (مف) ۱- اکیلے ، تنہا ، بلا شرکت غیرے - م : حلوہ سوہن آپ ہی آپ کھا لیا ؟ - کسی کو الگ ہی الگ مزے اڑاتے دیکھ کر بھی آوازہ کستے ہیں کہ کیوں صاحب یہ ہی آپ! ۲- خود ہی، اپنے دل میں -

آتا ہے دل میں حال بد ، اپنا بھلا کہوں
پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں
(میر)

۳- بے سبب ، بلاوجہ ، بے چھیڑے- م : آپ ہی آپ روٹھ جاتے ہیں، آپ ہی آپ من جاتے ہیں - ۴- از خود، خود ہی ، آپ سے آپ -

آپ ہی آپ ہے پکار اٹھتا
دل بھی جیسے گھڑی فرنگی ہے
(انشاء)

۶- ذات ہی ذات ، وہ ہی وہ ، واحد ، احد ، یعنی خدا -

اس جنگل میں مائی نہ باپ
الکھ نرنجن آپ ہی آپ

آپ ہی آپ ہیں وہ آپ نے سچ فرمایا
یوں ہی کچھ دھوکے سے تھے نام کو ہم یا معبود
(انشا)

— ہی آپ باتیں کرنا (ف ل) ۱- خود سے خود باتیں کرنا ، اکیلے اکیلے بولنا - ۲- بولنا ، بکنا ، بڑانا ، سودائیوں کی طرح باتیں کرنا -

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پر
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم
(مومن)

۳۔ دل سے گھڑنا ، تصنیف کرنا ۔ م : یہاں تو کسی نے کچھ اُن کے سامنے کہا نہ کہلایا ، اُن کی تو عادت ہے آپ ہی آپ باتیں کرتے ہیں ۔

ہی بی بی آپ ہی باندی (ص مث) ۱۔ بیوی باندی دونوں حیثیت رکھنے والی، وہی بیگم وہی ماما یعنی وہ بیگم جس کو گھر کا سارا کام خود کرنا پڑے ۔ ۲۔ جس کا کوئی ہاتھ بٹانے والا پیش دست نہ ہو (مرد ہو خواہ عورت) ۔ م : اپنی تو وہ کیفیت ہے کہ آپ ہی بی بی آپ ہی باندی ، ایک بڑھیا منت سماجت کر کے رکھی تھی سو وہ بھی دغا دے گئی ۔

ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے (فقرہ) یعنی مجھ میں جو قابلیت یا خوش حالی (وغیرہ) آپ دیکھتے ہیں وہ سب آپ کے طفیل میں یا آپ ہی کی برکت سے ہے ۔

ہیں (فجائیہ) ۱۔ کلمۂ تعجب ، تجاہل عارفانہ سے یا کسی پر غیر کا شبہ کر کے پھر خود ہی اسے غور سے دیکھ کر، پہچان کر بے ساختہ زبان پر لاتے ہیں ، ساتھ ہی اکثر معافی بھی مانگتے ہیں ۔

دیکھ صحرا میں مجھے اول تو گھبرایا تھا قیس
پھر جو پہچانا تو بولا حضرت من آپ ہیں
(ظفر)

۲۔ (طنزاً) باعث خرابی ، بانی فساد آپ ہیں ، آپ کی کارستانی ہے وغیرہ ۔ م : آپ نے مجھے رسوا کیا ہے ۔ ۳۔ آپ کا قدم درمیان ہے ، آپ کا منہ ہے ۔ م : آپ ہیں ورنہ اُن کو تو مزا چکھا دیتا ایسا کہ یاد رکھتے ۔ ۴۔ خود ہیں ۔ م: آپ ہیں اور اپنا دم ہے ۔

آپا (۱) (مث) ہمشیر ، بہن ، بڑی آپا ، چھوٹی آپا۔ [ت: آپا = ہمشیرہ کلاں]

— اماں (مذ) اس بہن کے لئے بولا جاتا ہے جو عمر میں اپنے سے بہت بڑی ہو ۔

— بی (مث) دیکھو ' آپا صاحب '۔

— بیگم (مث) بڑی اور معزز بہن کا لقب ۔

— جان (مث) بڑی بہن کو محبت سے خطاب کرنے کے لئے ۔

— جانی (مث) دیکھو 'آپا جان' جس کا یہ مزید علیہ ، اور زیادہ محبت جتاتا ہے ۔

— جنیاں (مث) (لکھنؤ) ۔ دیکھو ' آپا جانی ' جس کی یہ پیار سے تصغیر ہے ۔ جیسے ' اچھی میری آپا جنیاں '

— جی (مث) آپا جان کے معنوں میں ۔

— خیلا (خے لا) (مث) ۱۔ ڈھیلے پائینچوں کا پاجامہ پہنے ، سراپا ناموزوں ہنسانے والے انداز اور لباس والی ، بد سلیقہ ، بے شعور ، سڑ بلی سی عورت ۔ م : آپا خیلا کے سے پاینچے پھڑکاتی پھرتی ہیں ۔ ۲۔ کلمۂ ملامت ، پھوڑ ، سڑ بلی ۔ م : آپا خیلا اپنے پاجامے کا نیفہ تو دیکھو کہاں جا رہا ہے ۔

— دوانی (مث) (عو) ۔ ۱۔ وہ اشراف لڑکی یا عورت جو دوانی ہو جائے ۔ عموماً اُس کا لقب پڑ جاتا ہے ۔ مجنونانہ ، مجذوبہ ، سڑن ۔ ۲ ۔ (کلمۂ ملامت) سڑبلی ، بے خبر بی بی ، عقل کی پوری بنو ۔ م : آپا دوانی تم نے اُلٹا پاجامہ پہن رکھا ہے !

— صاحب بڑی بہن صاحبہ ۔

آپا (۲) (مذ) ۱۔ اپنی ذات ، خود ، اپنا وجود ۔ م : اپنے آپے کو سب مقدم رکھتے ہیں ۔ ۲۔ ضبط و اختیار ، قابو ۔ م : آپے سے باہر کیوں ہوئے جاتے ہو ۔ ۳۔ حالت ، حیثیت ۔ م : سچ ہے کہ دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آپا مٹا بیٹھے (کاڑھے خاں ۔ ص ۷۱۔ باقر علی داستاں گو)۔ م : بچوں کے پالنے کے پیچھے اپنا آپا خراب کر رکھا ہے ۔

۔۔ ہوش و حواس ، سدھ بدھ ۔

اتنی بڑھ بڑھ کے بات مت کہیے
اپنا آپا سنبھالئے صاحب
(آہی)

(۰: دیکھو 'آپ')

بسرانا (ف ل) خود کو بھلانا، آپ کو بھولنا، انانیت چھوڑنا۔

تجنا (ف ل) (ہندو) ۔ ۱۔ اپنے تئیں مٹانا، نفس کشی کرنا، من مارنا ۔ ۲۔ دنیا کے جھگڑوں سے الگ ہونا، ترک علائق کرنا۔ م: آپا تجے سوھر کو بھجے (ہندی)۔ ۳۔ جان بحق ہونا، چولا چھوڑنا، انتقال کرنا ۔ م: بیمار ہوئے تھے یہ کیا خبر تھی کہ اتنی جلدی آپا تج دیں گے۔ ۴۔ خود کشی کرنا، ۔ م: آپا تج دوں گی تجھ سے شادی نہ کروں گی ۔ ۵۔ اپنی حالت خراب کر لینا، عیش و آرام چھوڑ دینا ۔ م: آپا تج کر ایک لالہ پالا تھا ۔ (ہندو، عو) ۔

دھاپ (مث) دیکھو 'آپ دھاپ' (مصادر: پڑنا، کرنا ڈالنا، ہونا)

دھاپی (مث) دیکھو 'آپ دھاپ' جس سے یہ زیادہ فصیح ہے ۔ ۱۔ نفسا نفسی، خود غرضی ۔ م: ددا نے کہا خیر میاں یہ تو میں نے سن لیا ۔ اس لوٹم لاٹ اور آپا دھاپی کا کیا کہنا ۔ توے کی تیری ھاتھ کی میری ہو رہی ہے (چتر بھنیلی ص ۹۸) ۲ ۔ آپس کی کشا کش، کش مکش، اپنی ہی فکر۔ م: اگر کہیں خدانخواستہ ہماری جیسی آپا دھاپی ہوتی تو آج اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا ۔ ۱ ۔ لکچروں کا مجموعہ ۔ نذیر احمد ۔ ص ۵۱۶) ۔

کیسی جانے میں آپا دھاپی ہے
یار سے پہلے جانِ مضطر دو
(قاسم)

[س : آتمن + دھیان
آتمن + دھاون]

— دھاپی پڑنا (ف ل) ۱- نفسا نفسی ، خود غرضی کا بازار گرم ہونا ، کشمکش مچنا -

— دھاپی ڈالنا (ف م) دیکھو ' آپا دھاپی پڑنا ' جس کا یہ متعدی ہے اور ' آپا دھاپی کرنا - جس سے یہ زیادہ قوی ہے -

— دھاپی کرنا (ف م) ۱- اپنا اپنا بھلا چاھنا ، خود غرضی اختیار کرنا - نفسا نفسی کرنا - م: لوگ آپا دھاپی کریں گے تو اتفاق قائم نہیں رہ سکے گا - ۲- پہلے اپنی غرض یا مدعا براری چاھنا ، ایک ایک سے بڑھنا چاھنا ، باھم کشا کش کرنا - م : خریداروں نے وہ آپا دھاپی کی کہ ایک دو تو کچل ھی گئے -

— دھاپی مچانا (ف م) دیکھو - آپا دھاپی کرنا - آپا دھاپی ڈالنا -

— دھاپی مچنا (ف ل) دیکھو ' آپا دھاپی پڑنا ' - م : ریل کے آنے پر جو مسافر بھاگے ھیں اور آپا دھاپی مچی ہے تو حشر برپا ہو گیا (بیگمات کی چھیڑ چھاڑ - ص ۱۰)

— سنبھالنا (ف م) (عو) - ۱- اپنے جسم اور لباس کو آراستہ اور درست رکھنا ، اپنے تئیں بنانا سنوارنا - م: پہلے اپنا آپا سنبھالو پیچھے اور کو نام دھرو - ۲- سدھ بدھ سے رھنا ' ھوشیاری خبرداری اپنی رکھنا - م: آپا سنبھالو بےھوش نہ رھو - ۳- جسم کو گرنے نہ دینا ، ھاتھ پاؤں قابو میں رکھنا ، خود کو تھامنا - م : اپنا آپا تو تم سے سنبھلتا ھی نہیں ، دوسرے کو کیا سنبھالو گے -

— شاھی (مث) ۱- لفظاً مرھٹوں کے آخری پیشوا آپا صاحب نامی سے منسوب - ۲- مرھٹی کف پائی ، بھدی جوتی -

آپتا (آپ تا) (مث) خواھش ، تمنا ، آرزو - م : اُن کے پاس نہ کچھ ہے نہ اُنھیں کسی چیز کی آپتا -

(بغداد کا جوھری - ص ۳۰)

اشاریۂ مضامین اردو

(مصنف وار)

سہ ماہی "اردو"

۱۹۲۱ء تا ۱۹۶۳ء

(قسط - ۴)

۶- کلام اقبال کی زبان (۱) ص ۳۹۲ - جولائی و اکتوبر ۱۹۰۸ع

ریتا ، پنڈت چاند نرائن —

اقبال (نظم) ص ۲۸ے - اکتوبر ۱۹۳۸ع

"ز"

زار ، نصیر الدین احمد —

اردو رسم الخط اور تحریر اعداد - ص ۱۱۴ - جنوری ۱۹۰۴ع

۲- اردو میں اعراب کا مسئلہ - ص ۱۰۱ - اپریل ۱۹۰۴ع

زبیری ، محمد امین —

۱- بھوپال کا علمی جائزہ - ص ۱۱۰ - جنوری ۱۹۰۸ع

۲- خود نوشت سوانح عمری - ص ۳۴ - جنوری و اپریل ۱۹۰۹ع

زتشی ، پنڈت منوہر لال —

۱- بعض غلط فہمیاں (۲) ص ۱۰۰ - جنوری ۱۹۳۴ع

۲- کھڑی بولی - ص ۲۶۴ - اپریل ۱۹۳۴ع

۳- مرحوم دھلی کالج - ص ۳۱۹ - اپریل ۱۹۳۴ع

زور قادری ، ڈاکٹر سید محی الدین —

۱- تذکرہ گل زار ابراھیم پر ایک نظر - ص ۹۲۵ - اکتوبر ۱۹۲۸ع

۲- دکھنی کا اثر شمالی ہند پر - ص ۱۸۰ - اپریل ۱۹۲۹ع

۳- دکھنی مرثیے ایڈنبرا میں - ص ۳۸۱ - جولائی ۱۹۲۹ع

---

(۱) یہ مضمون "زمہریری" کے فرضی نام سے شائع ہوا تھا -

(۲) "اردو" بابت جولائی ۳۳ء میں ڈاکٹر گراھم بیلی کی انگریزی کتاب "اردو لٹریچر" پر تبصرہ شائع ہوا تھا - یہ مضمون اسی تبصرے سے متعلق ہے -

۴- هندستانی اکیڈمی کی چوتھی کانفرنس - ص ۱۷۰ - جنوری ۱۹۳۶ع

" س "

ساجد علی ، سید

۱- شاعری کا ایک نظریہ - ص ۴۳۱ - جولائی ۱۹۲۴ع

۲- مولوی عبدالحق اور تعلیمات - ص ۱۹۶ - بابائے اردو نمبر ۱۹۶۲ع

سبزواری ، ڈاکٹر شوکت -

اردو الفاظ عامہ کی آپ بیتی - ص ۷۵ - جنوری ۱۹۴۷ع

۲- اردو الفاظ کی حالت عرف - ص ۱۰۲ - اکتوبر ۱۹۵۱ع

۳- اردو زبان کا ایک اہم صوتی رجحان - ص ۵۰ - اپریل ۱۹۵۴ع

۴- اردو شاعری میں ہیئت کے تجزیے - ص ۱۴۹ - اپریل و جولائی ۱۹۵۷ع

۵- اردو گرامر - ص ۹۵ - جنوری ۱۹۴۶ع

۶- اکبر سے پہلے اور اکبر کے بعد - ص ۸۷ - جنوری اپریل ۱۹۵۳ع

۷- حالی نقاد کی حیثیت سے - ص ۱۲۹ - اپریل ۱۹۵۲ع

۸- داستان زبان اردو (۱)

یہ مقالہ مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے -

الف - اردو - ص ۳

ب - لسانی سرمایہ - ص ۱۵

ج - مختلف نظریئے - ص ۲۸

د - اردو اور پنجابی - ص ۵۱

ہ - مولد و منشا - ص ۱۰۷

---

(۱) یہ مقالہ کتابی صورت میں انجمن کی طرف سے شائع ہو چکا ہے -

و- اخذ و استفادہ - ص ۹۱
ز- ارتقائی مدارج - ص ۱۰۹
ح- اردوئے قدیم - ص ۱۲۸
۹- اردو کی صرفی اور نحوی نشو و نما - ص ۳۰ - جولائی ۱۹۰۸ع
۱۰- اردو کا مزاج و منہاج - ص ۲۰۲ - جولائی ۱۹۰۸ع
۱۱- "نے" کی سرگزشت - ص ۷۷ - اکتوبر ۱۹۰۲ع

برو ، سر تیج بہادر —

نامہ سر تیج بہادر سپرو - ص ۲۰۷ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

بتہ نرائن سنگھ ، ڈاکٹر —

میکسم گورکی کے ساتھ چند روز - ص ۵۸۱ - اکتوبر ۱۹۳۶ع

جاد ، ڈاکٹر سید —

غالب کے متعلق ۱۸۶۸ع کا ایک انگریزی خط - ص ۷۲۹ - اکتوبر ۱۹۳۹ع

حر ، ابو محمد —

۱- اردو میں قصیدہ نگاری کا آغاز و ارتقا (از ابتدا تا سودا) ص ۱۹۶ - اپریل ۱۹۰۷ع
۲- اردو میں قصیدہ نگاری (از انشا و مصحفی تا ذوق) ص ۳۲۳ - اکتوبر ۱۹۰۷ع
۳- قصیدہ ، صنف سخن کی حیثیت سے - ص ۲۷ - جنوری ۱۹۰۷ع

سحر ، اقبال ورما ہتگامی —

۱- آچاریہ درویدی جی مرحوم - ص ۲۹۳ - اپریل ۱۹۳۰ع
۲- پنڈت پدم سنگھ شرما مرحوم ، ساھتیہ آچاریہ (استاد ادب) - ص ۲۶۷ - ۱۹۳۱ع

۳- پنڈت گیا پرشاد شکل سینہی وتر شول - ص ۴۸ -
جنوری ۱۹۴۵ع

۴- شری میتھلی شرن جی گپت اور ان کی شاعری - ص ۸۹
جنوری ۱۹۴۲ع

۵- ملک الشعرا ہری اودھ جی اور ان کی شاعری - ص ۱۴۳ -
جولائی ۱۹۴۲ع

۶- منشی اجمیری مرحوم - ص ۱۰۴ - جنوری ۱۹۴۳ع

سخاوت مرزا -

۱- اولیائے ویلور کی دکھنی تصنیفات - ص ۳ - جولائی
۱۹۵۴ع

۲- ایڈورڈ بالفور (حالات و سوانح اردو تصانیف و تراجم)
ص ۹۲ - اکتوبر ۱۹۵۴ع

(الف) گل دستۂ سخن (تذکرہ شعرائے فارسی و اردو)
ص ۹۵

(ب) ترجمہ کتاب علمِ نجوم (مصنفہ مسٹر کلیک)
ص ۹۵

(ج) نقشہ اعداد و شمار - ص ۹۵

(د) اصول فن قبالت (ترجمہ تصنیف مسٹر کنکٹ) -
ص ۹۵

۳- ایک گمنام شاعر خروشی، معاصر ولی - ص ۲۳ -
جنوری و اپریل ۵۶ء

۳- ایک مراسلہ: بسلسلہ تنقید ڈاکٹر نذیر احمد برمضمون
چندر بدن مہیار - ص ۱۰۴ - جولائی و اکتوبر ۱۹۵۸ع

۴- بلوان سنگھ راجہ کا ایک نایاب قلمی دیوان - ص ۵۳
جنوری ۱۹۵۰ع

۵۔ تذکرہ عروس الاذکار (مولفہ نقش حیدر آبادی) ص ۱ جنوری ۱۹۰۸ع

۶۔ حضرت محمد مخدوم سوائی بیجا پوری قدس سرہ عرف دستگیر صاحب گیان بھنڈاری۔ص ۲۶۳۔ اپریل ۱۹۴۲ع

۷۔ سید شاہ طاہر حموی کرنولی کا ایک نصاب صبیان الموسوم بہ خوانِ یغما ، دکھنی ۔ ص ۲۰ ۔ جنوری و اپریل ۱۹۵۳ع

۸۔ سید شاہ عبد القادر فی الحال قادری کرنولی ۔ ص ۱ جولائی ۱۹۵۵

۹۔ سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی قدس سرہ ص ۲۶۳ اپریل ۱۹۳۹ع

۱۰۔ سید شاہ کمال الدین کرم کنڈوی قدس سرہ کی کتاب "حسن السوال و حسن الجواب" ۔ ص ۳۶۷ ۔ جولائی ۱۹۵۶ع

۱۱۔ شاہ نصیر دھلوی ۔ ص ۱۷۴۔ اکتوبر ۱۹۵۵ع

۱۲۔ شاہ قاسم علی قاسم اورنگ آبادی ۔ ص ۹ ۔ جنوری ۱۹۵۷ع

۱۳۔ قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض ۔ ص ۱۸ ۔ اکتوبر ۱۹۵۰ع

۱۴۔ قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض۔ ص ۳ ۔ اپریل ۱۹۵۴ع

(اس میں حسب ذیل شعرا کا کلام ہے) :

(۱) اشتیاق ۔ ص ۴۴

(۲) افضل گولکنڈوی (بحیثیت قصیدہ گو) ۔ ص ۲۳

(۳) ایاغی (محمد امین) ۔ ص ۱۱

(۴) حسن (حضرت امیر حسن علا سنجری)

(۵) خسرو (حضرت امیر خسرو)

(۶) دولت (شاہ دولت بیجا پوری) ص ۹

۱۵- کیا مشتاق بہمنی دور کا شاعر نہیں تھا - ص ۱۷۳ - جنوری و اپریل ۱۹۵۹ع

۱۶- مرزا حیدر علی گرم لکھنوی - ص ۳۳۰ - جولائی ۱۹۵۰ع

۱۷- ملک الشعرا غواصی اور اس کا کلام - ص ۹۹ - اکتوبر ۱۹۵۴ع

۱۸- مناقب بازی (اردو کی ترقی میں فقرا کا کام) ص ۲۶۵ جولائی و اکتوبر ۱۹۵۸ع

۱۹- ایک گمنام شاعر، خروشی معاصر ولی - ص ۲۳ - جنوری و اپریل ۶۰ء -

سعی حسن ، سید —

مولد مصحفی - ص ۱۰۲ - اکتوبر ۵۹ع

سراج الحسن ترمذی ، سید —

آفتاب ادب کا غروب - ص ۳۷ - جنوری ۱۹۲۹ع
(مولانا سید وحید الدین سلیم پانی پتی کی وفات پر)

سرور ، آل احمد —

۱- اقبال اور اس کے نکتہ چین - ص ۱۰۸۲ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

۲- اقبال کے خطوط - ص ۱۹ - جنوری ۱۹۴۶ع

۳- غالب - ص ۲۴۳ - اپریل ۱۹۴۱ع

۴- سرسید کا ایک مخالف (مولوی علی بخش خاں شرر) - ص ۳۷۱ - جولائی ۱۹۴۱ع

سروری ، تحسین —

۱- سراج اور پروانہ - ص ۶۲ - اپریل ۱۹۵۱ع

۲- شش جہت رنگین - ص ۱۰۶ - جنوری ۱۹۵۱ع

۳- کشف الخلاصہ ہندی - ص ۱۰۳ - جنوری ۱۹۵۲ع

سروری ، عبد القادر —

باقر آگاہ (ان کی حیات، تصانیف اور دیوان) ص ۲۸۱ - اپریل ۱۹۲۹ع

سروش لکھنوی ، آغا —

توتا (نظم ٹیگور کا منظوم ترجمہ) ص ۱۷۸ - اپریل ۱۹۳۰ع

سلام سندیلوی ، ڈاکٹر

مولوی عبد الحق پر حالی کا اثر۔ ص ۲۳۳ - بابائے اردو نمبر ۱۹۶۲ع

سلیم ، سید وحید الدین —

۱۔ آیندہ کا خواب (نظم) - ص ۶۳۹ - اکتوبر ۱۹۲۰ع
۲۔ اردو شاعری کا مطالعہ - ص ۵۳ - جنوری ۱۹۳۴ع
۳۔ اصطلاحات علمیہ (نباتیات)۔ ص ۴۵۷۔ جولائی ۱۹۲۲ع
۴۔ اصطلاحات علمیہ (نباتیات) ص ۶۵۳ - اکتوبر ۱۹۲۲ع
۵۔ اصطلاحات علمیہ (حیوانیات - حیاتیات) ص ۱۳۷ - جنوری ۱۹۲۳ع
۶۔ اصول وضع اصطلاحات - ص ۷۳ - اپریل ۱۹۲۱ع
۷۔ تلسی داس کی شاعری - ص ۳۷۷ - جولائی ۱۹۲۰ع
۸۔ تلمیحات - ص ۴۴۷ - جولائی ۱۹۲۱ع
۹۔ تلمیحات - ص ۸۵ - جنوری ۱۹۲۲ع
۱۰۔ زندگی (نظم) ص ۱۷۷ - اکتوبر ۱۹۲۷ع
۱۱۔ عرب کی شاعری - ص ۵۴۷ - اکتوبر ۱۹۲۵ع

س - م - ن —

توتا کہانی اور سب رس - ص ۲۶۷ - اپریل ۱۹۲۰ع

سہروردی ، حسن شاہد —

۱۔ ادبی بات چیت (فرانس) ص ۹۶۷ - اکتوبر ۱۹۲۵ع
۲۔ ادبی بات چیت (روس) ص ۳۰۳ - اپریل ۱۹۲۶ع
۳۔ ادبی بات چیت (روس) ص ۵۰۴ - جولائی ۱۹۲۶ع
۴۔ ادبی بات چیت (روس) ص ۲۲۳ - اپریل ۱۹۲۷ع

سید احمد خاں ، سر —

۱۔ تذکرہ اہل دھلی۔ ص ۱۲۱ - اپریل ۱۹۵۰ع (۱)
۲۔ سر سید مرحوم کا خط مولانا حالی مرحوم کے نام۔ ص ۵۰۳ - جولائی ۱۹۲۵ع
۳۔ چودہ غیر مطبوعہ خطوط بنام نواب علی حسن خاں خلف نواب صدیق حسن خاں۔ ص ۱۲۰ - اپریل و جولائی ۱۹۵۰ع

"ش"

شاد عظیم آبادی —

۱۔ شاد عظیم آبادی کا غیر مطبوعہ کلام :
غزل - ص ۲۳۰ - اپریل ۱۹۳۶ع
مستزاد - ص ۲۳۱ - اپریل ۱۹۳۶ع
۲۔ شاد عظیم آبادی مرحوم کے خود نوشتہ حالات۔ ص ۷۴۲ - اکتوبر ۱۹۳۱ع

شاہد لطیف —

ترقی پسند افسانوی ادب (ایک جائزہ) ص ۴۳۹ - جولائی ۱۹۴۰ع

شاہ علی ، ڈاکٹر سید —

۱۔ حالی اور شبلی کا سوانحی دور۔ ص ۱۰۳ - اپریل ۱۹۵۶ع

---

(۱) آثار الصنادید کا وہ حصہ جس میں مشاہیر کا تذکرہ ہے - یہ حصہ کتابی شکل میں بھی قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ انجمن شائع کر چکی ہے -

۲- سرسید کے ادبی مضامین - ص ۵۲۳ - اکتوبر ۱۹۵۵ع
۳- فن سوانح نگاری - ص ۲٦۷ - اکتوبر ۱۹۵۷ع

شایق هنگامی ، کیلاش ورما —

حضرت برق دهلوی مرحوم - ص ۲۲۵ - اپریل ۱۹۳۱ع

شبیر علی کاظمی ، سید -

۱- اردو اور بنگلا زبانوں میں انڈو آریائی نسل کے مشترک الفاظ - ص ۳۴۲ - اکتوبر ۱۹۵۷ع
۲- اردو اور بنگلا زبانوں میں انڈو آریائی نسل کے مشترک الفاظ - ص ۱۰۱ - جنوری ۱۹۵۸ع
۳- اردو اور بنگلا زبانوں میں انڈو آریائی نسل کے مشترک الفاظ - ص ۳۲۸ - جولائی و اکتوبر ۱۹۵۸ع
۴- زبان زنان دلی - ص ٦۵ - جولائی ۱۹۵۹ع
۵- قواعد کلیه بهاکا - ص ۳ - جنوری و اپریل ۱۹٦۰ع
(میرزا خان ابن فخر الدین محمد کی تصنیف تحفته الهند کے چوتھے باب کی دوسری فصل کا ترجمه)

شرر ، مولانا عبد الحلیم —

۱- شاعری اور پریاں - ص ۱۷ - جنوری ۱۹۲۵ع
۲- نواب عماد الملک مولوی سید حسین خان صاحب بهادر . ص ۱۳۵ - اکتوبر ۱۹۲۵ع

شروانی ، محمد حبیب الرحمان خان صدر یار جنگ —

۱- تبصره بر تذکره شعرا مولفه میر حسن دهلوی - ص ۳۷ . جنوری ۱۹۲۲ع
۲- خطبه صدارت کل هند انجمن ترقی اردو کانفرنس ناگپور . ص ۸۳ - جنوری ۱۹۴۴ع

۳- مقدمہ دیوان درد ۔ ص ۵۶۳ ۔ اکتوبر ۱۹۲۳ع

۴- مقدمہ نکات الشعرا ۔ ص ۱۰۳ ۔ جنوری ۱۹۲۱ع

شروانی ، پروفیسر ہارون خان —

ہماری زبان اور ضروریات زمانہ ۔ ص ۶۷۷ ۔ اکتوبر ۱۹۲۲ع

شفق ، نواب انوار الدولہ سعد الدین خان —

مرزا غالب کا غیر مطبوعہ خط ۔ ص ۱۹۴ ۔ جنوری ۱۹۳۴ع

شمس الدین احمد خاں ، خان بہادر مرزا —

فخرالدولہ نواب میرزا علاالدین احمد خاں بہادر علائی ۔ ص ۳۰۹ ۔ جولائی ۱۹۴۴ع

شمس اللہ قادری ، سید —

۱- آثار الکرام ۔ ص ۳۵۳ ۔ جولائی ۱۹۲۳ع

۲- آثار الکرام ۔ ص ۲۷۵ ۔ اپریل ۱۹۲۴ع

۳- اردو مخطوطات انڈیا آفس لائبریری میں ۔ ص ۶۳۸ ۔ اکتوبر ۱۹۲۸ع

۴- جواہر العجائب (تذکرۃ النسا از فخری ہروی) (مقدمہ ، تعلیقات) ص ۳۸۹ ۔ جولائی ۱۹۲۸ع

۵- شاہ نامہ کا دیباچہ قدیم ۔ ص ۲۶۷ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع

۶- شاہ نامہ کا دیباچہ قدیم ۔ ص ۴۶۰ ۔ جولائی ۱۹۲۸ع

۷- مجالس العشاق (از میر کمال الدین حسین گازرگی) ص ۲۷۷ ۔ اپریل ۱۹۲۵ع

شہاب جعفری —

اردو ادب کی ہندوستانی قومیت ۔ ص ۱۴۱ ۔ جولائی و اکتوبر ۱۹۵۸ع

شہید اللہ ، ڈاکٹر محمد

اردو میں بے جان اسماء کی تذکیر و تانیث ، لسانیات کی روشنی میں - ص ۱۰۷ - جولائی ۱۹۰۹ء

شیخ برہان پوری —

حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ کا مرثیہ - ص ۹۳ - جنوری ۱۹۰۷ء

شیخ چاند —

۱- ساقی نامہ درد مند - ص ۴۷۵ - جولائی ۱۹۳۴ء
۲- سودا کی حیات اور کلام کے متعلق غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں - ص ۳۴۱ - اپریل ۱۹۳۴ء
۳- شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی - ص ۵۰۹ - جولائی ۱۹۳۵ء
۴- نثر حالی - ص ۴۲ - جنوری ۱۹۳۵ء
۵- یورپ میں دکھنی مخطوطات پر ایک تنقیدی نظر - ص ۷۰۰ - اکتوبر ۱۹۳۲ء

شیرانی ، حافظ محمود خان —

۱- تبصرہ (بر " ہندستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب" مصنفہ محمد عبدالغنی ایم - اے) - ص ۱ - جنوری ۱۹۴۳ء
۲- تصنیفات شیخ فریدالدین عطار - ص ۱ - جنوری ۱۹۲۷ء
۳- تنقید شعر العجم - ص ۴۸۳ - اکتوبر ۱۹۲۲ء
۴- تنقید شعر العجم (فردوسی) - ص ۱ - جنوری ۱۹۲۳ء
۵- تنقید شعر العجم (فرخی) - ص ۱۶۳ - اپریل ۱۹۲۳ء
۶- تنقید شعر العجم (یہ مضمون علامہ شیرانی اور پروفیسر اقبال کا لکھا ہوا ہے) ص ۶۹۳ - اکتوبر ۱۹۲۳ء
۷- تنقید شعر العجم (انوری) ص ۱۷۱ - اپریل ۱۹۲۴ء

٨- تنقید شعر العجم (نظامی گنجوی) - ص ١ - جنوری ١٩٢٦ع
٩- تنقید شعر العجم - ص ٥٥٩ - اکتوبر ١٩٢٩ع
١٠- حرف آخر - جولائی - ١٩٣٧ع
١١- دیوان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری - ص ٣٠٩ - جولائی ١٩٢٣ع
١٢- شاہ نامہ کی نظم کے اسباب اور زمانہ - ص ٣٧٩- جولائی ١٩٢١ع
١٣- فردوسی کا مذھب - جز دوم (جز اول از پروفیسر محمد اقبال ، ملاحظہ ھو اکتوبر ١٩٢٣ع) ص ١- جنوری ١٩٢٥ع
١٤- ھجو سلطان محمود غزنوی - ص ٣٨٥ - اکتوبر ١٩٢١ع
١٥- یوسف زلیخائے فردوسی - ص ١٧٩ - اپریل ١٩٢٢ع

" ص "

صالحہ عابد حسین —

بے زبانوں کی زبان حالی - ص ٥٥ - اپریل ١٩٥٢ع

صغیر احمد صدیقی —

کلام چکبست پر ایک تنقیدی نظر - ص ٦٣٢ - اکتوبر ١٩٣٣ع

صفدر ، مرزا پوری —

اساتذہ کی اصلاحیں :
١- آتش ، خواجہ حیدر علی —

پر کلام :—

(الف) اسیر ، منشی مظفر علی - ص ١٩٤ - جولائی ١٩٣٠ع
(ب) صبا ، میر وزیر علی - ص ١٩٦ - اپریل ١٩٢٧ع

(ج) ناسخ ' شیخ امام بخش ۔ ص ۹۱م ۔ جولائی ۱۹۳۰ع

۲۔ احسان شاہ جہان پوری ، محمد احسان خان ۔

بر کلام :۔

مضطر مارہروی' محمد عشرت حسین ۔ ص ۸۵م ۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۳۔ اسیر ، منشی مظفر علی ۔

بر کلام :۔

(الف) انجم لکھنوی' نواب بہادر حسین خان۔ ص ۲۱۳۔ اپریل ۱۹۲۷ع

(ب) ماہر لکھنوی' مہدی حسین ۔ ص ۲۱۳ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع

(ج) واقف لکھنوی' واجد حسین' ص ۲۱۵ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع

۴۔ اکبر الہ آبادی ۔

بر کلام :۔

علیم الہ آبادی' محمد علیم خان۔ ص ۹۰م۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۵۔ امیر مینائی ۔

بر کلام :۔

(الف) حفیظ جون پوری ' حافظ محمد علی ۔ ص ۹۵م ۔ جولائی ۱۹۲۷ع

(ب) رضوان ' رضوان علی خان ۔ ص ۹۴م ۔ جولائی ۱۹۳۰ع

(ج) ضو شیخ پوری ' منشی نعیم الحق ۔ ص ۹۲م ۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۶۔ انجم نیشاپوری ' نواب بہادر حسین خان ۔

بر کلام :۔

افسر لکھنوی (نواب لیاقت حسین) ص ۶۰۵ ۔ اپریل ۱۹۳۱ع

۷- انیس ، میر ببر علی -

بر کلام :-

(الف) مونس ص ۵۴۴ جولائی ۱۹۲۷ع-ص۴۹۳- ۴۹۵-
جولائی ۱۹۳۰ع

۸- تسلیم لکھنوی ، منشی امیر اللہ -

بر کلام :-

(الف) آزاد شیخ پوری ، قاضی محمد نعیم الحق -
ص ۴۶۵ - جولائی ۱۹۲۷ع

۹- تمنا ، سید مجاور حسین عرف مجن صاحب -

بر کلام :-

(ا) خوشخو لکھنوی ، محمد علی عرف پنجو - ص ۳۴۱-
اپریل ۱۹۲۹ع

(ب) زخمی لکھنوی ، میر هادی اصغر حسین -
ص ۳۴۰ - اپریل ۱۹۲۹ع

(ج) شاغل لکھنوی ، سید ضامن حسین - ص ۳۳۹ -
اپریل ۱۹۲۹ع

(د) صبر لکھنوی، سید زوار حسین - ص۳۳۶- اپریل
۱۹۲۹ع

(ه) طپش لکھنوی ، نواب محمد رضا عرف نوابو -
ص ۳۳۹ - اپریل ۱۹۲۹ع

(و) منصور لکھنوی ، محمد رضا - ص ۳۴۱ - اپریل
۱۹۲۹ع

(ز) ناوک لکھنوی ، نواب دلارے - ص ۳۴۰ -
اپریل ۱۹۲۹ع

۱۰- جاوید لکھنوی ، سید بندہ کاظم -

بر کلام :-

(الف) اختر لکھنوی ' سید وقار آغا عرف بنے صاحب
ص ۳۲ جنوری - ۱۹۲۸ء

(ب) اختر (خلف خورشید) ص ۳۲ - جنوری ۱۹۲۸ء

(ج) بہار لکھنوی ' کاظم رضا عرف للّن - ص ۳۱
جنوری ۱۹۲۸ء

(د) بیتاب لکھنوی ' سید حسین - ص ۳۹ - جنوری
۱۹۲۸ء

(ه) تمنا ' سید مجاور حسین عرف مجن - ص ۲۱
جنوری ۱۹۲۸ء

(و) راز لکھنوی ' نواب باقر علی خان تکلن - ص ۴۰
جنوری ۱۹۲۸ء

(ز) قدیم لکھنوی ' سید علی نواب - ص ۳٦ - جنوری
جنوری ۱۹۲۸ء

(ح) محزون لکھنوی ' حکیم محمد علی - ص ۳۴ - جنوری
۱۹۲۸ء

(ط) محشر لکھنوی ' مرزا کاظم حسین - ص ۲۴
۱۹۲۸ء

(ی) مفتون اجمیری ' منشی امین الدین خاں - ص ۱۰
جنوری ۱۹۲۸ء

(ک) ناصح ' سید محمد ناصح عرف ھدن - ص ۳۳
جنوری ۱۹۲۸ء

(ل) ناظم لکھنوی ' سید وجاھت حسین - ص ۲۴
جنوری ۱۹۲۸ء

(م) وفا لکھنوی ' مولوی میرن صاحب - ص ۲۲
جنوری ۱۹۲۸ء

(ن) ھدف لکھنوی ' سید کاظم حسین - ص ۴۰
جنوری ۱۹۲۸ء

۱۱- جلال لکھنوی ، حکیم سید ضامن علی -

بر کلام :-

احسان شاہ جہاں پوری ، محمد احسان علی خان -
ص ۳۶۲ - جولائی ۱۹۲۷ع

۱۲- جلیل ، نواب فصاحت جنگ -

بر کلام :-

(الف) آفاق بنارسی ، منشی غلام حسین - ص ۳۷۱ -
جولائی ۱۹۲۷ع

(ب) شرر ، مولوی سید عبد الغفور - ص ۳۷۰ - اپریل
۱۹۳۱ع

(ج) صفدر مرزا پوری - ص ۳۶۹ - جولائی ۱۹۲۷ع

(د) نفیس بنگلوری ، محمد یوسف - ص ۳۰۹ - اپریل
۱۹۳۱ع

۱۳- شاہ حاتم -

بر کلام :-

رنگین - ص ۴۹۴ - جولائی ۱۹۳۰ع

۱۴- حسرت موہانی -

بر کلام :-

شفیق جون پوری - ص ۴۰۵ - جولائی ۱۹۳۱ع

۱۵- حسن سہارن پوری - مولوی سید امیر حسن -

بر کلام :-

ذوق ص ۴۸۹ - جولائی ۱۹۳۰ع

۱۶- حکیم ، منشی غضنفر علی -

بر کلام :-

وزیر لکھنوی ، وزیر علی - ص ۴۸۹ - جولائی ۱۹۲۷ع

۱۷- حیرت بدایونی ، مولوی سید حسن -

بر کلام :-

(الف) اختصاص ، مولوی اختصاص حسین - ص ۳۳۰ -
اپریل ۱۹۲۹ع

(ب) جمیل بدایونی ، محمد جمیل احمد - ص ۳۳۴
اپریل ۱۹۲۹ع
(ج) واحد بدایونی ، مولوی عبدالواحد - ص ۳۵
اپریل ۱۹۲۹ع

۱۸- داغ دہلوی -
بر کلام :-
ہجر شاہ جہاں پوری، نواب ناظم علی خاں - ص ۶۴
جولائی ۱۹۲۷ع

۱۹- دبیر لکھنوی -
بر کلام :-
میر واجد حسین - ص ۴۴۸ - جولائی ۱۹۲۷ع

۲۰- ذوق دہلوی -
بر کلام :-
(الف) داغ دہلوی، نواب مرزا - ص ۲۱۳ - اپریل ۱۲۷
(ب) اصلاح بر مصرع شاعر نامعلوم - ۱۵۱ جنور
۱۹۳۱ع

۲۱- رسا ، منشی حیات بخش -
بر کلام :-
(الف) حضور مراد آبادی ، حضور احمد - ص ۱
جنوری ۱۹۲۸ع
(ب) سعید ، محمد سعید - ص ۱۹ - جنوری ۹۲۸

۲۲- ریاض خیر آبادی
بر کلام :-
(الف) شوق ، بابو مہادیو پرشاد - ص ۴۷۳ - جو
۱۹۲۷ع
(ب) صفدر مرزا پوری - ص ۴۷۴ - جولائی ۹۲۷
(ج) قمر، نواب غلام حسین - ص ۴۷۳ - جولائی ۹۲۷

۲۳- زاہد سہارن پوری ، سید زاہد حسین -
بر کلام :-
(الف) انجم ، مولوی محمد یاسین - ص ۲۷۱ - اک
۱۹۳۱ع

(ب) صفت ، منشی صفت احمد ۔ ص ۲۷ ۔ اکتوبر ۱۹۳۱ع

(ج) عزیز، مرزا عزیز بیگ ۔ ص ۳۳ ۔ اکتوبر ۱۹۳۱ع

(د) عقیل، مولوی عقیل الرحمان ندوی ۔ ص ۳۰۔۷ ۔ اکتوبر ۱۹۳۱ع

(ح) مضطر سہاون پوری ، مولوی علی احمد ۔ ص ۳۰۔۷ ۔ اکتوبر ۱۹۳۱ع

۲۴۔ سودا ، مرزا رفیع ۔

بر کلام :۔

قائم چاند پوری، قیام الدین ۔ ص ۱۴۳ ۔ جنوری ۱۹۳۱ع

۲۵۔ شاد عظیم آبادی ، میر محمد علی ۔

بر کلام :۔

ولی عظیم آبادی ، منشی ولی الرحمٰن ۔ ص ۴۴۔۲ ۔ اپریل ۱۹۲۸ع

۲۶۔ شوق قدوائی ، منشی احمد علی ۔

بر کلام :۔

نشتر جالندھری ، عبد الحکیم ۔ ص ۲۰۵ ۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۲۷۔ شوکت میرٹھی ، سید احمد حسین ۔

بر کلام :۔

شاکر ، منشی پیارے لال ۔ ص ۶۵ ۔ جولائی ۱۹۳۱ع

۲۸۔ عارف ، میر محمد علی ۔

بر کلام :۔

حسین ، سید صادق علی عرف نواب چنگا ۔ ص ۴۸۴ جولائی ۱۹۲۷ع

۲۹۔ عشرت لکھنوی ، خواجہ عبدالروف ۔

بر کلام :۔

(الف) عاجز فیروز آبادی ، پیر شیر محمد ۔ ص ۱۴۸ جنوری ۱۹۳۲ع

(ب) قلندر ، نواب محمد داور خان ۔ ص ۱۴۷ ۔ جنوری ۱۹۳۲ع

۳۰۔ عظیم گورکھپوری ، مولوی سید سبحان اللہ ۔
پر کلام :۔

(الف) صفدر مرزا پوری ، ص ۴۸۳ ۔ جولائی ۱۹۲۷ع
(ب) وسیم ، سید محمد عسکری ۔ ص ۴۸۳ ۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۳۱۔ غالب ، مرزا اسد اللہ خان ۔
پر کلام :۔

(الف) حالی ۔ ص ۲۱۱ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع
(ب) راقم ، خواجہ قمر الدین ۔ ص ۲۱۰ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع
(ج) سوزاں ، منشی حسیب الدین ۔ ص ۴۸۳۔ جولائی ۱۹۳۰ع

۳۲۔ فاخر لکھنوی ، نواب اصغر حسین ۔
پر کلام :۔

ماہر ، نواب مہدی حسین ۔ ص ۴۹۰۔ جولائی ۱۹۲۷ع

۳۳۔ مصحفی ، شیخ غلام ہمدانی ۔
پر کلام :۔

(الف) اسیر ۔ ص ۱۹۲ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع
(ب) آتش ۔ ص ۱۹۴ ۔ اپریل ۱۹۲۷ع

۳۴۔ میر ، میر تقی ۔
پر کلام :۔

(الف) آبرو ، نجم الدین عرف شاہ مبارک ۔ ص ۱۳۸ ۔ جنوری ۱۹۳۱ع
(ب) بہار ، لالہ ٹیک چند ۔ ص ۱۴۲ ۔ جنوری ۱۹۳۱ع
(ج) حاتم ، شیخ محمد ۔ ص ۱۴۰ ۔ جنوری ۱۹۳۱ع
(د) خاکسار ، یار محمد ۔ ص ۱۴۱ ۔ جنوری ۱۹۳۱ع

(ہ) سجاد، میر سجاد - ص ۱۴۰ - جنوری ۱۹۳۱ع
(و) کلیم، محمد حسین - ص ۱۴۱ - جنوری ۱۹۳۱ع
(ز) مضمون، شرف الدین - ص ۱۳۸ - جنوری ۱۹۳۱ع
(ح) ناجی، محمد شاکر - ص ۱۳۹ - جنوری ۱۹۳۱ع
(ط) یقین، انعام اللہ - ص ۱۴۱ - جنوری ۱۹۳۱ع
(ی) یک رنگ، مصطفی خان - ص ۱۳۹ - جنوری ۱۹۳۱ع

۳۵- ناسخ، شیخ امام بخش -

پر کلام :-

(الف) آتش، خواجہ حیدر علی - ص ۱۹۴ - جولائی ۱۹۳۰ع
(ب) اعجاز، نواب اصغر علی - ص ۱۴۹ - جنوری ۱۹۳۱ع
(ج) بحر لکھنوی - ص ۲۰۵ - اپریل ۱۹۲۷ع
(د) وزیر، خواجہ وزیر - ص ۲۰۰ - اپریل ۱۹۲۷ع

۳۶- ناطق لکھنوی، سید سعید احمد -

پر کلام :-

مضطر کان پوری، سید عظمت علی - ص ۴۹۲ - جولائی ۱۹۲۷ع

۳۷- ناطق گلاوٹھی، سید ابو الحسن -

پر کلام :-

آسی، مولوی عبد الباری - ص ۲۵۰ - اپریل ۱۹۲۸ع

۳۸- نسیم دہلوی، مرزا اصغر علی خان -

پر کلام :-

تسلیم دہلوی، منشی امیر اللہ - ص ۴۴۹ - اپریل ۱۹۲۷ع

۳۹- نشتر جالندھری، محمد عبد الحکیم خان -

پر کلام :-

آغا شاعر دہلوی - ص ۳۴۲ - اپریل ۱۹۲۹ع

۴۰- نظام الدین بدایونی ' خواجہ غلام نظام الدین -
بر کلام :-

(الف) اختصاص ' مولوی اختصاص حسین - ص ۳۳۵
اپریل ۱۹۲۹ع
(ب) صمد بدایونی ' مولوی عبد الصمد - ص ۳۳۲ -
اپریل ۱۹۲۹ع
(ج) فخر دہلوی ' مولوی فخر الحسن - ص ۳۳۴ -
اپریل ۱۹۲۹ع
(د) مداح پھپوندوی ' محمد غلام مصطفیٰ خان -
ص ۳۲۸ - اپریل ۱۹۲۹ع
(ہ) مطلب پھپوندوی ' مولوی عبد المقتدر -
ص ۳۳۱ - اپریل ۱۹۲۹ع

۴۱- نظم طبا طبائی لکھنوی ' نواب حیدر یار جنگ مولانا
سید علی حیدر -
بر کلام :-

نشتر ' محمد عبد الحکیم - ص ۴۹۸ - جولائی ۱۹۲۷ع

۴۲- نفیس لکھنوی -
بر کلام :-
ارم لکھنوی - ص ۴۹۳ - جولائی ۱۹۳۰ع

۴۳- نوح ناروی -
بر کلام :-

(الف) بسمل الہ آبادی ' بابو سکھ دیو پرشاد -
ص ۳۴۶ - اپریل ۱۹۲۹ع
(ب) عاجز ' بابو پیارے موہن - ص ۳۵۰ - اپریل
۱۹۲۹ع
(ج) غنی الہ آبادی ' مرزا عثمان غنی - ص ۳۴۴ -
اپریل ۱۹۲۹ع

(د) مشتاق بنگلوری ، ابو المنیر احمد پیران -
ص ۳۳۷ - اکتوبر ۱۹۳۱ع
(ہ) ناز الہ آبادی ، منشی سندر لعل - ص ۳۵۰
اپریل ۱۹۲۹ع

۴۴- وحید الہ آبادی -

بر کلام :-

اکبر الہ آبادی - ص ۳۴۴ - جولائی ۱۹۲۷ع

۴۵- وزیر ، خواجہ وزیر -

بر کلام :-

تلق ، آفتاب الدولہ خواجہ اسد علی - ص ۱۴۴ - جولائی ۱۹۲۷ع

۴۶- وسیم خیر آبادی ، سید محمد عسکری -

بر کلام :-

(الف) اثیم خیر آبادی ، حکیم سید امیر احمد - ص ۵۴
جنوری ۱۹۲۸ع
(ب) خوشتر - ص ۵۲ - جنوری ۱۹۲۸ع
(ج) سعید خیر آبادی ، مولوی سعید احمد - ص ۴۸
جنوری ۱۹۲۸ع
(د) سعید خیر آبادی ، حکیم امیر احمد - ص ۴۸
جنوری ۱۹۲۸ع
(ہ) شمیم خیر آبادی ، سید خلیل احمد - ص ۴۶
جنوری ۱۹۲۸ع
(و) شیخ ، شیخ محمد - ص ۴۹ - جنوری ۱۹۲۸ع
(ز) قمر گورکھپوری ، بابو بدری پرشاد - ص ۵۰
جنوری ۱۹۲۸ع
(ح) نیاز ، سید نیاز احمد - ص ۵۴ - جنوری ۱۹۲۸ع
(ط) نیاز (برادر ریاض خیر آبادی) ص ۵۴ - جنوری
۱۹۲۸ع

(ی) نفیس بنگلوری، محمد یوسف - ص ۱۴۲- جنوری ۱۹۳۲ع

صوفی، سید شاہ فرزند علی منیری —

۱- مثنوی روشنِ عشق - ص ۱۳۲ - جولائی ۱۹۵۰ع

۲- مثنوی کششِ عشق - ص ۱۱۰ - اکتوبر ۱۹۵۰ع

"ض"

ضیا احمد بدایونی —

مومن پر ایک نظر - ص ٦٦٢ - اکتوبر ۱۹۲۷ع

ضیا الدین احمد برنی —

۱- رابندر ناتھ ٹیگور - اپریل ۱۹۴۷ع

۲- ظفر کی شاعری - ص ۹۷ - جنوری ۱۹۵۴ع

۳- صوبہ بمبئی کے اردو فارسی اور عربی اخبارات (۱۸٦۷ع سے ۱۹۱۴ع تک) ص ٦٥ اکتوبر ۱۹۵۴ع

شمار	نام اخبار	سن اجراء	ایڈیٹر	حوالہ
۱-	آزاد پنچ	۱۸۹۷ع	حکیم عبد الحمید فرخ	ص ٦٨
۲-	آفتاب گزٹ	...	...	ص ٦٩
۳-	آئینۂ ہند	۱۸۹۵ع	...	ص ٦٨
۴-	ابو الپنچ	۱۸۹۷ع	حکیم عبد الحمید فرخ	ص ٦٨
۵-	ابوالطرفہ (عربی)	۱۸۸۳ع	...	ص ٦٧
٦-	اتحاد	۱۹۱۲ع	...	ص ۷۲
۷-	اختر ہند	۱۸۷۷ع	...	ص ٦٦
۸-	اردو انسٹرکٹر	۱۸۷۲ع	...	ص ٦٦

نام اخبار	سن اجراء	ایڈیٹر	حوالہ
اردو پریس	...	...	ص ۶۹
اردو ڈیلی	۱۹۰۷ع	ایک مسلم خوجہ	ص ۷۰
ارمغان	۸۸۲ ع	...	ص ۶۷
ارمغان ہند	۱۸۸۶ع	...	ص ۶۷
اسلامک ڈیلی میل	۱۹۱۱ع	نواب عبد اللہ	ص ۷۰
اقبال	۱۹۱ع	منشی عبد الغفور خاں	ص ۷۱
اکلیل فارسی (فارسی)	۱۸۸۷ع	...	ص ۶۷
الطاف	۱۸۸۳ع	..	ص ۶۷
امیر الاخبار	...	حکیم عبد الحمید فرخ	ص ۶۹
انڈیا گزٹ	۱۸۹۳ع	منشی علی محمد	ص ۶۸
برق خاطف	...	مظفر حسین	ص ۶۶
بشیر الملک	۱۸۹۵ع	...	ص ۶۸
بمبئی پنچ بہادر	۱۸۹۶ع	حکیم عبدالحمید فرخ	ص ۶۸
بہار روزگار	...	سلیمان مرزا مفتون	ص ۷۳
پنڈت	...	...	ص ۷۳
تجارتی گزٹ	...		ص ۶۹
تحفۂ دکن	...	...	ص ۶۹
تیس مار خان	...	...	ص ۶۹
جام جہاں نما	۱۹۰۵ع	منشی عبد الکریم	ص ۷۰
جسٹس آف دی پیس	۱۸۹۷ع	..	ص ۶۸
جوہر	۱۸۹۰ع	...	ص ۶۸

شمار	نام اخبار	سن اجراء	ایڈیٹر	حوالہ
۳۰-	جہان نما (اردو فارسی)	۱۸۸۱ع	...	ص ٦۷ و ٦۹
۳۱-	حبیب الاخبار	...		ص ۷
۳۲-	حدیقۃ الاخبار (عربی)	...	...	ص ۷۰
۳۳-	خادم ہند	۱۸۸۳ع	...	ص ٦۷
۳۴-	خیر خواہ اسلام (اردو فارسی)	۱۸۸۲ع	...	ص ٦۷
۳۵-	دبدبۂ اسلام	۱۸۸۳ع	...	ص ٦۷
۳٦-	د ستنبو	۱۹۱۰ع	...	ص ۷۱
۳۷-	دکن ریویو (رسالہ)	۱۹۰٦ع	...	ص ۷۰
۳۸-	ڈیلی میل	۱۹۱۱ع	...	ص ۷۲
۳۹-	زبان	۱۸۹۵ع		ص ٦۸
۴۰-	سر ابو الپنچ	۱۹۰۷ع	حکیم ممتاز علی اثر	ص ۷۰
۴۱-	سر پنچ	۱۹۰۲ع	...	ص ٦۹
۴۲-	سفیر	۱۸۹٦ع	منشی خورشید حسین	ص ٦۸
۴۳-	سلطان الاخبار	۱۸۹۷ع	حکیم فرخ	ص ٦۸
۴۴-	شمشیر ہند	...	...	ص ۷۰
۴۵-	شوکت ہند	۱۸۸٦ع	...	ص ٦۷
۴٦-	عالم فروز	۱۸۹۳ع	منشی عنایت علی	ص ٦۸
۴۷-	عجائبات بمبئی	...	محمد انور علی	ص ٦۹
۴۸-	عندلیب ہند	۱۸۸۰ع	منشی اندر سروپ و کشن سروپ	ص ٦٦
۴۹-	غمخوار جہان	۱۹۰٦ع	...	ص ۷۰

شمار	نام اخبار	سن اجراء	ایڈیٹر	حوالہ
۵۰-	قاسم الاخبار	۱۸۹۴ء	...	ص ۶۸
۵۱-	کشف الاخبار	۱۸۶۱ء	...	ص ۶۶ ، ۷۱
۵۲-	کوکب ناصری (فارسی)	۱۸۹۲ء	...	ص ۶۸
۵۳-	گرو گھنٹال	۱۹۰۴ء	سید احمد حسین	ص ۷۰
۵۴-	لبرل	۱۹۰۷ء	...	ص ۷۰
۵۵-	لطیف الاخبار	...	...	ص ۶۶
۵۶-	مخبر	۱۸۹۱ء	...	ص ۶۸
۵۷-	مراۃ الاخبار	۱۸۹۵ء	...	ص ۶۸
۵۸-	مسٹر مخچو	۱۹۰۰ء	اجمل حسین	ص ۷۰
۵۹-	مسلم(اردو انگریزی)	۱۹۰۹ء	...	ص ۷۱
۶۰-	مسلم ٹائمز	...	...	ص ۷۱
۶۱-	مسلم هیرلڈ	۱۸۹۴ء	...	ص ۶۸، ۷۱
۶۲-	مظہر شوکت اسلام	۱۸۸۳ء	...	ص ۶۷
۶۳-	مفید روزگار	۱۹۰۲ء	محمد حسن حسو میاں	ص ۶۹ ، ۷۱
۶۴-	مقبول عالم	۱۸۹۷ء	...	ص ۶۸
۶۵-	ملٹری انسٹرکٹر (اردو مرہٹی انگریزی)	۱۸۸۳ء	...	ص ۶۷
۶۶-	منصف دکن	۱۸۹۷ء	...	ص ۶۸
۶۷-	مولانا پنچ	۱۹۰۲ء	...	ص ۶۹، ۷۰
۶۸-	نامی گزٹ	.		ص ۶۹
۶۹-	نظام الاخبار	.	...	ص ۶۹

شمار	نام اخبار	سن اجراء	ایڈیٹر	حوالہ
۷۰-	نیر اسلام	۱۸۹۷ع	...	ص ۶۸
۷۱-	وکیل اسلام	۱۸۹۳ع	...	ص ۶۸

(فارسی کے گجراتی اخبار) :

۱- اخبار سوداگر
۲- جام جمشید
۳- راست گفتار
۴- شمشیر بہادر
۵- عجیب
۶- قاصد بمبئی
۷- فرصت
۸- گل افشان
۹- نور علم
۱۰- ہندوستان

ضیا جعفری ، سید —

سرحد میں فارسی شاعری کا ارتقا - ص ۷۷ - اکتوبر ۱۹۵۴ع

ضیا یار جنگ ، نواب مفتی —

قطعہ (بیاد مسعود یار جنگ مرحوم) ص ۸۸۷ - اکتوبر ۱۹۳۷ع

طالب الہ آبادی —

۱- بکڑا شاعر مرثیہ گو - ص ۴۶۳ - اکتوبر ۱۹۳۰ع
۲- داغ بے داغ (پہلی قسط) ص ۳۲۳ - اپریل ۱۹۳۱ع
۳- داغ بے داغ (دوسری قسط) ص ۴۲۴- جولائی ۱۹۳۱ع

"ط"

طاہر فاروقی ، پروفیسر -

مولوی صاحب (بابائے اردو کی شخصیت) - ص ۸۴ -
بابائے اردو نمبر ۱۹۶۲ء

"ظ"

ظہیر الدین احمد قریشی ویلوری ، حکیم —

قطعات تاریخ وفات حسرت آیات علامہ اقبال -
ص ۷۳۰ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

ظہیر الدین مدنی، سید —

۱- ایک قدیم اردو شاعر راجا رام - ص۱- جنوری ۱۹۴۴ع
۲- رسالہ نور المعرفت تصنیف ولی شاعر - جولائی ۱۹۴۷ع
۳- ڈاکٹر مولوی عبد الحق - ص ۶۱ - بابائے اردو نمبر
۱۹۶۲ع
۴- سیاح (منشی میاں داد خان سیف الحق سیاح) ص ۵۰۴
جولائی ۱۹۴۲ع
۵- ولی کی شاعری - ص ۳۲۱ - جولائی ۱۹۵۶ع
۶- ولی کی علمی استعداد - ص ۲۷ - جنوی ۱۹۴۷ع

"ع"

عابد نواز جنگ بہادر ، نواب —

شکسپیئر کے چند بند کا ترجمہ (ترجمہ ہیملیٹ بہ نظم
عاری) ص ۱ - جنوری ۱۹۳۹ع

عابد حسین، ڈاکٹر سید —

۱- اقبال کا تصور خودی - ص ۷۳۸ - اکتوبر ۱۹۳۸ع
۲- راس مسعود مرحوم کی زندہ دلی - ص ۷۷۶ - اکتوبر
۱۹۳۷ع
۳- مقدمہ فاؤسٹ - ص ۲۴۵ - اپریل ۱۹۲۹ع

۴۔ مقدمہ فاؤسٹ (باب چہارم) فاؤسٹ کی تدریجی نشو و نما ۔ ص ۲۰۹ ۔ اپریل ۱۹۳۰ء

۵۔ نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ مرحومہ ۔ ص ۳۰۳ اپریل ۱۹۳۰ء

عاصی ضیائی ، امان اللہ خان —

"نے" علامت فاعل ۔ ص ۸۸ ۔ جنوری ۱۹۵۲ء

عالی ، جمیل الدین —

نقش اول ۔ ص ۵ ۔ باباۓ اردو نمبر ۱۹۶۲ء (۱)

عالی جعفری —

گجرات کی ایک غیر معروف مثنوی (موسول سہاگ) از سلیمان ۔ ص ۴۷ ۔ جنوری ۱۹۵۱ء

عبادت بریلوی ، ڈاکٹر —

۱۔ اردو تنقید کے جدید رجحانات ۔ ص ۶۷ ۔ جولائی ۱۹۴۹ء

۲۔ صنف غزل ۔ ص ۳ ۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء

۳۔ منظومات حالی ۔ ص ۶۷ ۔ اپریل ۱۹۵۲ء

۴۔ مومن کا تغزل ۔ ص ۳۷۲ ۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء

۵۔ مقدمات عبدالحق ۔ ص ۱۶۳ ۔ باباۓ اردو نمبر ۱۹۶۲ء

عبد الباسط ، محمد —

۱۔ خطبات گارساں دتاسی ۔ ص ۳۶۹ ۔ جولائی ۱۹۲۹ء
۲۔ خطبات گارساں دتاسی ۔ ص ۲۴ ۔ جنوری ۱۹۳۱ء
۳۔ خطبات گارساں دتاسی ۔ ص ۴۰۱ ۔ جولائی ۱۹۳۱ء
(خطبات گارساں دتاسی کو انجمن کتابی شکل میں شائع کر چکی ہے)

---

(۱) باباۓ اردو نمبر کا اداریہ ۔

عبد الحق ، ڈاکٹر مولوی —

۱۔ آغاز (رسالہ اردو) ص ۱ - جنوری ۱۹۲۱ع

۲۔ اردو زبان کے قدیم کتبے - ص ۲۷۶ - اپریل ۱۹۳۸ع

۳۔ اردو لغات اور لغت نویسی - ص ۱ - جنوری ۱۹۳۱ع

۴۔ اردو میں دخیل الفاظ - ص ۵ - جولائی ۱۹۴۹ع

۵۔ اردو میں علمی اصطلاحات - ص ۱ - جنوری ۱۹۴۵ع

۶۔ اصطلاحات علمیہ :

(الف) الجبرا - ص ۶۰۱ - اکتوبر ۱۹۲۱ع

(ب) سیال سکونیات - ص ۹۳ - اپریل ۱۹۲۱ع

(ج) طبیعیات - ص ۱۰۱ - جنوری ۱۹۲۱ع

(د) نباتیات - ص ۱۶۷ - جنوری ۱۹۲۲ع

(ہ) نفسیات - ص ۴۱۹ - جولائی ۱۹۲۱ع

۷۔ افکار و واقعات :

(۱) آل انڈیا اردو کانفرنس کی روئداد از علی گڑھ گزٹ - ص ۶۸۰ - اکتوبر ۱۹۳۶ع

(۲) آل انڈیا ساھتیہ سملین ، بھارتیہ ساھتیہ پرشد اور دکشن بھارت ھندی پرچا سبھا کے جلسے - ص ۴۲۵ - اپریل ۱۹۳۷ع

(۳) آل انڈیا ساھتیہ سملین کا اجلاس الہ آباد - ص ۴۳۸ - اپریل ۱۹۳۷ع

(۴) آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں اردو ھندی اور ھندوستانی کا تصفیہ - ص ۱۱۷ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

(۵) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پنجاہ سالہ جبلی - ص ۴۲۲ - اپریل ۱۹۳۷ع

(٦) آنریبل شری سمپورنا نند وزیر تعلیم یو پی اور آر ایس پنڈت صاحب سکریٹری پراونشل کانگریس کی ھندی نوازی۔ ص ۱۱۲۵ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

(۷) اخبار مدینہ کی رائے (رسالۂ اردو کے بارے میں) ص ۶۹۱ - جولائی ۱۹۳۸ع

(۸) اردو کے چند ادیبوں کی وفات:

(الف) پنڈت شیو نرائن شمیم
(ب) مولوی نور الحسن
(ج) منشی پریم چند
(د) اصغر گونڈوی
(ہ) شیخ چاند

} ص ۱۸۰ - جنوری ۱۹۳۷ع

(۹) اردو کے متعلق دو فاضل یورپینوں کی رائے(۱) ص ۱۱۳۳ - اکتوبر ۱۹۳۸ع

(۱۰) اردو کے متعلق سر تیج بہادر کا ارشاد۔ ص ۴۷۵۔ اپریل ۱۹۳۸ع

(۱۱) اڑیسہ میں ھندی کا پرچار۔ ص ۴۷۴ - اپریل ۱۹۳۸ع

(۱۲) ایک نہایت خطرناک تجویز۔ ص ۶۹۹- جولائی ۱۹۳۸ع

(۱۳) بابو پرشوتم‌داس ٹنڈن اور ھندی اردو - ص ۶۷۳ - جولائی ۱۹۳۷ع

(۱۴) بابو سندر لال صاحب کا خط مہاتما گاندھی کے نام - ص ۱۹۰ - جنوری ۱۹۳۷ع

(۱۵) بمبئی اور پونا کا سفر- ص ۴۴۵- اپریل ۱۹۳۸ع

(۱۶) بنگال - ص ۶۷۹ - جولائی ۱۹۳۸ع

---

(۱) سر رچرڈ ٹمپل اور سر ڈینی سن راس کی تقاریر پر تبصرہ۔



کیا نزلہ، زکام اور کھانسی آپ کو ہراساں رکھتے ہیں؟
یہ دراصل سینے اور گلے کی خرابیوں کی علامات ہیں۔ مرض
کا اصلی سبب دُور کرنے کے لئے سعالین کا باقاعدہ
استعمال کیجئے۔ یہ نزلہ، زکام اور کھانسی کا مؤثر علاج
اور ان تکلیفوں سے بچاؤ کی بہترین تدبیر ہے۔
سعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی خصوصی دوا
ہمدرد
kistan
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان کراچی لاہور ڈھاکہ چاٹگام
United H.S. 2/66


پی آئی اے
کی پروازیں
پیرس
استنبول
کویت
نیروبی
بغداد
جدہ
بحرین
دوحا
کیلئے شروع ہوگئی ہیں
موجودہ پروازیں :-
لندن فرینکفرٹ جنیوا۔ روم ماسکو
قاہرہ بیروت۔ ظہران۔ تہران۔ کابل
کراچی۔ ڈھاکہ۔ کھٹمنڈو۔ رنگون۔ کینٹن۔
اور شنگھائی
PIA
پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز

PK 10


جان بچی سو
لاکھوں پائے!
قسمت نے آپ کا ساتھ دیا' ورنہ آپ تو
جان پر کھیل ہی گئی تھیں. بغیر دیکھے بھالے
سڑک کو دوڑ کر پار کرنے سے آپ نے
نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگیوں کو
بھی خطرے میں ڈال دیا تھا.
احتیاط کیجئے. زندگی بہت قیمتی شے ہے.
اس کو لاپرواہی یا جلد بازی کی نذر نہ کیجئے.
سڑکوں کے قانون
United

سہ ماہی

اردو

جلد - ۴۳ شمارہ - ۴

اکتوبر ۱۹۶۷ع

انجمن ترقی اردو

بابائے اردو روڈ۔ کراچی

مجلس ادارات

فہرست مضامین

مسلسل مضامین

تحریروں کے عکس اور تصویریں

تصویر شہنشاہ جہانگیر (مملوکہ انجمن ترقی اردو)	سرورق
مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی	چار صفحات
تذکرۂ ہمیشہ بہار	دو صفحات

طابع :	انجمن پریس لارنس روڈ کراچی
زیر اہتمام :	محمد مصلح الدین سعدی
ناشر :	انجمن ترقی اردو بابائے اردو روڈ کراچی
قیمت فی پرچہ :	تین روپے پچاس پیسے
قیمت سالانہ :	بارہ روپے

یادبود

جشن فرخنده تاجگذاری

محمدرضا پهلوی آریامهر

شاهنشاه ایران

و

علیاحضرت فرح پهلوی

شهبانوی ایران

آبانماه ۱۳۴۶

حرفے چند

اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی آریا مہر شہنشاہ ایران اور ملکہ فرح پہلوی شاہبانوی ایران کے جشن تاجپوشی کے مبارک موقع پر انجمن ترقی اردو چار کتابیں اور مجلہ ''اردو'' کا خاص نمبر شائع کر رہی ہے۔

انجمن ترقی اردو باقاعدہ طور پر آج سے پچپن برس پہلے وجود میں آئی تھی۔اگرچہ انجمن کا کام اس سے بہت پہلے شروع ہو گیا تھا لیکن ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۲ء تک اس کی حیثیت آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک شعبے کی تھی۔ انجمن کے پہلے سیکریٹری ہمارے مشہور مورخ اور ادیب مولانا شبلی نعمانی تھے۔ جن کی شہرۂ آفاق تصنیف ,,شعرالعجم'' کا ترجمہ ایران میں شائع ہوچکا ہے۔

اگرچہ بنیادی طور پر انجمن کا کام اردو زبان و ادب سے متعلق ہے مگر اس نے اپنی نصف صدی سے زیادہ عرصے کی سرگرمیوں کو محض اردو تک محدود نہیں رکھا۔ انجمن اب تک کئی ایسی گراں قدر کتابیں اور مقالے شائع کر چکی ہے جن کا فارسی زبان اور ادب سے تعلق ہے۔

شہنشاہ ایران کے جشن تاجپوشی کے مبارک موقع پر انجمن جو کتابیں شائع کر رہی ہے، وہ اس ادارے کی ان خدمات میں جو فارسی زبان و ادب سے متعلق ہیں، ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان علمی و تحقیقی تالیفات کو اہل علم قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔

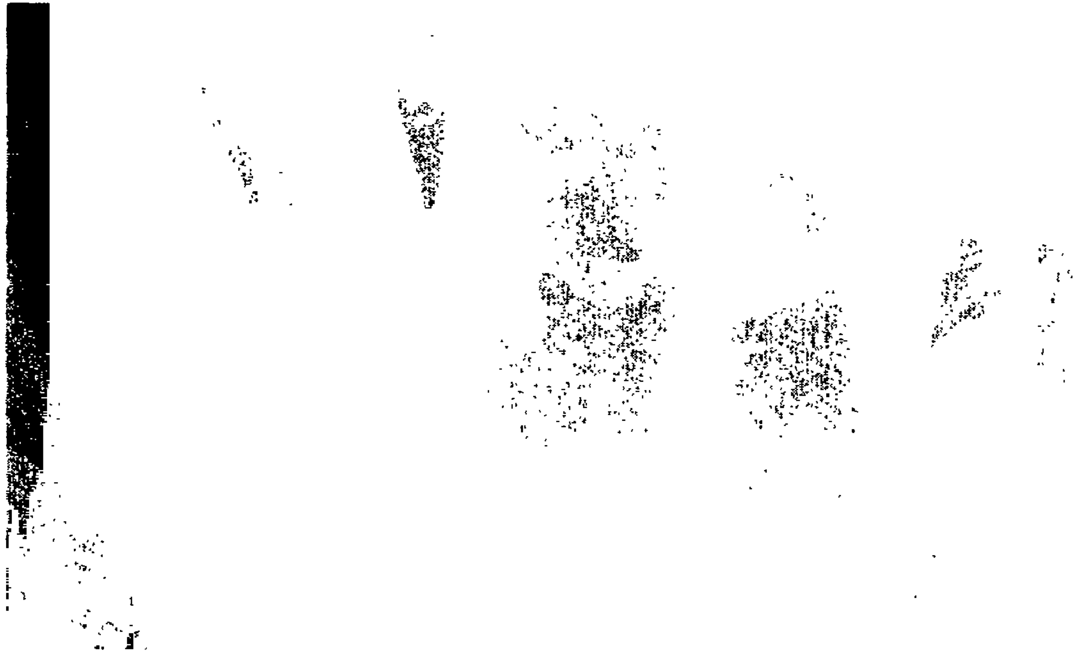
میں انجمن روابط فرہنگی ایران و پاکستان کی طرف سے انجمن ترقی اردو اور اس کے فاضل صدر جناب اختر حسین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ممتاز حسن

صدر

انجمن روابط فرہنگی ایران و پاکستان

کراچی



[illegible]ء کی ایک یادگار تصویر ۔ بائیں سے دائیں :۔ جناب اختر حسین (ہلالِ پاکستان) صدر انجمن ترقی اُردو (سابق گورنر مغربی پاکستان)
حضرت محمد رضا شاہ پہلوی شہنشاہ آریہ مہر ۔ علیا حضرت فرح پہلوی شہبانوی ایران ۔ بیگم جناب اختر حسین ۔ بیگم نصرت بھٹو ۔

قدیم فارسی فرہنگوں میں اردو عناصر

(ادات الفضلا)

ڈاکٹر نذیر احمد *

ادات الفضلا ایک قدیم فارسی فرہنگ ہے۔ اس کا مولف قاضی خان بدر محمد دھلوی المعروف به دھاروال ہے۔

قاضی خان کو ابتدا سے لغات فارسی سے دلچسپی تھی ۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے دو اساتذہ کے نام درج کئے ہیں ۔ اول قاضی برهان الملة و الدین المعروف به بدهانه (۱) دوم سلالته الشیوخ شیخ زاده عاشق ۔ اول الذکر کی شخصیت کے تعین سے ہم قاصر ہیں ۔ البتہ شیخ زادہ عاشق کا نام اس بنا پر علمی دنیا میں معروف ہے کہ وہ ایک فرہنگ کا مولف تھا جس سے مولف فرہنگ جہانگری نے استفادہ کیا تھا ۔ چنانچہ مقدمۂ فرہنگ جہانگیری میں یہ لغت ,, فرہنگ شیخ زادہ عاشق ،، کے نام سے یاد ہوا ہے ۔ اس کے علاوہ نہ اس لغت کا کہیں حوالہ ملتا ہے اور نہ اس کے کسی نسخے کا علم ہے ۔ اساتذہ کے سلسلے میں مقدمۂ ادات الفضلا کی عبارت حسب ذیل ہے ۔

,, اما بعد بنده ضعیف امیدوار الملتجی بحضرت الحی الله الکریم المتعال قاضی خان بدر محمد دھلوی المعروف به دھاروال چنیں گوید که داعی از بدو ایام بلاغت که عنفوان شباب و مبداء آوان نشوونما . . بود . . در طلب فضل پیش مقتداء فضلای

---

* صدر شعبۂ فارسی ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ ۔

۱۔ اس کے تلفظ میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ برٹش میوزیم کے نسخے میں Dahanah ہے ۔ (فہرست ص ۴۹۵)

صاحبقران . . قاضی برهان الملته و الدین المعروف به بدهانه . . و سلالته انشیوخ شیخ زاده عاشق . . تلمذ کرد و مدتی مدید و عهدی بعید . . در تحقیق تراکیب اشعار دوادین شعرا و فضلا و متقدم و متاخر و تصحیح اسالیب لغات متداولات فصحا و بلغاء و خلف مصروف گردانید "

ادات الفضلا کی ترتیب کے سلسلے میں مولف لکھتا کہ اس نے فارسی دری ' پہلوی اور ماوراء النہری لغات (بجز عربی کے) فرہنگنامہ' فخر قواس (١) رسالہ' النصیر ' رسالہ' اسدی طوسی ' دستور الافاضل ، لسان الشعرا ، فواید برهانی و فردوسی سے (بحذف تکرار) جمع کرلئے اور دوسرے الفاظ اور بادشاہوں اور شہروں کے نام وغیرہ جومتذکرہ' صدر فرہنگوں میں نہیں ملتے اور دواوین شعرا کے مطالعے کے دوران اسے اپنے اساتذہ کی مدد سے تحقیق کرنے کا موقع ملا ، انہیں بھی زیر ترتیب لغت میں شامل کر لیا ۔ علاوہ بریں خاقانی' انوری ' فاریابی (ظہیر) ' فردوسی' نظامی ' سعدی اور دوسرے مشاہیر شعرا کی اصطلاحات و تراکیب کوخود مولف نے اپنی استعداد کے مطابق جمع کر لیں۔ اس طرح زیر نظر فرہنگ مرتب کر کے ٨٢٢ ھجری(٢) میں خان اعظم خاقان معظم مسند عالی قدر خان ابن دلاور خان کی آستان بوسی کے ارادے سے جونپور سے (مالوہ) روانہ ھوا اور وہاں پہنچ کر جو کچھ ممدوح کے لئے سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسی فرہنگ کے توسط سے خان اعظم قدر خان کے دربار میں رسائی حاصل کی ۔

قدر خان ایک قابل قدر حکمران تھا ' اس کا دربار شعرا و فضلا کا ملجا و ماویٰ تھا۔ تاریخ محمدی بہادر خانی سے (٣) معلوم ھوتا ھے کہ قدرخان

١۔ ان فرہنگوں میں سوائے فرہنگنامہ ' رسالہ اسدی اور دستور الا فاضل (حاجب خیرات) کے بقیہ سب ناپید ھیں ۔

٢۔ عام طور پر یہی تاریخ ملتی ھے مگر برٹش میوزیم کے نسخے میں ٨١٢ھ درج ھے (دیکھئے فہرست ریو ص ٩١ م)

٣۔ نسخہ برٹش میوزیم ورق ٢٨م ب ، نیز دیکھئے فہرست ریو ص ٩٢م ، جہاں تاریخ محمدی کے ساتھ فرشتہ کا حوالہ ھے مگر مجھے تاریخ فرشتہ میں یہ بات نہ مل سکی ۔

اپنے باپ دلاور خاں کی زندگی ہی میں چندیری کا حاکم مقرر ہوگیا تھا۔ اس کا بھائی الپ خاں جو ہوشنگ کے نام سے اپنے باپ کی وفات پر ۸۰۸ ہجری میں مالوے کے تخت پر بیٹھا تھا ، نہایت اولو العزم بادشاہ ہوا ہے۔ قدرخاں کی وفات پر چندیری بھی اس کے تصرف میں آگیا۔ ہوشنگ کی وفات ۸۳۸ھ (۱) میں ہوئی ، اس سے ظاہر ہے کہ قدر خاں اس تاریخ سے قبل فوت ہوا ہے۔

قاضی خاں کی نسبت " دھاروال " خود دیباچہ' اداة الفضلا (۲) میں آئی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وہ ۸۲۲ ہجری یعنی تاریخ ترتیب فرہنگ سے قبل "دھار" میں سکونت پذیر رہ چکا تھا۔ دھار (۳) مالوے میں ہے اور دلاور خاں اور ہوشنگ کا دارالخلافہ (۴) رہ چکا ہے [شادی آباد منڈو (۵) کی شہرت بعد میں ہوئی ہے] لیکن اس سلسلے میں تھوڑی سی دشواری ہے۔ دیباچہ' اداة میں ایک واضح بیان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خاں جونپور سے مالوے قدر خاں کی خدمت میں پہنچتا ہے اور اول بار اس سے شرف ملاقات حاصل کرتا ہے ، عبارت یہ ہے :

" از حضرت جونپور احرام گرفتہ و بمجرد وصول سر معنی :

۱- تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۴۱ پر تاریخ وفات " آہ شاہ ہوشنگ نماند" سے نکالی گئی ہے۔

۲- دستور الاخوان میں جو اس مولف کی دوسری تالیف ہے ' یہی نسبت موجود ہے مگر نسخہ دہخدا میں جو ۸۲۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ صرف ' دھار ' ہے (دیکھئے مقدمہ لغت نامہ ص ۳۱۷)

۳- دیکھئے تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۳۴ ببعد - مگر مقدمہ لغت نامہ (ص ۳۱۷) میں اسے دہلی کے مضافات میں قرار دیا ہے جو درست نہیں ۔

۴- تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۳۴ ببعد ۔

۵- ہوشنگ اپنی ولیعہدی کے زمانے میں اس شہر کی توسیع میں مصروف رہا اور جب باپ کی جگہ تخت نشیں ہوا تو کچھ دنوں بعد اسی کو پایہ' تخت قرار دیا ۔ دیکھئے تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۳۴ ' ۲۳۵ ' ۲۳۶ ۔

" و اذا رایت ثم رایت نعیماً و ملکاً کبیراً " کہ بسمع اعتقاد می شنید بچشم سر معاینہ و مشاہدہ دید و از ایں فرہنگنامہ وسیلتی حمید و ذریعتی اکید پرداخت(۱) "

اصل مسئلہ یہ ہے کہ آیا اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدر خاں کو مولف نے اول بار دیکھا ہے یا یہ کہ اس سے بحیثیت حاکم پہلی بار ملا ہے۔ اول صورت اس لحاظ سے غلط ہوگی کہ مولف کی سکونت دھار ۸۲۲ ھجری سے قبل تقریباً مسلم ہے۔ دھار قدر خاں کے باپ کا دارالخلافہ تھا ۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اس جگہ سے ایسا متعلق رہا ہو کہ ''دھاروال'' کے نام سے پکارا جاتا ہو وہ خود حکمران کے بیٹے کو نہ دیکھ سکا ہو ۔ اس بنا پر قیاس یہ ہوتا ہے کہ جب قاضی خاں جونپور سے دوبارہ مالوے گیا تو چندیری پہنچا جہاں قدر خاں حکمران تھا ۔ اس نے وہاں اسے حاکم کی حیثیت سے پہلی بار دیکھا اور اس کے متعلق جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا ۔ اس طرح دوسری صورت زیادہ انسب معلوم ہوتی ہے ۔ ضمناً ذکر ہے کہ بظاہر قاضی خاں دھار نہیں گیا، اس وقت یہ خطہ ہوشنگ کے قبضے میں تھا ' اگر وہ دھار جاتا تو ہوشنگ کا ذکر بڑی حد تک ناگزیر ہو جاتا ۔

قاضی خاں کے سلسلے میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ اس کا تعلق اس دور کے تین اہم مراکز سے رہا ۔ اس نے اپنی پہلی نسبت دھلوی درج کی ہے ۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دھلی سے اس کا گہرا رشتہ رہا ہے ۔ جونپور میں وہ ۸۲۲ھ تک مقیم رہا ہے ۔ جونپور عرصے تک مشرقی ہندوستان کا اہم علمی و ادبی مرکز تھا۔ قاضی خاں کے قیام کے دوران یہ شہر شاہ ابراھیم شرقی (۸۰۳ - ۸۴۴ھ) کا دارالخلافہ تھا اور اسی علم دوست بادشاہ کی توجہ سے جونپور رشک دھلی ہو گیا تھا ۔ فرشتہ لکھتا ہے ۔ (۲)

''ابراھیم شرقی. . . . از راہ برگشتہ بدارالعلم جونپور آمد و بہ صحبت

۱۔ قرآن کریم سورہ ۷۶ آیت ۲۰ ۔ اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور سلطنت دکھائی دے ۔

۲۔ تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶ ۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی اسی بادشاہ سے متعلق تھے ۔

علما و مشایخ و تعمیر ولایت و تکثیر زراعت مشغول شده سالہا بہیچ طرف سواری نفرمود و مردم از اطراف و اکناف ہندوستان کہ مشحون از خلل شده بود ، روی بجونپور آورده ہر یک فراخور مرتبت و حالت نوازش می یافتند و از قدوم مشایخ و علماء و سادات و نویسنده از ہر حیثیت بجای رسید کہ جونپور را دہلی ثانی می گفتند و کوچک و بزرگ آن دیار وجود شاه ابراہیم شاه شرقی را از جملہ مغتنمات شمرده روزہ حیات را بہ نشاط و انبساط می گذرانیدند'' الخ

ممکن ہے مولف ادات کو بھی یہی کشش جونپور کھینچ لائی ہو مگر تعجب کی بات ہے کہ وہ اس دارالعلم سے ناکام مالوے کی طرف رخ کرتا ہے اور وہاں اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے - ''دھار'' جس کی وجہ سے مولف دھاروال کہلاتا ہے ' تیسرا اہم مرکز تھا جس سے قاضی خاں متلق تھا - ان اہم علمی مراکز سے مولف کو خاطر خواہ فیوض حاصل ہوئے ہوں گے اور ان کا قیام اس کی زندگی کو علمی و ادبی رخ پر ڈالنے میں موثر ثابت ہوا ہوگا -

قاضی خاں بدر محمد کے حالات کا مزید کچھ علم نہیں ، البتہ اس کی ایک اور فرہنگ دستورالاخوان ملتی ہے جو ۸۲۷ھ سے قبل مرتب ہو گئی تھی ' اگرچہ اس کتاب میں کوئی تاریخ درج نہیں البتہ علی اکبر خاں دھخدا کے کتاب خانے میں ایک نسخہ تھا (۱) اس پر تاریخ کتابت ۲۹ ربیع الاول ۸۲۷ھ (۲) درج ہے - اس سے فرہنگ مذکور کی تاریخ تالیف کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے - لیکن حیرت ہے کہ دستور کے مقدمے میں ادات کا ذکر نہیں لیکن اس سے دستور کے تقدم زمانی پر ہرگز قیاس نہیں ہوسکتا ' اس لئے کہ 'ادات' میں بھی 'دستور' کا ذکر نہیں ' البتہ 'ادات' کے تقدم پر اس بنا پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس میں ابتدائی زندگی کے شوق اور اس دور کے دو اساتذہ کا ذکر ملتا ہے - دوسرے قیاس کی صحت کی بنا پر 'دستورالاخوان' کا سنہ تالیف ۸۲۲ھ اور ۸۲۷ھ کے درمیان قرار دیا جاسکتا ہے -

---

۱- ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے ' دیکھئے تتمہ فہرست کتب عربیہ ، شمارہ ۸۷۷ -

۲- دیکھئے مقدمہ لغت نامہ دھخدا ص ۳۱۸ -

" دستور الاخوان " عربی بفارسی (۱) فرہنگ ہے جو ۲۸ ابواب میں باعتبار حروف تہجی منقسم ہے۔ ہر باب حرف دوم کی رو سے چھوٹے چھوٹے ' بخش ' میں اور ہر ' بخش ' حرف سوم کے اعتبار سے چھوٹے چھوٹے 'جزء' میں تقسیم ہوا ہے۔ اس کتاب میں لغت کی تین کتابیں ماخذ قرار دی گئی ہیں : خلاصہ المتحاص جواہر اللغتہ اسامی مقدمہ زمخشری ، علاوہ ان کے فارسی کی حسب ذیل کتب کا نام بھی دیباچے میں درج ہے : ترسل بہاء بغدادی ، حمسہ نظامی ' دیوان خاقانی ' انوری ، فاریابی ، شیخ سعدی ، خسرو۔ یہ نئی بات ہے کہ عربی لغات جو فارسی کتابوں میں استعمال ہوئے ' انہیں مولف نے دستور الاخوان میں جمع کردیا ۔

مقدمہ لغت نامہ (۲) میں قاضی خاں کو ایک تذکرے کا مولف قرا ردیا گیا ہے :

" نیز دھار کتابی در تذکرہ حال شاعراں دارد ۔ ریو گوید نام این کتاب در دیباچہ اداہ الفضلا آمدہ است "

یہ بیان اس لحاظ سے درست نہیں کہ اداتالفضلا کے دیباچے میں مولف کی کسی اور تالیف کا ذکر نہیں ۔ معلوم نہیں کہ صاحب لغت نامہ کو دھوکا ہوا یا ریو کی کوئی تحریر غلط فہمی پر مبنی ہے ۔ بہر حال قاضی خان کے کسی تذکرے کا فی الحال کوئی وجود نہیں ۔

مولف ادات الفضلا کے دو اہم پیشرو لغت نویس گزرے ہیں ۔ اول فخر قواس ' دوم صاحب خیرات ۔ اگرچہ ادات ' فخر قواس کے فرہنگنامے اور صاحب خیرات کے دستور الافاضل کی پیروی میں لکھی گئی ' لیکن اول الذکر اپنے ماخذ کی دونوں فرہنگوں سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں مرکبات اور شعری اصطلاحات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ علاوہ بریں قاضی خان نے قواس اور صاحب خیرات کے تتبع میں بعض لغات کی توضیح کے ذیل میں ہندوستانی متبادل الفاظ درج کئے ہیں ۔ فرہنگ قواس اور دستور الافاضل دونوں میں ہندوستانی الفاظ بیس سے زیادہ نہیں جب کہ ادات الفضلا میں ان کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ ہوگی ۔

۱۔ ادات کے بالکل برعکس کہ یہ 'فارسی بفارسی ' ہے ۔

۲۔ ص ۳۱۸

ادات الفضلا میں جو ہندوستانی یا اردو الفاظ آگئے ہیں وہ مولف کے زمانے میں بول چال میں رائج تھے - ان میں بعض الفاظ آج بھی مستعمل ہیں، بعض میں قدرے صوتی اور املائی تبدیلی واقع ہوئی ہے، کچھ متروک ہوچکے ہیں۔ ان الفاظ کا مطالعہ ہندوستانی لسانیات کے ارتقا کے سمجھنے میں مفید ہوسکتا ہے - اسی مقصد کے پیش نظر راقم نے اس فرہنگ میں شامل تمام ہندوستانی الفاظ کا انتخاب (۱) کرلیا ہے - لیکن ان الفاظ کی شکل اور معنی کا تعین اصل فارسی لغات کے بغیر دشوار تھا، اس لئے فارسی لغات حروف تہجی کی ترتیب سے پوری تشریح کے ساتھ درج کئے گئے ہیں - لیکن واضح ہے کہ ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ قدیم الفاظ کی صوری اور معنوی شکلوں کا صحیح تعین دوسری فرہنگوں کے باھمی مقابلے کے بغیر ممکن نہ تھا - اسی بنا پر اس مطالعے میں زفان گویا' موید الفضلا (۲) اور مدار الافاضل (۳) کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے -

ان ابتدائی امور کے ذکر کے بعد اب ہم الفاظ کے انتخاب کی طرف توجہ کرتے ہیں -

آسا : ... فازہ کہ دھن از ہم باز شود از کاھلی یا از آمدن خواب... اهل ہند جنبھائی خوانند - بحر الفضایل میں جنبھائی ' شرفنامہ میں جنبھوائی ' مدارالافاضل میں جماھی (متن) اور جنبھائی (حاشیہ) ہے -

آسیب : عرب صدمت و اهل ہند دھکہ خوانند - موید میں ادات و قنیہ کے حوالے سے دھکہ درج ہے - شرفنامہ اور مدار میں اس ہندوستانی لفظ کا تلفظ دھکہ ہی ہے -

آشکوب : آسمانہ کہ عرب آنرا سقف و اهل ہند چھات خوانند - موید میں ادات اور شرفنامے کے حوالے سے چھت درج ہے جو واضح ہے کہ غلط

۱- فرہنگ قواس اور دستورالافاضل کے اردو الفاظ سے متعلق ایک مقالہ الگ لکھا جاچکا ہے جو ''نذر مالک رام'' میں شائع ہو رہا ہے - 'زفان گویا' کے اردو عناصر پر مشتمل ایک تفصیلی مضمون رسالہ '' اردو '' کراچی بابت جولائی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوچکا ہے - زیر نظر مضمون اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔ گو بظن غالب ادات الفضلا ، زفان گویا سے مقدم ہے۔

۲- مولفہ شیخ لاد دھلوی -

۳- مولفہ شیخ اللہ داد فیضی سرھندی -

ہے۔ آسمانہ مقدمتہ الادب (زمخشری) میں آسمان خانہ ہے۔ موید نے اسکا ذکر کیا ہے (نیز دیکھئے مقدمہ ۱: ۱۳۰)

آفتاب پرست : . . . جانور یست ... کہ عرب آنراحربا واہل ہند کھرکھٹ خوانند - شرفنامے میں کھر گیت ، موید میں ادات کے حوالے سے کرکٹ اور مدار میں حوالے کے بغیر کرکٹ آیا ہے ۔ ظاہر ہے قدیم شکل کھرکھٹ ہے اور ادات میں یہی رہی ہوگی ۔

آژخ : گوشت پارہ ...... عرب آنرا ثولول و اہل ہند مٹسا گویند ۔ شرفنامہ میں مٹسا ہے ، موید میں ادات کے حوالے سے اور مدار میں حوالے کے بغیر عرب و ہندی مترادفات درج ہوئے ہیں ۔

آھار : بت جامہ کہ در ریسمان تنستہ کردہ و جامہ بافتہ مانند تاسفت نماید و اہل ہند آں را بان گویند ۔ زفان گویا اور مدار میں 'بان' ہے۔ لیکن موید میں مانڑی اور کلپ و کھرب ہے ۔ ممکن ہے 'بان' مان (مانڑ) کا مصحف ہو ۔

آدنگ : رسنی کہ یک سر او بجای و سر دوم بجای دیگر بندند تا خوشہای انگور بدو آویزند قبیل میوہ آویختہ عرب آنرا معلاق و اہل ہند بلکنی (۱) گویند ۔ زفان گویا میں عربی و ہندی مترادفات بالکل ادات کی طرح ہیں ۔ موید میں ہے : و در ادات بدیں معنی ادرنگ آوردہ است و آخر گفتہ است کہ عرب آنرا معلاق (۲) و ہند سلکنی نامند و قبیل میوہ آویختہ ۔ واضح ہے کہ موید کا قول درست نہیں ، اس لئے کہ ادات میں ادرنگ نہیں ہے ۔ موید میں دستور کے حوالے سے لفظ 'اوتل' درج کیا ہے جو غلط محض ہے ، اس لئے دستور کے نسخہ موجود میں آدنگ ہی ہے ' اگرچہ اس کے معنی صرف میوہ آویختہ درج ہوئے ہیں ۔

آتشک : کرمی است خرد سبزگون ، می پرد چون شب در آید

۱۔ '' پنجاب میں اردو میں '' شرفنامے کے حوالے سے ' ملکنی ' ہے۔ آذنگ چھاپے کی غلطی ہے ۔

۲۔ زمخشری نے مقدمہ الادب میں معلاق بمعنی گوشت آویز درج کیا ہے ۔

مانند اخگر تاباں نمایند . . . و اہل ہند آنرا جگنو (۱) گویند۔ یہ ہندی لفظ زفان، بحرالفضایل، موید اور مدار کسی میں نظر سے نہیں گزرا۔

آفتاب گردک: کاف اول فارسی، جنسی است از کرفس بزرگ . . . عرب آنرا حربا و بو قلمون و اہل ہند کھر گھٹ گویند۔ مدار میں اس کے متبادل گرگٹ ہے۔ موید میں ہندوستانی لفظ نہیں آیا۔

آردن: چیزیست مانند کفگیر کہ سوراخہای بسیار دارد، حلوائیان کہ روغن بدان صاف کنند۔ ہند آن را 'پونہ' گویند۔ مدار میں بھی یہی ہندوستانی متبادل کلمہ درج ہے۔

آنستہ: مشکک زیر زمین و آن بیخ گیاہی است خوشبوی کہ اہل ہند آن را موتہ خوانند۔ یہی ہندوستانی متبادل لفظ زفان، شرفنامہ، موید، مدار وغیرہ میں آیا ہے۔

آسمانہ: سقف کہ اہل ہند آنرا چھات گویند۔ موید نے مدار کے حوالے سے چھت لکھا ہے۔ یہی غلطی آشکوب کے ذیل میں بھی عمل میں آئی ہے۔

ارزن: غلہ یست کہ اہل ہند آنرا چینہ گویند۔ یہ متبادل لفظ زفان گویا، بحرالفضایل اور شرفنامہ وغیرہ میں موجود ہے۔

اردن: چیزی کہ حلوائیان شکر بدان صاف کنند مثل کفگیر است، اما سوراخہای بسیار دارد و اہل ہند آن را پونہ گویند۔ یہی ہندوستانی لفظ آرون کے بھی مترادف ہے۔

اسپرغم: گیاہی است خوشبوی کہ عرب آنرا ریحان و اہل ہند بیری خوانند و آن را شاہ سپرغم نیز گویند۔ زفان میں 'ضمیران' کو شاہ سپرغم کا مترادف دیتے ہوئے ہندوستانی لفظ بیری درج ہوا ہے۔ مدار میں ہندوستانی لفظ 'سبزی' ہے جو یقیناً غلط خوانی کا نتیجہ ہے۔

استرون: زن نازانندہ کہ اہل ہند بانجھ خوانند۔ یہ ہندوستانی لفظ استرون کے ذیل میں کسی لغت میں نظر نہیں آیا۔

۱۔ ایک نسخے میں جگنی ہے۔ اودھ کے بعض علاقوں میں جگنی بولتے ہیں۔

اشتر خار: درختی است خرد خار دار ... اهل هند جوانسه خوانند۔ زفان گویا میں اشتر غار (۱) بمعنی جانواسه آیا ہے۔ اکثر فرہنگوں میں جوانسه ہی ہے۔

آشنه: گیا ہی خوشبوی که اهل هند آنرا جهلیره (جهل بره) گویند۔ زفان میں چهیلیری بحر الفضایل میں چهلیڑه اور مدار میں چهڑیله ہے، جهریله آجکل مستعمل ہے۔

الوا: گیاهی است تلخ که عرب آنرا صبر و اهل هند کوانر خوانند، زفان گویا اور مدار میں هندوستانی مترادف کنوار اور موید میں گهیکوار ہے۔

الماس: آبگینه و ایں گوهریست سخت که از هیچ چیز نشکند جربه ار زیر۔ و اهل هند هیرا خوانند۔ یه مترادف هندی لفظ زفان، موید، مدار وغیره میں آیا ہے۔

انگزد: با کاف فارسی انگوزه، عرب حلتیت و اهل هند هینگ خوانند۔ شرفنامه، موید اور مدار میں یہی هندوستانی متبادل لفظ درج ہوا ہے۔

انبر: کلبتیں که بہندوی آنرا سنداسی خوانند۔ زفان میں کلتبان اور سنداسی ہے۔ بحرالفضایل، موید اور مدار میں سنداسی آیا ہے۔ مگر موید میں ادات کے حوالے سے انبر کو انبیر البر کا غلط طور پر مترادف لکھا گیا ہے۔ ادات میں انبیر بمعنی پر کردن ہے۔

انباغ: چون دوزن در حبالهٔ یک مرد بودند، هر یکی ازان زن دیگری را انباغ بود۔ اهل هند آن را سوکن گویند۔ زفان گویا میں سوکن، موید میں سوتن، مدار میں سوکن اور سوت ہے۔

انگدان: جاپتری که عرب آنرا بسباس خوانند۔ متاخر فرہنگوں میں بسباس نسناس کی شکل میں پڑھا گیا اور انگدان بمعنی دیو مردم قرار پایا۔ اس سلسلے کی بحث دستور میں گذر چکی ہے، دستور الا فاضل میں یه هندی لفظ مندرج ہے۔

---

۱ - پنجاب میں اردو میں شرفنامه کے حوالے سے اشتر خوار چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

انبیرہ: آن کاہ کہ بوقت پوشش بر بام اندازند تا بالای آن گل اندازند و درمیان دیوار بر آرند تا دیوار مستحکم شود و اهل هند آنرا دابہ گویند ۔ یہ هندی لفظ نسخہ' سوسائٹی میں درج ہے۔ موید میں محض فارسی معنی درج ہیں ۔ اس هندوستانی لفظ کی توثیق نہیں هوسکی ہے۔

ادلنج : میوہ ایست کہ اندرون او لزج است درمیان مشک انگور و اهل هند لہسوڑہ گویند ۔ شرفنامہ میں بھی یہی ہے ' موید میں بحوالہ ادات یہی تفصیل مع هندی مترادف کے درج ہے ، مدار میں بھی هندوستانی مترادف آیا ہے مگر اس کے بعد اضافہ یہ ہے : در موید ادونج نیز بدین معنی نقل کردہ وآن خطاست ۔ مگر موید کے مطبوعہ نسخے میں ادونج نہیں ہے ۔

اورمزد: ستارہ ایست در ششم آسمان کہ عرب آنرا مشتری و اهل هند برسپت خوانند ۔ مدار میں هندی مترادف ورسپت ہے۔

اورمز : ستارہ ایست در ششم آسمان کہ عرب آرا مشتری و اهل هند برسپت خوانند ۔

اوشنگ : رسنی کہ یکسر او بجای و سر دوم بجای بر بندند تا خوشہ های انگور برو خشک کنند و عرب آنرا معلاق و اهل هند بلگنی گویند ۔ اس لحاظ سے گویا آونگ کا مترادف ہے۔ مدار میں ادرنگ کا مترادف بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فرهنگ قواس میں آوند کے معنی میں آیا ہے پھر موید کے حوالے سے تصحیف بتایا ہے اور سکندری اور شرفنامے کے حوالے سے آونگ کے هم معنی بتایا ہے۔

ایمد : آهنی کہ زمین زراعت بداں پارہ کنند و اهل هند آن را پھال گویند ۔

ایمر : آن آهن کہ مزارعان بداں زمین پارہ کنند و بہندوی آن را بھال خوانند ' بعض بجای را دال خوانند ۔ زفان میں ایمد بمعنی پھال ، موید میں ایمر اسی معنی میں اور مدار میں ایمد و ایمر دونوں کے لئے پھالہ آیا ہے۔

پاکوب : رقاص کہ اهل هند پاتر گویند بحرالفضایل میں پای کوب بمعنی پاتر آیا ہے۔ پاتر اور پاتری قدیم اردو میں مستعمل تھے ، مگر اب یہ دونوں لفظ متروک هو چکے هیں۔ عوامی بول چال میں 'پتریا' ابھی مروج ہے۔

بازنیچ : با چیم فارسی آن رسنی که دو تا بیاوزند و اہل ہند پینگ خوانند و بر او نشینند و بجنبانند از بہر بازی کردن ' بیشتر دختران نارسیدہ بدین بازی کنند ۔ زفان گویا موید اور مدار میں بھی ہندوستانی متبادل لفظ موجود ہے ۔

بادبر : فرفرہ کہ اہل ہند آن را بھرکی و لٹو گویند ۔ زفان گویا کے نسخۂ موجود میں سہواً بھلاوہ درج ہے ، البتہ شرفنامہ ، موید ، اور مدار میں زفان ہی کے حوالے سے بھرکی آیا ہے ۔

باد کش : پنکہ کہ عرب آن را مروحہ خوانند ' ہندوستانی لفظ پکھہ فرہنگ قواس ، دستور ، بحرالفضایل وغیرہ میں بادبیزن کے لئے آیا ہے ۔

باسک : از ہم باز شدن دہن از کاہلی ... اہل ہند جنبھائی خوانند ۔ موید میں جنوائی اور مدار میں جنبھائی درج ہے ۔

بادبیزن و بادزن : پنکہ کہ عرب آنرا مروحہ خوانند ۔ پکھہ اکثر فرہنگوں میں ہے ۔

پائیدان : پانجی کہ عرب آنرا ضمان خوانند و اہل ہند برھو گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ جو ادات کے سوسایٹی والے نسخے میں نقل ہے ، کہیں اور نظر نہیں آیا ہے ۔

پالاون : چیزی است مانند کفگیر ... حلوائیان شکر و روغن بدان صاف کنند و پالونہ نیز گویند و اہل ہند پونہ خوانند ۔ ادات میں کم از کم تین بار پونہ آیا ہے ۔ رک اردن ، اردن ۔

پاپونہ : شگوفہ کہ اہل ہند انرا کو نپلی خوانند ۔ زفان میں کونپلہ ؛ مدار اور موید میں کونپل ہے ۔

باد فرہ : فر فرہ ... بہندوی آنرا لٹو خوانند ۔ زفان گویا میں بھرکی ؛ موید میں لٹو اور مدار میں بادفر لٹو اور بھرکی دونوں کے لئے آیا ہے ۔

بادامہ : نوعی از افریشم کہنہ ، اہل ہند آن را بوتہ خوانند و آن خرقہ کہ از پرکالہای سہ گوشہ تا چہار گوشہ خرد خرد کردہ بدوزند برای زیبائی و نشان ۔ معلوم نہیں بوتہ معنی اول کے لئے یا دوم کے لئے ہے ۔ اس ل

که مدار میں بوته درج ہے اور اس معنی کے بعد یہ بھی درج ہے : و چیزی که ابریشم درو بود و هندش بوته گویند ۔ غالباً بوته بوٹه ہوگا ۔

پاحره : نشستگاهی که پوش در راست کنند ، اهل هند آن را اوته گویند ۔ یہی هندوستانی متبادل لفظ ادات میں موجود ہے ، مدار میں اوت ہے ، موید میں غلطی سے پہلا حرف الف کے بجائے 'ر' ہے جو چھاپے کی غلطی ہے ۔

باخه : جانوریست آبی که آنرا سنگ پشت نیز گویند که عرب آنرا کشف و اهل هند کچھو خوانند ۔ زفان میں کچھوہ ، شرفنامه میں کھجوا ، موید میں هندوستانی لفظ کچھ اور مدار میں کچھوہ ہے ۔

پاشنه : عقب پای که اهل هند آنرا ایڈی خوانند ۔ یہ هندوستانی لفظ زفان ، موید اور مدار میں نظر سے نہیں گزرا ۔ بہرحال آج بھی اسی طرح سے بولا جاتا ہے ۔ قدیم میں ڈا اور ڑا میں فرق نہیں ہوتا تھا ۔

پاتله : کراهی که بدان حلوا کنند ۔ یہی هندوستانی مترادف زفان ، شرفنامه ، موید اور مدار میں موجود ہے مگر آج کل پاتیله اور کڑاهی میں فرق کرتے ہیں ۔

بتواز : جای آرام شکره و کبوتر که اهل هند آنرا اده خوانند ۔ موید میں ہے : بتواز جای آرام کبوتر و شکره که از سر چوب درست کنند و آنرا اڈه خوانند ۔ کذا فی زفان گویا ۔ مگر زفان گویا کے نسخہ حاضر میں یہ لفظ درج نہیں ہے ۔ بظاهر موید نے ادات سے نقل کیا ہے اور کسی وجه سے غلط حواله درج ہوگیا ۔

پتک : خالسک بزرگ که آهنگران دارند و اهل هند آنرا گهن گویند ۔ شرف نامه میں گهن اور موید میں بغیر حوالے کے یہی تفصیل مع هندی مترادف کے موجود ہے ۔

پتگن : با کاف فارسی نوعی از ساز بزرگری که آن را تخته سپار خوانند و اهل هند پروشه گویند و ماله ۔ زفان گویا میں یہی هندوستانی لفظ موجود ہے ، لیکن ماله هندی لفظ نہیں ، بلکه خود فارسی لفظ ہے جو بننے کے کام میں آتا ہے ۔ موید میں هندوستانی مترادف درج ہے ۔

برخ : شبنم کہ اشک نیز گویند و اہل ہند آنرا اوس خوانند ۔ یہ ہندوستانی مترادف کہیں نظر نہ آیا ۔

بردک : چیزی . . . پرسیدنی کہ عرب آنرا مغز و اہل ہند پہیلی گویند ۔ شرفنامہ ، موید اور مدار میں ہندوستانی متبادل لفظ آیا ہے ۔

پرہہن : سبزہ ایست ترش کہ عرب آنرا خضرج و اہل ہند لونک خوانند ۔ موید اور مدار میں خضرج اور لونک دونوں مترادف درج آئے ہیں ۔

پژاوند : چوبی کہ در پس در افگنند تا کسی باز نتواند کرد ، و عرب آنرا مترس و اہل ہند اگل خوانند ۔ یہ ہندوستانی لفظ بحرالفضایل ، میں بھوگل کی شکل میں آیا ہے (رامپور کے نسخے میں نہیں)

بسباس : جاپتری ۔ یہ لفظ اکثر فرہنگوں میں منجملہ ، بحرالفضایل کے آیا ہے ۔

بساک : تاجی کے از گلہا بافند و اہل ہند آنرا ساہرہ و ہندوان سور خوانند ۔ زفان گویا ، شرفنامہ اور مدار میں سہرہ ، لیکن موید میں ہے : در نسخۂ ادات بدین معنی آوردہ است و گفتہ است اہل ہند مور خوانند و شاید از خطای کاتب است ، واضح ہے کہ خود موید میں ایک ہندوستانی لفظ یعنی ساہرہ ترک کردیا گیا ہے ۔ ادات میں کوئی کتابت کی غلطی نہیں ۔

بشنگ : سوراخ کن نجار کہ چوب را بدان سوراخ کن و اہل ہند آن را نہانی گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ 'بحرالفضایل' اور 'موید' میں آیا ہے ۔

پکول : چھجہ ۔ یہ لفظ بعض فرہنگوں میں پکوک کی شکل میں آیا ہے ، زفان میں پکوک ہے مگر پکول کا ذکر ہے ، دیکھئے قواس ، دستور اور بحرالفضایل وغیرہ ۔

بلادر : لوعی از بار درخت کہ آنرا ہند بھلاوہ گویند ۔ دستور ، زفان ، بحرالفضایل ، شرفنامہ اور مدار میں یہی ہندوستانی لفظ آیا ہے ، آخرالذکر میں بلادری کے ذیل میں بھی بھلاوہ ہی درج ہوا ہے ۔ مگر موید میں بھلانواں ہے اور خود مولف نے اس درخت سے متعلق اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے ۔

پلوک : چھجہ یعنی نشستگاہ چوبین کہ بالای بام بود ۔ ظاہر ہے پکوک ، پکول اور پلوک سب ایک ہی قسم کے لغت ہیں ، ایک اصل ہے ، بقیہ

دو تصحیف - اسی لغت میں 'ل' کا حرف دوم ہونا مسلم ہے -

بنانج : چون دو زن و یا بیشتر در حبالۂ یک شوہر بوند ، ہر یکی ازان زنان مرزن دیگر را بنانج بود ، اہل ہند آن را سوکن گو یند - شرفنامہ ، موید اور مدار میں یہی ہندوستانی متبادل لفظ ہے -

پنجک : پاغندہ بزرگ . . . و اہل ہند آن را گالہ خوانند - فرہنگ قواس اور زفان گویا میں اسی معنی میں آیا ہے - مدار میں پاغندو پاغندہ بمعنی گالہ درج ہے -

پندک(۱) : پاغندہ کہ از پنبہ پیچیدہ باشند و اہل ہند آن را گالہ خوانند یہی ہندوستانی مترادف لفظ موید میں بندک کے ذیل میں آیا ہے -

پنگان : نوعی از آوندان کہ بدان مسافران و اہل ہند طعام خورند و پیشتر از رومین سازند و عرب آنرا طاس اہل ہند تہال خوانند - یہ ہندوسانی مترادف شرفنامہ اور مدار کے علاوہ کسی اور فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا - اسی سے مدار میں لغت پیکان ہے -

پوک : چاہ غلہ کہ اہل ہند آنرا کھوگویند - مدار میں چاہ غلہ ہے مگر ہندوستانی مترادف غائب ہے ، جو کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا -

بوم : آن را الو گویند -

بہمن : نام داروئی است . . و اہل ہند آن را اسگندہ خوانند - زفان موید اور مدار میں ہندی مترادف درج ہے -

پہنہ : گوی بازی کردن کہ اہل ہند آنرا لٹو خوانند - موید میں ادات سے بغیر حوالہ پوری تفصیل ماخوذ ہے -

پیچہ : اہل ہند آنرا اکاس بیل خوانند - شرفنامہ اور موید میں یہ ہندوستانی لفظ مندرج ہے -

تار : ضد پود است کہ اہل ہند آن را تانہ خوانند - موجودہ املا میں یہ تانا ہے -

---

(۱) "پنجاب میں اردو" میں بندش بہ معنی گالہ بہ حوالۂ شرفنامہ ہے - بندش چھاپے کی غلطی ہے -

تپ خالہ : مسی کہ بر روی مردم برآید و اہل ہند آن راسیم خوانند سہوہ نیز گویند - ادات کے ایک نسخے میں سیم و سہو ہے۔ یو - پی کے بعض علاقوں میں چہرے پر جو کالے دھبے ہوتے ہیں ان کو سہوہ کہتے ہیں -

تختۂ شیار : چوبی در جفت کہ اہل ہند آنرا ہروتہ گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ ادات اور دوسری فرہنگوں میں بتکن کے ذیل میں بھی آیا ہے۔ زفان میں تختۂ شیار کے مترادف بھی یہی لفظ ہے -

تخم کتان : اہل ہند السی گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ 'زفان' وغیرہ میں موجود ہے۔

تر بد : داروی است کہ برای اسہال شکم خورند ، و اہل ہند آن را نسوت خوانند ۔ یہ ہندوستانی متبادل لفظ موید اور مدار میں درج ہے - آخرالذکر میں تربت کے ذیل میں آیا ہے۔

ترندک: پرندہ ایست خرد..عرب آن را صعوہ' فارسیان سریچہ واہل ہند ممولہ خوانند ۔ شرفنامہ اور مدار میں بھی یہی ہندوستانی لفظ آیا ہے ۔

ترترک: پرندہ است خرد .. عرب آنرا صعوہ' فارسیان سریچہ و اہل ہند ممولہ خوانند - موید میں ادات سے بغیر حوالے کے پوری تفصیل مع ہندوستانی مترداف کے درج ہے -

تفسہ : آن سیاہی کہ بر روی مردم براید و عرب آنرا کلفہ و اہل ہند چھائی خوانند ۔ یہی ہندوستانی مترادف مدار میں تفشہ کے ذیل میں درج ہے -

تلک : لوبیا کہ عرب آن راجلبان خوانند و قبیل ادرک ۔ 'زفان' میں بھی یہی متراوف ہندوستانی لفظ درج ہے ۔ مدار میں 'ادراک' چھاپے کی غلطی ہے -

تلی : دست افزاردان حجام کہ اہل ہند آنرا بھاندی خوانند ۔ 'موید' میں ہے : دست افزاردان حجام کہ بہندش بھاندی نامند و دست افزار حجام کذا فی الادات و معنی اول درست چنانچہ از ' زفان گویا ' معلوم میشود ۔ پتا نہیں کہ موید میں کیونکر ادات کے مطالب کی نسبت غلط درج کی ۔ 'زفان گویا' میں بلاشبہ دست افزاردان حجام کو زیادہ صحیح بتایا گیا ہے لیکن اس میں ہندی لفظ نہیں آیا ہے۔

چارمغز : جوز که اهل هند آنرا اکهروت خوانند ۔ ادات کے ایک نسخے میں اخروٹ غلط ہے۔ شرفنامہ میں اکھروت اور 'موید' میں اکروٹ ہے۔

جامہ' غوک : آن گیاه که در آب روید... اهل هند آنرا سوال خوانند۔ 'زفان' اور 'شرفنامہ' میں سوال اور 'موید' میں سوال اور کائی دونوں ہے ۔

چالی : درختی که عرب آنرا اراک و اهل هند پیلو گوید ۔ 'شرفنامہ' اور 'موید' میں یہی ہندوستانی متبادل لفظ آیا ہے ۔

چرخ : و آنچه بدان روغن کنجد و شیره شکر کشند و اهل هند آنرا کولہو خوانند ۔ ' زفان گویا ' میں ہندوستانی متبادل لفظ آیا ہے ۔

چرز : پرنده ایست آبی که آنرا سرخاب و خرچال نیز گویند ۰۰ و اهل هند چکوا خوانند ۔

چزک : جانوریست خزنده که بر پشت او خارها مثل دوک رستہ است ۰۰ اهل هند سهی خوانند ۔ موید میں چژک بمعنی ساہی ہے ۔

چغد : پرنده ایست شوم که جز شب بیرون نیاید ۰۰۰ اهل هند آنرا الو خوانند ۔

چغندر : سبزی است مثل ترب که اهل هند آنرا کونڈو خوانند ۔ 'زمان گویا' میں ہندی مترادف تندس یا دیدس آیا ہے ۔ 'شرفنامہ' میں کونڈو ، اور 'موید' میں بغیر حوالہ کونڈو اور ' زفان ' کے حوالے سے دهندس اور دیدس درج ہے۔ ادات میں چکندر اور چغندر کے ذیل میں دوبار مزید کونڈو درج ہوا ہے۔

چغ : آن چوب که بدان سکه از جغرات برارند ۰۰ اهل هند آنرا رئی خوانند ۔ سوسائٹی کے نسخے میں روائی کتابت کی غلطی ہے ، رئی آجکل متداول ہے ۔

چغوک : پرنده ایست که عرب آنرا قبره و اهل هند متره گویند ۔ 'زفان گویا' اور 'موید' میں یہی ہندوستانی لفظ درج ہے ۔ 'موید' کا منترہ چھاپے کی غلطی ہے ۔

چغ ۔ آن چوب که بر گردن گاو جفتی و گاو گردون کش نهند و هند اهل هند آنرا جوا گویند ۔ 'ادات' کے دوسرے نسخے میں جوڑ ہے جو زیادہ قرین صحت ہے ۔

چغرواره : گیاهی است که روی آب روید و اهل هند آنرا سوال گویند ۔ 'زفان گویا' اور 'موید' میں بھی ہندوستانی مترادف لفظ موجود ہے ۔

چق : سرزنه یعنی آن چوب بدان جغرات و مسکه برارند اهل هند آنرا رئی خوانند ۔ یہ لفظ اسی طرح مستعمل ہے ۔ مگر سوسائٹی کے نسخے میں روائی درج ہے ۔

چکاوک: پرنده ایست آبی.. و بعضی آن را سرخاب گویند ، عرب آنرا سواد و اهل هند چکوا خوانند ۔

چنگار: (جیم و کاف هر دو فارسی) ۔ جانوریست آبی' جون بر خشکی افتد بپای پس رود ' عرب آنرا سرطان وفارسیان پنج پابک و اهل هند کیکره خوانند ۔ ادات کے دوسرے نسخے میں کیکرا ہے ۔

چندن : آن چوب خوشبوی و سرد که عرب آن را صندل خوانند ۔ چندن بہت پہلے سے فارسی میں مستعمل ہو چکا تھا ' چنانچہ ادات میں بھی معری کا شعر بطور شاہد کے نقل ہوا ہے ۔

چوبلین : آنچه بدو پنبه دانه از پنبه بکشند و اهل هند آنرا اوتنی و جرکھی خوانند ۔ شرفنامہ میں اوتنی ہے مگر دوسرے ہندوستانی لفظ کی حقیقت واضح نہیں ۔

چنگلاهی : جیم و کاف هر دو فارسی ۔ غلیواز و اهل هند آنرا چیله و سلمی نامند ۔ پہلا لفظ تو چیل کے مشابہ ہے مگر دوسرے کی حقیقت واضح نہیں ۔ 'ادات' کے ایک نسخے میں دونوں ہندوستانی مترادفات مذکور نہیں ۔

چوخا : جامه ایست پشمین و نوعی از پوشش تریان که کوتاه است و در هند جوگیان پوشند و اهل هند آنرا کنتها خوانند ۔ بعینہ یہی معنی مع ہندوستانی متبادل لفظ کے موید میں درج ہے ۔

چواز : چیزیست که از چوب و سنگ و امثال آن برای کوفتن غله و دارو سازند ، و اهل هند آنرا اوکھلی نامند ۔

جولاهک: آنکه اهل عرب آنرا عنکبوت و اهل هند آن را مکری گویند ۔ ' ادات ' کے نسخہ' علی گڑھ میں یہ لغت شامل نہیں ہے ۔

چوژہ : جیم و زاء ہر دو فارسی بچہ' نوزادہ' ماکیان ... اہل ہند آنرا تیرہ خوانند ۔ نسخہ' علی گڑھ میں ہندوستانی مترادف نہیں ہے ۔ بہرحال اس لفظ کی اصلیت مشتبہ ہے۔

جے سنگھ : باکاف فارسی نام رائے گجرات کہ دعوی رای' و پادشاہی در ہند اول او کرد ۔

جیپال : پادشاہ زمین ہند نزدیک سند کہ واضع دہل شاہی بود و ہندوان دہل شاہی را سنکہ باد خوانند و جیپال پادساہ برہمان بود و دراصل بہت بودہ و قلعہ لاہور و برشرر نیز او را بودہ الخ ۔ مؤید میں کم و بیش یہی مطالب مع ہندی سنکہ کے موجود ہیں ۔

چیستان : معمای' کہ ہر سند کسی را ... اہل ہند پہیلی گویند ۔ مؤید میں ہندوستانی لفظ درج ہوا ہے ۔

جیزو : خزیدہ ایست کہ بر پشت او خار ہای تیز و دراز مثل دوک رستہ است ... گردی فارسیان خارپشت و روباہ ترکی و اہل ہند سیہ (دوسرے نسخے میں سہی) خوانند ۔ زفان گویا میں اس ہندوستانی لفظ کا املا 'سیہ' ہی آیا ہے ۔ مؤید میں چیزو بمعنی سیاہی درج ہے ۔

خاربست : آن خارہا کہ گرد بر گرد باغ وکشت و کنزار برای محافظت فروبندند ۔ اہل ہند آنرا باری خوانند ۔ ' مؤید ' میں بغیر حوالہ یہ ساری تفصیل بعینہ مع ہندی لفظ (بار بجای باڑی) درج ہے۔

خارپشت : اہل ہند سہی خوانند ۔ دوسرے نسخے میں جیزو کا حوالہ ہے۔ ' مؤید ' میں ہندوستانی متبادل ' ساہی ' درج ہے

خربوز و خرپتواز : پرندہ ایست اما پر ندارد اہل ہند آنرا گادل و تبیل شب پرک وعرب آن را خفاش خوانند ۔ ' زفان ' میں خربوز کے ذیل میں گادل درج ہے۔ واضح ہے کہ ' شرفنامہ ' میں گادر اور 'مؤید' میں گادر اور چمگادر جدید ترین شکلیں ہیں ۔

خردک : گیاہیست کہ آنرا بشیر آور دہند تا شیر زیادت شود ... و اہل ہند آنرا بھتل و کو بھی گویند ۔

خرچکوک : باجیم فارسی گیاہی است کہ آنرا بشیر آوران دہند تا شیر

زیادت شود ...' اہل ہند آنرا بھتل و کوبھی خوانند - یہ لغت فرہنگ قواس، زفان گویا ، دستورالا فاضل ، موید وغیرہ سب میں ہندی مترادف بھتل کے ساتھ پایا جاتا ہے - مگر 'موید' میں یہ ہے : گیاهی است که بزبان کم شیر دهند زیادتی شیر را و در زفان گویا مذکور است داروئیست - که آنرا بھتیل و کچری گویند - زفان میں صرف پہلا ہندوستانی متبادل لفظ بھتل ہے - دوسرا مطلق نہیں ، معلوم ہوتا ہے کہ ' ادات ' کے بجائے غلطی سے 'زفان' لکھ دیا گیا - کچری بھی غلط ہے ، کوبھی ہوگا - ادات کے نسخہ' سوسائیٹی میں یہ لغت شامل نہیں -

خرچال : مرغی است آبی که اهل هند آنرا چکوا خوانند - سرخاب اور چرز کے ذیل میں خرجال اور چکوا اسی فرہنگ میں مذکور ہیں -

خرزهره : درختی است خرد که بگلهای او هندوان بت پرستی کنند ، آنرا کنیر خوانند - زفان ، بحر الفضایل ، شرفنامہ اور موید میں ہندوستانی مترادف کنیر مندرج ہے -

خردهه : باواو فارسی آن مرغ که صیادان بر سر دام بندند تا مرغان برو جمع شوند - عرب آنرا ملواح و اهل هند آن را ملہ خوانند - یہ ہندوستانی لغت راقم نے خود سنا ہے جس کا ''ملھ'' تلفظ ہوتا ہے -

خرفه : سبزی است ترش ، اهل فارس آنرا پرپھن و عرب آنرا خفرج و اهل هند آنرا لونک خوانند - زفان ، بحرالفضایل اور شرفنامہ میں لونک ہی ہے اور زفان میں کئی کلموں کے ذیل میں آیا ہے - مگر موید میں لونیا ہے - یہ ساگ نمکین ہوتا ہے ، لونک اور لونیا دونوں میں پہلا جز لون یعنی نمک ہے -

خروسه : اهل هند آنرا ' کلرا ' گویند - اس لفظ کی حقیقت سے ہم واقف نہ ہوسکے -

خرز ران : نام چوبی که اهل هند آنرا بیت خوانند - ' بید ' کی یہی شکل عامیانہ آج بھی مروج ہے -

خفرج : سبزه ایست خوردنی ترش که عرب آنرا بقلته الحمقا و اهل هند آنرا لونک گویند - زفان گویا اور بحرالفضایل میں لونک ہی ہے ، مگر موید میں لونیا ہے -

خشکامار : عرب آنرا استسقا و اہل ہند آنرا جلند ہر گویند ـ موید میں عربی و ہندوستانی متبادل الفاظ مندرج ہیں ـ

خلہ : چوبی کہ کشتی را بدو را نند و اہل ہند آن را داند و بیل خوانند ـ موید میں ہندوستانی لفظ ہوک درج ہے ـ

خنور : رخت مطبخ چون خنبرہ وکاسہ ... اہل ہند آنرا کوتہی گویند ـ یہی مطالب مع ہندوستانی متبادل لفظ کے موید میں مندرج ہیں ـ

خنجک : خار خسک در اجمال خنجک را بمعنی الحبۃالخضرایعنی سیاہ دانہ و قبیل کلتہی بزبان اہل ہند و آن غلہ ایست ـ زفان اور موید میں کلتھی درج ہے ـ غالباً آجکل یہ نام مروج نہیں ـ

خوچ : باجیم فارسی تاج و گوسپند کہ کودکان برو سواری آموزند و اہل ہند آنرا ادکہ خوانند ـ یہ ہندوستانی لفظ ادات میں مختلف جگہوں پر دو طور پر آیا ہے ـ غرم کے ذیل میں ابرکہ ، قوچ کے ذیل میں رادکہ اور ادکہ مگر زفان گویا میں غرم کے ذیل میں اس کا املا 'ارکہ' ملتا ہے ـ موید میں 'ایر' سراسر غلط ہے ـ صرف حرف دوم میں اختلاف ہے یا دال ہے یا ' ر ' مگر اس وقت یہ لفظ مروج نہیں معلوم ہوتا ـ

خون سیاوش و خون سیاوشان : چوبی است کہ بدان جامہ را رنگ کنند ... و اہل ہند بکم خوانند ـ زفان میں باندوت اور موید میں بکم ـ

خوچہ : با جیم فارسی ، تاج خروس و اہل ہند آنرا مور گویند ـ یہ متبادل ہندوستانی لفظ کسی فرہنگ میں نظر نہیں آیا ـ

خیبر : ..... در گجرات حصاریست کہ ہندوان آنرا جون گدہ خوانند ـ

خیک : با کاف فارسی مشک بزرگ ، اہل ہند آنرا پکھال خوانند ـ بعینہ یہی معنی مع ہندوستانی مترادف زفان گویا میں موجود ہے ـ

خیرو : نام گلی است کہ اہل ہند آن را کیسر خوانند ـ زفان گویا میں اس کا مترادف ہندوستانی لفظ پٹ سن بتایا گیا ہے ـ

خیری : نام گلی است که شعرا آنرا پیتر و ترکش تشبیه کرده اند که اهل هند آن را کیسر خوانند ۔ زفان میں خورون ھندوستانی مترادف بتایا گیا ہے ۔

داو پرنیان : آن چوب که بدان جامه را سرخ رنگ کنند ، و عرب آن را بقم و اهل هند بکم خوانند ۔ زفان میں یہ ہندوستانی لفظ بقم کے ذیل میں آیا ہے ۔

دریواس : چوبی که پس در نهند برای محکمی تا کسی باز نتواند کرد ، اهل هند آنرا اگل خوانند ۔

درخت سنبه : زنبور سیاه که چوب را سوراخ کند و پرنده است که اهل هند آنرا کٹھپھوڑا خوانند ۔ زفان گویا میں بھنورہ ہے ، شرفنامہ میں کھٹپوراء موید میں زفان کے حوالے سے بھنورہ اور بغیر حوالہ کھٹپھوڑا ہے ۔

درای : جرس و تیل بکسر دال ، و اهل هند آنرا گھائی خوانند ۔ زبان گویا اور شرفنامہ میں گھانٹی ہے ، اور موید میں ادات کے حوالے سے گھنٹی ہے جو یقیناً جدید شکل ہے ۔ گھانٹی عامیانہ زبان میں ہنوز رائج ہے ۔

دژک (۱) : با زای فارسی گره که در رشته از کثرت تاب افتد و اهل هند آنرا گوھی خوانند ۔ شرفنامہ اور موید میں گرھی ہے ۔

دسمر : نوعی از غله که آنرا شاخل نیز گویند ، اهل هند آنرا ارهر خوانند ۔ زفان اور موید میں بالکل یہی تفصیل مع ہندوستانی لفظ کے درج ہے ۔

دغدغه : غلغلیج که اهل هند آنرا گدگدی خوانند ۔ زفان گویا ، بحرالفضایل، شرفنامہ اور موید میں یہی ہندوستانی مترادف لفظ درج ہوا ہے ۔

دوخ : آن گیاه که همیشه در آب روید و ازو بوریا بافند عرب آن را حصیر و اهل هند پتیره گویند ۔ زفان میں یہی لفظ ہے ۔ موید میں ہندی متبادل لفظ چھتری آیا ہے ، پھر زفان کے حوالے سے جایرہ درج کیا ہے جو چھاپے کی غلطی ہے ۔

دم‌الاخوین : بهندوی سهادر گویند ۔ یہ لغت نسخہ سوسایٹی میں موجود ہے ، نسخہ' علی گڑھ سے خارج ہے ۔ ہندی مترادف کسی اور جگہ نظر نہیں پڑا ۔

۱۔ ' پنجاب میں اردو ' میں دردک چھاپے کی غلطی ہے ۔

دوزہ : آن گیاہ کہ در جامہ در آویزد و اہل ہند آنرا چیچڑہ خوانند ۔ موید میں یہی مطلب مع ہندوستانی لفظ کے مندرج ہے ۔

دوشیزہ : ... عرب آنرا بکر خوانند و اہل ہند آنرا کواری خوانند ۔ ہندوستانی کلمہ اس مخصوص املا کے ساتھ نسخہ سوسائٹی میں مندرج ہے ۔ موید کے نسخے میں ادات کے حوالے سے بغیر ہندوستانی لفظ کے آیا ہے ۔

دہ گیا : ... دانہ کہ کمتر از رائی بود ۔ زفان گویا اور موید میں بعینہ یہی مطالب مع ہندوستانی کلمے کے درج ہیں ۔

دھن درہ : آنکہ دھن از ہم باز شود از کاہلی یا از آمدن خواب ... اہل ہند جنبہائی خوانند ۔ موید میں جوائی چھاپے کی غلطی ہے ۔

دیوچہ : جانور پست کہ بدان خون زایدہ بکشند و اہل ہند آنرا جوک خوانند ۔ بحرالفضایل اور شرفنامہ میں جوک اور موید میں ہندوستانی کلمہ جونک ہے جو آجکل بھی مروج ہے ۔

راسو : خزیدہ ایست کہ دشمن مار است و اہل ہند آنرا نول خوانند ۔ شرفنامہ اور موید میں نیول ہے ۔ آجکل نیولا مستعمل ہے ۔

رجک : آن باد کہ از گلوی مردم بآواز بلند برآید ... واہل ہند آنرا دکار گویند ۔ یہ ہندوستانی کلمہ کسی فرہنگ میں نظر نہیں آیا ، ادات کے نسخہ علی گڑھ میں بھی موجود نہیں ، ممکن ہے کاتب کا اضافہ ہو ۔

رژہ : آن ریسماں کہ یک سر او بجای سر دیگر بجای دیگر بندند ... اہل ہند آنرا بلگنی گویند ۔ اس ہندی لفظ کا املا بلگنی ، نلگنی ، یلگنی ملتا ہے ، جدید املا الگنی ہے ۔

رسن باز : طایفہ از بازیگران کہ اہل ہند آنرا بیدنی خوانند ۔ یہ ہندوستانی متبادل کلمہ کسی لغت میں نظر نہیں آیا ۔

رشاشہ و رشہ و رشیشہ : قطرہ باران خرد کہ نیک باریک بود واہل ہند انرا پھوٹی گویند ۔ یہی متبادل ہندوستانی لفظ زفان میں ہے ۔ شرفنامہ میں پھوھوی اور موید میں عربی لفظ قرار دیتے ہوئے اس کا ہندوستانی مترادف پھوھار بحوالہ شرفنامہ درج ہوا ہے ۔

روناس : گیاهی است که بدان جامه را سرخ کنند و روین نیز گویند ۔ و اهل هند آن را مجیتھ خوانند ۔ شرفنامہ میں روناس بمعنی مجیتھ ہے ۔ زفان میں روین کے ذیل میں یہ ہندوستانی کلمہ درج ہوا ہے ۔ اصل لفظ کی قراءت ایک نسخہ میں روساس اور دوسرے میں روشناس ہے ، موید میں روناس اور ریناس ہے اور دونوں کے ذیل میں ہندوستانی مترادف مجیتھ درج ہے ۔

روین : گیاهی است سرخ که جامه را بدان رنگ کنند ، اهل هند آنرا مجیتھ خوانند ۔ زفان گویا اور موید میں ہندوستانی مترادف مندرج ہے ۔

روباه ترکی : خزنده است که بر پشت او خارهای تیز و دراز مانند دوک رسته است ... اهل هند سہی (سیہ) خوانند ۔ اس ہندوستانی لفظ کا جدید املا ساہی موید میں دوسرے لفظوں کے ذیل میں منقول ہے ۔

روی : چیزی است که اهل هند آنرا بھنکار خوانند ۔ زفان گویا اور شرفنامہ میں بھنکار ہے ، مگر موید میں آیا ہے : با واو فارسی مس و قلعی آمیخته که بہندش تنکار (کذا) خوانند ۔ اس ہندی لفظ کی حقیقت واضح نہ ہو سکی ۔

ریکاشه : خزنده ایست ... که اهل هند آنرا سیہ (سہی) خوانند ۔ (دیکھیے روباہ ترکی وخار پشت)

راچ : باجیم فارسی زاک که اهل هند انرا پھٹکری گویند ۔ زفان میں زاک اور پھٹکری درج ہے ۔

زاوش : نام ستاره ایست ... عرب آنرا مشتری و اهل هند برہپت خوانند ۔

زاک : لک و زاج که اهل هند آنرا پھٹکری گویند ۔ بحرالفضایل اور شرفنامہ میں زاک بمعنی پھٹکری ہے ۔

زخ : گوشت پاره که برتن مردم بلند برآید و اهل هند مسا خوانند ۔ موید میں یہ ہندوستانی لفظ درج ہے ۔

زربناد : دا روئی است که عرب آنرا رجل الجراد و هند کچور خوانند ۔ بعینہ یہی تفصیل مع ہندوستانی لفظ کے زفان گویا اور شرفنامہ میں درج ہے ۔ مگر موید میں کچور کی جگہ نرکچور ملتا ہے ۔

زرنگ : باکاف فارسی خردل کہ اھل ھند رائی(۱) خوانند ۔ زفان اور موید دونوں میں رائی درج ہے ۔

زغبیر : تخم کتاں کہ اھل ھند آن را السی خوانند ۔ زفان ، شرفنامہ اور موید میں متبادل ھندوستانی لفظ السی ہے ، مگر موید میں زغبر چھاپے کی غلطی ہے ۔

زغنک : کہ عرب آن را نواق و اھل ھند ھدکی گویند ۔ شرفنامہ اور موید میں ھچکی ہے ۔

زکاشہ : خزیدہ ایست کہ بر پشت او خار ھای دراز و تیز مثل دوک رستہ است ... اھل ھند سیہ نامند ۔ (دیکھئے روباہ ترکی و ریکاشہ) زفان میں زکاسہ بمعنی سیہ اور موید میں زکاشہ و زکاسہ بمعنی ساھی درج ہے ۔

زلہ : خزیدہ ایست خرد ، بیشتر در گرما بہ ھا بود ، چون شب درآید فریاد و بلند کند چنانکہ مردمان ازو تنگ آیند و اھل ھند آنرا جھنگر خوانند۔ یہی ھندوستانی لفظ شرفنامہ میں مندرج ہے ۔

زمج بلور : جیم و واو ھر دو فارسی ، چیز یست کہ اھل ھند آنرا پھٹکری خوانند ۔ اس لغت کے سلسلے میں بعض غلط فہمیاں ھیں ۔ ادات میں زاج ، پھٹکری کے معنی میں ہے لیکن زمج اس معنی میں کوئی لغت نہیں۔ البتہ بحرالفضایل میں زمج بمعنی پھٹکری آیا ہے ۔ زفان گویا میں ہے : زمج بلور کہ بہندوی پھٹکری گویند ۔ لیکن زفان گویا میں یہ لغت حرف (ج) کے تحت نقل ہے ۔ اس بنا پر زمج بلور کو زفان کے اعتبار سے ایک لغت نہیں قرار دیا جاسکتا مزید یہ کہ زفان میں مرکبات کو دوسرے حصے میں بیان کیا گیا ہے اور یہ لغت مفردات کے ذیل میں بیان ھوا ہے ، اس بنا پر واضح ہے کہ صاحب زبان کے نزدیک اصل لغت زمج اور بلور اس کا معنی ہے ۔ غالباً اسی سے موید میں بھی بات کچھ غیر واضح رہ گئی ہے ۔ زنج ھمان زمج گذشتہ و در زفان گویا زنج بالفتح بلور و بمعنی پھٹکری نیز و بالکسر شکرہ است معروف کہ بر کبوتر افتد ۔ موید میں زمج کو غلطی سے زنج درج کردیا گیا ہے اس لئے کہ زفان میں زمج کے معنی یہ بھی درج ھیں : شکرہ است معروف کہ بر کبوتر افتد ۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ زفان گویا میں زمج بمعنی بلور آیا ہے

---

۱ ۔ نسخہ سوسایٹی : راھی

جس کا ہندوستانی مترادف پھٹکری ہے ۔ مگر یہ بیان سراسر غلط ہے، درا
لغت زمج بلور ہے جس کے معنی پھٹکری ہے ۔ جیسا کہ ادات میں ہے، صا.
زفان کو ادات ہی کے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے ۔ ادات میں زمج
بمعنی پھٹکری اور بحرالفضایل میں زمج کے مترادف پھٹکری درج ہے ۔

زنجیر : تختہ سیار، اہل ہند آنرا بروتہ گویند ۔ زفان میں ہندو،
مترادف پھال ہے، موید میں بروٹھی اور پھر لسان‌الشعرا کے حوالے
پھال ہی ملتا ہے ۔

زنگ : جلاجل کہ اہل ہند آن را گھونگھرو خوانند ۔ موید
گھونکرو موجود ہے ۔

زنگل : جرس خرد کہ در کمر و پای کودکان بندند، عرب
جلاجل و اہل ہند گھونکرو خوانند ۔

زنگلہ و زنگولہ : عرب آنرا جلاجل و اہل ہند گھونکرو خوا
موید میں ہندوستانی مترادف آیا ہے ۔

زوبین : نیزۂ ہندی کہ اہل ہند آنرا سلیر خوانند ۔ زفان اور
میں متبادل لفظ سبل درج ہے ۔ یہی سبل امیر خسرو کی 'خزاین‌الفتوح' میں آیا
ادات کے نسخوں میں کتابت کی غلطی ہے ۔

زوالہ : غندہ آرد خمیر کردہ برای نان پختن کہ اہل ہند آنرا
خوانند ۔ ادات کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ صاف نہیں پڑھا جاتا ۔ موی
حوالے سے درج کردیا گیا ہے ۔

زیان : تخمی است ہاضمہ کہ اہل ہند آنرا جواین خوانند ۔
میں زنیان (نون مقدم) سے بھی آیا ہے اور ہندوستانی مترادف بھی منقول
زفان میں بھی دونوں شکلیں ہیں اور مترادف جواین درج ہے ۔

سارج : جانور پست پرندہ، اہل ہند آنرا شارک خوانند ۔ زفا
موید میں شارک درج ہے مگر ہندوستانی نہیں بتایا گیا ہے ۔

سارہ : چادری کہ یکسر او فرو بندند و سر ددم بسر اندازد چ
زنان دہاقین اہل ہند میکنند ۔ ممکن ہے اس معنی میں یہ لفظ ہندی
زفان میں ہے : سارہ چادر کہ ہندو پو شند ۔ (گویا ساڑی کا مترادف
شرفنامہ میں سارا بمعنی رسوت درج ہے ۔

سپار (۱) : با بای فارسی آن آهن که بدان زراعت پاره کنند ...
اهل هند آنرا پهال خوانند - زفان اور موید میں مع هندوستانی لفظ کے آیا ہے۔

سپرز : عرب آنرا طحال و اهل هند تلی (۲) خوانند - زفان گویا اور موید میں ' تلی ' درج ہے -

سپرغم : نوعی از گیاه خوشبوی که عرب آنرا ریحان و اهل هند بیری خوانند -

سپستان : میوه ای که اندرون آن لزج است و اهل هند آنرا لہسوره خوانند - زفان گویا میں سگ انگور کے ذیل میں لہسوره آیا ہے۔

سدپایه : خزنده ایست بسیار پای زهر دار ، گروهی آنرا هزار پایه نیز خوانند و اهل هند کنکھجوره گویند - موید میں اس کا املا کھنکھجوره ہے۔

سرخاب : پرنده ایست آبی ، نیز پرد که عرب آنرا شواذ و اهل هند آنرا چکوا و گروهی از فارسیان خرچال نیز گویند - (دیکھئے چرز و خرچال)

سرند : گیاهی است که همیشه در آب روید ... و اهل هند آنرا سوال نیز گویند - شرفنامه اور موید میں هندوستانی لفظ سوال مندرج ہے -

سرمق : سبزه ایست ما کول که اهل هند آنرا بتوا خوانند - بظاہر بتھوا ساگ ہے -

سرک : علتی است از دمیدگی که کودکان را بیرون آید ، عرب آنرا حصبه و اهل هند بودری خوانند - موید میں عربی و هندی لفظ موجود ہیں ، زفان میں محض حصبه ہے -

سرخزه (۳) : نوعی از علت دمیدگی که بیشتر کودکان را بود

---

۱ - یہاں اس کی قرأت سپار ہے، البتہ شیار بھی دوسری قرأت ہے جیسا کہ حرف ش - ر کے ذیل میں ادات میں منقول ہے۔ حرف دوم 'ی' ہے۔

۲ - ادات کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ غلط ہے ، ایک میں تلخی اور دوسرے میں پتی ہے۔

۳ - ایک نسخہ میں سرخزه ہے ، برهان میں سرخزه و سرخره کے علاوہ سرخده اور سرخچہ بھی ہیں -

و عرب آنرا حصبه و اهل هند بودری خوانند ۔ موید میں سرخچه کے ذیل میں بودری و گوتی هندی لفظ آئے هیں ۔

سربچه : پرنده است که عرب آنرا صعوه و اهل هند سوله خوانند ۔ موید میں هندوستانی لفظ سوله ہے ۔

سغرنه : خزنده ایست عرب آنرا قنفد و اهل هند آنرا سیه خوانند ۔ موید میں سغرنه کے ذیل میں عربی متبادل ہے مگر هندی غائب ہے ۔ زفان میں سغرنه هی ہے ۔ زفان میں هندی لفظ دوسرے لغت کے ذیل میں آیا ہے ۔ (نیز دیکھئے خار پشت و جیزو)

سغر : خزنده ایست ... عرب آنرا قنفد و اهل هند سیه خوانند ۔ برهان و موید الفضلا میں سغر غلط خوانی کا نتیجه ہے ۔ مگر مجھے موید میں یه بیان نہیں ملا ۔ واضح ہے که جب سغرنه ہے تو سغر غلط خوانی نہیں ہے ، لیکن موید نے سغرنه پڑھا ہے اس لئے سغر کو اگر وه مصحف سمجھتا ہے تو حق بجانب ہے ۔ مگر ادات اور برهان میں سغرنه اور سغر کو هم معنی قرار دینا کچھ عجب سا ہے ۔

سک انگور : میوه ایست که اندرون او لزج است و اهل هند آنرا لبهسوره خوانند ۔ زفان اور موید میں هندوستانی لفظ موجود ہے ۔

سکک : گیاهی است که در جامه آویزد اهل هند آنرا چچڑه خوانند ۔ موید میں سلک (کذا) کے ذیل میں یہی هندوستانی لفظ درج ہے ۔

شگرنه : خزنده ایست ... که عرب آنرا قنفد و اهل هند سیه خوانند ۔ موید میں سگرنه و سکاشه دونوں ایک ساتھ اسی معنی میں هیں ۔ (هندی مترادف درج نہیں) ۔

سکیله : عکک که عرب آنرا فواق خوانند و اهل هند هدکی گویند ۔ زفان اور موید میں یہی معنی هیں مگر هندوستانی لفظ درج نہیں ۔

سماروغ : رستنی است که تخم ندارد ۔ عامه مردم آنرا چتر مار خوانند ۔ زفان اور موید میں یه هندوستانی متبادل لفظ آیا ہے ۔

سمن ۔ گلی است سپید که اهل هند آنرا چنبه خوانند ۔ موید میں

ہے : در شرح مخزن میگوید سمن را در هند چنبه گویند اما سماع است از خراسانیان که گل چنبه در خراسان نیست ۔

سنگ پشت : جانوری است آبی ... ، گروهی آن را باخه و عرب کشف و اهل هند کچھوا خوانند ۔ بحر الفضایل میں کاچھ ہے ۔

سنگور : با دریسه دوک اهل هند آنرا پهرکی خوانند ۔

سنگرک : با دربه دوک ، اهل هند پهرکی خوانند ۔ موید میں بغیر حوالہ ساری تفصیل مع ہندوستانی لفظ کے مندرج ہے ۔

سنگ پستان : میوه ایست که اندرون او لزج است و اهل هند آنرا لبهسوره خوانند ۔ زفان میں سگ پستان ہے ۔ برهان میں سگ پستان و سنگ پستان دونوں سپستان کے مترادف ہیں ، مگر موید میں سنگ پستان کے ذیل میں ہے : بمعنی همان سکنگور که گذشت (بمعنی سپستان) کذا فی شرفنامه لیکن ترکیب بدین معنی دال نیست شاید تصحیف کاتب ست ، سنگ پستان نیست ۔ تعجب ہے صاحب مدار پر کہ اس کے پیش نظر ادات ہے اور ادات میں حرف دوم (ن) واضح ہے ، یہ کاتب کی غلطی کیونکر ہوگی ۔

سومنات : بتخانه ایست در زمین گجرات الخ

سوسمار : خزیده ایست ... اهل هند گوه گویند ۔ زفان ، شرفنامه اور موید میں یہ ہندوستانی لفظ مندرج ہے ۔

سونش : ریزه آهن و جزآن ، و آنرا (۱) براده و اهل هند لهچن خوانند ۔ زفان میں یہی معنی مع ہندوستانی لفظ کے درج ہوا ہے ۔

سیماب : چیزی است کانی که عرب آنرا زیبق و اهل هند آنرا پاره (۲) خوانند ۔

سیلک (۳) : کرم گندم خوار که اهل هند آن را گهن گویند ۔ شرفنامه میں یہی ہندوستانی لفظ آیا ہے ۔

---

۱ - سوسایٹی کے نسخے میں ہے : عرب آنرا براده الخ ۔

۲ - سوسایٹی کے نسخے میں پارا ہے ۔

۳- زفان گویا میں سلیک چھاپے کی غلطی ہے ۔

سیسک : کرم گندم که اهل هند آن را گھن گویند و نام غله ایست که آنرا مشنگ خوانند و اهل هند کلاو و بتوره گویند ۔ موید میں بھی سیسک کرم گندم اور غله کے لئے آیا ہے ، اس میں دونوں ہندوستانی لفظ کلاو اور بتوره بھی درج ہیں ۔ البته زفان میں سیسک اور سیلک کرم گندم کے معنی میں آیا ہے اور سنلک کے ذیل میں ہے : مشنگ و آن غله ایست که بهندوی بتوره خوانند و بعضی بکسر سین و بعضی ستلک و در نسخه سنکل کرده است ۔

سیخول : خزنده ایست ... اهل هند سیه (۱) خوانند ۔ یه هندوستانی لفظ متعدد بار آچکا ہے ۔

سیاوشان : چیز یست که بدان جامه را سرخ کنند ۔ گروهی آنرا دار پرنیان گویند ۔ عرب آنرا بقم و اهل هند بکم خوانند ۔ موید میں یه هندوستانی کلمه درج ہے ۔

شاخل : نوعی از غله (۲) اهل هند ارهر خوانند ۔ موید میں شاخل بمعنی ارهر مندرج ہے ۔

شام : شبانگاه ... و اهل هند سانجه نامند ۔ ایسے آسان فارسی لفظ کے لئے نه جانے کیوں هندی لفظ کی ضرورت پیش آئی ۔ بهرحال یه لفظ عامیانه اب تک مروج ہے ۔

شب تاب : کرمی است خرد سبزگون ، چون شب در آید مثل اخگر تابان نماید ، اهل هند آنرا جگنی (۳) خوانند ۔ اوده کے بعض علاقوں میں جگنو کے بجائے جگنی مروج ہے ۔

شبت : دالان خرد که اهل هند آنرا سوئی گویند ۔ زفان اور لسان الشعراء میں شبت بمعنی دالان خرد آیا ہے ، ممکن ہے اس لفظ کے دو معنی ہوں ، ایک دالان ، دوسرے سوئی جیسا که موید میں ہے ، مگر سوئی کی جگه سویا ہے ۔

شچک : هکک که عرب آنرا فواق و اهل هند هدکی خوانند ۔ یه هندوستانی لفظ اسی شکل میں ایک بار قبل نقل ہو چکا ہے ۔ موید میں ہور هچکی ہے ۔

---

۱ ۔ نسخه علی گڑھ میں سیهی ہے ۔
۲ ۔ نسخهٔ علی گڑھ میں هندی کلمه نہیں ہے ۔
۳ ۔ نسخه علی گڑھ میں هندی لفظ نہیں ہے ۔

شغار : چیز یست که رنگ وزان و گازران بکار بر ند ، و اهل هند آن را ساجی خوانند ۔ زفان ، شرفنامه اور موید میں یہ هندی لفظ اسی املا کے ساتھ درج هوا ہے ۔

شرک : نوعی از دمیدگی ... و عرب آنرا حصبه و اهل هند بودری گویند ۔ موید میں بودری اور سپل دو هندوستانی لفظ درج هیں مگر دونوں اب مستعمل نہیں ۔ زفان گویا میں شرک کا مترادف حصبه اور پیل ہے جو غالباً سپل کا مصحف ہے۔

شغر : آن پوست که ... از کثرت کار بر پای و دست سخت و ستبر و سیاه گردد و اهل هند آنرا گره (۱) خوانند ۔ زفان اور موید میں یہ هندوستانی لفظ مندرج ہے ،

شغه : آن پوست که از کثرت کار بر پای و دست سخت و ستبر و سیاه گردد و اهل هند آنرا گره (۱) خوانند ۔ زفان اور موید میں یہ لفظ موجود ہے، لیکن موید میں ادات کے حوالے سے لکھا ہے که شغه عین مہمله سے آیا ہے ۔ یہ غلط ہے اس لئے که ادات میں 'غ' قطعی طور پر معین ہے ، شغر اور شغه میں ایک قطعی مصحف ہے۔

شکنج : نوعی از علتها دمیدگی که اهل هند بده خوانند۔ زفان گویا شرفنامه اور موید میں یہ هندوستانی متبادل لفظ درج ہے۔

شلغم : بیخ گیاهی است که هند آنرا کونگلو خوانند ۔ زفان اور موید میں یہ لفظ موجود ہے، اگرچه یہ لفظ شلجم کی شکل میں عام ہے ، لیکن پنجاب میں کونگلو بھی رائج ہے۔

شمبلید : تخمی معروف که اهل هند آنرا میتھی گویند ۔ زفان اور موید میں یہ هندی لفظ موجود ہے ، ان دونوں میں شمبلیت بھی اسی معنی میں ہے ، شرفنامه میں شنبلیت اسی معنی میں ہے ۔

شمه : چربی سر شیر که اهل هند آنرا ملائی(۲) خوانند ۔ زفان ، شرفنامه اور موید میں یہ لفظ موجود ہے۔ آج بھی اس کا املا اور تلفظ یہی ہے۔

۱۔ یہ فارسی لفظ گره سے الگ ہے، غالبا وهی ہے جو آجکل گھٹا کہلاتا ہے۔

۲۔ زفان گویا میں شرفنامه کے حوالے سے بلائی کتابت کی غلطی ہے۔

شنبلید : تخمی معروف که اهل هند آنرا میتهی خوانند ۔ موید میں بھی یہ اسی املا سے آیا ہے۔

شنگوبز : سندھی ، زفان اور موید میں یہ ہندوستانی لفظ منقول ہے ، زفان کے موجودہ نسخے میں مندرج نہیں ۔

شنگرف : کرم کشت خوار و چیز پست که اهل هند ، هینگله (۱) خوانند ۔ موید میں ہندوستانی مترادف گروی ہے جو آجکل متد اول ہے۔

شنکوک : بادریسه' دوک که اهل هند پهرکی خوانند ۔ یہ لفظ اس معنی کے ساتھ زفان اور موید میں نظر سے نہیں گزرا ۔

شنگل : نوعی از غله که آنرا ،شنگ و اهل هند تیوره (۲) گویند ۔ موید میں یہ معنی درج ہے مگر ہندی لفظ نہیں ۔

شوا : دالان خورد که اهل هند آنرا سوی خوانند ۔ و دست و پای که از کثرت کار ستبر و سخت گردد و اهل هند آنرا گره (۳) خوانند ۔ موید میں معنی اول (بحذف ہندی لفظ) شرفنامہ کے حوالے سے اضافہ ہوا ، زفان میں معنی اول نہیں ۔

شوخ : پوست سخت که بر دست و پای از کثرت کار ستبر گردد و اهل هند آنرا گره (۳) خوانند ۔

شولک : بادریسه' دوک که اهل هند آنرا پهرکی گویند ۔ زفان میں بھی معنی (بحذف ہندی لفظ کے) آیا ہے ۔ شنکوک مصحف معلوم ہوتا ہے ۔

شوی : دالان خرد و اهل هند آنرا سوی خوانند ۔ زفان اور موید میں بھی معنی مع ہندی لفظ کے ہیں لیکن ہندی لفظ کے املا میں کچھ فرق ہے۔ سوئی اور سوتی ۔

شیراز : آن شیر که بر دوغ دوشند و بهندوی کوجها گویند ۔ زفان گویا میں ہندوستانی متبادل لفظ کوجھ ہے۔

---

۱ ۔ نسخہ علی گڑھ میں ہیکلو ، ہے۔

۲ ۔ یہ لفظ کلاو کا مترادف ہے ۔ کلاو بعض علاقوں میں کراو (مٹر) کہلاتا ہے۔

۳ ۔ یہ فارسی لفظ گرہ سے الگ ہے ، غالباً وہی ہے جو آج کل گھٹا کہلاتا ہے ۔

غدرک : نوعی از اسلحہ' پوشیدنی کہ اهل هند آنرا گدر خوانند ۔ موید میں ادات کی پوری عبارت مع هندوستانی لفظ کے مندرج ہے۔ زفان میں ہے : غدرک سلاحی کہ غازیان پوشند و گدر نیز خوانند ۔

غرم : میش دشتی و بز کوهی و قبیل آن گوسپند کہ کودکان برد سواری آموزند ، اهل هند آنرا ادکہ (۱) خوانند ۔ زفان میں هندوستانی مترادف 'ارکہ' درج ہے ۔

غساک : گیاهی است بر هر درخت کہ پیچد آنرا خشک کند ، عرب آن را عشقہ خوانند و اهل هند آنرا اکاس بیل گویند ۔

غسک : کرمی است کہ در جامہ خواب باشد اهل هند آنرا اودس خوانند ۔ زفان گویا میں ہے : کرمی است کہ در خواب گاہ باشد یعنی اودس ۔ شرفنامہ میں یہی متبادل لفظ آیا ہے خیال ہوتا ہے کہ یہ اوڑس ہے جو کھٹمل کی جگہ بعض علاقوں میں رائج ہے۔

غلجچ و غلغلیچ : چون سر انگشت بزیر بغل کسی زنی تا بخندد ، اهل هند آنرا گدگدی خوانند ۔ شرفنامہ میں یہی موجود ہے ۔ موید میں یہی دونوں ادات اور شرفنامے کے حوالے سے ہیں ۔ مگر زفان گویا میں غلغلیچ بمعنی گدگدی درج ہے اور مزید یہ بھی ہے کہ بعضی غین دوم را بجیم بدل کنند ... و در بعضی فرهنگنامہ هاست جیم فارسی است ۔

غنک : چوب بزرگ عصاران ، وغن نیز گویند و اهل هند آنرا لاتہ نیز خوانند ۔ زفان میں لتہ (= لٹھہ) شرفنامہ اور موید میں لاٹھہ ہے۔

فاژ : آنکہ دهن از هم باز شود از کاهلی یا از آمدن خواب و آنرا فاژہ نیز گویند و عرب آنرا ثوبا و اهل هند جنبهائی(۲) خوانند ۔ موید میں اس کا املا جمہائی ہے جو زیادہ جدید شکل ہے ۔

فرغند : گیاهی است ... و عرب آنرا عشقہ و لبلاب و اهل هند اکاس بیل خوانند ۔

فرموک : چیزی است کہ کودکان درو رسن پیچند و بگردانند از

۱- نسخہ سوسائیٹی میں 'ابرکہ' ہے ۔
۲- نسخہ سوسائیٹی میں یہ حصہ نہیں آیا ۔

بهر بازی کردن ، و اهل هند آنرا لٹو خوانند ۔ زفان اور موید میں یہ هندوستانی لفظ موجود ہے ۔

فرفره : چرمی سدور بریده و رشته دوتا کرده درو در کشیده و برسر آن رشته گرفته همی کشند تا بگردد ، اهل هند آنرا پھرکی خوانند ۔ زفان اور موید میں متبادل لفظ پھرکی ہی درج ہے ۔

فلاخن : چیزیست که از موی و پشم بافند و از چرم نیز سازند و آن را کلاسنگ نیز گویند ، اهل هند آنرا گوپھن خوانند ، و این آلت حرب شبانانست ۔ زفان اور موید میں گوپھن مندرج ہے ۔

فله : شیر بهیمهٔ نو زاد که چو گرمی آتش رسد زود ببندد ، و اهل هند آن را پیوسی خوانند ۔ شرفنامه اور موید میں بھی هندوستانی لفظ آیا ہے ۔ آجکل یہ لفظ متداول ہے ۔

قچ : گوسپندی که کودکان برو سواری آموزند و اهل هند آنرا ادکه خوانند ۔ موید میں ' ایر ' طباعت کی غلطی ہے ، دیکھئے 'غرم' ۔

قراخان : بادشاه هند که معاصر ذوالقرنین بود ۔ موید میں سکندر کا معاصر بتایا گیا ہے ، ظاہر ہے کہ یہ غلط روایت ہے ، اس لئے کہ یہ هندوستانی آریائی نام نہیں ہے ۔

قوچ : گوسپندی که کودکان برو سواری آموزند و اهل هند ادکه خوانند ۔ موید میں بھی قوچ اور قچ هم معنی قرار دئے گئے ہیں ۔

کاغ : آوازی که از جنبانیدن کلهٔ کاو خیزد ، اهل هند آنرا جگال خوانند ۔ زفان اور شرفنامه میں جگال اور موید میں جگالی ہے ۔

کاکل : آن کلک میان تهی که در آب روید و اهل هند آنرا کانس گویند ۔ زفان شرفنامه اور موید میں کانس مندرج ہے ، لیکن زفان میں کلک کے بجائے کلها ہے جو صحیح نہیں ہے ۔

کاودم : چیزیست که بر در بادشاهان دو وقت هر روز در وقت جنگ بنوازند و عرب آنرا بوق و اهل هند بهیر خوانند ۔ موید میں زفان کے حوالے سے بوق بمعنی بھیڑ آیا ہے ۔

کارتنه : شنبلید که اهل هند آنرا میتھی گویند ۔ زفان اور موید میں کارتنه بمعنی شنبلید ہے ۔

جواسه(۱) خوانند و آن گیاه دراز که ازان جاروب سازند و اهل هند آنرا بیان گویند - زفان میں ہے کرتہ : اشتر خار یعنی جانواسه و گیاه جاروب -

کرنای : . . عرب آنرا بوق و اهل هند بھیر خوانند - زفان گویا میں بھی کرنای کے متبادل بوق اور بھیر درج ہوئے ہیں -

گردنای : چیزیست از بازیہا که کودکان آن را بریسمان پیچند و بگردانند اهل هند آنرا لٹو خوانند - موید میں یہی معنی مع هندوستانی متبادل کے آیا ہے -

گزار : چینه دان مرغ که عرب حوصله و اهل هند پوته خوانند - زفان میں کاف عربی سے ہے مگر هندوستانی لفظ درج نہیں -

کسیلا : داروئی است که اهل هند آنرا کمیلا گویند - زفان ، شرفنامه اور موید میں یہ هندوستانی متبادل لفظ موجود ہے - موید میں کفیلا چھاپے کی غلطی ہے - ''پنجاب میں اردو'' میں کمیلا کی بجائے کہیلا بھی چھاپے کی غلطی ہے -

کفگر : نوعی از آلات حلوائیان که بدان شکر و روغن صاف کنند ، رخنہا بسیار دارد ، و اهل هند آنرا پونه خوانند -

کفچلیزک : خزنده ایست که دست و پای و دم سرخ دارد که عرب آنرا غموص و اهل هند بیہنی خوانند - موید میں ادات کے حوالے سے مزید اتنا اور ہے : بعضی گویند خزنده ایست که پاے دارد یہن و بالائے سر از تارک تا پیشانی - مگر ہمارے نسخے میں یہ اضافه نہیں - موید کے علاوہ زفان میں هندی لفظ بیہنی مندرج ہے -

کاوخ کوب : چیزی است از چوب که سرگران دارد و اهل هند آنرا دھول گویند - یہ هندوستانی متبادل لفظ کہیں نظر نہیں پڑا -

کلنبه ، کلینه : غلوله حلوه که اهل هند پندی و لڈو گویند - فرهنگ قواس اور زفان گویا میں کلنبه کا مترادف لدو درج ہے -

گلوته(۲) : دامک ای سرہوش دختران نارسیده که اهل هند کوچی

۱- کذاست در هر دو نسخه ، لیکن اس لغت میں جوانسه ہے - مثلاً اشتر خار کے ذیل میں -

۲- یہ کلمه دو بار مندرج ہے اور دونوں بار هندوستانی مترادف کوچی درج ہے -

گویند ، شرفنامہ میں کونچی آیا ہے ، موید میں ہے : حاقہ' دام و دامک دختراں که هندش کونچی گویند ۔ زفان میں کاف تازی سے ہے مگر اشارہ ہے کہ بعض فرھنگوں میں کاف فارسی ہے ۔

کلاوہ : چیزیست که اهل هند آنرا 'اتی' خوانند ۔ شرفنامہ میں یہی هندوستانی متبادل ہے ، موید میں کلاوہ بمعنی کلابہ' ریسمان درج ہے ۔ 'اتی' کی حقیقت واضح نہ ہوسکی ۔

کما : راف ای ترشی است و جابتری ، زفان میں بعینہ یہی معنی مع جابتری کے آیا ہے ۔ موید میں لسان‌الشعرا کے حوالے سے یہی ہے ، مگر ادات کا حوالہ صحیح نہیں ۔ مؤید جابتری کے بجائے جای تر داشتن چھاپے کی غلطی ہے ۔ موید ھی میں راف بمعنی جابتری موجود ہے ۔

کنه : جانوریست خرد که در چہار پای افتد ۔ و اهل هند آنرا چچڑی و کلنی نیز گویند ۔ موید میں کلی (کلنی) ہے مگر پہلا لفظ نہیں ہے ۔

کوج (۱) : جانور یست که بشب بیرون آید و روز کور باشد و خلق آنرا شوم دارند ، و آن را چغد نیز گویند ۔ و اهل هند آنرا آلو خوانند ۔

گولانج(۲) ۔ حلوائیست که اهل هند آنرا لاہر خوانند ۔ شرفنامہ اور موید میں لاہر کو ہندی بتایا گیا ہے مگر زفان گویا میں لاہر کی ہندی کی تخصیص نہیں ہے ۔

گوز : جوز که اهل هند اکھروٹ گویند ۔ موید میں ہندی مترادف ہے ۔

کوف : پرنده ایست که جز در شب بیرون نیاید ۔ .. و اهل هند آن را آلو خوانند ۔

گوش خزک : خزنده ایست دراز بسیار پای که عرب آنرا حریص و اهل هند کنسلائی خوانند ۔ موید میں گوش خارک ہے مگر عربی و ہندی مترادف درج نہیں ۔

گول : پرنده ایست که جز در شب بیرون نیاید ... اهل هند آنرا الو نامند ۔ موید میں یہ ہندوستانی مترادف درج ہے ۔

---

۱ - جیم فارسی سے بھی آیا ہے ۔

۲ - جیم فارسی سے بھی ہے ۔

گول : پشمینہ ایست با مویہای آویختہ ۔ عرب آنرا دلق و اہل ہند کھلنڈڑی گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا ۔

کوم وکوام : (۱) گیاھیست مثل کھیل و خوشبوی ۔ یہ ہندی لفظ فرہنگ قواس ، دستور الا فاضل ، زفان گویا اور موید الفضلا میں منقول ہے مگر اس کی قرأت میں اختلاف ہے ۔ اکثر کھیل ہے اور موید میں شرفنامہ کے حوالے سے کیلہ ہے ، جو واضح طور پر چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔

گوش خزہ : خزندہ ایست بسیار پای دارد و اہل ہند آنرا کنسلائی خوانند ۔ موید میں ادات کے حوالے سے یہی لفظ موجود ہے ۔

کورہ : آتشدان آہنگر کہ اہل ہند بھٹی گویند ۔

کیغ : پیخال چشم کہ اہل ہند آنرا چیپرہ خوانند ۔

کیک : جانور یست خرد گزندہ ... و اہل ہند پیسو گویند ۔ زفان اور موید میں یہ آیا ہے ۔

کیستہ : ریسمان خام کہ بر دوک ریسیدہ و مثل بیضہ کردہ باشند و آن را ماشورہ و اہل ہند آنرا ککری خوانند ۔ موید میں بھی یہی ہندوستانی لفظ آیا (۲) ہے ۔

لخ : گیاھی است کہ جز در آب نروید و عرب آنرا حصیر و اہل ہند بتہرہ(۳) خوانند ۔ زفان گویا میں بتیرہ و گوند ہے ۔ موید میں بتیرا ہے ۔

لو لانج : با جیم فارسی حلوائی کہ آن را لاپر خوانند ۔ موید میں ہے کہ ہندش لاپر خوانند ۔ واضح ہے کہ یہ لولانچ گولانچ کا مصحف ہے ۔

لوش : خلابی کہ پای ازو بدشواری توان کشید و اہل ہند چہلہ خوانند ۔ موید میں لوس اور لوش دونوں اس معنی میں شریک ہیں ۔

۱۔ زفان میں کاف فارسی سے ہے ۔ موید میں شرفنامہ کے حوالے سے کاف فارسی اور ادات کے حوالے سے کاف تازی سے آیا ہے ۔

۲۔ شرفنامہ میں کلوندہ کے لئے ککری ہے ۔ (دیکھئے " پنجاب میں اردو ")

۳۔ نسخہ علی گڑھ میں بتیرا ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ت اور ی میں مقدم کون ہے ۔

مگر ہندوستانی لفظ چھکہ یقیناً چھاپے کی غلطی ہے - کیچڑ کی جگہ آج بھی عام لوگوں میں چھلہ مروج ہے - خصوصاً یو پی کے بعض مشرقی اضلاع میں -

لبھفت و لیفت : لعبت و جز آن ، و اهل هند آنرا گڈی گویند - شرفنامہ میں گڈی ہے مگر موید میں گڑیا ہے - گڈی بھی متداول لفظ ہے گو عامیانہ ہے -

لشمش : آن ریسمان کہ زیر کھت را بدان استوار کنند و اهل هند آنرا ادواین خوانند - یہ لغت اور ہندوستانی لفظ کہیں نظر نہیں آیا -

مانوک (۱) : پرندہ ایست کہ عرب آنرا قبرہ و اهل هند منده (۲) خوانند -

ماله : سمہ جولاهہ کہ تار جامہ را بدان اهار دهند ، اهل هند آنرا کوچی خوانند - موید میں ہندوستانی لفظ کونچہ ہے ، آجکل کوچی متداول ہے -

ماسورہ : دستہ ریسمان خام کہ بردوک زیسیدہ و مثل بیضہ کردہ باشند ، اهل هند آن را ککری گویند - موید میں یہ لفظ آیا ہے - (دیکھئے کھستہ) -

مژ : چیزیست کہ رنگ هوا را تاریک گرداند و اهل هند آنرا دھونور (۳) خوانند - یہ ہندوستانی لفظ کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا -

مست : بیخ گیاهیست خوشبوی کہ آنرا مشکک نیز گویند و اهل هند آنرا موتہ خوانند ، قیل باشین معجمہ - زفان اور موید میں بھی ہے - زفان میں مزید کچور بھی درج ہے -

مشت : بیخ گیاهیست . . . . . . اهل هند آنرا موتہ گویند -

۱- اصل میں ایسا ہی ہے - زفان گویا میں مانورک اور مانوک دونوں آئے ہیں -

۲- کذاست در نسخہ سوسائٹی و نسخہ علی گڑھ : مزہ - چغوک اس کا مترادف ہے اور اس کے ذیل میں ' مترہ ، زفان اور ادات میں ہے - موید میں منترہ ہے جو چھاپے کی غلطی ہے -

۳- یونیورسٹی کے نسخے میں ' دھونر ' معلوم ہوتا ہے اس لفظ کا پہلا حصہ ' دھوان ' سے متعلق ہے اور یہ لفظ '' دھون ور '' ہوگا -

مشنگ : نوعی از غله که اهل هند آنرا تیوره (۱) گویند ۔ زفان ۔ اس کے بجائے کلاو ہے اور موید میں بھی زفان کے حوالے سے کلاو (چھاپے کی غلطی) ہے ۔ (نیز دیکھئے شنگل) ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے ۔ اضافہ ہے : در زمین گجرات بعضی این غله را لانک و بعض مٹر و بعض تیـ گویند ۔

مشکک : بیخ گیاهی است. . . . . . اهل هند آنرا موته خوانند (دیکھ ۔ست و مشت) ۔

مغیلان : درختی است خار دار ، گل زرد دارد ۔ عرب آنرا ام غیلان اهل هند کیکر حوانند ۔ دستور میں ام غیلان کے لئے ککر ہے ، بحر الفضا میں بھی ککر ہے مگر اس میں اضافہ ہے که بعضی جلوانه را گویند ۔ یہ غ ہے ، در اصل زفان میں ام غیلان کا ہندی مترادف جانواسہ ہے ۔

مغنده : نوعی از علتها که مثل گوی ، بر اندام مردم بر اید و بآهستہ بزرگ شود و درد نکند و بعضی آنرا بشکافند و بیرون اندازند و اهل هند آ رسولی گویند ۔ موید میں بتوڑی ہے ، رسولی اور بتوڑی دونوں متداول ہیں ۔

منک : فاژه ، اندام شکستن که اهل هند آنرا انگڑائی خوانند ۔

مندل : خط مدور که اصحاب عزیمت کشند و اهل هند آن را منـ گویند ۔ شرفنامہ اور موید میں ہندی لفظ مندل آیا ہے ۔

مولو : آن شاخ آهو که جوگیان نوازند که اهل هند آنرا سیـ گویند ۔ شرفنامہ اور موید میں یہ ہندوستانی مترادف موجود ہے ۔ بحرالفضا میں سنکہ مشتبہ ہے (مخزن اپریل ۱۹۲۹ء ، ص ۲۴) ۔

مینک : گیاهی است که ازان جاروب سازند ، اهل هند آنرا بیـ گویند ۔ یہ ہندوستانی متبادل لفظ زفان اور ادات میں نہیں ہے ۔

میتین : آلتی است دراز آهنی که سنگ شکنان بدان خاک از زمـ کشند و اهل هند آنرا سابل گویند و آنچه بدان چاه بکنند و گروهی آ کلند نیز گویند ۔ موید میں ہندوستانی لفظ سابل ہے لیکن زفان میں خـ

۱- اس لفظ کے پہلے دو حرفوں کا معاملہ پوری طرح واضح نہیں ۔

کلند و آن تبر یست کہ بدان چاہہا و زمین کنند و کاند خوانند و سبل را نیز میتین گویند ۔ زفان میں کلند کے ذیل میں بھی سبل ہے ۔ ممکن ہے سبال سے سبل ہو ۔

نال : پرندہ ایست خرد کہ اہل ہند آنرا توتی خوانند ۔ زفان میں توئی (بغیر ہندی کی تخصیص) اور موید میں نولی (غالباً چھاپے کی غلطی) ہے ۔

نال کشکین : نانی کہ از باقلی و نخود و گندم و جو از ہر گون بہم آمیختہ پزند و اہل ہند آنرا نان مستی خوانند و بعضی ہندیان نان بیری خوانند ۔ یہ دونوں ہندوستانی نام کسی فرہنگ میں نظر نہ آئے ۔ ادات کے نسخۂ علی گڑھ میں بھی یہ حصہ شامل نہیں ۔

نانخواہ : تخمی است کہ پیچاک شکم را دفع کند ... و گرسنگی آرد و نغن خوالان نیز گویند و اہل ہند آنرا اجواین (۱) گویند ۔ زفان اور موید میں اجوابن آیا ہے ۔

نخکلہ : جوز سخت کہ اہل ہند آنرا اکھروٹ خوانند ۔ موید میں یہ متبادل لفظ آیا ہے ۔

نژم : چیزیست مثل دود کہ ہوا را تاریک گرداند و اہل ہند آنرا دھونور گویند ۔ (دیکھئے مژ)

نسک : غلہ ایست کہ عرب آنرا عدس و اہل ہند (۲) مسور خوانند ۔ زفان میں یہ معنی بحذف کلمہ ہندی آیا ہے ۔

نستک (۳) : محلوج باریک (۴) پیچیدہ کہ ہندوی او را پونی گویند ۔ یہ ہندوستانی لفظ کہیں نظر سے نہیں گزرا ۔

نشگنت: و اہل ہند آنرا جیونی گویند ، چیزی عجب عجائب ۔ یہ لفظ کہیں اور نظر نہ آیا ، اس لئے اس کی تصحیح و تصدیق نہ ہو سکی ۔ یہاں تک کہ ادات کے نسخۂ علی گڑھ میں بھی موجود نہیں ۔

نغن خوالان : تخمی است کہ پیچاک شکم را ببرد ... و اہل ہند آنرا جواین خوانند (دیکھئے نانخواہ)

۱- نسخۂ سوسایٹی میں جوائن ہے ۔
۲- نسخۂ علی گڑھ سے غائب ہے ۔
۳- یہ لغت نسخہ علی گڑھ سے غائب ہے ۔
۴- اصل : بریک ، تصحیح از روی برہان ۔

نقره : سیم که اهل هند آنرا روپا (۱) نامند ۔

اوبج : گیاهی است که بر درخت پیچد و خشک گرداند ، عرب آنرا لبلاب و عشقه خوانند ، اهل هند اکاس بیل (۲) نامند ۔ زفان اور موید میں هندی متبادل لفظ درج نہیں ۔

نہرواله : شهریست در گجرات و آن در سرحد گجرات و مارواز است ۔

نیستان : بیشه که عرب آنرا غاب و اهل هند جنگل خوانند ۔

ینهنین : سر پوش که اهل هند آنرا جنبن خوانند ۔ یه هندوستانی لفظ واضح نه هوسکا ، کوئی الگ لفظ ہے که چنبن ہے ۔ خود لغت کی قرأت میں اختلاف ہے ۔ برهان میں نہنبان و نہبن ہے ، موید میں نہنبن مگر زفان میں نہنین ہے جو ادات سے بہت قریب ہے ۔ ادات کا حرف دوم ' ی ' ۔

وردوک : چهپر ۔ یه هندوستانی متبادل فرهنگ قواس و دستورالافاضل و زفان گویا وغیره میں بھی آیا ہے ۔

وسنی : چون دو زن در حبالهٔ یک شو هر باشند ، هر یکی از ن دو زن دیگری را وسنی باشد و اهل هند آن را سوکن گویند ۔

وشم : بخار که از آب گرم ... خیزد ، اهل هند آن را بهاپه گویند ۔ شرفنامه میں بهاپه اور موید میں بهاپ ہے

و ننک : آن رسن که یک سر او بجائی و سر دوم بجائی بندند تا خوشهای انگور برو خشک کنند و اهل هند آنرا بلگنی (۳) گویند ۔

هسک : غله افشان و هند آنرا چهاج گویند ۔ موید میں بھی چهاج مذکور ہے ۔

یاسمن و یاسمین : گلیست سفید در ملک بالا ، و یاسمین هند گل (۴) چنبه است ۔

یرغفج : گرانی که مردم رادر خواب فرو گیرد ، بعضی آن را دیوسنبه

۱۔ اصل : وپا ، یه حصه نسخهٔ علی گڑھ سے غائب ہے ۔

۲۔ نسخهٔ علی گڑھ میں یه حصه محذوف ہے ۔

۳۔ اس لفظ کی کئی قرأت مختلف مقام پر آئی ہے ، منجمله نلگنی اور بلگنی ہے ۔

۴۔ نسخهٔ علی گڑھ : گل رای چنبه ہے ۔

نیز گویند و اهل هند آنرا چهایله خوانند - مؤید میں اچھایلہ ہے ، مگر زفان گویا میں نسخ اس کے ذیل میں دیوستینه و اتهاره و اچهاره درج ہوا ہے -

یغنج : آن مار زرد که زهر ندارد و بیشتر در باغها باشد و اهل هند آن را گهر سینه خوانند -

یوغ : چوبی باشد که بر گردن گاو گردون و گاو جفت نهند و اهل هند آنرا جوتر (۱) گویند - زفان گویا میں جوترہ ہے -

بادامه قز : نوعی از اصل ابریشم کمینه که هندوی آنرا 'بوته' خوانند - اس لفظ کے بارے میں بادامہ کے ذیل میں لکھا جاچکا ہے -

کژدم فلک : ای شوله که منزل قمر است و اهل هند آنرا 'مول کند' خوانند - یہ یقیناً خالص ہندی لفظ ہے - جس کا اصل تلفظ معلوم نہیں ہوسکا -

''ادات الفضلا'' کے بعض نسخوں کے غائر مطالعے سے ان ہندوستانی الفاظ کی فہرست میں اضافے کی گنجائش ہے - ان الفاظ میں بعض ایسے ہیں جن کی صحیح صورت متعین نہیں ہوسکی ہے ، لیکن بعض اپنی ابتدائی شکل میں آج بھی مستعمل ہیں - یہ الفاظ ادبی نہیں ، عام بول چال کے ہیں - ان پر ساڑھے پانچسو سال سے زیادہ کی طویل مدت گزر چکی ہے ، اس لئے لسانی اہمیت سے قطع نظر یہ ہمارے لئے قیمتی تاریخی سرمائے کا کام دے سکتے ہیں - اسی بنا پر ان فرہنگوں کا مطالعہ دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں -

---

۱- نسخۂ علی گڑھ : جوا -

بادۂ کہن

منشی نبی بخش حقیر

شانے نے بل نکال دئیے زلف یار کے
موذی کو اس نے زیر کیا مار مار کے

میں کیا کہوں کہ رات کو دھو کے میں یار کے
کیسا خجل ہوں ماہ فلک کو پکار کے

دل کی صفا سے خاک ہوئے پر بھی ہے یہ حال
آئینے منتظر ہیں ہمارے غبار کے

سرخاب خاک کے اس جگر غرق خوں کے ہیں
طاؤس ہیں نمونے دل داغدار کے

صدقے کروں جو ماہ کرے رخ سے ہمسری
افشاں پہ پھینک دوں میں ستارے اتار کے

لاغر ہے قیس پر نہ حقیر اس قدر کہ میں
ہے کاہ ، کوہ آگے مرے جسم زار کے

نبی بخش حقیر ، منشی حسین بخش اکبر آبادی کے لڑکے اور خلیفہ گلزار علی اسیر کے شاگرد تھے ، غالب کے دوستوں میں تھے ۔ یہ غزل مرحوم نے اس وقت لکھی تھی جب وہ کول (علی گڈھ) میں سر رشتہ دار فوجداری تھے۔ اس غزل کا مطلع عبدالغفور خاں نساخ نے سخن شعرا میں درج ہے ۔

پیر کلیر رح اور ان کا فارسی دیوان

ڈاکٹر وحید قریشی*

(۱)

ارمغان صابر یا دیوان صابر حال ہی میں ملک دین محمد اینڈ سنز ، لاہور نے شائع کیا ہے۔ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رح جو صابری سلسلۂ صوفیا کے سرخیل اور مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں ان سے یہ دیوان منسوب کیا گیا ہے - شروع میں ایک مفصل دیباچہ ہے جس میں پیرکلیر کا سلسلۂ نسب ، حالات زندگی اور دیگر کوائف درج ہیں - دیباچہ احسان صابری صاحب پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سیالکوٹ نے لکھا ہے۔ دیوان کی تلاش ، تدوین اور دیگر امور کے سلسلے میں جو معلومات اس میں شامل ہیں ان کے ضروری اقتباسات یہ ہیں :

"حضرت (صابر) نے اپنے قیام اجودھن (پاک پتن) کے دوران چند ابیات و غزلیات کہی تھیں جو اب ناپید ہیں اور کہیں نہیں مل رہی ہیں - کلیر شریف جانے کے بعد حضرت پر زیادہ تر سکر و صحو کی کیفیت طاری رہی اس لیے ان کا کلام ادھر اُدھر بکھر گیا ... حضرت کے وصال کے بعد ان کے شیدائی اور عشاق حضرت کی تحریر کو اکثر چوما کرتے تھے - ان کے چومنے سے ہی کئی اشعار کے کچھ حروف مٹ گئے بعد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے (کافی عرصے بعد) کشفی ذریعے سے ان کی درستی کی اور حضرت کا قلمی دیوان نئے سرے سے مرتب کیا ... ۱۸۸۸ء میں دہلی کے ایک

---

* استاد شعبہ اردو ، اورینٹل کالج ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور -

صابری شیدائی نے حضرت کی کلیات اکٹھی کر کے ۵۰۰ کی تعداد میں شائع کرائی تھیں " (۱)

زیر نظر اشاعت اسی دہلوی مطبوعہ نسخے سے چھاپی گئی ہے۔ حضرت صابر کی پیدائش ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ کو بیان کی جاتی ہے (۲) بروایت ۲۰ شوال ۶۰۱ھ کو ان کی والدہ انہیں ان کے ماموں بابا فرید گنج شکر کے پاس اجودھن لے گئیں جہاں آپ کا قیام ۶۵۰ھ تک رہا اور کلیر شریف میں انہوں نے ۶۹۰ھ میں انتقال فرمایا (۳) گویا دیباچہ نگار کے بیان کے مطابق دیوان صابر کی تدوین کا زمانہ ۶۰۱ھ اور ۶۵۰ھ کے مابین ہے۔ دیباچہ نگار کے بیان کے مطابق ۶۵۰ھ اور ۶۹۰ھ کے مابین دیوان کی غزلیں مریدوں کے ہاتھوں میں بکھری رہیں اور ۶۹۰ھ کے بعد ان کے حروف مٹنے چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ولادت ۸۶۰ھ ' وفات ۱۰ جمادی الاخر ۹۴۴ھ) (۴) نے دیوان کی کشفی طریقے سے تکمیل کی۔ ترتیب دیوان کی اس مدت کو ۸۶۰ھ اور ۹۴۴ھ کے مابین محدود کیا جاسکتا ہے۔

(۲)

حضرت پیر کلیر رح کے حالات میں بھی معاصر ذرائع خاموش ہیں۔ آج کل جو چند ایک سوانح عمریاں دستیاب ہیں (۵) ان میں سے بیشتر متاخر مواد پر مبنی ہیں۔ حالات کے بارے میں معاصر مصادر کی خاموشی کئی

۱۔ ارمغان صابر (دیباچہ) ص ۵ ' ۶

۲۔ ارمغان صابر (دیباچہ) ص ۱۰ ' حقیقت گلزار صابری (محمد حسن صابری) ص ۱۰۷ ۔ شیخ عبدوالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات (اعجازالحق قدوسی) ص ۱۱۲ (۱۹۶۱ء ' کھوتوال)

۳۔ ارمغان صابر ۔ ص ۱۱ ' ص ۱۶

۴۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات (قدوسی) ص ۱۶۸ ' ۳۹۹

۵۔ ان کے حالات پر اردو میں جو کتابیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں :-

(الف) حقیقت گلزار صابری از مخدوم شاہ محمد حسن (۱۳۰۴ھ) ۔ طبع پنجم ، ملک دین محمد اینڈ سنز بل روڈ لاہور (بقیہ اگلے صفحے پر)

پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے ۔ قدیم ترین شہادت سیرالاولیاء کے مرتب امیر خورد کی ہے جو نہایت مختصر ہے اور جسے پڑھ کر یہ خیال آتا ہے کیا یہ حالات واقعی انہیں پیر کلیر کے ہیں جو حضرت بابا فرید گنج شکر کے بھانجے ، داماد اور خلیفہ تھے یا یہ کوئی دوسری شخصیت ہے جس کا ذکر صاحب سیرالاولیا نے کیا ہے ؟ اس کے بارے میں شک اور شبہے کا اظہار مشہور محدث عبدالحق دہلوی (۹۵۸ھ - ۱۰۵۲ھ نے بھی کیا ہے ۔ وہ اخبارالاخیار میں (اصول اسناد میں مہارت کی وجہ سے) فرماتے ہیں :

شیخ صابر ۔ در سیرالاولیا می نویسد که درویشے بود ثابت قدم و صاحب نعمت ، مرید شیخ فرید الدین است و شیخ فرید الدین وقتے که به او اجازت بیعت می کرد فرمود ۔ صابر زندگانی خوش خواهی گذرانید و همچنان بود تا زنده بود بعیش خوش می گذرانید ۔ و او مردے خوش باش و کشاده بود ۔ و غالباً این شیخ صابر غیر شیخ علی صابر است (که) داماد شیخ فریدالدین و خلیفهٔ او بود و قبر او در قصبهٔ کلیر است و سلسله شیخ عبد القدوس وغیره بوے منتهی می شود ۔ و ذکر او در سیرالاولیا اصلا نکرده ۔ و آنچه کرده همیں شیخ صابر را ذکر کرده برآں نهجیکه در عنوان مذکور شد ۔ و ترک ذکر او خالی از غرابت نیست و تواند که مراد از شیخ صابر همیں شیخ علی صابر باشد ۔ و الله اعلم (۱)

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

(ب) زمزمهٔ صابری از تسلیم احمد امروهوی (۱۹۰۷ء) مطبع حقانی ، امروهه

(ج) جمال صابر کلیری از وحید احمد مسعود ، نظامی پریس بدایوں

(د) سوانحعمری حضرت صابر ... مکمل تاریخ پیران کلیر شریف از سلطان محمود بن مشتاق احمد مراد آبادی ، مرادآباد (۱۹۱۱ء ؟)

(ہ) تاریخ صابریہ معروف بہ سیاحت کلیر ۔ ولی احمد خان بدایون (۱۹۲۲ء)

۱- اخبارالاخیار (عبدالحق محدث) مطبع محمدی ، محمد مرزا خان ، ص ۷۰

امیر خورد کا بیان قابل غور ہے ۔ ایک تو اس لئے کہ شیخ صابر کے ضمن میں انہوں نے شیخ علی احمد صابر اور بابا فرید کی قرابت داری کی طرف ھلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا ۔ بلکہ شیخ صابر کا ذکر اس انداز میں ہے جیسے کسی عام مرید کا حال ہو ۔ دوسرے سیرالاولیا کے بیان کردہ بزرگ قصبہ ڈیکری کے رھنے والے بتائے گئے ھیں اور علی احمد صابر رح کی وطنیت ، جائے پیدائش اور دیگرامور کے بارے میں کسی اختلاف کا ذکر متاخر تذکرے میں بھی نہیں ملتا ۔ اس لئے انہیں مخدوم علی احمد صابر سے جدا شخص قرار دینا کچھ غلط نہ ہوگا ۔ اس کے علاوہ بابا فرید رح کا ارشاد اور اس کے نتیجے میں ''آسائش سے زندگی بسر ہوئے'' (۱) کا حال بھی مخدوم علی احمد صابر کے حال پر منطبق نہیں ، اس لئے سیرالاولیا میں بیان شدہ شیخ صابر اور بابا فرید کے بھانجے کو الگ الگ شخص قیاس کرنا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ پیر کلیر رح تو ایک صاحب جذب شخص تھے اور دنیاوی رابطوں سے کنارہ کش رہے ۔ ان کے مزاج کا عام رنگ بھی جمالی نہیں جلالی تھا ۔ اس لئے تذکروں اور تاریخوں میں ان کا حال نہیں ملتا اور عجیب تر بات تو یہ ہے کہ حضرت گنج شکر رح کے ملفوظات بھی ان کے تذکرے سے خالی ہیں ۔ تفصیلی حال بہت بعد میں مغلیہ دور کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ، مغلیہ دور کے قدیم ترین مآخذ سیرالاقطاب (اللہ دیا ، تصنیف ۱۰۵۶ھ) اور اخبارالاخیار (عبدالحق محدث دھلوی ، تصنیف قبل از ۹۹۶ھ تکمیل و اضافہ ۹۹۹ھ) میں ۔ اخبارالاخیار کا اقتباس اوپر درج کیا جاچکا ہے ۔ سیر الاقطاب کا اقتباس (بعض حصوں کے حذف کے بعد) ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

۱۔ اصل عبارت میں 'خوش گذرانیدن' کی ترکیب ہے جس کے معنی لغت نویس نے یوں بیان کئے ھیں :

خوش مرادف شاد و مرادف خوب . . . دریں بیت حسن بیگ رفیع

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است
ور بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار است

بنا خوش بمعنی بحال ناخوش باشد و نظیر ایں لفظ تنگ است ۔
(فرھنگ انندراج جلد اول ، ص ۱۰۶۵)

گویا خوش ناخوش یا تنگی ترشی سے زندگی گزارنا کی ضد ہوا ۔ مطلب یہ کہ آسائش سے اور اچھی طرح زندگی بسر کرنا ۔

''آن ازهد زهاد و آن اعبد عباد...محرم اسرار خفی و جلی ، آن جانشین نبی و علی...غوث صمدانی حضرت خواجه علاء الدین علی احمد صابر المعروف بمخدوم علی احمد صابر قدس الله تعالیٰ سره العزیز ... شانے عظیم و رتبهٔ رفیع داشت و او را مقام جلالت بود چنانکه کسے از غایت عظمت و هیبت سویش دیدن نمی توانست ۔ و خرقهٔ فقر و ارادت از قطب الکاملین حضرت شیخ فرید الملته و الدین شکر گنج مسعود بن سلیمان اجودهنی قدس الله تعالیٰ سره العزیز پوشیده ۔ و آنحضرت داماد و خواهر زادهٔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر و از خلفائے خاص الخاص ایشان است و خدمت حضرت پیر دست گیر خود بسیار نموده چنانچه از غایت مهربانی در باب او فرموده که علم ظاهر و باطنیٔ من شیخ علاءالدین علی احمد صابر و بشیخ نظام الدین بدایونی سرایت کرد ، و گاهے می فرمود که علم سینهٔ من بشیخ نظام‌الدین اولیا بدایونی رسید و علم دل من بشیخ علاءالدین علی احمد صابر فائز گردیده ۔ و لقبش علاءالدین است و خطابش مخدوم از جانب الهی ست ۔ و صابر از پیر دست‌گیر حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج خود خطاب یافته ...

'' نقل است که آن حضرت را در اوائل حال قسمت لنگر فقرا و مطبخ خاصهٔ حضرت قطب‌الکاملین شیخ فریدالدین شکر گنج قدس الله تعالیٰ سره العزیز تا دوازده سال مقرر بود و خود تا این مقدار مدت چیز ے نخورد تا روزے پیر و مربیٔ ایشان بنور ولایت در یافته پرسید که بابا علاءالدین شما که طعام قسمت می کنید خود هم چیزے می خورید یا نه ۔ عرض کرد که بنده را بے اجازت حضرت پیر دستگیر چه قدرت و مجال است که یک دانه ازاں خوردن تواند ۔ فرمودند شیخ علاءالدین علی احمد ما صابر است ۔ ازاں روز آن حضرت بخطاب صابر مخاطب گشت ۔

'' و آنحضرت گاه گاه فکر شعر هم فرمود و تخلص در فارسی احمد می فرمود و در هندی صابر ۔ چنانکه غزلے که سوایش بنظر نیامده، متعارف است و مشهور ، تبرکاً و تیمناً نوشته می شود :

امروز شاہ شاہاں مہماں شد است ما را
جبریل با ملائک درباں شد است ما را
در جلوہ گاہ وحدت کثرت کجا بگنجد
ہژدہ ہزار عالم یکساں شد است ما را
در محفل گدایان سامان ما نگنجد
بے برگ و بے نوائے سماں شد است ما را
ما خانۂ جہاں را بسیار سیر کردیم
اے شیخ بت پرستی ایماں شد است ما را
احمد بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است
این جا رضائے جاناں رضواں شد است ما را

"نقل است کہ آں غوث صمدانی از کمال محبت حق سبحانہ تعالیٰ دوام در استغراق بود بحدے کہ از خود و از ہیچ چیز خبر نداشت و بہ ہوش کم می آمد و ہمیشہ در مشاہدہ می ماند چنانچہ می فرماید:

اس طرح آس میں ڈوب اے صابر
کہ بجز ہو کے غیر ہو شر ہے

تا بمرتبہ رسید کہ عمدۂ مشائخ عصر و قدوۂ اولیائے دہر گردید .. نقل است چوں در ملفوظات حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ذکر تاج الاولیا غوث صمدانی حضرت خواجہ علاء الحق والدین علی احمد صابر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کم واقع شدہ و حال ایشاں تمام و کمال ثبت نیست سبب او این کہ ملفوظات حضرت شکر گنج اکثر بہ اتفاق شیخ جمال ہانسوی جمع گشتہ اند و سوائے آں ہر کہ نوشتہ او را در خاطر داشت۔شیخ مذکور لازم و غبار خاطر آنحضرت و شیخ ہانسوی خود روشن است۔ بنا بر آں ذکر آنحضرت چنانکہ بائستے واقع نشدہ" (۱)

اس اقتباس سے بعض باتوں کا پتا چلتا ہے :

(۱) سیر الاقطاب ، ص ۱۷۷ - ۱۸۲

(۱) علاءالدین علی احمد صابر المعروف بہ مخدوم علی احمد صابر، سید تھے اور فریدالدین گنج شکر رح کے داماد، خواہر زادے اور خلفا میں سے تھے -

(۲) علاءالدین لقب و مخدوم خطاب تھا جو عطیہ' الٰہی سمجھنا چاہئے - صابر البتہ عطیہ' مرشد تھا - بارہ برس حضرت شکر گنج کے لنگر کی تقسیم کا کام ان کے سپرد رہا اور انہوں نے خود کچھ نہیں کھایا اس پر مرشد نے صابر کے لقب سے یاد دیا تھا -

(۳) حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رح کے ملفوظات میں صابر رح کے ذکر کے مسئلے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے مراسم شیخ جمال ہانسوی سے اچھے نہ تھے اور وہی ملفوظات کے اولین مرتب اور مدون تھے اسی لئے انہوں نے ان کا ذکر جیسا کہ کرنا چاہئے تھا نہیں کیا -

(۴) فارسی اور ہندی (اردو) میں شعر کہتے تھے - فارسی میں ان کا تخلص احمد اور ہندی (اردو) میں صابر تھا - سیرالاقطاب کی تالیف (۱۰۵۶ھ) کے وقت تک ان کی صرف ایک فارسی غزل ملتی تھی اور ہندی (یا اردو) کا صرف ایک شعر ان سے منسوب بیان ہوا ہے [بظاہر اردو شعر سیرالاقطاب کے نسخوں میں تحریف کا شکار ہو کر بالکل جدید اردو میں ہو گیا ہے، اس کی زبان حضرت صابر رح تو کیا سیرالاقطاب کے مصنف کے زمانے کے بھی ڈیڑھ دو سو برس بعد کی معلوم ہوتی ہے - فارسی غزل مطبوعہ دیوان صابر (ارمغان صابر) کے ص ۲۰۷ پر درج ہے - بگمان غالب آخری چار صفحے قدیم مطبوعہ نسخے میں نہ تھے اور مرتبین نے کسی دوسرے ذریعے سے شامل کئے ہیں کیونکہ یہ کلام دیوان کی ردیف وار ترتیب میں شمار نہیں کیا گیا اور آخر کتاب میں ملحق کیا گیا]

ان بیانات میں سے دو باتیں ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں - اول پیر کلیر رح کا قیام اجودھن اور دوسرے اجودھن سے نقل مکانی کر کے ان کا کلیر شریف میں تشریف لے جانا -

اجودھن میں حضرت کے ورود کا سنہ بروایت ۲۰ شوال ٦٠١ھ بیان کیا جاتا ہے (۱) حقیقت گلزار صابری کے مرتب (مخدوم شاہ محمد حسن) کے بیان کے مطابق ۲۰ شعبان ٦٠٠ھ کو روز چہار شنبہ وقت عصر " گیارہ روز میں ببرکت اسم اعظم جنیدیہ کے پاکپٹن شریف (اجودھن) پہنچے" (۲) "اس ہنگام میں حضرت شاہ شیخ فرید گنج شکر بابا صاحب مسعودالعالمین قطب عالم غیاث ہند کو بیعت امامت اور ارشاد مرتبہ کیفیت باطن شاہنشاہی ولایت سے حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی صاحب الارواح کے ہاتھ پر صاحب مجاز مرفوع الاجازت ہوئے دو برس کامل گذر گئے تھے" (۳)

صاحب حقیقت گلزار صابری نے پیر کلیر کی پیدائش ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ بیان کی ہے (۴) اس لحاظ سے اجودھن میں تشریف آوری کے وقت حضرت کی عمر ۸ برس قرار پائے گی - شیخ فرید گنج شکر کی صاحب زادی سے شادی ۲۱ شوال ٦١٣ھ اور والدہ صابر کی وفات ۲ محرم ٦١٤ھ بیان ہوتی ہے (۵) لیکن ان سنین کی بنیاد ان متاخر تذکروں پر ہے جن کی بنیاد کشاف یا متی سنائی روایات پر ہے - حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر بقرائن اصح ۵٧١ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے (٦) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا ورود ہند ۵۸٧ھ میں ہوا (٧) فرید الدین گنج شکر رح کو ۲ رمضان یا ۲۰ ذی الحجہ ٦١١ھ کو خلافت

۱- ارمغان صابر، ص ۱۱
۲- حقیقت گلزار صابری ، ص ۱۲۳
۳- ایضاً ص ۱۲۳
۴- ایضاً ص ۱۰٧
۵- ایضاً ص ۱۳٦ ، ۱۲٧
٦- دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر - از خلیق احمد نظامی - ص ۱۱

سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر (وحید احمد مسعود) ص ۳۰ "حضرت کا سال ولادت ۵٦۹ھ مستند خیال کیا گیا ہے -"

٧- سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، ص ۲۹

عطا فرمائی (۱) اس کے بعد حضرت گنج شکر نے دس برس دھلی میں اور بارہ برس ھانسی میں قیام فرمایا (۲) گویا(۶۱۱+۱۰+۱۲=۶۳۳) ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ میں آپ کا ورود اجودھن ممکن ہے - قیام ھانسی کا خاتمہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے انتقال کے بعد ھوا (۳) بختیار کاکی رح کا انتقال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ میں ھوا (۴) اس کے کچھ بعد حضرت گنج شکر رح اجودھن (پاک پٹن) میں اقامت گزیں رہے - اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کے لگ بھگ ہوگی ، اس لحاظ سے پیر کلیر رح کا ۶۰۰ھ یا ۶۰۱ھ میں اجودھن پہنچنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں - اجودھن جانے کا زمانہ ۶۳۴ھ کے بعد متصور ھوگا - صاحب سیرالاقطاب کے بیان کے مطابق اجودھن میں ان کے سپرد حضرت گنج شکر رح نے لنگر کی تقسیم کا کام کیا جو بارہ برس تک رہا - ظاھر ہے کہ تشریف آوری کے کچھ مدت بعد ھی یہ خدمت سپرد کی ھوگی - صابر کا لقب انہیں مرشد نے لنگر کی بارہ برس کی تقسیم کے بعد دیا - فارسی شاعری میں انہوں نے احمد اور ھندی (اردو) شاعری میں صابر تخلص کیا - بعد کی روایات بھی اس کی تصدیق کرتی ھیں کہ پیر کلیر رح کی شاعری کا تمام و کمال زمانہ اجودھن کے قیام کی یادگار ہے - بعد میں تو وہ مجذوب ھوگئے تھے اور انہوں نے اپنے کلام کو محفوظ رکھنے طرف توجہ نہیں کی تھی -

حقیقت گلزار صابری میں ہے کہ پیر کلیر اپنے مرشد سے جدا ھوکر ۱۰ ذی الحجہ ۶۵۰ھ بروز دو شنبہ کلیر شریف میں تشریف لے گئے (۵) مرشد کا قیام اجودھن انتقال تک برابر رہا - انہوں نے ۵ محرم ۶۶۴ھ میں اجودھن ھی میں انتقال فرمایا (۶) اور وھیں دفن ھوئے اگر ۶۵۰ھ کا سنہ صحیح ہے

۱- سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ، ص ۴۷

۲- ایضاً ص ۸۳

۳- تذکرۂ صوفیائے پنجاب (قدوسی) ص ۹۴۴ (بحوالہ سیرالاولیا) بزم صوفیہ ، ص ۸۷

۴- سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر ، ص ۱۰۸

۵- حقیقت گلزار صابری ص ۱۴۸

۶- خلیق احمد نظامی کی محولہ بالا انگریزی کتاب - ص ۵۶ - سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر ص ۱۸۱ (سیرالاقطاب ۶۹۰ھ ، راحت القلوب ۶۸۷ھ ، خزینتہ الاصفیا ۶۷۰ھ ، اخبار الاخیار ۶۶۴ھ - مستند بیان سلطان المشائخ کا ہے یعنی ۶۶۱ھ)

تو اس تاریخ تک پیر کلیر رح مرشد سے سند خلافت لے چکے تھے - اجودھن چھوڑنے کے سنہ کے لئے کوئی قدیم شہادت ہمارے پاس نہیں ہے - اس کے صحیح ہونے کا ایک قرینہ یہ ہے کہ پیر کلیر کو (جن کی پیدائش ۵۹۲ھ بیان کی جاتی ہے) ۶۵۰ھ تک (یعنی ۵۸ برس کی عمر تک) تو خلافت بہر حال مل ہی چکی ہوگی کیوں کہ وہ کلیر شریف جا کر نور معرفت پھیلاتے رہے - ۶۹۰ھ میں انہوں نے کلیر میں انتقال کیا - کلیر کے بارے میں ہمارے پاس قدیم ماخذ دو ہیں اور دونوں کا تعلق مغلیہ دور سے ہے - ایک میں پیر کلیر رح کی بددعا کے زیر اثر برباد ہونے اور دوسرے میں ان کی وفات کے بہت بعد تک مزار کے ویران رہنے اور وحوش کی آماجگاہ رہنے کا ذکر ہے -

معارج الولایت میں کلیر کی بربادی کا واقعہ اس طرح درج ہے :

" چون حضرت صابر در خطۂ کلیر رونق افروز شد ہمہ علماء ظاہری و بعضے مشائخ بانکار وے برآمدند و خادمان و مریدان آنجناب را آزار می دادند - چنانچہ وقتے حضرت صابر بر یاران خود پیش از نماز جمعہ در مسجد جامع تشریف بردہ بمقام صف اول بر نشست - چون جماعتے از علما و مشائخ در مسجد درآمدند جائے خود را خالی نیافتند - بخادمان شیخ گفتند کہ ازیں جا برخیزند و بجائے لایق خود بنشینید - ایشان جواب دادند کہ پیشتر ازین اینجائے خالی بود ما آمدیم و بنشستیم - شما بجائے دیگر بنشینید - علما بدرشتی و سختی درآمدہ گفتند کہ اینجائے نشستن ماست دیگر کسے لایق اجلاس این جا نیست - چون گفتگو بلند شد حضرت صابر سر از مراقبہ برآورد و گفت صاحب ولایت این دیار برائے نشستن بمقام خویش پیش از ہمہ لایق و سزاوار است - ایشان گفتند کہ برہان شما چیست ؟ فی الحال با یاران خویش از مسجد برآمد و گفت برہان ولایت ما این است کہ شما ہمہ ہمدرین ساعت بمیرید - بلکہ از ساکنان این شہر ہم احدی زندہ نماند و باز تا مدت مدید این شہر آباد نگردد بمجرد این کلمہ مسجد در افتاد وچند ہزار کس در تہ آن ہلاک شدند و سکنائے شہر ہم بمرض طاعون گرفتار شدہ

در اندک ایام جان بحق تسلیم کردند "(۱)
سیرالاقطاب (۱۰۵۶ھ) میں لکھا ھے ۔

" .. نقل است که بعد رحلت آن غوث صمدانی نیز آن شہر (کلیر) ویران نماند - حتی که مجاوران را نیز تاب اقامت آنجا نمانده بود - و دور تر رفته سکونت نموده بودند - و بے حکم آمدن نمی توانستند - و کسے را مجال نبوده که بزیارت آنحضرت مشرف شود - ازین جہت مرقد مقدسہ آنحضرت نیز ضائع شده بود - و اندران حین هندوان قریب تربت شریف پرستش گاه خود باسم " دیوی " برپا کردند - آخرالامر او هم نیست و نا بود گشت - و آمد و رفت کافران برطرف گردید اتفاقاً روزے کافرے سناسی دران جا بگذشت - قریب پرستشگاه معدوم مرقدے دید نورانی و با هیبت و گرد وے انبوه وحوش و طیور است و شیران بدم خویش جاروب می کشید - حیران بماند ، با خود گفت که این مقام اولاً معبد گاه مایان بود - چه باشد که حالا مزار انور مسلمان در اینجا ظاهر شد - بارے به بینم و ملاحظه نمایم - بدین سبب نزدیک تر رفت و طیور که غلو داشتند برجستند و بکنار رفتند - آن ملعون باخود آلتے آهنی داشت - باخود گفت که این نشان والا شان را کنده و منهدم باید کرد - و بدین گمان فاسد خواست که بکند - ناگاه روزنے بر آمد - آن ملعون روے خود بآن روزن فرود آورد ، اندرون دیدن خواسته که بغضب حق سبحانه تعالیٰ گرفتار گردید - چنانکه گردنش دران روزن در آمد - و زمین فشار کرد - هر چند خواست که بیرون آرد و جان بسلامت برد لیکن از دربار فیض‌بار این چنین شیر زبردست کجا رفتن می تواند - و باین گمان فاسد جان خود بمالک جہنم سپرد - و هم چنان افتاده ماند و حضرت غوث صمدانی بمجاوران روضهٔ خویش که از هیبت و جلالت دربار سلطانی دور تر رفته بودند ، در واقعه ایشان را فرمود که زود تر ایشان درینجا برسید و سگے مردار که با مرقد ما بے ادبانه پیش آمده بود و بحکم حق سبحانه تعالیٰ بسزاے

۱- خزینته الاصفیا (جلد اول ، طبع ۱۸۷۳ء) ص ۳۱۷ ' ۳۱۸
(بحواله معارج الولایت)

خود رسید ، از آں جا دور ساز ید ۔ صبح صادق مجاوران افتاں و خیزاں بسرعت تمام در خطہ کلیر رسیدند و در آنجا آمدند ۔ چہ می بیند کہ شخصے کافر بر قبر شریف آنحضرت افتادہ است و سرش تا گردن درون مرقد مقدس و معلیٰ فروماندہ ۔ فی الحال برآوردند ۔ دیدند کہ روے ناپاک بعینہ شکل سگ است ، چونکہ از زبان مبارکش لفظ سگ در واقعہ شنیدہ بودند از آں جا دور ساختند ۔ و ازاں بعد بفرمان آں غوث صمدانی نزدیک تر روضہ سورہ آمدہ مسکن ساختند و مرقد مطہرہ آراستند و روضہ مقدسہ کہ سقف او چوبیں بود ترتیب دادند ۔ ازاں روز بناے آمد و شد خلائق در آنجاے مقدس قائم گشت ۔ '' (١)

(٣)

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مندرجہ ذیل بنیادی نتیجے نکلتے ہیں :

(الف) پیر کلیر رح کا قیام اجودھن (پاک پٹن) بہ قرائن ٦٣٣ھ کے بعد سے ٦٥٠ھ تک رہا ۔

(ب) ٦٥٠ھ کے قریب مرشد کی زندگی ہی میں وہ کلیر شریف تشریف لے گئے اور کلیر ہی میں ان کا انتقال ہوا (٢)

(ج) پیر کلیر کی شعر و شاعری کا زمانہ (بروایت) قیام اجودھن کا دور ہے ۔

(د) کلیر شریف پیر کلیر رح کی تشریف آوری (٦٥٠ھ) کے کچھ بعد ویران ہو گیا ۔ ان کی وفات کے بعد ان کا مزار ویران پڑا رہا

١۔ سیرالاقطاب ، ص ١٧٧ تا ص ١٨٣

٢۔ خزینتہ الاصفیا (بحوالہ معارج الولایت) ١٣ ربیع الاول ٦٩٠ھ جلد اول ص ٣١٩ ۔ سیر الاقطاب میں ١٣ ربیع الاول ٦٦٣ھ (ص ١٨٣) ۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات (قدوسی) میں بحوالہ خزینتہ الاصفیا ٦٩٦ھ ہے ، حاشیے میں لکھتے ہیں کہ بعہد سلطان جلال الدین خلجی ۔ جلال الدین خلجی کا انتقال ٦٩٥ھ میں ہوا ۔ (ص ١١٦)

اور درگاہ کے سجاور اور دوسرے متعلقین وہاں سے بہت دور کسی دوسرے مقام پر اقامت گزیں رہے ۔

(٥) مزار کی پرداخت اور حفاظت کا اہتمام " مدت مدید " کے بعد ہوا - اس سلسلے میں ایک روایت تو او پر بیان ہوئی ہے۔ ایک دوسری متاخر روایت بھی ہے جس کے مطابق مزار نا پید ہو چکا تھا اور اس کی دوبارہ دریافت ۹۰۷ھ میں قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے کی جو آپ کے شجرۂ طریقت کی ساتویں پشت میں خلیفہ تھے ۔ " انہوں نے مزار اقدس کا پتہ لگایا اور ایک پکی عمارت اپنے دست مبارک سے بنادی " (۱) اس بارے میں مزار کے سجادہ نشینوں کی روایت یہ ہے :

" ایک روایت یہ بھی مشہور رہے کہ کلیر کی ویرانی کے بعد سالہا سال تک مخدوم علاءالدین صابر کے مزار مبارک تک کوئی نہ جاسکتا تھا - سب سے پہلے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی آپ کے روضۂ مبارک پر بغرض زیارت حاضر ہوئے اور اس وقت سے اب تک حضرت مخدوم صابر کی درگاہ کی سجادگی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد میں چلی آتی ہے۔ شاہ امتیاز جہاں سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے راقم الحروف (قدوسی) سے ایک مرتبہ اس کی تفصیل بیان کی تھی جو بعد میں انہوں نے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے عرس کے موقع پر ۱۹۵۷ء میں شائع بھی کی تھی - ان کا بیان ہے کہ ۹۲۲ھ سے ۹۴۴ھ (وفات عبدالقدوس گنگوہی ۰ جمادی الآخر ۹۴۴ھ) تک یعنی اپنی وفات تک شیخ عبد القدوس گنگوہی حضرت مخدوم علاءالدین صابر کی درگاہ کے فرائض سجادگی و تولیت انجام دیتے رہے " (۲)

اس روایت پر بھروسا کیا جائے تو مزار کی دریافت کا سنہ ۹۲۲ھ سامنے آتا ہے - گویا (۹۲۳ — ٦٩۰ = ۲۴۳) تقریباً ڈھائی سو برس مزار

۱- ارمغان صابر ص ۱۰

۲- شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات۔ ص ۱۱٦ ' ۱۱۷

ویرانی سے دو چار رہا ۔ جب مزار کا یہ حال تھا تو دیوان کی حفاظت کا کیا انتظام ہوتا ۔

(و) دیوان کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ بکھرا ہوا تھا اور حضرت (صابر رح) نے بھی اس جمع آوری کی طرف کوئی توجہ نہ کی ۔ اشعار کے حرف مٹ گئے ۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے کشفی ذریعے سے اس کی تکمیل کی اور پچاس نقلیں کرا کر شائع کیں ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر ۱۰۵۶ھ (سال تصنیف سیرالاقطاب) تک دیوان کا پھر سے ناپید ہو جانا کہ صاحب سیرالاقطاب کے ہاتھ صرف ایک غزل لگی ، سمجھ میں نہیں آتا ۔ اگر اس روایت کو سچ بھی تسلیم کر لیں جب بھی دیوان کے بارے میں جو تصویر بنتی ہے وہ متداول دیوان کی حقیقت کو زیادہ قابل اعتماد نہیں بناتی :

(i) ۶۲۳ھ اور ۶۹۰ھ کے درمیان لکھا گیا ۔

(ii) ۶۹۰ھ اور ۶۹۰ھ کے درمیان دستبرد زمانہ کا شکار ہوا ۔

(iii) دیوان کی تدوین و تکمیل کشفی طریقے سے ۹۰۷ھ کے بعد کسی وقت ہوئی ۔

(iv) ۱۰۵۶ھ تک اس دیوان کی صرف ایک غزل دستیاب تھی ۔

(v) ۱۸۸۸ء میں دیوان پہلی بار زیور طبع سے آراستہ ہوا ۔

(vi) ۱۹۶۶ء میں دوسری بار شائع ہوا ۔

متداول دیوان کے کل ۲۶۰ صفحات ہیں ۔ ان میں ۲۵۶ صفحے تک ردیف وار غزلیں اور اس کے بعد تین بے ترتیب غزلیں ، ایک ہندی دوھا اور آخر میں حضرت صابر کی وفات کے بارے تین تاریخی قطعات شامل ہیں ۔ اس آخری حصے کو چھوڑ کر جو غالباً دوسرے ذرائع سے جمع کیا گیا ہے ۔ پہلے ۲۵۶ صفحات میں سے بعض غزلوں کا جائزہ اس دیوان کے انتساب کو مشکوک کر دیتا ہے ۔ ہم نے اوپر خارجی شواھد اور اپنے دلائل سے یہ دکھایا تھا کہ تدوین دیوان کی سرگزشت اس کے انتساب کو زیادہ قابل اعتماد ظاھر نہیں کرتی ۔ اب داخلی شواھد سے دیوان کے انتساب کے بارے میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں ۔

(١) دیوان میں ٢٠٦ صفحات تک جتنی غزلیں ہیں سب میں تخلص صابر اختیار کیا گیا ہے حالانکہ ان کی شاعری کے بارے میں جو قدیم ترین حوالہ (سیرالاقطاب میں) ہے اس کی رو سے آپ نے فارسی میں احمد اور ہندی (اردو) میں صابر تخلص اختیار کیا ۔

(٢) متن دیوان میں دو جگہ شاعر نے اپنا نام بھی بیان کیا ہے :

به بخشش از لطف خود مظهرعلی را
بجز تو نیست کس پروردگارم (ص ٢٠١)

خدایا بده زود صابر علی را
ز احسان ایمان ز انوار ایقان
بده عشق خود خاص صابر علی را
بعز محمد (ص) باسرار قرآن (ص ٢٣٠)

شاعر خانوادۂ سادات سے ہے :

صابر تو ز حال ما چه پرسی
فرزند رشید مصطفا ایم (ص ٢١٢)

پیر کلیر رح سید تھے اور علاءالدین علی احمد کہلاتے تھے ۔ ظاہر ہے دیوان کی یہ دو غزلیں ایک میں نام مظہر علی اور دوسری میں صابر علی بیان کرتی ہیں ۔ صابر تخلص کے دو شاعروں کا امکان ہے جن میں سے ایک کا نام مظہر علی اور دوسرے کا صابر علی ہے ۔

(٣) متن دیوان میں جن اکابر اولیا کی توصیف کی گئی ہے ان کی کیفیت ملاحظہ ہو :

(الف) حضرت خواجہ معین‌الدین چشتی :

لطف کن لطف یا معین‌الدین
توئی مشکل کشا معین‌الدین
اوفتادم بصد هزار امید
بر درت بے نوا معین‌الدین
جز تو کس نیست دستگیری کن
ساز برها مرا معین‌الدین
اوفتادم ز بے مدد هایت
در جفا در جفا معین‌الدین

من ندارم بجز کرم ہایت — در جہان آشنا معین الدین
جلوهٔ ذات پاک حضرت تو — ہست در چشم ما معین الدین
یافت صابر ترا ز صدق یقیں — سرور اولیا معین الدین
(ارمغان صابر ص ۲۳۳)

پیر کلیر رح چشتیہ سلسلۂ صوفیا سے منسلک تھے ۔ حضرت فریدالدین گنج شکر رح کے مرید تھے ۔ حضرت گنج شکر خواجہ بختیار کاکی رح کے خلیفہ تھے اور خواجہ بختیار کاکی رح خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ تھے ۔ خواجہ معین الدین چشتی کی پیدائش اندازاً ۵۳۰ھ اور انتقال ۶۳۳ھ میں ہوا ۔ (۱) پیر کلیر رح کی ولادت ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ قرار دی جاتی ہے ۔ گویا خواجہ معین الدین اجمیری کی وفات کے وقت ان کی عمر ۴۱ برس کے قریب ہوگی ۔ اشعار سے صوری ملاقات یا تعلق کا کوئی قرینہ نہیں تاہم اس مسلک سے شاعر کا تعلق ظاہر ہے ۔

(ب) اسی دیوان میں حضرت فریدالدین گنج شکر رح جن کے پیر کلیر خلیفہ اور حقیقی بھانجے تھے ان کا ذکر بالکل سرسری ہے ۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ دوسرے بزرگوں کا تو بطورخاص ذکر ہے لیکن بابا فرید کا تذکرہ بہت مختصر ہے ۔

(ج) حضرت نظام الدین اولیا' کا ذکر دیوان میں بدین طور آیا ہے :

نشیں در بزم سلطان مشائخ — کہ ذات اوست ایمان مشائخ
ظہور گنج شکر در رخ اوست — ازیں وجہ ست سلطان مشائخ
نظام الدیں نظام الدیں بگوشد — کہ یاد اوست سامان مشائخ
ز من بشنو نظام الدین چشتی — کہ ہشت اندر جہاں جان مشائخ
بخاک کوے تو سر بر نہادم — کہ کوے اوست بستان مشائخ
(ص ۷۶)

از کرم خسرو سلطان دین — یافتہ ام گوہر کان یقیں
شکر کنم از دل و جاں تاابد — یافتہ ام رتبۂ حسن الیقیں

۱- سوانح خواجہ معین الدین چشتی (وحید احمد مسعود) ص ۴۷، ۵۷

گرد سر روضہ چو گشتم نمود		در نظرم غیرت خلد بریں
سر نکند از رہ شرمندگی		پیش جمالت ہمہ خوبان چین
چو نشوی قطب زمین و زماں		ہست ترا جلوہ' حق ہم نشیں
بخش بصابر		تو ز ملک سخن
زانکہ توئی		خسرو روے زمیں
(ص ۲۳۲)

دوسرے اقتباس میں سلطان العارفین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی ذات کی طرف اشارہ واضح نہیں ۔ لیکن دونوں اقتباسات کو باہم ملا کر بات واضح ہو جاتی ہے ۔ موخرالذکر اشعار اس وقت کہے گئے جب سلطان المشائخ وفات پا چکے تھے ۔ غزل میں ان کے روضے کا ذکر ہے ۔ حضرت نظام الدین اولیا کا انتقال ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ میں دھلی میں ہوا (۱) پیر کلیر رح کا انتقال ۶۹۰ھ میں ہوا تھا ۔ دیوان صابر میں حضرت نظام الدین اولیا کا ذکر کئی مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے اور حضرت فریدالدین گنج شکر کا ذکر ایک تو کنایتہً مذکورہ بالا اشعار میں اور دوسری جگہ بھی اشارہً اس طرح آیا ہے :

چو صابر زمستی' غفلت ز ہستی		فریدم فریدم فریدم فریدم
(ص ۱۹۹)

قرینہ یہ ہے کہ شاعر سلسلہ' نظامیہ سے منسلک ہے ۔ یہ والہانہ عقیدت مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ظاہر ہے :

ز امداد نظام الدین چشتی		بہشتی ام بہشتی ام بہشتی
ز فیض خاص سلطان المشائخ		عجب مطلع ز شوق دل نوشتی
(ص ۳۴۳)

(د) دیگر صوفی بزرگوں کا ذکر بھی دیوان صابری میں ہے :

اگر خواہی کہ گردی در جہان عشق شمع دین
بیابی دیدہ' دل رو بدرگاہ نصیرالدین

۱- بزم صوفیا (صباح الدین عبدالرحمان) ص ۲۲۳

به بینی از ره معنی ظهور ذات حق بے چون
اگر داری تو از روے حقیقت دیده حق بین
سراج‌العارفین را دیده دل ساز تا آنجا
به بین در کثرت و وحدت جمال او به نیک آئین
اگر خواهی شوی محرم تو راز ثم وجه‌الله
بیک شرطے بیا اینجا بشو در سینه نفس کین
ز سودائے محبت از دو چشم خویشتن زانجا
به بینی جلوه ذات فریدالدین نظام‌الدین
بغیر از ذات حق کس نیست واقف از کمال او
که هست آن چشمهائے سوز بحر خواجه قطب‌الدین
اگر خواهی شوی در هر دو عام چون مه روشن
بگو از صدق دل خواجه معین‌الدین معین‌الدین
(ص ۲۲۷)

خواجه محمود ز لطف و کرم قوت بخش دل بیمار حالت
یک نظر از خواجه حضرت کمال مرهم ریش دل افگار حالت
شاهد ما شیخ ابو احمدست زانکه چو حق واقف اسرار حالت
(ص ۳۸)

...... صابر از جبینم ز خدام سراج‌العارفینم
(ص ۱۷۲)

رسیدم بر در برهان دهلی سلیمان منت ایمان دهلی
جمال حضرت سلطان دیدم شدم از صدق دل قربان دهلی
ندارم هیچ غم از لطف یزدان مدد کارم شده سلطان دهلی
ز نور روضه قطب منور بهشت آمد بچشم شان دهلی
بجز ذات نصیر الدین محمود ندیدم در جهان سامان دهلی
به بزم شیخ ابو احمد بصد صدق نشینم مست در ایوان دهلی

بود این شیخ ممدوح و مکرم چو بسم اللہ بر قرآن دھلی
(ص ٢٣٥)

قطرہ بہ بحر اندر افتد چو بحر گردد
آن قطرۂ یقین شدہ در ذات شیخ عثمان
(ص ٢٣٥)

ان اشعار میں سراج العارفین شیخ نصیر الدین چراغ دھلی ، فرید الدین گنج شکر ، سلطان العارفین نظام الدین اولیا ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ، خواجہ معین الدین چشتی ، خواجہ محمود ، کمال ، شیخ ابو احمد ، شیخ سلیمان ، حضرت قطب منور ، اور شیخ عثمان کے نام آتے ہیں ۔ ان شخصیتوں میں سے سراج العارفین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دھلی اور حضرت قطب الدین منور کا کسی قدر تفصیلی ذکر ہماری کچھ رہنمائی کر سکتا ہے ۔

شیخ محمود چراغ دھلی ٦٧٠ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے (١) اور آپ نے ١٨ رمضان المبارک بروز جمعہ ٧٥٧ھ میں دھلی میں انتقال کیا (٢) آپ چشتیہ سلسلۂ صوفیا کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں ۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے ۔ ٤٣ برس کی عمر میں (تقریباً ٧١٨ھ میں) دھلی آئے اور حضرت کے مرید ہوئے ۔ (٣) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے پیر کبیر کا انتقال ٦٩٠ھ میں ہوا ۔ شیخ محمود چراغ دھلی کے ورود دھلی کا سنہ ٧١٨ھ کے قریب ہوا تو گویا آپ پیر کبیر کے انتقال کے کئی برس بعد سلسلۂ چشتیہ میں پیر کبیر کے پیر بھائی حضرت نظام الدین اولیا کے ہاتھ پر بیعت ہوئے ۔ (٤)

---

(1) Khair-ul-Mazahir (Ed. Khaliq Ahmed Nizami) Int. P. 38
بحوالہ فرشتہ جس نے ٨٢ برس کی عمر میں انتقال کا ذکر کیا ہے ۔

٢- ایضاً ص ١٦

(٣) بزم صوفیہ (صباح الدین عبدالرحمان) ص ٣١٠

٤ مطابق حاشیہ نمبر ١ - ص ٤٧ : سند خلافت ٢٠ ذی الحجہ ٧٢٣ھ کو ملی ۔

به بینی از ره معنی ظهور ذات حق بے چون
اگر داری تو از روے حقیقت دیده' حق بین
سراج‌العارفین را دیده' دل ساز تا آنجا
به بین در کثرت و وحدت جمال او به نیک آئین
اگر خواهی شوی محرم تو راز ثم وجه‌الله
بیک شرطے بیا اینجا بشو در سینه نفس کین
ز سوداے محبت از دو چشم خویشتن زانجا
به بینی جلوه' ذات فریدالدین نظام‌الدین
بغیر از ذات حق کس نیست واقف از کمال او
که هست آن چشمهاے سوز بحر خواجه قطب‌الدین
اگر خواهی شوی در هر دو عالم چون مه روشن
بگو از صدق دل خواجه معین‌الدین معین‌الدین
(ص ۲۲۷)

خواجه' محمود ز لطف و کرم قوت بخش دل بیمار حالت
یک نظر از خواجه' حضرت کمال مرهم ریش دل افکار حالت
شاهد ما شیخ ابو احمدست زانکه چو حق واقف اسرار حالت
(ص ۴۸)

...... صابر از جبینم ز خدام سراج‌العارفینم
(ص ۱۷۳)

رسیدم بر در برهان دهلی سلیمان منت ایمان دهلی
جمال حضرت سلطان دیدم شدم از صدق دل قربان دهلی
ندارم هیچ غم از لطف یزدان مدد گارم شده سلطان دهلی
ز نور روضه' قطب منور بهشت آمد بچشم شان دهلی
بجز ذات نصیر الدین محمود ندیدم در جهان سامان دهلی
به بزم شیخ ابو احمد بصد صدق نشینم مست در ایوان دهلی

بود این شیخ ممدوح و مکرم چو بسم الله بر قرآن دهلی
(ص ٢۴٥)

قطره به بحر اندر افتد چو بحر گردد
آن قطرهٔ یقین شده در ذات شیخ عثمان
(ص ٢٣٥)

ان اشعار میں سراج العارفین شیخ نصیر الدین چراغ دهلی ، فرید الدین گنج شکر ، سلطان العارفین نظام الدین اولیا ، خواجه قطب الدین بختیار کاکی ، خواجه معین الدین چشتی ، خواجه محمود ، کمال ، شیخ ابو احمد ، شیخ سلیمان ، حضرت قطب منور ، اور شیخ عثمان کے نام آتے هیں ۔ ان شخصیتوں میں سے سراج العارفین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دهلی اور حضرت قطب الدین منور کا کسی قدر تفصیلی ذکر هماری کچھ رهنمائی کر سکتا هے ۔

شیخ محمود چراغ دهلی ٦٧٥ھ کے لگ بھگ پیدا هوئے (١) اور آپ نے ١٨ رمضان المبارک بروز جمعه ٧٥٧ھ میں دهلی میں انتقال کیا (٢) آپ چشتیه سلسلهٔ صوفیا کے اکابر میں شمار هوتے هیں ۔ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے ۔ ۴٣ برس کی عمر میں (تقریباً ٧١٨ھ میں) دهلی آئے اور حضرت کے مرید هوئے ۔ (٣) جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا هے پیر کبیر کا انتقال ٦٩٠ھ میں هوا ۔ شیخ محمود چراغ دهلی کے درود دهلی کا سنه ٧١٨ھ کے قریب هوا تو گویا آپ پیر کبیر کے انتقال کے کئی برس بعد سلسلهٔ چشتیه میں پیر کبیر کے پیر بھائی حضرت نظام الدین اولیا کے هاتھ پر بیعت هوئے ۔ (۴)

(I) Khair-ul-Mazahir (Ed. Khaliq Ahmed Nizami) Int. P. 38
بحواله فرشته جس نے ٨٢ برس کی عمر میں انتقال کا ذکر کیا هے ۔

٢- ایضاً ص ١٦

(٣) بزم صوفیه (صباح الدین عبدالرحمان) ص ٣١٠

۴ مطابق حاشیه نمبر ١ - ص ٧۴ : سند خلافت ٢٠ ذی الحجه ٧٢۴ھ کو ملی ۔

صابر رح کی وفات کے وقت حضرت نصیر الدین محمود ابھی صرف ۱۰ برس کے تھے (پیدائش ۶۷۰ھ) اور وہ دھلی میں اقامت پذیر تھے لیکن دیوان صابر کا مصنف نہ صرف ان صوفی بزرگ کا خاص عقیدت مند ہے بلکہ ان کے القاب سے بھی واقف ہے۔ حالانکہ کسی معاصر نے حضرت نصیر الدین محمود کو چراغ دھلی یا سراج العارفین نہیں کہا ، یہ خطاب بہت بعد میں انہیں دیا گیا تھا ۔

قطب‌الدین منور حضرت نصیرالدین محمود کے پیر بھائی تھے ۔ دونوں کو مرشد (حضرت نظام الدین اولیاء) سے خلافت ایک ہی دن ملی تھی (۱) (۷۲۴ھ) قطب الدین منور ، شیخ جمال الدین ھانسوی (مرید فرید الدین گنج شکر رح) کے پوتے اور شیخ برہان الدین کے بیٹے تھے (۲) ۷۶۰ھ میں انتقال کیا (۳) گویا ۷۲۴ھ کے بعد سلسلہ٘ چشتیہ میں واجب الاحترام قرار پائے ہوں گے کہ دیوان صابر کا مصنف ان کے گن گا سکے ۔ پیر کلیر رح کی وفات کے وقت تو یہ بہت چھوٹے ہوں گے ، کچھ عجب نہیں کہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں ۔ ارمغان صابر کا شاعر ان کے مزار کا ذکر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ زمانہ ۷۶۰ھ کے بعد ہو سکتا ہے ۔ ان شواھد کی بنا پر ہم یہ بھی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ارمغان صابر کے مصنف صابر (مظہر علی ؟ صابر علی ؟) کوئی دوسرے شخص ہیں ان کا سلسلہ٘ طریقت حضرت نظام الدین اولیاء اور ان کے خلفا سے متعلق ہے اور ان کا زمانہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دھلی اور شیخ قطب الدین منور کے بعد کا ہے۔ پیر کلیر رح اس دیوان کے مصنف نہیں قرار دیے جاسکتے ۔

---

(۱) بزم صوفیہ ۔ ترجمہ٘ چراغ دھلی
(۲) اخبار الاخیار۔ ص ۸۵
(۳) خزینۃ الاصفیا (جلد اول) ص ۳٦۰

شعرالعجم اور ذکر عرفی شیرازی

ڈاکٹر محمد ولی الحق انصاری*

زبان اردو میں فارسی ادب و شاعری کے متعلق اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بلا شبہ ''شعرالعجم'' کا مرتبہ نہایت بلند ہے اور اہل اردو اس پر فخر کر سکتے ہیں کہ فارسی ادب کے متعلق اردو زبان میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے جس کی افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے خود اہل ایران کو فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جہاں تک اس کتاب کے تاریخی پہلو کا تعلق ہے اس میں بعض ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جن کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ یہ کتاب بہ حیثیت تذکرۂ شعرا غیر معتبر ہو گئی ہے بلکہ مولانا شبلی کی ہمہ گیر شخصیت پر بھروسا کرنے والے کچھ دوسرے مورخین کی گمراہی کا بھی باعث بنی ہے (۱) اور انہی غلطیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ محمود شیرانی کو کہنا پڑا کہ : (۲)

''شعرالعجم کے مطالعے کے بعد میری ذاتی رائے یہ قائم ہوئی کہ علامہ شبلی اس تصنیف کے دوران مؤرخانہ اور محققانہ فرائض کی نگہداشت سے ایک بڑی حد تک غافل رہے رطب و یابس جو کچھ ان کے مطالعے میں آجاتا ، بشرطیکہ دلچسپ ہو ، حوالۂ قلم کر دیتے - بعض وقت دیکھا جاتا ہے کہ مولانا اپنے بیانات کی آگے جا کر خود ہی تردید کر جاتے

---

* استاد شعبۂ فارسی، لکھنؤ یونیورسٹی -

۱- مثلاً 'شعرالعجم فی الہند' میں ذکر عرفی شیرازی کے سلسلے میں شیخ اکرام الحق نے عرفی کی شاہد پرستی کا ذکر غالباً ''شعرالعجم'' ہی کی بنیاد پر کیا ہے اگر چہ اس کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے -

۲ تنقید شعرالعجم ، ص ۲ -

ھیں - پہلے کچھ رائے قائم کی اور بعد میں جا کر کوئی اور نظریہ قائم کر لیا - ممکن ہے کہ شبلی تاریخ اسلام میں بہتر نظر رکھتے ہوں لیکن شعرائے عجم کے حالات میں ان کے طاقتور قلم نے بہت لغزشیں کی ھیں - اس خاص دائرے میں ان کی معلومات تاریخی نہایت محدود ھیں اور نہ تمام سلسلہ' شعرا یا ان کے دواوین اور مآثر پر کافی عبور ہے - سن و تاریخ جو فن تاریخ کا ایک شاندار اور وقیع پہلو ہے اس پر اول تو پوری توجہ نہیں کی اور ضرورتاً کہیں ایسا کیا بھی تو غلطیوں سے خالی نہیں۔ بعض متاخرین کو متقدمین کا پہلو نشین بنا دیا اور بعض متاخرین کو متقدمین کا ھم بزم کر دیا ہے -

بہت سے غیر تاریخی افسانوں نے شعرالعجم میں قابل عزت جگہ پائی ہے - عام اغلاط جنھیں تذکرہ نگاروں نے اپنی اپنی تصنیف میں دھرا کر ھمارے ادبیات میں عام طور پر زبان زد کر دیا ہے شعرالعجم کے صفحات پر موجود ھیں - ایک شاعر کے ابیات دوسرے شاعر کے نام سے بھی بعض اوقات درج ھوئے ھیں - اکثر اوقات ایک مورخ یا محقق کو اپنے اجتہاد کے استعمال کی بھی ضرورت ھوتی ہے لیکن مولانا نے ضروری مواقع پر بھی اس کے استعمال سے احتراز کیا ہے"

شعرائے عجم کے حالات میں مولانا شبلی کے قلم کی لغزشوں کے متعلق خود محمود شیرانی صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ان کی تنقید، شعرالعجم کے حصہ' اول و دوم تک محدود رھی اگرچہ جس قسم کی غلطیوں کے بارے میں انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ شعرالعجم کے دوسرے حصوں میں بھی موجود ھیں اور اس کی ضرورت ہے کہ ان حصوں میں بھی جن شعرا کا ذکر کیا گیا ہے ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور اگر ان میں کچھ غلطیاں ھوں تو انھیں دور کر کے دنیا کو صحیح حالات سے با خبر کیا جائے - زیر نظر مقالہ اسی مقصد کے پیش نظر سپرد قلم کیا جا رہا ہے جس کا مقصد علامہ محمود شیرانی ھی کے الفاظ میں مولانا شبلی مرحوم کی فضیلت علمی کی منقصت نہیں ہے بلکہ ان کے بیانات کی روشنی میں عرفی شیرازی کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلی ھوئی ھیں ان کی حقیقت واضح کرنا ہے۔

یہ مقالہ شعرالعجم میں عرفی شیرازی کے متعلق پائی جانے والی چند غلطیوں پر تبصرے کی حد تک محدود ہے (۱) اس لئے دوسرے شعرا

۱- میرے پیش نظر شعرالعجم ، جلد سوم کا چوتھا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۴۵ء ہے -

کے سلسلے میں شعرالعجم میں جو اغلاط ملتی ہیں انہیں یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے ، پھر بھی عرفی جس دور میں گزرا ہے اس عہد کے متعلق مولانا نے جو تاریخی غلطیاں کی ہیں ان کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے ۔ شعرالعجم ، جلد سوم کے دوسرے ہی صفحے پر اس قسم کی ایک غلطی ملتی ہے جہاں وہ شاہ عباس کو اسماعیل مرزا کا بیٹا اور جانشین لکھتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسماعیل ثانی کا جانشین اس کا معتوب بڑا بھائی اور شاہ عباس کا باپ سلطان محمد معروف بہ خدا بندہ تھا ۔ خدا بندہ شاہ اسماعیل ثانی کے انتقال کے وقت خراسان میں اپنے نو عمر بیٹے عباس کو گورنر بنا کے اور علی شاملو کو اس کا اتالیق مقرر کر کے خود فارس چلا گیا تھا اور محض اپنی خوش قسمتی کی وجہ سے شاہ اسماعیل ثانی کے حسب الحکم قتل ہونے سے بچ کر اس کا جانشین بن گیا تھا لیکن صرف ایک سال یعنی ۹۸۵ھ (مطابق ۱۵۷۸ء) میں حکومت کرنے کے بعد اسے خراسان کے قزلباش امیروں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے بجائے اس کے نو عمر بیٹے عباس کو اپنا بادشاہ مانتے تھے ۔ اس بغاوت کے دوران میں اگرچہ ۹۸۵ھ ہی میں عباس کو باقاعدہ خراسان کا بادشاہ بنا دیا گیا تھا اور اس کے پردے میں شاملو اور استجلو قبیلوں کے سردار وہاں حقیقتاً حکمرانی کر رہے تھے پھر بھی حمزہ مرزا (جو خدا بندہ کا ولی عہد تھا) کے واقعۂ قتل تک جو ۹۹۳ھ (مطابق ۱۵۸۵ء) میں پیش آیا ، ایران کا اصل حکمران سلطان محمد خدا بندہ ہی تھا ۔ ۹۹۳ھ کے بعد جب سلطان خدا بندہ فارس کی بغاوت کو دبانے گیا ہوا تھا مرشد قلی خان استجلو نے شاہ عباس کی معیت میں قزوین پر قبضہ کر لیا اور اصل میں اس واقعے کے بعد نو عمر شاہ عباس پورے ایران کا بادشاہ بنا دیا گیا ' اگرچہ ترکوں اور ازبکوں کے حملوں اور خود قزلباش سرداروں کی خود سری کی وجہ سے ۱۰۰۰ھ (مطابق ۱۵۹۱ء) تک اس کی حکومت کی حالت نہایت نازک رہی ۔ (۱)

اسی قسم کی ایک دوسری تاریخی غلطی مولانا نے برہان نظام شاہ کے سلسلے میں بھی کی ہے ۔ شعرالعجم حصہ سوم کے صفحہ آٹھ پر ہندوستان کے بادشاہوں کی علم نوازی اور شعرا کی سرپرستی کے سلسلے میں مختلف حکمرانوں

۱۔ ہسٹری آف پرشیا ، مصنفہ سائکس ، جلد دوم ، صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۳۔

کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شبلی نظام شاہ بحری کو برہان پور کا حکمران قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''برہان پور میں نظام شاہ بحری گویا اس فن کا مربی تھا - ظہوری نے ساقی نامہ اسی کی شان میں کہا ہے جسکا بیش بہا صلہ عطا ہوا -''

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مولانا کا دکن، خصوصاً احمد نگر اور خاندیش کی تاریخ کا مطالعہ سرسری تھا اسلئے کہ نظام شاہ بحری برہان پور کے بجائے احمد نگر کا حکمران تھا اور جس دور کا مولانا ذکر کر رہے ہیں اس سے بہت قبل مر چکا تھا - ظہوری کا مربی جس کا اصل میں مولانا ذکر کرنا چاہتے تھے برہان نظام شاہ ثانی تھا جو احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا ساتواں حکمراں تھا - وہ خاندانی جھگڑوں سے پریشان ہو کر احمد نگر سے اکبر کے دربار میں چلا آیا تھا اور بعد میں ۹۹۷ھ (مطابق ۱۵۸۹ء) میں اکبر کے اشارے سے احمد نگر واپس جا کر وہاں برہان نظام شاہ ثانی کے لقب سے حکمراں بن گیا اور ۱۰۰۲ھ (مطابق ۱۵۹۴ء) تک احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کی باگ ڈور سنبھالے (۱) رہا تھا - یہ بادشاہ ظہوری کا مربی ضرور تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے 'ساقی نامہ' کے صلے میں نقد و جنس سے لدے ہوئے چند ہاتھی ظہوری کو بھیجے تھے لیکن یہ کہنا کہ وہ ''گویا اس فن کا مربی تھا'' برہان نظام شاہ کی علم دوستی اور قدر دانیٔ سخن کے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی اور تاریخ احمد نگر سے نا واقفیت کا اظہار ہے - اس زمانے میں برہان پور میں فاروقی خاندان کا لائق حکمراں عادل شاہ چہارم جو عموماً راجہ علی خاں کے نام سے مشہور ہے حکومت کر رہا تھا - اس کی حکومت کا عہد ۹۸۵ھ مطابق ۱۵۷۷ء سے ۱۰۰۶ھ (مطابق ۱۵۹۷ء) تک تھا -

حالات عرفی کے سلسلے میں مولانا کے قلم سے صرف غلطیاں ہی سر زد نہیں ہوئیں بلکہ دلچسپ واقعہ نویسی کی دھن میں وہ کچھ ایسی بے سر و پا باتیں بھی لکھ گئے ہیں جنہوں نے فارسی زبان کےاس عظیم المرتبت شاعر کے کردار کے متعلق عوام کے دماغوں میں غلط تصورات پیدا کردیے اور جو ایک ایسی لغو داستان عشق کی تشہیر کا باعث ہوئیں جس کے خلاف قیاس ہونے کا مولانا کو خود اقرار ہے - پھر بھی اس فرضی داستان عشق کو صحیح ثابت کرنے کی دھن میں نہ صرف یہ کہ انہوں نے چند تذکرہ نویسوں کے

۱- کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد سوم، صفحہ ۲۰۴ -

بیانوں کو توڑا مروڑا بلکہ خود عرفی کے بعض اشعار کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کی ۔ اس قسم کی کوششیں مولانا جیسے محقق کے شایان شان نہ تھیں۔

شعر العجم میں حیات عرفی کے سلسلے میں پہلی غلطی عرفی کے والد کے نام کے بارے میں ملتی ہے جیسے علامہ شبلی نے زین الدین ملوی لکھا ہے جبکہ "عرفات العاشقین" میں (جس کے اپنے پیش نظر ہونے کا انھوں نے دعوا کیا ہے) ان کا نام زین الدین علی بلوی بن جمال الدین سیدی شیرازی دیا ہے (۱) ۔ ممکن ہے کہ مولانا کے پیش نظر "عرفات العاشقین" کا جو نسخہ ہو اس میں کتابت کی غلطی سے بلوی کے بجائے ملوی لکھا ہو لیکن اگر ذرا بھی کوشش کی جاتی تو نام کے اس جز کی غلطی کی تصحیح ہوسکتی تھی اس لئے کہ تقی اوحدی کے علاوہ چند دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی عرفی کے والد کے آخری جز کو بلوی ہی لکھا ہے نہ کہ ملوی ۔ چنانچہ عبدالباقی نہاوندی نے دیباچۂ کلیات عرفی میں عرفی کے والد کا نام زین الدین علی بلوی ہی لکھا ہے (۲) اور یہی نام سراج الدین علی خان آرزو نے "مجمع النفائس" میں بھی دیا ہے (۳) ۔ "میخانہ" (جسے دنیا کے سامنے ایک تذکرے کی حیثیت سے پیش کرنے کا شرف بھی مولانا شبلی ہی کو حاصل ہے) میں بھی عرفی کے والد کا نام خواجہ بلوی دیا ہے (۴) ۔

عرفی کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں مولانا رقمطراز ہیں کہ (۵) :

"عرفی نے جب ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا اور طہماسپ اور عباس کی علم پروری نے تمام ایران کو علم و ہنر کی

۱۔ عرفات العاشقین (مخطوطہ خدا بخش لائبریری ، پٹنہ) ورق ۵۰۲ ۔

۲ یہ دیباچہ مولانا شبلی کے زمانے میں نا پید تھا لیکن اب دستیاب ہو چکا ہے اور راقم الحروف کے ایک مضمون کے ساتھ حیدرآباد سے شائع ہونے والے ایک رسالے "اسلامک کلچر" میں شائع ہونے کے لیے روانہ کیا جا چکا ہے ۔

۳۔ مجمع النفائس (مخطوطہ خدا بخش لائبریری ، بانکی پور) صفحہ ۳۱۲ ۔

۴۔ میخانہ (لاہور ایڈیشن) صفحات ۱۷۵ و ۱۷۶

۵۔ "شعر العجم" جلد سوم ، صفحہ ۷۸

> نمائش گاہ بنا دیا تھا ، بالخصوص شاعری بڑے زوروں پر تھی ۔ محتشم کاشی ، وحشی یزدی ، غیرتی وغیرہ نے فغانی کے طرز کو اور زیادہ شوخ کر دیا تھا اور تمام ملک ان کی زمزمہ سنجیوں سے گونج اٹھا تھا '' ۔

مولانا کا یہ بیان دو طرح غلط معلوم ہوتا ہے ۔ اول تو یہ کہ غالباً ان کا یہ خیال ہے کہ طہماسپ اور عباس کا عہد گویا ایک مسلسل دور تھا لیکن یہ حقیقت نہیں ہے ۔ ان دونوں بادشاہوں کے زمانوں کے درمیان دو دوسرے حکمرانوں نے حکومت کی ہے اور یہ تقریباً دس سال کا عرصہ خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے ایران کا تاریک عہد تھا ۔ تقی اوحدی ، جس کے بیان پر غالباً مولانا کی مندرجہ عبارت مبنی ہے ، کے بیان سے یہ بات صاف ہے کہ ہندوستان آنے سے تقریباً پانچ سال قبل کا زمانہ حقیقتاً ایران میں عرفی کے عروج اور دوسرے شعرا سے معرکہ آرائی کا عہد تھا (۱) ۔ تقی کاشی ، صاحب خلاصۃ الاشعار کے بیان کے مطابق عرفی ہندوستان ۹۹۲ھ میں آیا ۔ اس حساب سے عرفی کے مناظروں کا دور غالباً ۹۸۶ھ یا اس سے کچھ پہلے سے ۹۹۲ھ تک رہا ہوگا ۔ ایران کی تاریخ میں یہ دور سلطنت صفویہ کے شباب بجائے اس کا تاریک دور تھا ۔ شاہ طہماسپ کا انتقال ۹۸۴ھ میں ہو گیا اور اس کی موت کے بعد اس کی اولاد کی باہمی آویزش کی وجہ سے ایران کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی ۔ اس کے جانشین شاہ اسماعیل ثانی کو ، جو اپنے باپ کے دور حکومت میں تقریباً پچیس سال تک قید رہا تھا ، قید و بند کی مصیبتوں نے درندہ صفت بنا دیا تھا اور اس نے قزوین میں آٹھ شاہزادوں کو قتل یا اندھا کرادیا تھا اور نویں شاہزادے محمد کے قتل کا بھی حکم دے چکا تھا لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ خود قریب ایک سال کے حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا اور اس کے بعد اس کا نا بینا بھائی سلطان محمد مشہور بہ خدا بندہ تخت نشین ہوا جس کے عہد میں خراسان میں قزلباش سرداروں کی بغاوت اور خانہ جنگی اور اسکے بعد اس کے نو عمر بیٹے عباس کی خراسان میں علاحدہ حکومت اور ترکوں اور ازبکوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے شاہ اسماعیل اول اور طہماسپ کی حاصل کی ہوئی تمام شان و شوکت

---

۱ ۔ عرفات العاشقین (مخطوطہ بانکی پور) ورق ۵۰۲ ، ورق الف و ب

ختم ہو چکی تھی ۔ ایران کے عہد زریں کی ابتدا نہ صرف خدا بندہ کی وفات کے بعد بلکہ ستاروں کے زیر اثر شاہ عباس کے تخت سے دستبردار ہونے کے بعد ۱۰۰۰ھ (مطابق ۱۰۹۱ء) میں اس کی دوبارہ تخت نشینی کے بعد ہوتی ہے لیکن یہ زمانہ وہ تھا جب عرفی کے ہوش سنبھالنے کا تو کیا سوال ، وہ زندہ ہی نہ تھا ۔ ان حالات میں مولانا کا یہ فرمانا کہ " جب عرفی نے ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا" حقائق سے چشم پوشی ہے ۔ مولانا کا یہ بیان البتہ اس حد تک درست ہے کہ عرفی کا عنفوان شباب عہد شاہ طہماسپ میں گزرا لیکن اس عہد کو سلطنت صفویہ کا شباب کہنا مناسب نہیں ہے ۔ اس سلسلے میں مولانا سے جو دوسری غلطی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اس دور کو فارسی شاعری کے ایران میں عروج کا زمانہ قرار دیا ہے جبکہ واقعہ اس کے برعکس ہے ۔ شاہ طہماسپ اور اس کے بیٹوں کا دور حکومت ایران میں فارسی شاعری کا تاریک عہد ہے ۔ ابتداً اگرچہ شاہ طہماسپ شعر و شاعری کا دلدادہ تھا لیکن مذہبی مشاغل کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری سے اس کی دلچسپی ختم ہوتی گئی اور شعرا کے بجائے علمائے مذہب نے اس کے دربار میں جگہ لے لی تھی اور ان کے اثر سے شاہی دربار کے باہر بھی شاعری جیسے لہو و لعب میں شامل سمجھا جاتا تھا، ذلیل نظروں سے دیکھی جانے لگی تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس عہد کے قریب قریب سب ہی بڑے شاعروں کو ترک وطن کر کے ہندوستان آنا پڑا اور ایران میں صرف وہی شاعر رہ گئے جن کے حالات اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ ترک وطن کرتے یا جنھوں نے صرف مدح ائمہ اور مذہبی شاعری کو اپنا شعار بنا لیا تھا ۔ طہماسپ کے دور حکومت میں ایران میں شاعروں کے ساتھ حکومت کا رویہ ، اسکندر بیگ ترکمان درج ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے (۱) :

" دران هنگام در اردو معلی و ممالک محروسه شاعران سخنور و سخنوران بلاغت گستر بے شمار بودند ۔ در اوائل حال حضرت خاقانی جنت مکانی را توجه تمام بحال این طبقه بود ۔ چند گاه مرزا شرف جهان و مولانا حیرتی از هم صحبتان بزم اقدس و معاشران مجلس مقدس بودند و در اواخر ایام حیات که در امر معروف و نهی منکر مبالغه عظیم می فرمودند چون این طائفه علما را وسیع المشرب

۱۔ تاریخ عالم آرائے عباسی ، طہران ایڈیشن، صفحہ ۱۷۸

شمرده از صلحا و زمرہ اتقیا نمی دانستند، زیاده توجہے به حال ایشان نمی فرمودند و راه گزرانیدن قطعه و قصیده نمی دادند ۔ مولانا محتشم کاشی قصیده غرا در مدح آن حضرت و قصیده دیگر در مدح مخدره زمان شاهزادی پری خانم به نظم آورده از کاشان فرستاده بود، بوسیله' شاهزاده' مذ کور معروض گشت ۔ شاه جنت مکان فرمودند که من راضی نیستم که شعراء زبان به مدح و ثنائے من آلایند ۔ قصائد در شان حضرت شاه ولایت پناه و ائمه معصومین علیهم السلام بگویند صله اول از ارواح مقدسه حضرات و بعد ازان از ما توقع نمایند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرضکه جناب مولانا صله شعر از جانب اشرف نیافت ۔ چون این خبر به مولانا رسید ، هفت بند مولانا حسن کاشی که در شان حضرت شاه ولایت سلطان سریر هدایت در رشته نظم کشیده و همانا از الهام الهی است و دست سخنوران زمان از دامن آن کوتاه ، جواب گفته به خدمت فرستاد و صله لائق یافت ۔ شعرائے پایه تخت همایون شروع در هفت بند گوئی کرده قریب پنجاه شصت هفت بند غرا به تدریج به معارض عرض در آورده و همگی به جائزه و صله مفتخر و سرفراز گشتند ۔ ۔ ''

اور اسی دور میں ایران میں فارسی شاعری کی کس مپرسی کی کیفیت اور اس کے اسباب کو مشہور ایرانی محقق مرزا محمد خان قزوینی نے ڈاکٹر براؤن کے نام اپنے ایک خط مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۱۱ء میں بیان کیا ہے جس کے ضروری اقتباس درج ذیل ہیں (۱) :

" There is at any rate no doubt that during the Safawi period literature and poetry in Persia had sunk to a very low ebb, and that not only one single poet of the first rank can be reckoned as representing this epoch. The chief reason for this, as you yourself have observed, seems to have been that these kings, by reason of their political aims and strong antigonism to the Ottoman Empire, devoted a great part of their energies to the propagation of Shia doctrine and the encouragement of divines learned in its principles and laws. Now, although these devines strove greatly to effect the religions unification of Persia (which resulted in its political unification) ...... yet, on the other hand, from the point of view of literature, poetry, sufiism, mysticism, and, to use their own expression, everything connected with 'Accomplishment' (as

---

۱- لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، جلد چہارم ، صفحات ۲۶ و ۲۷ -

opposed to Legalities), they not merely fell far short in the promotion thereof, but sought by every means to injure and annoy the represantatives of these 'Accomplishments', who were generally not too firmly established in the Religious law and its derivatives. In regard to the Sufis particularly they employed every kind of severity and vexation whether by exile, expulsion, slaughter or reprimand, slaying or burning many of them with their own hands or by their sentence. Now the close connection between Belles Lettres on the one hand and sufiism and mysticism on the other, at any rate in Persia, is obvious, so that the extinction of one necessarily involves the extinction and destruction of the other. Hence it was that under this dynasty learning, culture, poetry and mysticism completely deserted Persia ......"

"At all events during the Safawi period in place of great poets and philosophers there arose theologians, great indeed, but harsh, dry, fanatical and formal like ......"

اور اس عہد کے ایران میں فارسی شاعری کی پستی کا ذکر ایک دوسرے ایرانی مصنف رضا قلی خاں ہدایت' درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں (۱) :

" حاصل آنکه پس از سپری شدن زمان شعرائے سلاجقه در مرتبه شعر ترقی حاصل نیامد بلکه روز بروز از مرتبه عالی میل به مرتبه اوسط نمود ۔ ۔ ۔ ۔ تا بتدریج از مقام اوسط نیز تنزل نموده به مرتبه ادنی رسید ۔ در زمان ترکمانیه و صفویه طرز ہائے نکوهیده عیان شد ۔ طریقه انیقه' انتظام قصیده' فضیحه و شیوه' موعظه و نصیحته و حکمیات و زهدیات و حماسیات که رسم فصحائے ما تقدم بود بالکلیه بر افتاد و موزونان به خمس و مسدس و مثنوی سرائی و غزل آرائی و تعبیه' معمه و تعبیه' اسماء بے مسمیٰ مائل شدند و غزل را چون قرارے معین نبود به هر نحویکه طبائع سقیمه و سلیقه' نا مستقیمه' آنان رغبت کرد. پریشان گوئی و یاوه درائی و بیهده سرائی آغاز نهادند ۔ بجائے حقائق وارده ، مضامین بارده و تعوض صنائع بدیعه ، مطالب شنیعه و مقاصد کسیفه در درج اشعار و ضمن گفتار درج و تضمین فرمودند " ۔

مندرجه بالا بیانات کی روشنی میں عہد صفوی کو فارسی شاعری کے عروج کا زمانہ قرار دینا تعجب خیز ہے ۔

---

۱ ۔ مجمع الفصحا ، دیباچه

عرفی کے ہندوستان آنے کے متعلق "شعر العجم" میں محض سرسری ذکر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اس کے شاہزادہ سلیم کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر ہندوستان آنے کی داستان کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہندوستان کے راستے میں ڈاکا پڑا اور عرفی کی کل کائنات جاتی رہی۔ شاہزادہ سلیم کے عشق کے متعلق آیندہ سطور میں بحث کی جائیگی۔ یہاں فی الحال صرف یہ عرض کرنا ہے کہ راقم الحروف کو کسی بھی تذکرے یا تاریخ میں عرفی کے ہندوستان آتے وقت لوٹے جانے کا حال نہیں ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ راستے میں عرفی کے لٹنے کا سوال ہی نہ تھا اسلئے کہ وہ خشکی کے راستے جہاں عموماً ڈاکوؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے آیا ہی نہ تھا۔ تقی کاشی اور امین رازی دونوں عرفی کے معاصر تھے اور دونوں نے اس کے ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کے بیانات سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ عرفی شیراز سے سمندر کے راستے سے بندر جروں سے روانہ ہو کر دکن آیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس جہاز کے لوٹے جانے کا حال نہیں لکھا (۱) مولانا کی نظر سے غالباً یہ دونوں تذکرے نہیں گزرے تھے اور ان کا شاید یہ خیال تھا کہ عرفی شیراز سے سیدھا خشکی کے راستے شمالی ہند چلا آیا۔ یہ البتہ ممکن ہو سکتا ہے کہ احمد نگر سے فتح پور سیکری کے راستے میں اسے کسی افتاد کا سامنا کرنا پڑا ہو، لیکن اس کا ذکر بھی کسی تذکرے میں نہیں ملتا۔ اور مندرجہ ذیل رباعی جو اس واقعے کے سلسلے میں مولانا نے نقل کی ہے، وہ بھی راقم الحروف کو عرفی کی کلیات کے کسی مستند نسخے میں نہیں ملی (۲)۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اس رباعی کو معمولی تغیر کے ساتھ نگارستان فارس کے صفحہ ۳۰ پر حکیم ناصر خسرو سے منسوب کیا ہے لیکن لطف یہ ہے کہ وہ مطبوعہ دیوان ناصر خسرو میں بھی نہیں ہے۔

دو شینہ کہ برد برد بردوشم بود　　زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشید نئے نداشتم غیر از چشم　　چیز یکہ بزیر سرنہم گوشم بود

اس نقل کردہ رباعی میں ابھی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ خلاصۃ الاشعار (مخطوطہ علی گڑھ یونیورسٹی) صفحہ ۳۰۲ و ہفت اقلیم (مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی) ورق ٦٣ (ب)

۲۔ "شعر العجم" جلد سوم، صفحہ ۷۵

فیضی اور عرفی کے تعلقات کے متعلق بھی ''شعر العجم'' میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ملا بدایونی کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ (۱) :

''فیضی نے اس کی پوری قدردانی کی ۔ پنجاب کے سفر میں وہ اٹک تک فیضی کے همرکاب رہا اور اس کی تمام ضروریات فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتی رہیں لیکن عرفی کی نخوت پرستی کی وجہ سے صحبت برآر نہ ہوسکی اور بالآخر اس دربار سے قطع تعلق کرنا پڑا''۔

فیضی اور عرفی کے تعلقات کی شگفتگی یا کشیدگی ایک بحث طلب امر ہے اور مختلف تذکرہ نگاروں نے اس سلسلے میں مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ عرفی کے معاصرین میں صرف ملا عبد القادر بدایونی ہی تنہا شخص ہیں جنہوں نے دونوں کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور مولانا شبلی نے ملا بدایونی ہی کے بیان کو اپنا ماخذ بھی بنایا ہے لیکن ملا بدایونی کے بیان کے برخلاف انہوں نے عرفی کی نخوت پرستی کو باہمی تعلقات کی کشیدگی کا باعث قرار دیا جبکہ بدایونی کے نزدیک ان دونوں شاعروں کے تعلقات کی کشیدگی کا باعث خود فیضی کا رویہ تھا جیسا کہ ان کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے (۲) :

'' اول از ولایت بہ فتح پور سیکری رسید ۔ پیشتر از همه به شیخ فیضی آشنا شد ۔ الحق شیخ هم با او خوب پیش آمد ۔ درس سفر اخیر تا قریب اٹک در منزل شیخ می بود و ما یحتاج الیه از وے بهم می رسید و آخر بنا بر وضع قدیم شیخ که به هر کس هفته دوست بود درمیانه شکر آبها افتاد ۔ ''

ملا عبدالقادر بدایونی کے اس بیان کی روشنی میں صرف عرفی ہی کو باہمی کشیدگی کا ملزم قرار دینا مولانا کی زیادتی ہے ۔ عرفی کی مبینہ نخوت پرستی کے علاوہ کچھ اور دوسری باتیں بھی تھیں جو عرفی کی فیضی سے علاحدگی کا باعث ہوئیں اور ان پر ایک دوسرے مضمون میں راقم الحروف نے

---

(۱) شعرالعجم، جلد سوم، صفحہ ۷۵

(۲) منتخب التواریخ، جلد سوم، صفحہ ۲۸۵

مفصل بحث کی ہے(۱)۔ مولانا کی مندرجہ بالا زیر بحث عبارت کے بارے میں ایک بات اور عرض کرنا ہے کہ جس سفر کا انھوں نے حوالہ دیا ہے وہ حقیقتاً پنجاب کا سفر نہ تھا بلکہ شمالی مغربی سرحدی صوبے کا سفر تھا جہاں افغانوں کی بغاوت کچلنے کے سلسلے میں اکبر خود گیا تھا اور اس کے امرا مثلاً حکیم ابولفتح، حکیم فتح اللہ شیرازی اور شیخ فیضی وغیرہ اس کے ساتھ تھے اور اسی سفر کے دوران عرفی کے تعلقات فیضی سے کشیدہ ہوئے تھے۔

عرفی نے اپنے مشہور قصیدے " ترجمہ الشوق " میں پیشین گوئی کی تھی کہ وہ خواہ کہیں بھی مرے لیکن اس کا جسد خاکی نجف اشرف پہنچ جائے گا اور اس سلسلے میں اس کا مشہور شعر ہے کہ :

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم اگربہ هند هلاکم(۲) کنی وگر به تتار

اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی اور اس کی ہڈیاں میر صابر اصفہانی نے نجف اشرف بھجوادیں ۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۲۷ ھ میں پیش آیا اور اس کی تاریخ رونقی ہمدانی نے عرفی کے متذکرہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں ادنی سا تغیر کرکے نکالی اور درج ذیل قطعہ تاریخ نظم کیا (۳)

یگانہ گوہر دریائے معرفت عرفی کہ آسمان پئے پروردنش صدف آمد
چو عمراو بسرآمد ز گردش گردون(۴) شکست برصف دلہائے پرشغف آمد
بکوش چرخ رسانید حرف جانسوزی کہ عمرم ازتو چودر معرض تلف آمد
بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم فگند تیر دعائے و بر هدف آمد
رقم زد از پئے تاریخ رونقی کاکم بکاوش مژہ از هند تا نجف آمد

۱۰۲۷ ھجری

مولانا شبلی نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور رونقی کا قطعہ تاریخ بھی نقل کیا ہے۔ لیکن اول تو اس قطعے کے دوسرے اور تیسرے اشعار انھوں نے حذف کر دیے ہیں ۔ دوسرے قطعے کا آخری مصرع ، جس سے ہڈیوں کی منتقلی کا سن نکلتا ہے ، غلط لکھا ہے اور " بکاوش مژہ از هند تا نجف آمد"

---

(۱) یہ مضمون بہ عنوان " حیات عرفی شیرازی کا تنقیدی مطالعہ " ماهنامہ ' برہان ' دهلی میں شائع ہوا ہے، اس سلسلے میں برہان کے ماہ مارچ تا ستمبر ۱۹۶۷ء کے شمارے ملاحظہ ہوں ۔

(۲) بخاکم کنم ۔

(۳) "کلمات الشعرا" مطبوعہ ۱۹۴۲ء در لاہور ، صفحہ ۷۲

(۴) دوراں۔

کے بجائے ''بکاوش مژہ از گور تا نجف'' آمد لکھا ہے (۱) جس سے سنہ انتقال استخوان ۱۰۲۷ ھ کے بجائے ۱۱۹۳ ھ ہوجاتا ہے۔ مولانا روبقی کا قطعہ عرفی کی ہڈیوں کی منتقلی کے زمانے سے لیکر بہت بعد تک کے تذکرہ نویسوں مثلاً عبدالباقی نہاوندی ، ناظم تبریزی ، افضل سرخوش' غلام علی آزاد بلگرامی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے باوجود مولانا سے غلطی سرزد ہوجانا تعجب خیز امر ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آیا جو مصرع وہ درج کر رہے ہیں اس سے صحیح تاریخ نکلتی بھی ہے یا نہیں - مدعیان تحقیق کے لئے اس قسم کی فروگزاشتیں سرمایہ عبرت ہیں -

اس سے ملتی جلتی ایک دوسری غلطی مولانا سے ''شعرالعجم'' جلد سوم کے صفحہ ۸۵ پر سرزد ہوئی ہے' جہاں عرفی کے ایک مشہور قطعے کے دو اشعار کے الگ الگ مصرعوں کو انہوں ایک شعر کی شکل میں پیش کیا ہے اور متذکرہ بالا صفحے پر وہ اپنا یہ تصنیف کردہ شعر یوں پیش کرتے ہیں :

اهل دنیاهمگی تہمت گیر اند و فساد　　عیسی این رامتحمل شدوہ ریم بر داشت

وہ قطعہ جس کے اشعار کی شکل بگاڑی گئی ہے درج ذیل ہے۔ اس کے آخری دو اشعار کے دو مصرعوں سے متذکرہ بالا شعر تیار ہوا ہے۔

تہمت فسق بہ من کردیکے دور اندیش
کایزد از صورت او معنی آدم برداشت
این سخن گوش زد شاهد عصمت گردید
شد پریشان چو سر زلفش و ماتم برداشت
روزگار آمد و گفتاش کہ مخروش کہ من
پردہ زین راز تہی مایہ نخواهم برداشت
گفت زا دل غلط افتاد مرا می بائست
دل زهم صحبتی مردم بے غم برداشت
من ازیں حرف بجوشیدم و گفتم دل من
انچہ برداشت خود از کون و مکان غم برداشت
تو مرا دانی و من نیز ترا می دانم
پس چرا باید ازین مایہ دل از هم برداشت

(۱) شعرالعجم ، جلد سوم ، صفحہ ۸۲ - چند اور حضرات نے بھی مولانا شبلی کی اس غلطی کی وجہ سے یہی غلط مصرع تاریخ وفات تحریر کردیا ہے۔

اهل دنیا همگی تهمت و کذب اند و فساد
رخت خود را که ازیں ورطهٔ مسلم برداشت
ستم تهمت جهال نه بر ما و تو رفت
یوسف ایں را متحمل شد و مریم برداشت

قطع نظر اس کے کہ مولانا کے پیش کردہ شعر کے دونوں مـ
الگ الگ اشعار کے مصرعے ہیں مولانا نے شعر کے دونوں مصرعے بھی
نہیں لکھے - اگرچہ پہلا مصرع انہوں نے وہی لکھا ہے جو
کے مطبوعہ دیوان میں پایا جاتا ہے لیکن دوسرے مصرع میں انہوں نے
کی ہے اور '' یوسف ایں را متحمل شد و مریم برداشت ' کے
'' عیسیٰ ایں را متحمل شد و مریم برداشت '' تحریر کیا ہے۔ افسوس
مولانا کے جیسے سخن فہم کو نہ صرف یہ کہ پہلے مصرع میں غلط
اس کی دوسرے مصرع سے بے ربطی نظر نہ آئی بلکہ ان کے ذہن
یہ بات بھی نہ آئی کہ عیسیٰ کبھی کسی تہمت کے متحمل نہ ہوئے
اور انہوں نے محض مریم کی مناسبت سے عیسیٰ کو بھی تہمت میں
کرلیا -

عرفی شیرازی کے اخلاق و عادات کے سلسلے میں مولانا نے امر
عجب و نخوت کے شاکی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ : (۱)

'' باوجود بد مزاجی اور غرور کے عرفی نے کسی کی ہجو سے
آلودہ نہیں کی یا کسی کو اس قابل نہیں سمجھا ہوگا ۔''

عرفی کی بد مزاجی اور غرور مفصل بحث چاہتے ہیں اور ان پر تـ
بہت روشنی راقم الحروف نے اپنے ایک دوسرے مضمون میں ڈالی ـ
لیکن جہاں تک ہجو سے زبان آلودہ کرنے کا تعلق ہے
کا بیان صرف اسی حد تک صحیح ہے کہ اس نے کسی خاص شخص کی
میں گندہ دھنی نہیں کی ورنہ اسکی کہی ہوئی دو ہجووں کا ذکر مولا
خود کیا ہے ۔ شعرالعجم ، جلد سوم کے صفحہ ۹۷ پر اکبر کے انعام مـ
ہوئے گھوڑے کی ہجو کے دو اشعار مولانا نے نقل کئے ہیں (اگرچ

---

(۱) شعرالعجم ، جلد سوم ، صفحہ ۸۵

(۲) ماهنامہ ''برهان'' کے ماہ مارچ تا ستمبر ۱۹۶۷ء کے شماروں
راقم الحروف کا مضمون '' حیات عرفی شیرازی کا تنقیدی مطالعہ
ملاحظہ فرمایئے -

ہجو میں چھ اشعار ہیں) اسی طرح صفحہ ۸۴ پر انہوں نے ظہوری کی عرفی کو بھیجی ہوئی ایک شال کی ہجو میں کہی ہوئی عرفی کی ایک رباعی نقل کی ہے ۔ اسی شال کی ہجو میں کہی ہوئی عرفی کی درج ذیل دو دوسری رباعیاں بھی اسکے خطوط میں ملتی ہیں :

آن شال کہ یادگار صد دوش و تن است آرائش دوش اعبتان دکن است
بس نازک و باریک و درست آمده است یعنی به صفت پرده ناموس من است

آن شال که داده صد کتان را آرام رنگ از رخ زرد من گرفتست بوام
تا گونه زعفران بوے نسبت خواست درخنده زدن لب و دهان است تمام

علاوہ بریں عرفی کی ساٹھ اشعار کی ایک ایسی مثنوی بھی ملتی ہے جس میں اس نے ان معاصر شعرا کی ہجو کی ہے جنھوں نے اپنے لالچ کی وجہ سے اپنی خود داری سے ہاتھ اٹھا لیا تھا اور فن شعر کو بدنام کر دیا تھا ۔ یہ مثنوی عرفی کی کلیات کے صرف چند ہی نسخوں میں ملتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ مولانا کی نظر سے نہ گزری ہو (۱)

عرفی شیرازی نے اپنی زندگی میں چھبیس قصیدوں ، دو سو ستر غزلوں اور سات سو اشعار قطعات و رباعیات کا ایک دیوان مرتب کیا تھا اور اس کی تاریخ اپنی درج ذیل رباعی کے آخری مصرع سے نکالی تھی :

ایں طرفه نکات سحری و اعجازی چون گشت مکمل به رقم پردازی
مجموعه طراز قدس تاریخش یافت اول دیوان عرفی شیرازی

اس رباعی کے آخری مصرع سے نہ صرف سنہ ترتیب دیوان ۹۹۶ھ نکلتا ہے بلکہ اس کی اکائیوں والے حروف (ا، و، د، ی، ا، ا، ز) کے اعداد سے قصیدوں کی تعداد، دھائیوں والے حروف (یعنی ل، ی، ن، ع، ف، ی، ی، ی) کے اعداد سے غزلوں کی تعداد، اور سیکڑوں والے حروف (یعنی ر، ش، ر) کے اعداد سے ابیات قطعات و رباعیات کی تعداد معلوم ہوتی ہے ۔ شعرالعجم میں بھی یہ رباعی نقل کی گئی ہے لیکن اس میں سیکڑوں والے حروف کے اعداد سے ابیات قطعات و رباعیات کی تعداد نہیں بلکہ خود قطعات و رباعیات کی تعداد بتائی گئی ہے جیسا کہ شعرالعجم' جلد سوم کے صفحہ ۸۰ کی آخری تین سطور کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے ۔

---

(۱) یہ مثنوی حیدرآباد سے شائع ہونے والے رسالے (اسلامک کلچر) کے اکتوبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع ہوچکی ہے۔

"......... اور سیکڑوں کو لیا جائے تو قطعات اور رباعیوں کی تعداد ظاہر ہوتی ہے یعنی ۷۰۰.... .."

ممکن ہے کہ یہ فروگزاشت کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہو اس لئے کہ اسی صفحے پر مولانا نے خود تحریر فرمایا ہے کہ اس ۹۹۶ھ میں مرتب ہونے والے کلیات میں ۷۰۰ شعر کے قطعات اور رباعیاں تھیں۔

ان چند غلطیوں اور فروگزاشتوں کے علاوہ جو نظر انداز بھی کی جاسکتی ہیں مولانا کی سب سے بڑی ستم ظریفی عرفی اور شاہزادہ سلیم کے درمیان معاشقے کی فرضی داستان کی تشہیر ہے۔ اس مفروضہ داستان عشق کے حوالے مولانا نے جا بجا لطف لے لے کر دیے ہیں، چنانچہ شعرالعجم جلد سوم کے صفحہ ۵۷ پر وہ اس داستان کی ابتدا یوں کرتے ہیں کہ:

" بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ عرفی شہزادہ سلیم کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر آیا "

صفحہ ۹۷ پر یہ بات " بعض تذکروں " سے بڑھ کر تمام تذکروں تک پہنچ جاتی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"خان خاناں اور اکبر کے سوا عرفی نے کسی اور آستانہ کی ناصیہ سائی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا اور عرفی کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے، تمام تذکرے متفق ہیں کہ عرفی شہزادۂ مذکور کا جان دادہ تھا، یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہے لیکن عرفی کے قصائد میں بے شبہ یہ جھلک پائی جاتی ہے " (۱)

عرفی کے شہزادۂ سلیم کے جان دادہ ہونے کی بات تمام تذکروں تک بھی محدود نہیں رہتی بلکہ مولانا کو خود عرفی کے قصائد میں بھی اس عشق کی جھلک نظر آنے لگی چنانچہ صفحہ ۸۰ پر رقمطراز ہیں کہ:

---

(۱) شاہزادہ سلیم کی مدح میں عرفی کے صرف تین قصیدے ملتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کے چند اشعار میں مولانا کو عشق کی جھلک نظر آئی اور دوسرے کے متعلق وہ اس سلسلے میں بالکل خاموش ہیں ان کا یہ جملہ کہ " عرفی کے " قصائد " میں بے شبہ یہ جھلک پائی جاتی ہے " محل نظر ہے۔

" شاہزادہ' موصوف کی شان میں اس کے جو قصیدے ہیں ان کے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ اور کوئی جوش ہے جس کا رنگ مداحی کے لباس میں بھی جھلک رہا ہے "

اور صفحہ ۸۱ پر عرفی کے ایک قطعے کے چار شعر پیش کرتے ہوئے وہ س کے اس مصرع " آنکہ ممدوح بود عشق بہ او می بازد (۱) " کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :

"اس میں شاہزادہ سلیم کی معشوقی کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے "

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا کہ عرفی کے اشعار میں مولانا کو لیم کے عشق کی جھلک اور اشارے نظر آئیں بلکہ کچھ اور آگے بڑھ کر ہ جھلک اور اشارے حقیقت اور تیقن کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور س مرتبہ جہانگر کا دامن بھی اس آلودگی سے نہیں بچتا ۔ چنانچہ صفحہ ۹۷ پر ولانا لکھتے ہیں کہ :

" جہانگیر نے شاہزادگی کے زمانے میں عرفی کا شہرہ سن کر دربار میں بلایا ۔ کیونکہ عرفی جہانگر کا عاشق تھا ، ہمہ تن شوق و بےتابی کے عالم میں گیا ۔ جہانگیر نے نگاہ لطف سے دیکھا اور اشاروں میں باتیں کیں پھر مسکرا کر قصیدے کی فرمائش کی" ۔

مولانا کو عرفی کی موت کا باعث بھی یہی شاہزادہ' سلیم کا عشق ظر آتا ہے، چنانچہ صفحہ ۸۱ پر رقمطراز ہیں کہ :

" بعضوں نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ' سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا "

لیکن عشق کی اس تمام داستان سرائی کے بعد مولانا صفحہ ۸۴ پر یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ :

" معلوم ہوتا ہے کہ عرفی بخلاف اور شعرا کے رند اور اوباش نہ تھا ۔ کسی نے اس کو فسق کا الزام دیا اس پر اس کو سخت صدمہ ہوا ۔ "

۱۔ شعرالعجم میں اس مصرع میں 'بازد' کے بجائے ' نازد ' لکھا ہے ۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے

یہ ہیں وہ بیانات جو شہزادہ سلیم سے عرفی کے عشق کے سلسلے میں شعرالعجم کے حصہ سوم کے مختلف صفحات پر نظر آتے ہیں - ان پر تفصیل سے بحث کرنے سے قبل یہ کہہ دینا مناسب ہو گا کہ مولانا نے عرفی کے ذکر کی ابتدا ہی میں اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ عرفی کی حیات کے سلسلے میں مستند اور دلچسپ واقعات ماثر رحیمی اور عرفات اوحدی کے علاوہ اور تذکروں میں نہیں پائے جاتے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دعوی کیا تھا کہ عرفی پر مقالہ لکھتے وقت یہ دونوں کتابیں ان کے پیش نظر تھیں - اگر مولانا اپنے مقالے کا ماخذ انہیں دو تذکروں کو بناتے تب بھی وہ اس قسم کی گمراہ کن باتیں ، جو اوپر نقل کی گئی ہیں ، نہ لکھتے- اس لئے کہ ان تذکروں میں کہیں اس داستان عشق کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں ملتا ۔ اصلیت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے عرفات العاشقین اور ماثررحیمی اور دوسرے اہم تذکروں کو نظر انداز کیا اور ان میں بیان شدہ مستند واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے ، دوسرے غیرمستند تذکرہ نگاروں کے غیر اہم اور بے بنیاد لیکن دلچسپ بیانوں کو ان پر ترجیح دی -

عرفی کے ہندوستان آنے کے متعلق بہت سے تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے - چنانچہ عبدالباقی نہاوندوی مآثر رحیمی اور دیباچہ کلیات عرفی دونوں میں عرفی کے ہندوستان آنے کا اصل سبب خان خانان کی داد و دہش کی شہرت قرار دیتے ہیں - (۱) شیر خان لودی لکھتے ہیں کہ وہ ایام جوانی میں سیر و سیاحت کے لئے ہندوستان آیا (۲) اور سراج الدین علی خان آرزو رقمطراز ہیں کہ وہ ہندوستان کے قدر دانوں کی شہرت سن کر یہاں چلا آیا (۳) ان کے علاوہ اپنے قصیدہ ترجمہ" الشوق میں خود عرفی نے اپنے ہندوستان آنے کی طرف درج ذیل شعر میں اشارہ کیا ہے :

به گلخن آمده از روضه مانده ام محروم
که روئے هند سیه باد و پائے حرص فگار

۱- ماثر رحیمی ، جلد سوم، صفحات ۲۹۳ و ۲۹۴

۲- مراۃالخیال ، صفحہ ۸۱

۳- مجمع النفائس (مخطوطہ بانکی پور) ورق ۳۱۲

لیکن مولانا نے ان تذکرہ نگاروں میں سے کسی کے بیان کو لائق اعتنا نہ سمجھا اور ان میں سے کسی کے بھی حوالے دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کے برخلاف اپنی رائے ظاہر کئے بغیر بعض تذکروں کا حوالہ دے کر یہ ضرور لکھ گئے کہ عرفی شہزادہ سلیم کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر ہندوستان آیا (۱) مولانا نے ان "بعض تذکروں" میں سے ایک کا نام بتانے کی بھی زحمت گوارا نہ کی یا ضروت ہی نہ سمجھی۔ راقم الحروف کی نظر سے نصف صد سے زیادہ ایسے تذکرے یا دوسری کتابیں گزر چکی ہیں جن میں عرفی شیرازی کا ذکر ملتا ہے لیکن ان تمام تصانیف میں ایک بھی ایسی نہیں ملی جس میں عرفی کے ہندوستان آنے کا باعث شہزادہ سلیم کا غائبانہ عشق قرار دیا گیا ہو۔ مولانا نے بعض گمنام (یا محض خیالی) تذکروں کے حوالے سے یہ تو لکھ دیا کہ عرفی شہزادہ سلیم کے عشق میں ہندوستان آیا لیکن نہ انہوں نے اس پر تبصرہ فرمایا اور نہ اس بات پر غور کیا کہ کیا واقعی شہزادہ سلیم اتنا ہی حسین تھا کہ اس کے حسن کی شہرت ہندوستان سے لے کر ایران تک پھیلی ہوئی تھی۔ راقم الحروف کی نظر سے جتنے بھی تذکرے یا دوسری کتابیں گزری ہیں ان میں کسی ایک میں بھی جہانگیر کے غیر معمولی حسن کا ذکر نہیں ہے۔ جہانگیر اگر واقعی اتنا حسین تھا کہ عرفی اس کا نادیدہ عاشق ہو کر شیراز سے ہندوستان چلا آیا تو تعجب ہے کہ دوسرے حسن پرست شاعر ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی کیوں نہ اس کی تلاش میں فتح پور سیکری پہونچے۔ (۲) اس کے علاوہ غائبانہ یا نادیدہ عاشق ہونے کی بات ممکن ہے کہ مولانا شبلی کی سمجھ میں آتی ہو لیکن راقم الحروف کی سمجھ سے یقیناً باہر ہے۔

۱۔ تعجب ہے کہ مولانا نے اس سلسلے میں عرفی کے درج ذیل شعر کو کیسے نظر انداز کردیا۔ اگر قصائد و قطعات میں سلیم کے عشق کی کیفیتیں ان کو نظر آئی ہیں تو اس شعر میں بھی نظر آنا چاہئے تھیں۔

تا دیدہ جمال او مہرش زدلم سرزد
ناکاشتہ می روید ایں دانہ چنین باید

۲۔ شیر خان لودی نے ظہوری کو ابراہیم عادل شاہ کا عاشق قرار دیا ہے جیسا کہ مراۃ الخیال (مطبوعہ مطبع مظفری، بمبئی) کے صفحہ ۸۷ کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

"۔۔۔۔۔ از راہ دریا بدکن افتاد و ابراہیم عادل شاہ تخت نشین بیجا پور عاشق شد۔۔۔ "

مولانا کا دوسرا بیان کہ عرفی نے خان خانان یا اکبر کے سوا اگر اور کسی آستانہ کی ناصیہ سائی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا ، حقیقت سے دور ہے - مولانا خود واقف تھے (اور انھوں نے لکھا بھی ہے) کہ اکبر کی شمالی مغربی صوبوں کی مہم کے وقت تک عرفی فیضی کے ساتھ رہا اور فیضی سے قطع تعلق کرنے کے بعد وہ پورے طور سے حکیم ابوالفتح کے دربار سے وابستہ ہوگیا تھا - شہزادہ سلیم کی مدح میں عرفی کے صرف تین قصیدے ملتے ہیں جن میں سے ایک سے ، جو پہلے کہا گیا ، یہ ثابت ہے کہ جس وقت عرفی نے وہ قصیدہ کہا اس وقت تک اس کی شہرت بام عروج پر پہنچ چکی تھی اور یہ کہ یہ قصیدہ اس نے خود شہزادہ سلیم کی فرمائش پر کہا تھا - اس فرمائشی قصیدے کے بعد اس نے صرف دو اور قصیدے جہانگیر کی شان میں کہے - یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ عرفی جہانگیر کے آستانے کی ناصیہ سائی نہیں کرتا تھا البتہ اس نے شاہزادے کی فرمائش کو ٹالنا بھی مناسب نہ سمجھا اور اس کی شان میں بھی چند قصیدے کہہ دیئے بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کا شہزادہ سلیم کے دربار سے کوئی خاص تعلق نہ تھا -

مولانا کا یہ بیان کہ تمام تذکرے متفق ہیں کہ عرفی شہزادہ سلیم کا جان دادہ تھا بہت دلچسپ لیکن نہایت مضحکہ خیز ہے - پتہ نہیں کہ مولانا کی تمام تذکروں سے کیا مراد تھی اس لئے کہ راقم الحروف کو ایک بھی تذکرہ ایسا نہیں ملا جس سے مولانا کے بیان کی تائید ہوتی ہو - عرفی کے ہم عصر اور قریب ترین عہد کے درج ذیل اہم تذکرے اور کتب تاریخ موجود ہیں : منتخب التواریخ ، اکبر نامہ ، طبقات اکبری ، بزم آرا ، ہفت اقلیم ، نفائس المآثر ، خلاصتہ الاشعار ، مجمع الخواص ، عرفات العاشقین ، ماثر رحیمی ، میخانہ ، نظم گزیدہ ، لیکن ان میں سے کسی میں بھی عرفی کے شہزادہ سلیم کے جان دادہ ہونے کا ادنی سا اشارہ بھی نہیں ملتا - عہد ما بعد کے جن دوسرے تذکروں میں عرفی کا ذکر ہے ان میں چند اہم درج ذیل ہیں : طبقات شاہجہانی، منتخب اللباب ، صبح صادق ، مراۃ العالم ، ہمیشہ بہار ، کلمات الشعرا ، مراۃ الخیال، آتش کدہ، ید بیضا ، خزانہ عامرہ ، مخزن الغرائب ، تذکرہ حسینی ، نتائج الافکار ، تکملتہ الشعرا، نشتر عشق، بستان بے خزاں، تذکرہ کاتب، مجمع النفائس، گنج سخن ، شمع انجمن ، ہفت آسمان ، خلاصۃ الکلام، صحف ابراھیم ، تذکرہ شعرائے ماضیہ ، ریاض الافکار ، ریحانتہ الادب اور مجمع الفصحا،

ان میں سے بھی کسی ایک میں بھی اس عشق کی داستان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مراۃ آفتاب نما ، ریاض الشعراء اور خلاصتہ الافکار اور نشتر عشق میں البتہ عرفی کے شاہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کے اتہام کا ذکر ہے لیکن ان چاروں تذکروں کی عبارت خود یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ عرفی کے بعض دشمنوں نے محض اسے زک دینے کے لئے اس قسم کا پروپگنڈہ کیا تھا جس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ شہنواز خاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس عشق کے قصے کا ذکر کیا ہے۔ وہ مراۃ آفتاب نما میں عرفی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"درہند بہ مداحی اکبر بادشاہ رسید و مداحئی شاہزادہ سلیم و خان خانان می پرداخت حسادش بہ عشق شاہزادہ متہمش کردہ در سن سی وپنج سالگی مسموم نمودند " (۱)

علی قلی خاں والہ داغستانی جنھوں نے ریاض الشعراء ۱۱۶۱ھ میں یعنی عرفی کے انتقال کے ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ کے بعد ، مرتب کیا ، شاہنواز خاں کی ہمنوائی ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"مولانا مرحوم در زمان اکبر بادشاہ بہ ہندوستان آمدہ در خدمت آن بادشاہ ترقی عظیم نمود و با شاہزادۂ سلیم کہ آخرش مسمی بہ جہانگیر بادشاہ گردید خصوصیت و محبت مفرط داشتہ چنانچہ بعضے بہ عشق شاہزادہ متہمش کردہ اند ۔ عاقبت حسادش درعین جوانی مسموم کردند ۔ " (۲)

ابو طالب تبریزی کا بیان بھی شاہنواز خاں اور والہ داغستانی کے بیانات پر مبنی ہے جیسا کہ خلاصہ الافکار (جو ۱۲۰۷ھ میں مکمل ہوا) کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہے ۔

" ...... و با جہانگیر و خان خانان اظہار خصوصیت و محبت مفرط می فرمودو چنانچہ بعضے بہ عشق شاہزادہ متہمش کردند ۔ عاقبت بہ قصد حساد فی ۹۹۹ھ مسموم شد ..." (۳)

۱- مراۃ آفتاب نما (مخطوطہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ص ۳۳۰

۲- ریاض الشعرا (مخطوطہ ٹیگور لائبریری، لکھنو یونیورسٹی)

۳- خلاصتہ الافکار (مخطوطہ خدا بخش لائبریری ، پٹنہ) ورق ۱۰۹ (الف و ب)

نشتر عشق (جسے حسین قلی خان عاشقی نے ۱۲۳۳ھ میں مکمل کیا) کی اس سلسلے میں عبارت بھی اپنے انہیں تینوں پیش رووں کی عبارتوں پر مبنی ہے - عاشقی لکھتے ہیں کہ :

"آخر ناتوان بینان حسد بردند و به عشق شاهزاده سلیم متهم ساخته ... مسموم ساختند"

شاھنواز ، والہ اور ابو طالب اور عاشقی چاروں کی تصانیف عرفی کے انتقال کے سو برس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد کی ہیں اور جہاں تک عرفی کے حالات کا تعلق ہے ان کے بیانوں کو عرفی کے معاصرین اور عہد قریب کے تذکرہ نگاروں کے بیانوں پر کسی طرح ترجیح نہیں دی جاسکتی اور کیونکہ نسبتاً قدیم تر تذکروں میں سے کسی ایک میں بھی اس عشق کی تہمت کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان چاروں تذکرہ نگاروں کے بیانات کو بے حقیقت سمجھنا چاہئے لیکن اگر ان کے بیانوں کو کچھ اہمیت دی بھی جائے تب بھی عشق کی یہ داستان بے بنیاد ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ یہ مصنفین خود اسے اتہام سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتے اور خود ان کے قول کے مطابق یہ اتہام عرفی کے دشمنوں نے اسے تباہ کرنے کے لئے لگائے تھے - ان تمام تذکرہ نگاروں کے برخلاف مولانا کا یہ فرمانا کہ "تمام تذکرے متفق ہیں کہ عرفی شاہزادہ مذکور کا جان دادہ تھا" نہ صرف غلط بیانی کی انتہا ہے بلکہ ایک ایسے شخص پر جس کے متعلق وہ خود معترف ہیں کہ وہ رند و اوباش نہ تھا ایک ایسا اتہام ہے جس کے متعلق خود عرفی کہہ گیا ہے کہ :

ستم تہمت جہاں نہ برما و تو رفت
یوسف این را متحمل شد و مریم برداشت

اور جس کے سلسلے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ :

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جہاں تک کلام عرفی میں شہزادہ سلیم کے عشق کی جھلک نظر آنے کا تعلق ہے ، مولانا نے اگر چہ دعویٰ کیا ہے کہ عرفی کے قصائد میں یہ

جھلک نظر آتی ہے لیکن وہ اس کے ثبوت میں اس کے صرف ایک ہی قصیدے کے اشعار پیش کر سکے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں: (۱)

که ناگہاں ز درم در رسید مژده دهے
چنانکه از چمن طالعم بمغز شمیم
چه گفت، گفت که اے مخزن جواهر قدس
چه گفت، گفت که اے مطلب بهشت نعیم
بیاکه از کہرت یاد می کند دریا
بیا که تشنه لبت را طلب کند تسنیم
بره فتادم و گشتم چناں شتاب زده
که دست اهل کرم در نثار گوهر وسیم
مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد
بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم
رموز کورنش و تسلیم را ادا کردم
به ادب مردم دانا و بذله سنج قدیم (۲)
نگفت و من بشنودم هر انچه گفتن داشت
که در بیاں نگہش کرد بر زباں تقدیم
لبش چو نوبت خویش از نگاه باز گرفت
فتاد سامعه در موج کوثر و تسنیم

معلوم نہیں کہ ان انتہائی نازک و لطیف اشعار میں مولانا کو عشق کی جھلک کہاں سے نظر آگئی۔ اگر ان اشعار سے عشق کی کہانی مرتب کی جاسکتی ہے تو تعجب ہے کہ مولانا کو چند دوسرے قصیدوں کے اشعار کی روشنی میں عرفی شہنشاہ اکبر کا دلدادہ و جاں دادہ کیوں نظر نہ آیا اس لئے کہ اس نے شہنشاہ اکبر کو بھی ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے کہ اگر مولانا چاہتے تو بہ آسانی اسے اکبر کا عاشق قرار دے سکتے تھے۔ مثلاً اکبر کی شان میں اپنے ایک قصیدے میں وہ اکبر کو یوسف سے تشبیہہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

۱- شعرالعجم، جلد سوم، صفحہ ۸۰

۲- شعرالعجم میں یہ مصرع اسی طرح لکھا ہے جبکہ صحیح مصرع جو مستند نسخوں میں ملتا ہے یہ ہے " بداب مردم دانا نہ بذلہ سنج ندیم "

یوسف کہ بود گوہر یکتائے گنج حسن
شبہ تو بود جلوہ گر از لوح روزگار

اور ایک دوسرے قصیدے میں اکبر کے فراق میں کشمیر میں اپنی کیفیت ان اشعار میں بیان کرتا ہے :

ترسد کہ درین خاک چو از شوق تو گرید
خون جگرش گل شود آنکہ بدر آید
از بس کہ ملائم صفت افتادہ ہوایش
بیم است کہ آہ سحرش بے اثر آید

اشعار زیر بحث سمجھنے میں راقم الحروف کے خیال میں مولانا نے ویسی ہی غلطی کی ہے جیسی کہ مولانا نشانی نے فیضی کے ایک قصیدے سے جس کا مطلع درج ذیل ہے ، یہ نتیجہ نکالنے میں کی تھی کہ فیضی کافر و ملحد تھا اور خود انہوں نے اس قصیدے کے جواب میں قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا جس کا مطلع بھی نیچے پیش کیا گیا ہے اور علامہ شبلی نے خود جس کا ذکر شعرالعجم، جلد سوم کے صفحہ ۳۰ پر کیا ہے ۔

مطلع فیضی—

شکر خدا کہ عشق بتان است رہبرم
بر ملت برہمن و بر دین آذرم

مطلع نشانی—

شکر خدا کہ پیرو دین پیمبرم
حب رسول و آل رسول است رہبرم

عرفی کے متذکرہ اشعار سے داستان عشق مرتب کرنے کے بعد وہ یہ تو فرماتے ہیں کہ : " عرفی کو اس خوش قسمتی پر ناز ہو سکتا ہے کہ شہزادے نے خود اس کو یاد کیا اور دربار میں بلا کر قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی اور چونکہ عرفی جہانگیر کا عاشق تھا ، ہمہ تن شوق اور بیتابی کے عالم میں گیا " لیکن وہ یہ بھولتے ہیں کہ اسی قصیدے سے جس کے اشعار میں انہیں عشق کی کیفیتں نظر آتی ہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ عرفی نے جہانگیر کے دربار میں جانے کی کبھی خود کوشش نہ کی اور وہاں وہ اس وقت تک نہ گیا جبتک خود سلیم نے اسے طلب نہ کیا

اور اس وقت تک اس نے سلیم کی شان میں قصیدہ نہ کہا جب تک کہ سلیم نے خود قصیدے کی فرمائش نہ کی ۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ کیسا عشق تھا جو کہ عرفی کو ایران سے ہندوستان تو لے آیا لیکن جس کے جذب نے اسے در محبوب تک پہونچانے کی کوئی تدبیر نہ کی اور یہ کہ یہ کیسا عاشق تھا جو حکیم ابوالفتح ، خان خاناں اور شہنشاہ اکبر کی مدح کرتا رھتا تھا لیکن اسے اپنے ' معشوق ' کی مدح میں اس وقت تک قصیدہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی جب تک کہ خود معشوق نے بے غیرت بن کر قصیدہ کہنے کی فرمائش نہ کی ۔ مولانا کی نظر متذکرہ اشعار پر تو پڑی لیکن اسی قصیدہ کے ان اشعار کے بعد کے اشعار کو وہ نظر انداز کر گئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ عرفی کی شہرت دنیا بھر میں پھیل چکی تھی اس لئے خود شہزادے کی تمنا تھی کہ وہ اس کی مدح میں بھی قصیدہ کہے اور اپنے کلام کے ذریعے اسے زندہ جاوید بنا دے ۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں :

بخندہ گفت کہ در عذر این گناہ بزرگ
کہ رفتہ نام تو بے حکم ما بہ ھفت اقلیم
همیں کہ رفتی ازین آستان نوشتہ بیار
گزیدہ نسخہ' از زاد ھائے طبع سلیم

اشعار متذکرہ بالا کی عاشقانہ تشریح کر کے مولانا نے نہ صرف عرفی کے کردار کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ شہزادہ سلیم کے متعلق یہ خوبصورت جملہ لکھ کر کہ " جہانگیر نے نگاہ لطف سے دیکھا اور اشاروں میں باتیں کیں، پھر مسکرا کر قصیدے کی فرمائش کی "۔ شہزادے کے کردار کو اتنا پست کر کے دکھایا ہے کہ گویا وہ شاہی خاندان کا ایک معزز فرد نہ تھا بلکہ ایک بازاری لڑکا تھا جو اپنے عاشق سے اشارہ بازی اور لگاوٹ کی باتیں کیا کرتا تھا ۔ بہر حال مولانا کی اس تشریح کو دیکھ کر حسرت موہانی کا ہمنوا ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ :

رعنائی خیال کو ٹھیرا دیا گناہ
زاہد بھی کس قدر ہے مذاق سخن سے دور

قصیدہ کے زیر بحث اشعار کے علاوہ مولانا شبلی کو عرفی کے درج ذیل قطعے (۱) کے آخری مصرعے میں بھی شہزادہ سلیم کی '' معشوقی '' کی طرف '' لطیف اشارہ '' نظر آتا ہے۔

دی کسے گفت کہ سعدی گہر افروز سخن
قطعۂ گفت کہ اندیشہ برو می نازد
گفتم این گوش بہ آن نغمہ سزد گفت آرے
اینک از پردہ عنان سوئے تو می اندازد
سخن عشق حرامست بران بیہدہ گوئے
کہ چو دہ بیت غزل گفت ، مدیح آغازد
حبذا ہمت سعدی و غزل گفتن او
کہ ز معشوق بہ ممدوح نمی پردازد
گفتم این خود ہمہ عیب است کہ در راہ ہنر
ہر کہ این لاف زند اسپ دوئی می تازد
لوحش اللہ زہے اندیشۂ عرفی کو را
آنکہ ممدوح بود عشق بدو می بازد (۲)

مولانا نے اس قطعے کے ایک شعر :

حبذا ہمت سعدی و غزل گفتن او — کہ ز معشوق بہ ممدوح نمی پردازد

کو محذوف کرنے کے بعد اس کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں اگرچہ حقیقتاً یہ معنی اسی شعر پر مبنی معلوم ہوتے ہیں جو انہوں حذف کردیا ہے۔

'' یعنی سعدی کو ممدوح کو معشوق پر ترجیح نہیں دیتے لیکن بہر حال معشوق کے علاوہ ان کا کوئی ممدوح بھی ہے لیکن میرا تو ممدوح بھی وہی ہے جو معشوق ہے ''

راقم الحروف کو مولانا کے اس بیان کردہ معنی سے اختلاف ہے اس لئے کہ قطعے کے کسی شعر سے بھی صراحتاً یا بالکنایہ وہ معنی نہیں نکلتے جو مولانا نے بیان کئے ہیں بلکہ اس قطعے میں عرفی ایک شاعرانہ انداز میں

۱۔ دیوان عرفی شیرازی (مطبوعہ نولکشور) صفحہ ۱۹۱۔ کلیات عرفی شیرازی، طہران ایڈیشن ، صفحہ ۲۵۹۔

۲۔ شعرالعجم میں '' آنکہ ممدوح بود عشق بہ اومی بازد '' کی بجائے '' آنکہ ممدوح بود عشق بہ او می نازد '' تحریر ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے قصائد میں ممدوحین کی مدح دل کی اتنی گہرائی سے کرتا ہے کہ اسے حقیقتاً ممدوح محبوب کی حد تک عزیز نظر آنے لگتا ہے۔ عرفی کے اس قطعے کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سعدی بنیادی طور پر غزل گو تھے اور عرفی قصیدہ نگار۔ بحیثیت ایک غزل گو کے سعدی کے یہاں سخن بہ معشوق زیادہ ہے لیکن عرفی کیونکہ قصیدہ گو تھا اس لئے اس کے یہاں مدح ممدوح زیادہ ہے۔ محض غزل سرائی کی وجہ سے جو لوگ غزل گو سعدی کو قصیدہ نگار عرفی پر ترجیح دیتے تھے ان کو اس قطعے میں جواب دیتے ہوئے عرفی کہتا ہے کہ اگر سعدی معشوق کی تعریف میں اتنے مستغرق تھے کہ انہیں ممدوح کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ تھی (یعنی غزل گوئی سے قصیدہ گوئی کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ ملتا تھا) تو میں اس معاملے میں بھی سعدی سے افضل ہوں اس لئے کہ ان کی مدح صرف معشوق تک محدود تھی لیکن میری مدح میں ممدوح اور معشوق دونوں کی مدح کی جھلک ہے اور میں ممدوح کی مدح میں بھی معشوق کی مدح کی شان پیدا کردیتا ہوں اور معشوق و ممدوح دو الگ الگ ہستیوں کی شکل میں نہیں بلکہ ایک ہی ہستی کی شکل میں پیش کرتا ہوں۔ قطعے کے آخری مصرعے کے معنی قطعے کے دوسرے اشعار کے ساتھ سمجھنے چاہئیں اور محض لفظی معنی کے بجائے جس خیال کو شاعر ادا کرنا چاہتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ اگر قطعے کے لفظی معنی ہی مراد لئے گئے تو اس کا مطلب صرف یہی نہیں نکلے گا کہ عرفی کا جو ممدوح ہے وہی اس کا معشوق ہے بلکہ اس سے یہ معنی بھی نکلیں گے کہ سعدی کا بھی کوئی ایسا گوشت پوست کا معشوق تھا جس کی تعریف میں وہ ایسے مستغرق رہتے تھے کہ انہیں کسی دوسرے کی مدح کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی سعدی کے کسی ایسے معشوق کا پتہ نہیں چلتا جس کی طرف حقیقتاً عرفی نے اس قطعے میں اشارہ کیا ہو۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، اس قطعے کا مفہوم صرف اتنا ہی ہے کہ سعدی کو محض غزل گو ہونے کی وجہ سے ان کے عاشقانہ اشعار کی بنیاد پر عرفی پر ترجیح نہ ملنی چاہئے اس لئے کہ وہ ہی کیفیتیں جو سعدی نے اپنی غزل میں پیش کی ہیں، عرفی نے اپنے قصیدے میں ممدوحین کی مدح کے سلسلے میں پیش کردی ہیں۔ لیکن اگر یہ معنی نہ لے کر قطعے کے آخری مصرع ہی کے معنی پر زور دیا جائے اور اس سے یہی سمجھا جائے کہ

عرفی کا جو ممدوح ہے وہ اسی سے عشق بھی کرتا ہے تب بھی اس قطعے میں سلیم کی طرف قطعاً اشارہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صرف سلیم ہی عرفی کا ممدوح نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ کچھ دوسرے ممدوح ایسے بھی تھے جن کی مدح اس نے سلیم کی مدح سے کہیں زیادہ کی ہے اور جن کا واقعی اس کے دل میں بے حد احترام تھا اور جن سے اس کو حقیقتاً قلبی لگاؤ تھا۔ حمد، نعت، منقبت اور اخلاقی مضامین پر کہے ہوئے قصائد کو چھوڑ کر اگر عرفی کے صرف مدحیہ قصائد کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عرفی کے ممدوحین میں سر فہرست حکیم ابوالفتح کا نام ہے جس کی تعریف میں اس نے سب سے زیادہ قصیدے کہے ہیں اور اس کے بعد خان خانان اور اکبر کا نمبر ہے جن میں سے ہر ایک کی مدح میں اس کے آدھے آدھے درجن قصیدے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے کئی اور ممدوحین بھی ہیں مثلاً شاہ اسمعیل ثانی جن کی تعریف میں اس کے ایک سے زیادہ قصیدے ملتے ہیں۔ شہزادہ سلیم کی تعریف میں اس نے کل تین قصیدے کہے اور ان میں سے بھی ایک کے متعلق یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اسے خود شہزادے کی فرمائش پر کہنا پڑا۔ قصیدوں کی تعداد کی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ سلیم کو عرفی کے ممدوحین میں کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا اور اس کے اصل ممدوح حکیم ابوالفتح خان خانان اور اکبر تھے۔ ان تینوں ممدوحین میں سے کم از کم دو یعنی حکیم ابولفتح اور عبدالرحیم خان خانان ایسے تھے جن کے ساتھ اسے صرف 'تعلق نانی' ہی نہ تھا بلکہ 'تعلق جانی' بھی تھا۔ حکیم ابوالفتح اس کا بزرگ، دوست، مربی، استاد، هموطن، شفیق سب ہی کچھ تھا اور عرفی کو اس حد تک عزیز تھا کہ اس کے مرنے کے بعد خان خانان کی شان میں قصیدہ کہتے وقت بھی وہ اسے فراموش نہ کر پاتا تھا اور بے اختیار اسے یاد کر کے بے چین ہو جاتا تھا۔ یہی تعلق قلبی اس کا خان خانان سے بھی تھا جو ممدوح سے زیادہ اس کا عزیز دوست تھا اور جس کے دربار میں اسے کسی قسم کے درباری لوازمات کا پابند نہ ہونا پڑتا تھا اور جس پر اسے اس حد تک بھروسا تھا کہ مرتے وقت اپنی زندگی کی کل کائنات، یعنی اپنا دیوان، اس کے سپرد کر تا گیا۔ یہی دونوں حضرات وہ ممدوح ہیں جن سے عرفی کی محبت اور خلوص عشق کے درجہ تک پہنچ گئے تھے اور جنہیں وہ علانیہ اپنا محبوب قرار دیتا تھا جیسا کہ حکیم ابوالفتح کے انتقال کے بعد خان خانان کی

مدح میں کہے ہوئے ایک قصیدے میں اس نے ابوالفتح کے متعلق درج ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :

فرزانہ داورا نفسے گوش کن ز لطف
تا بشمرد رہے کہ چہا کرد روزگار
آورد روئے بندگی ما بہ دل برے
مارا درم خرید وفا کرد روزگار
شوخے کہ باوجود وے از بیم فرقتش
از بہر جان خویش دعا کرد روزگار
در مصر حسن او نہ ستانند رائگان
کنعان صدف درے کہ بہا کرد روزگار
عمرے کرشمہ اش بشکست دلم گماشت
اما بران کرشمہ جفا کرد روزگار
ہم روزگار داغ شود گر بیان کنم
آنہا کہ درمیانۂ ما کرد روزگار

یا جیسا کہ خان خانان کی مدح میں ایک دوسرے قصیدے میں ابوالفتح اور خان خانان دونوں کو اپنی زندگی کا خورشید یا گوہر شب چراغ اور اپنے باغ حیات کی بہار قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

خدائگانا ! ز حال دلم تو می دانی
چہ گوئمت کہ دلم چون زغم گران آمد
چہ احتیاج کہ گویم کہ مفت عرفی را
چہ بر سر از ہوس مرگ ناگہان آمد
درین مصیبت عرفی کہ دہر سنگین دل
ز گریہ ہر سر مو چشم خون فشان آمد
چنان فریفت مرا گریہائے روحانی
کہ چشم از ہوس قطرۂ بجان آمد
کہ رہبرش بہ عدم شد کہ مرگ از مرگش
سیاہ پوش تر از عمر جاودان آمد
برفت و لطف تو بر من گذاشت دین بہ دست
بہ نزد عقل کہ تاوان آن زیان آمد

تو آگہی کہ مرا از زوال آن خورشید
چہ گنجہائے سعادت زبان جان آمد
من آگہم کہ گر آن شب چراغ گم کردم
چہ گوہرم بتلافئی آن زبان آمد
بہار باغ مرا گر قضا بہ جنت برد
بہار باغ بہشتم بہ بوستان آمد

لیکن ہاں! یہ معشوق کچھ اس قسم کے نہیں ہیں جیسا کہ مولانا شبلی نے شہزادہ سلیم کو قرار دیا ہے جو کہ اپنے عاشق سے بازاری لڑکوں کی طرح اشارہ بازیاں اور لگاوٹ کی باتیں کرتا ہے۔ عرفی کا تصور عشق بہت بلند تھا اس کے نزدیک محبت ، خلوص ، شرافت ، حیا ، ادب ، ایثار وغیرہ تمام اعلیٰ جذبوں کی مجموعی کیفیت کا نام عشق تھا - جیسا کہ اس کے درج ذیل چند اشعار سے ظاہر ہوگا :

ہوائے باغ محبت بغایتے گرم است
کہ ہیچ سبزہ ندید است روئے شبنم را

ما را بطرب نسبت و پیوند حرام است
بر اہل محبت دل خورسند حرام است
از وصل مجو کام کہ در باغ محبت
چندیں ثمر نخل برومند حرام است
زندانی غم باش کہ در شرح محبت
صیدے کہ نشد کشتہ دریں بند حرام است

بردیم غمت بہ خلوت خاک
آرائش روزگار بر دیم

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزلست و منزل اول قیامتست

دو عالم سوختن نیرنگ عشق است
شہادت ابتدائے جنگ عشق است

ملال عالمیان دمبدم دگرگون است
منم که مدت عمرم بیک ملال گذشت

——

مرا نشاط تماشا بس از بہشت وصال
به قیمت کم و بیش ثمر چه کار مرا

———

گرفتم آن که درشب خواب کردم پاسبانش را
ادب کے می گزارد تا ببوسم آستانش را

———

هزار جان گرامی فدائے دل بادا
که باوجود فنا از غمش رهائی نیست

———

به شوق دوست چه سازم که در شریعت عشق
خیال بے ادبی و نگاه رسوائی ست

———

ز شکوه هائے جفایت دوکون پرشد لیک
هنوز رنگ ادب بر لب سخن باقیست

———

در ملک عشق هر که شهیدش نمی کنند
گفت و شنید ماتم و عیدش نمی کنند

———

آتش طور به هر مشت خسے نیست حلال
عشق اگر می طلبی ، رو ' دل صد پاره بیار

———

چو گشتم تنگ دل شرح غمت هم باغمت گویم
که در شرح محبت کفر باشد محرمے دیگر

———

نہان شو از نظر مدعی که بد بین را
نگاه حسرت و بوس و کنار هر دو یکسیت

غیرتم بین کہ برآرندہٗ حاجات ہنوز
از لبم نام تو ہنگام دعا نشنید است

در دیر و کعبہ سائل با کفر و دین مقابل
بانوش و نیش یکدل این امت مشرب عشق

طائر گلشن عشقیم کہ در فصل خزان
از لب بلبل این باغ ترنم ریزد

چنانکہ از چمن روضہ خس نمی گنجد
بباغ عشق گیاہ ہوس نمی گنجد

نازم بہ حسن و عشق کہ از جام اتحاد
مستند و درمیانہ حیا کم نمی شود

عاشق ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

یہ وہی عشق ہے جس کے متعلق میر تقی میر کہتے ہیں کہ

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

اور جسے علامہ اقبال نے " دل مصطفیٰ " اور " دم جبرئیل " سے تعبیر کیا ہے اور جسے وہ " نور حیات " اور " نار حیات " سے بھی بڑھ کر سارے عالم کا مسجود قرار دیتے ہیں جب کہ فرماتے ہیں :

عشق دل مصطفیٰ عشق دم جبرئیل
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مضراب سے نغمہٗ تارحیات
عشق ہے نور حیات عشق ہے نار حیات

عشق افلاطون علت ہائے عقل
بہ شود از نشترش سودائے عقل

جملہ عالم ساجد و مسجود عشق
سومنات عقل را محمود عشق

اور خود عرفی جس کے بغیر زندگی کو ویران سمجھتا ہے جیسا کہ درج ذیل شعر سے ظاہر ہے:

ویرانۂ جاوید بماند دل بے عشق
آن دل شود آباد کہ ویرانۂ عشق است

عرفی کو اگر عشق تھا تو وہ بھی پاکیزہ عشق تھا اور اگر اس کے کوئی محبوب تھے تو وہ اس کے مخلص دوست حکیم ابوالفتح اور خان خانان تھے نہ کہ شہزادہ سلیم یا حاتم بیگ ہمدانی - (۱)

علامہ شبلی نے عرفی کو صرف شہزادہ سلیم کے عاشق کی حثیت ہی سے مطعون نہیں کیا بلکہ خود اسے بھی دوسروں کا منظور نظر بتایا ہے اور عرفی کی عشقیہ شاعری کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ:

---

(۱) تکملۃ الشعرا، صفحہ ۱۹۹ (مخطوطہ رضا لائبریری رامپور جسے قدرت اللہ شوق نے ۱۲۲۴ھ میں مکمل کیا) قدرت اللہ شوق فرماتے ہیں: "حاتم بیگ ہمدانی معشوق ملا عرفی بود" شکر ہے کہ یہ عبارت مولانا شبلی کی نظر سے نہ گرری ورنہ نہ جانے اور کیا گل کھلتے- اٹھارویں اور انیسویں صدیوں کا زمانہ مسلمانوں کی ذہنی اور کرداری پستی کا عہد تھا - اس زمانے میں امرد پرستی ایک فیشن بن چکی تھی اور لوگ فخریہ لڑکوں سے اپنے "عشق" کا بیان کرتے تھے جس کے نمونے اس عہد کے سب سے بڑے شاعر میر تقی میر کے یہاں جا بجا نظر آتے ہیں اور حد یہ ہے کہ وہ صاف الفاظ میں اپنے لوطی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں:

جب نہ تب ملتا ہے بازاروں میں میر
ایک لوطی ہے وہ ظالم سرفروش

" عرفیؔ ایک طرف تو نکتہ سنج اور نکتہ شناس اور ذوق عرفان سے آشنا تھا دوسری طرف شباب میں نہایت خوشرو اور حسین اور لوگوں کا منظور نظر رہ چکا تھا......." (۱)

مولانا کی یہ عبارت غالباً عبدالنبی فخرالزمانی کے بیان پر مبنی ہے جو عرفی کے ہندوستان آنے کے سلسلے میں میخانہ میں رقمطراز ہے کہ :

" و سبب برآمدن او از شیراز ازیں رہگذر است کہ در سن چہار دہ و پانزدہ سالگی حسن او قبول تمام عیاری بہم رسانیدہ بود و آبلہ نکشیدہ چون سال عمرش بہ بست رسید آبلہ سرشاری بر آورد و بعد از اشتداد و استخلاص آن الم تغیرے در چہرہ او بہم رسید ، چنانکہ ہر کس کہ او را می دید ازو تنفر می کرد و مولوی ازیں مقدمہ بغایت آزردہ و درہم بود..." (۲)

مندرجہ عبارت سے اگرچہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالنبی کی اطلاع کے بموجب عرفی بچپن میں خوش رو تھا (اگرچہ عرفی کے حسن ظاہری کا ذکر کسی دوسرے معاصر نے نہیں کیا ہے) لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ لوگوں کا منظور نظر رہ چکا تھا ایک ایسی قیاس آرائی ہے جسے صرف رعنائی خیال کہا جا سکتا ہے۔

عرفی کی موت کے سلسلے میں بھی مولانا نے عرفی کے شاہزادۂ سلیم سے عشق کا ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ :

" بعضوں نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شاہزادۂ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا۔"

لیکن راقم الحروف کو کسی بھی تذکرے یا کسی دوسری تصنیف میں کوئی ایسا بیان نہیں مل سکا جس سے مولانا کے اس بیان کی تصدیق ہوتی۔ شاہنواز خان کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حاسدوں نے شاہزادۂ سلیم کے عشق کی تہمت لگا کر اسے زہر دیا اور حسین قلی خاں عاشقی بھی

---

(۱) شعرالعجم ، جلد سوم (طبع پنجم) صفحہ ۱۰۵

(۲) میخانہ (طہران ایڈیشن) صفحہ ۲۱۷

اگرچہ اس روایت کو دہراتے ہیں لیکن وہ مرض اسہال میں عرفی کی موت کی روایت کو بھی نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے، شاہزادہ سلیم سے عرفی کے عشق کے متعلق شہنواز خاں یا حسین قلی خان عاشقی کی بیان کردہ روایت درایت کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ دوسرے یہ کہ شاہزادہ سلیم کے ساتھ اظہار عشق زہر خورانی کا باعث ہوا، یہ بات خود شہنواز خاں کے بیان سے بھی ظاہر نہیں ہوتی اور عاشقی بھی یقین کے ساتھ اس کا اظہار نہیں کرتے۔ عرفی کے معاصر یا قریب ترین عہد کے مصنفین میں سے کچھ نے عرفی کی موت کا سبب بتایا ہے اور ان کے بیان کے مطابق اس کا انتقال مرض اسہال میں ہوا۔ عہد ما بعد کے کچھ تذکرہ نگاروں نے فیضی، ابوالفضل یا دوسرے حاسدوں کو اس کے زہر دیئے جانے کا ذمہ دار قرار دیا ہے لیکن یہ کسی بھی تذکرے میں نہیں ملتا کہ شہزادۂ سلیم کے عشق کا اظہار اس کے زہر دیئے جانے کا سبب تھا۔ میخانہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت عرفی کی حالت خراب تھی تو اکبر نے اپنے ایک امیر مرزا نظام قزوینی کو اس کی عیادت کے لئے بھیجا تھا (۱) اگر اکبر کے بیٹے کے ساتھ عشق کا اظہار عرفی کی زہر خورانی اور موت کا باعث ہوتا تو اس معتوب کی عیادت کے لئے ایک شاہی امیر نہ بھیجا جاتا۔ افسوس ہے کہ مولانا نے ان باتوں کی طرف غور نہ کیا اور بے جھجک بغیر کسی حوالے کے ایک غیر ذمہ دارانہ بات لکھ دی۔ عرفی کی موت کے متعلق مفصل بحث راقم الحروف کے ایک دوسرے مضمون میں کی جا چکی ہے (۲) اور یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔

جیسا کہ ابتدا ہی میں کہا جا چکا ہے، اس مضمون سے مولانا شبلی مرحوم کی منقصت علمی مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے بیانات کی روشنی میں عرفی شیرازی کے کردار کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں، ان کو دور کرنا ہے۔ شعرالعجم کے ایڈیشن برابر نکلتے رہتے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ جو غلطیاں اب تک ہوتی چلی آئی ہیں ان کا اعادہ آئندہ نہ ہوتا یا یہ کہ مولانا مرحوم کے بیان کے علاوہ جو حقائق ہیں وہ بھی کتاب کے حاشیہ میں درج کر دئیے جائیں تا کہ پڑھنے والے غلط نتائج اخذ نہ کریں۔

---

(۱) میخانہ (لاہور ایڈیشن) صفحات ۱۷۷ تا ۱۷۹

(۲) ملاحظہ فرمائیں راقم الحروف کا مضمون بعنوان "حیات عرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مطالعہ" مطبوعہ ماہنامہ 'برہان' دہلی، مارچ تا ستمبر ۶۷ء

ماهنامه

,, قومی زبان ،،

بابائے اردو نمبر ۱۹۶۷ع

هر سال ,,قومی زبان،، کا بابائے اردو نمبر شائع کیا جاتا هے - اس سال بهی یه نمبر شائع هوا هے جو سابقه روایات کے مطابق هے - اس میں بابائے اردو کے دوستوں کی یادداشتوں اور غیر مطبوعه مکاتیب کے علاوه نامور اهل قلم کے مضامین شامل هیں -

چند لکھنے والے :

* جناب اختر حسین (صدر انجمن ترقی اردو)

* ڈاکٹر یا حیدر شهریار
* پروفیسر هارون خاں شیروانی
* سید هاشم رضا
* حکیم محمد سعید
* سهیل عظیم آبادی
* محمد معین الدین دردائی
* سید قدرت نقوی
* کوثر چاند پوری
* فضل احمد صدیقی
* ڈاکٹر ابو سعید نور الدین
* پروفیسر شبیر علی کاظمی
* محمد حبیب الله رشدی
* پروفیسر عبدالقوی دیسنوی
* سلیم تمنائی

***

صفحات: ۲۲۴ قیمت : دو روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ - کراچی -

حافظ کی شاعری پر ماحول کے اثرات

کبیر احمد جائسی (علیگ) *

ایرانی قوم کی تاریخ میں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری اختلال سلطنت اور اس دور کے افراد کی پراگندگی و ناآسودگی سے عبارت ہے کیونکہ اس زمانے میں ایرانیوں پر مغلوں نے حملہ کیا تھا اور ان کی حکومت ، تہذیب ، تمدن ، ثقافت ، علم و ادب سب کو تاخت و تاراج کر دیا تھا ۔ اگرچہ ایرانیوں کو اپنی اس بربادی کا پورا پورا احساس تھا مگر ان کے اندر اتنی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اپنی ملت کے استحکام کے لئے کوئی موثر اقدام کرسکیں ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے افراد میں انفعال اور شکست خوردہ ذہنیت پوری طرح سرایت کرگئی تھی اور وہ وقف آہ و شیون ہوکر رہ گئے تھے ۔ انہوں نے عزم ، علو ہمت ، بلندئ خیال اور رجائی افکار سے صرف نظر کرلیا تھا اور اپنی معاشرتی و ثقافتی اقدار کی تاراجی پر ناچار صبر کرکے بیٹھ رہے تھے ۔ شاید یہی سبب ہے کہ اس دور کے تمام ایرانی شعراء (بجز سعدی و حافظ) خواہ کسی بھی صنف سخن کو اظہار جذبات کا ذریعہ بنائیں مرثیہ گو ہوکر رہ گئے ہیں ۔ اس دور کے تمام ایرانیوں کی زندگی لطف زندگی سے یکسر عاری تھی اور وہ لوگ صرف اس لئے زندہ تھے کہ موت ان کے قبضۂ اختیار میں نہ تھی ۔ سیف پور فاطمی نے اس دور کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> ” شعرای قرن هفتم و هشتم فاقد جزالت و ملاحت و سرور و خوشی شعرای قرون سالفه است ، سر تا سر دیوان آنها عجز و انکسار و بی قیدی نشان می دهد ، روح آنها از نا ملائمات مغول شکایت می کند ، استغاثه می‌نماید ، از داور حقیقی تقاضای داوری می نماید دنیا را قابل فنا و زوال دانسته آنرا بخانۂ دو دری تشبیه می نماید ، فنا را بر بقا ترجیح میدهد ، کمتر از عشق و شادی صحبت می کند“ ۔ (۱)

---

* ری سرچ اسکالر ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔

۱ ۔ فاطمی ، سیف پور : شرح حال لسان‌الغیب ، اردی بہشت ۱۳۱۲ ، ص ۲۸ ۔

یہ اس دور کا ایک اجمالی خاکہ ہے اور اسی اجمال سے تفصیل کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

حافظ کی پیدائش ابو سعید کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔ ابو سعید کی تاریخ وفات سنہ ۷۳۶ھ ہے۔ اگر قول معروف کے مطابق حافظ کی تاریخ ولادت سنہ ۷۲۶ھ مان لی جائے تو ابو سعید کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال ہوتی ہے۔ انسان کی شخصیت پر اس کے ماحول کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے، اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں (۱) کچھ اشارے کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی اشارہ کردیا گیا ہے کہ یہ اثر پذیری روز ولادت ہی سے شروع ہوجاتی ہے۔ حافظ کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے اس دور کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے تاکہ ہم کو اس بات کا اندازہ ہوسکے کہ ان کی آنکھیں کس ماحول میں کھلیں اور اس ماحول سے ان کی شخصیت نے کیا اثر قبول کیا ؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد معین کا قول قابل توجہ ہے۔

,, در آوان سلطنت این پادشاه (ابوسعید) انقلابات بسیار واقع شد دشمنان خارجی سلسلۂ ایلخان که بر اثر سیاست غازان و اولجایتو و قدرت سرداران سرجای خود نشانده شده بودند - جوانی و تازه کاری ابوسعید را غنیمت شمرده در صدد هجوم بممالک او و تلافی گذشته برآمدند و این تاخت و تاز ها در اول کار اگر رشادات ابوسعید و کفایت سرداران آزمودۂ او نبود بساط دولت او برمی چید۔ از آنجمله بود حملۂ شاهزادۂ یسور از اولوس جغتائی که بخراسان و سیستان و هرات و مازندران آن حمله کرد ،، (۲)

سلطان ابوسعید کے انتقال کے بعد حکومت کی بنیاد متزلزل ہوگئی اور شیخ حسن ، ساتی بیگ ، شاہ جہان ، تیمور خان ، سلیمان خان یکے بعد دیگرے تحت سلطنت پر آتے جاتے رہے (۳) اس زمانے میں حافظ کی عمر

۱۔ اس سلسلے میں راقم کا مقالہ '' حافظ بحیثیت فرد ،، مطبوعہ ادبی دنیا لاہور ، دسمبر ۶۶ ، ملاحظہ ہو۔

۲۔ معین ، محمد : حافظ شیرین سخن ، ۱۳۱۹ ھ ص ۳۱

۳۔ ایضاً ص ۴۱

بتیس سال ہو چکی تھی اور جس دن سے ان کی آنکھیں کھلی تھیں سوائے فتنہ و شر کے انھوں نے کچھ اور نہ دیکھا تھا ۔ سلیمان خان پر ایلخانیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور ان کے بجائے مختلف قبیلوں اور سرداروں نے ملک کے مختلف حصوں میں اپنی اپنی الگ حکومتیں قایم کیں ۔ ان امرا میں حسب ذیل خانوادے قابل ذکر ہیں ۔ جلا یریان امرائے چوبانی ، سر بداریان ، طغا تیموریان ، خان اینجو اور آل مظفر ، اتابکان فارس ، اتابکان لرستان ، ورا ختائیان کرمان ، آل کرت ۔

شیخ اسحاق پہلا بادشاہ ہے جس سے حافظ کے روابط تھے ۔ یہ بادشاہ ۷۴۲ ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا ، اس کا دور بھی اختلال سلطنت کا دور ہے اور اس عہد میں بھی کشت و خون کی گرم بازاری دیکھی جا سکتی ہے ۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے اپنی کتاب " بحث در افکار و احوال حافظ " میں حافظ کے اشعار سے یہ ثابت کیا ہے کہ حافظ اس بادشاہ کے مصاحب تھے ۔ انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو قصیدہ پیش کیا ہے اس کا مطلع یہ ہے :

سپیدہ دم کہ صبا بوی لطف جاں گیرد
چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جناں گیرد

اسی کے سلسلے میں ڈاکٹر قاسم غنی نے لکھا ہے :

" چیزیکہ دریں قصیدہ ہنر و زبردستی محسوس است این است کہ بر خلاف غالب قصائد کہ پس از فتح و کامیابی ممدوح سرودہ شدہ طبعاً زمینۂ سخن وری وسیع بودہ در موقع دقیق و اوضاع و احوال خاصی گفتہ شدہ است یعنی در موقع شکست و یاس و سرافگندگی بنا بر این شاعر نا گزیر بود معانیٔ تازہای برای تعلیل شکست و مبارزہ بافسردگیٔ روحی ممدوح ایجاد روح نشاط و امیدواری خلق کند " ۔ (۱)

ابو اسحاق عیش و عشرت کا متوالا تھا اسی وجہ سے مبارزالدین محمد نے اسے پیاپے شکستیں دیں ۔ ابواسحاق ان مسلسل شکستوں کی وجہ سے دل شکستہ ہو گیا تھا ۔ دولت شاہ سمرقندی نے ابو اسحاق کی عیش پرستی کے ضمن میں لکھا ہے کہ جب محمد کا لشکر اس کے سر پر آ پہنچا تو وہ عیش و عشرت میں مشغول تھا اس کے ندما نے اس سے کہا کہ دشمن سر پر آ گیا ہے ہم کو

۱- غنی ، قاسم ، ڈاکٹر : بحث در افکار و احوال حافظ ، ج ۱ ، ۱۳۲۱ھ ص ۹۶

مدافعت کے لئے کچھ کرنا چاہئے ، لیکن اس نے سنی ان سنی برابر کر دی۔ اس عیش پسندی کے نتیجے میں اس کی شخصیت یاس پسند ہو گئی تھی۔ جب بادشاہ ہی یاس پسند اور دل سرد ہو جائے تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس دور کے عام افراد کی یاس پسندی کا کیا عالم ہو گا۔

شیخ ابواسحاق، مبارزالدین محمد سے شکست کھا کر مولانا نظام الدین کے مکان میں روپوش ہو گیا تھا ، جاسوسوں کی مدد سے مبارزالدین محمد نے اسکو ڈھونڈ نکالا اور گرفتار کر لیا ۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے ابو اسحاق کے قتل کے سلسلے میں لکھا ہے ''امیر قطب الدین سر او را بدو ضرب شمشیر جدا کرد،، (۱)

بقول قاسم غنی یہ حادثہ ۷۵۸ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ حافظ نے اس واقعے پر حسب ذیل قطعہ لکھا تھا :

بلبل و سرو و سمن یاسمن ولالہ و گل   ہست تاریخ وفات شه مشکین کاکل (۲)
خسرو روی زمیں غوث زماں بواسحاق   کہ بمہ طلعت او نازد و خندد بر گل
جمعہ بست و دوم ماه جمادی الاول   در پسین بود کہ پیوستہ شد جزو بکل

ایک غزل میں بھی حافظ نے ابو اسحاق کے مرنے کا ذکر کیا ہے جو بہت موثر اور دردناک ہے ' اسی غزل کے ایک شعر میں انہوں نے صراحت کے ساتھ ابو اسحاق کا ذکر کیا ہے :

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی   خوش درخشید ولی شعلۂ مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد مبارزالدین محمد تخت سلطنت پر بیٹھا اس کا دور سلطنت بھی کشمکش اور بے نظمی سے عبارت ہے۔ مبارزالدین محمد بہت ہی خشک مزاج اور بد خو انسان تھا ۔ اسی وجہ سے اسکے اپنے لڑکے بھی اس سے خوش نہ رہتے تھے ۔ اسی اختلاف طبایع کی وجہ سے باپ اور بیٹوں کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہوا ۔ تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ نجومیوں نے مبارزالدین محمد سے کہا تھا کہ اس کو ایک نوجوان بلند بالا ترک سے گزند پہنچے گا۔ اتفاق سے یہ تمام صفات سلطان اویس جلایر میں جمع تھیں۔ اسی وجہ سے سلطان

۱- غنی، قاسم، دکتر : بحث در آثار و احوال حافظ، ج ۱، ۱۳۲۱ھ، ص ۱۱۹

۲- اس قطعے پر اگر غائر نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کسی بادشاہ کے مرنے کا ماتم کم اور ایک حسین کے مرنے کا ماتم زیادہ ہے۔

مبارزالدین محمد اس کی طرف سے اندیشہ مند رہتا تھا ۔یہ بھی ایک لطیفہ ہی ہے کہ وہ اپنی بدگمانی کی وجہ سے اپنے لڑکے شاہ شجاع کی طرف سے بھی صاف نہ تھا کیونکہ اسکے اندر بھی نجومیوں کی بتلائی ہوئی صفت موجود(۱) تھی۔ باپ اور بیٹوں کی بدگمانی اس حد تک پہنچی کہ بیٹے باپ کی قید کے در پے ہو گئے ۔ شاہ شجاع اور اسکے دیگر بھائیوں نے باہم مشورہ کیا کہ مبارزالدین محمد کو قید کر لیں ۔ مختصر یہ کہ شاہ شجاع اور شاہ محمود کی باہم کوششوں سے مبارزالدین محمد قید کر لیا گیا اور کچھ دنوں کے بعد اسے اندھا کر دیا گیا ۔ ڈاکٹر قاسم غنی کے خیال میں یہ قطعہ اسی واقعے سے متعلق ہے ۔

کس عسل بی لیش از دکاں نخورد		کس رطب بی خار از بستان نچید
...الخ

حافظ، ابو اسحاق کے قتل کی وجہ سے سلطان مبارزالدین محمد سے دل برداشتہ تھے۔ اس سلسلے میں قاسم غنی کا یہ بیان بہت ہی اہم اور قابل غور ہے :

"خواجہ حافظ از امیر مبارزالدین محمد بنابرانچہ از اشعار او بکنایہ و اشارہ برمی آید کراہت بسیار داشتہ و از زحمات روحی و اخلاق دیدہ است امیر مبارزالدین را قاتل دوست و ولی نعمت خود شاہ ابو اسحاق و مفسد اخلاق جامعہ و رواج دہندۂ بازار ریا و خرافات می شمردہ او را مزاحم ارباب ذوق و حال میدیدہ این است کہ ہر جا مناسبتی پیدا کردہ با عبارات لطیف اشارات زندہ ای کہ از خصائص قلمی اوست امیر مبارزالدین محمد را ببدی یاد کردہ و شاید اگر او پدر شاہ شجاع نمی بود خواجہ حافظ بیشتر و صریحتر نفرت خود را نسبت باو ابراز داشتہ بود "۔ (۲)

مبارزالدین محمد کے بعد جلال الدین ابوالفوارس شاہ شجاع تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ شاہ شجاع نے اپنے باپ کی سلطنت تین حصوں میں تقسیم کر دی ۔ عراق عجم کو اپنے پاس رکھا ، ابرقوہ شاہ محمود کو اور

۱- یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حافظ کا یہ ممدوح بھی حسین و جمیل تھا ، تمام تذکرہ نگار اس بادشاہ کے حسن و ملاحت پر متفق اللسان ہیں - چنانچہ صاحب مطلع السعدین نے لکھا ہے "شاہ شجاع کہ روی خوب و منظری محبوب و شمائل مرغوب داشت..."

۲- غنی ، قاسم ' دکتر : بحث در افکار و احوال حافظ ، ج ۱ ، ۱۳۲۱ ھ ، ص ۱۶۶ - ۱۶۷

کرمان شاہ احمد کو دے دیا ۔ تھوڑے ہی دنوں بعد شاہ شجاع اور شاہ محمود میں اختلاف ہو گیا ۔ یہ اختلاف اس حد تک بڑھا کہ شاہ محمود نے خطبۂ جمعہ سے شاہ شجاع کا نام خارج کر دیا اور اس نے اصفہان پر قبضہ بھی کر لیا ۔ سنہ ۷۷۶ھ میں محمود فوت ہو گیا اور شاہ شجاع کو اس قضیۂ نامرضیہ سے نجات ملی ۔ شاہ شجاع کا عہد حکومت بھی جنگ و جدل کے واقعات سے پر ہے اس کی موت سنہ ۷۸۶ھ میں ہوئی اور اس نے چھبیس سال تک حکومت کی ۔ اگرچہ شاہ شجاع کی پوری زندگی جنگ اور مدافعت جنگ کی نذر ہو گئی لیکن اس کا دور کامیاب دور رہا ہے ۔ بقول ڈاکٹر قاسم غنی "باید او را بہترین فرد خانوادۂ آل مظفر شمرد" ۔(۱)

شاہ شجاع علم دوست صاحب نظر اور ان خامیوں اور خرابیوں سے پاک تھا جو مبارزالدین محمد کا خاصہ تھیں ۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت خوش مشرب اور آزاد منش انسان تھا اسی وجہ سے حافظ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ چنانچہ اس کا اظہار انھوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے ۔ قاسم غنی کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل شعر بھی شاہ شجاع کے لئے کہا گیا ہے (۲) :

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز و صد مدرس شد

قاسم غنی نے صرف یہی شعر نہیں بلکہ حافظ کی متعدد غزلیں اس عنوان کے تحت جمع کردی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا گیا ہے ۔ اگرچہ اس بادشاہ اور اس کے انتظام سلطنت سے حافظ مطمئن تھے لیکن اس عہد کی اندرونی اور بیرونی کشمکش سے وہ متاثر ہوتے رہے ۔ دیوان حافظ کے مطالعے کے وقت ہم کو محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے دنیا کی بے ثباتی و بے قیمتی کے مضامین بکثرت باندھے ہیں ، ان مضامین کے انتخاب کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اپنی تمام عمر احوال زمانہ کو متغیر دیکھا ۔ اس قبیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

جمشید جز حکایت جام از جہاں نبرد
زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی

۱- غنی ، قاسم، دکتر: بحث درافکار و احوال حافظ، ص ۳۲۷
۲- ایضا ص ۳۰۴

بر مہر چرخ و عشوهٔ او اعتماد نیست
ای وای برکسی که شد ایمن ز مکر او
زتند باد حوادث نمی توان دیدن
دریں چمن که گلی بود یا که یا سمنی
کمند صید بہرامی بیفگن جام جم بردار
که من پیمودم این صحرانه بہرامست نه گورش
وضع دوران بنگر ساغر عشرت برگیر
که بہر حال همین ست و بہین اوضاع
مخور دریغ و بخور می بشاهد و دف وچنگ
که بی دریغ زند روزگار تیغ هلاک

شاہ شجاع کے بعد اس کا بیٹا سلطان مجاهد لدین زین العابدین تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ اس کا بھی دور پر سکون نہ تھا ۔ زین العابدین کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ تھی کہ وہ جس وقت تخت نشین ہوا تو کم عمر اور نا تجربہ کار تھا ، اسی وجہ سے اس سے بہت سی بے عقلیاں سر زد ہوئیں جن کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا ۔ حافظ کی زندگی کے اس عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر قاسم غنی نے لکھا ہے :

"خواجہ حافظ عمری شاهد و ناظر تبدلات و تحولات سیاسی و اجتماعی گوناگون بوده و ملاحظه کرده که هر روز یکدسته مردم ستمگر و بی قابلیت جانشین یکدسته مردم دیگر شبیه بخود شده رنگ بد بختی تازه ای پیش آورده هم شهرین او را دو چار فقر و بی نوائی و بدبختی ساخته اند ۔ دریں سالہا که بمرحلهٔ پیری و فرسودگی رسیده دیگر از اوضاع و احوال ناگوار بستوه آمد و از تحمل آن همه مصائب و مناظر دل خراش بی طاقت شده تمنای حکومت قادر و قاهر میکرده است باین مقدمات میتوان حدس زدکه غزل ذیل در فاصله بین مرگ شاه شجاع در هفت صد و هشتاد و شش و آمدن امیر تیمور بآذربائیجان یعنی سال هفت صد و هشتاد و هشت سروده با شد :

سینه مالا مال درد ست ای دریغا مرهمی
دل زتنهائی بجان آمد خدارا همدمی

روزی که چرخ از گل ما کوزه ها کند
زنهار کاسهٔ سر ما پر شراب کن
بیا که قصر امل سخت سست بنیاد است
بیار باده که بنیاد عمر برباد است
بمی عمارت دل کن که این جهان خراب
بر آن سر است کہا ز خاک ما بسازد خشت
آخر الامر گل کوزه گران خواهی شد
حالیا فکر سبو کن که پر از باده کنی
حاصل کارگه کون و مکان این همه نیست
باده پیش آر که اسباب جهان این همه نیست
می بیاور که ننازد بگل باغ جهان
هر که غارتگریٔ باد خزانی دانست
جریده رو که گذرگاه عافیت تنگ است
پیاله گیر که عمر عزیز بی بدل است
غنیمت دان و میخور در گلستان
که گل تا هفتهٔ دیگر نبا شد
زمانی خوش دلی دریاب دریاب
که دایم در صدف گوهر نبا شد
خیز و در کاسهٔ زر آب طربناک انداز
پیشتر زانکه شود کاسهٔ سر خاک انداز
عشرت کنیم ورنه بحسرت کشندمان
روزی که رخت ما بسرائی دگر کشیم

اس دور کا ادب اسی طرح کے احساسات کا حامل ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ فن شعر کے لحاظ سے اس دور کی شاعری میں کوئی خامی نہیں ہے لیکن فکری حیثیت سے اس کو ہم کوئی بہت بلند درجہ نہیں دے سکتے۔ ایک طرف تو انسانی محسوسات کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف زمانے کی رفتار عطا ملک جوئینی کے الفاظ میں یہ تھی:

''کذب و تزویر را وعظ و تذکیر دانند و تحرمز و نمیمت را صرامت و شہامت نام کنند ... در چنین زمانی قحط سالی مروت و فتوت باشد و روز بازار ضلالت و جہالت ، اختیار ممتحن و اشرار ممکن و در کار ،

کریم فاضل تاختہ دام محنت ، لئیم جاهل یافتہ کام نعمت ، هر آزادی بیزادی و هر راوی مردودی و هر نسیبی بی نصیبی و هر حسبی نه در حسابی و هر داهی قرین داهیه و هر محدثی رهین حادثه و هر عاقلی اسیر عاقله و هرکاملی مبتلا بنازله و هر عزیزی تابع هر ذلیلی با اضطرار و هر با تمیزی در دست هر فر و مایه گرفتار (۱) ..

اسی ایک بیان سے پوری طرح واضح هو جاتا هے که حافظ کے عہد کے تمام بادشاہ کس طرح مکر و فر بیب میں مبتلا اور عدالت ، حکمت ، جود و سخا ، وفا و حیا ، صدق و رحمت و شفقت سے یکسر محروم تھے - جب بادشاهوں کا یه حال هو تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا هے که اس دور کا معاشرہ کن کن خرابیوں کا حامل هو گا - اس پر مستزاد یه که حلقہ زهاد بھی گمراہ اور اخلاق پستی اور زبوں حالی کا شکار هو چکا تھا - حافظ کی نگاهیں اپنے معاسرے کے اس اخلاقی انحطاط پر پڑتیں اور اس مشاهدے سے ان کا دل خون هو جاتا - ان کی شخصیت کا بھر پور جائزہ لینے کے بعد بھی یه کہنا دشوار هے کہ وہ ایک بلند پایه صوفی یا مذهبی اقدار کے حامل انسان تھے کیونکه ان کی شخصیت پر وقت اور زمانے کی اتنی گہری گرد جم چکی هے که اس کے اصل خط و خال مسخ هو کر رہ گئے هیں - بہر حال ان کے اشعار کے مطالعے سے یه بات روشن هو جاتی هے که وہ انسانیت کے بڑے علمبردار ضرور تھے ، ان کا دل معروف اخلاقی اقدار کی طرف کھنچتا اور ان اقدار کے زوال و انحطاط سے خون هوتا ' وہ انسان کو سب سے پہلے ایک انسان ، تمام اخلاقی اقدار کا حامل انسان دیکھنا چاهتے تھے مگر اس دور کے هر چھوٹے بڑے اخلاقی اقدار سے یکسر بیگانه هوتے چلے جارهے تھے - ایسے عالم میں انسان کو صرف انهیں افراد سے توقع هوتی هے جو اخلاقی اقدار کے حامل هونے کے مدعی هوتے هیں اور انهیں افراد کی مدد سے اخلاقی اقدار کو زوال سے بچایا جا سکتا هے مگر اس دور کی بد قسمتی یه هے که اس میں مدعیان دین و ایمان کا بھی رنگ بگڑ چکا تھا ، وہ بھی دنیا سازی اور دنیا بازی کے رنگ میں پوری طرح رنگے جا چکے تھے حافظ پر اس حقیقت کا انکشاف جو ستم ڈھا گیا اس کا تھوڑا سا اندازہ ان اشعار کے مطالعے سے هو جاتا هے جن پر هم آگے چل کر بحث کریں گے - حافظ کے اوراق حیات میں ایک واقعه ایسا بھی ملتا هے جس سے معلوم هوتا هے که انهوں

۱- جوئینی ، عطا ملک : تاریخ جہان گشای ، ج ۱ ، ص ۴-۵

نے صوفی و زاہد کے اعمال کی پردہ دری کیوں کی ؟ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ کے معاصرین میں عماد فقیہہ کرمانی ایک بڑے درجے کے صوفی اور شاعر تھے ان کے پاس ایک بلی تھی جو نماز میں ان کی اقتدا کرتی تھی۔ کہتے ہیں انہوں نے اپنی بلی کی تربیت اس طرح محض اس لئے کی تھی کہ ان کے زہد و اتقا کا چرچا ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جائے۔ ایک بار شاہ شجاع عماد سے ملنے گیا بلی کو عماد کی اقتدا کرتے ہوئے دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی اس کے نزدیک بلی کا اس طرح نماز پڑھنا عماد کی کھلی ہوئی کرامت تھی ، اس واقعہ کا حافظ پر دوہرا اثر ہوا۔ ایک طرف تو ان کو شاہ شجاع کی کم عقلی اور نا سمجھی پر ترس آیا ، دوسری طرف عماد اور دوسرے مدعیان دین و ایمان سے ان کو ایک گونہ تنفر پیدا ہو گیا کیونکہ اخلاقی اقدار کو دنیا سازی کے لئے تباہ کرنے والا گروہ حافظ کے نزدیک یہی تھا۔ اس واقعے سے متاثر ہو کر حافظ نے جو غزل لکھی تھی اس کے چند اشعار یہ ہیں :

صوفی نہاد دام و سر حقہ باز کرد
بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد
بازی چرخ بشکنندش بیضہ در کلاہ
زیرا کہ عرض شعبدہ با اهل راز کرد
ساقی بیا کہ شاهد رعنای صوفیان
آمد دگر بجلوہ و آغاز ناز کرد
ای کبک خوشخرام کجا میروی بایست
غره مشو کہ گربہ عابد نماز کرد
فردا کہ پیش گاہ حقیقت شود پدید
مارا خدا ز زهد و ریا بی نیاز کرد

اس غزل کی شان نزول اور اس واقعے کے علم کے بعد جب ہم حافظ کے مندرجہ ذیل اشعار پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی تفہیم ہمارے لئے آسان ہو جاتی ہے :

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام
زهی طریقت و ملت زهی شریعت و کیش
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد
کہ می حرام ولی بہ ز مال اوقاف است

می خور که شیخ و حافظ و مفتی و محتسب
چون نیک بنگری همه تزویر می کنند
ترسم که صرفهٔ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما
دلم ز صومعه بگرفت و خرقهٔ سالوس
کجاست دیر مغان و شراب ناب کجا
چه نسبت است برندی صلاح و تقوی را
سماع وعظ کجا نغمهٔ رباب کجا
زاهد ظاهر پرست از حال ما آگاه نیست
درحق ما هر چه گوید جای هیچ اکراه نیست
باده نوشی که درو روی و ریای نبود
بهتر از زهد فروشی که درو رو و ریاست
واعظان کیں جلوه بر محراب و منبر می کنند
گر بخلوت میروند آن کار دیگر می کنند
صوفی بیا که خرقهٔ سالوس بر کشیم
وین نقش زرق را خط بطلان بسر کشیم
رقم مغلطه بر دفتر دانش نکشیم
سر حق با ورق شعبده ملحق نکنیم
تقویم این بس است که چون زاهدان شهر
ناز و کرشمه بر سر منبر نمی کنم
حافظ این خرقه بینداز مگر جان ببری
کاتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست
خیز تا خرقهٔ صوفی بخرابات بریم
زرق و طامات ببازار خرافات بریم
صوفیٔ شهر بیں که چون لقمهٔ شبه میخورد
پال و دمش دراز باد این حیوان خوش علف
نه من ز بی عملی در جهان ملولم بس
ملامت علماٗ هم ز علم بی عمل است

"ان اشعار میں حافظ نے ان افراد پر تنقید کی ہے جو اخلاص وعمل، زہد و اتقا کے نمائندے سمجھے جاتے تھے - اس حقیقت کا ڈانڈا سماجی شعور سے جوڑنا صحیح نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ سجاد ظہیر نے اپنی کتاب ''ذکر حافظ'' میں کہا ہے - موصوف نے حافظ سے منسوب مشہور غزل

این چہ شوریست کہ در دور قمری بینم (۱)

کو اساس بنا کر حافظ کی شاعری میں وہ سماجی شعور تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جس کے وہ اور ان کے ہم خیال ادیب و نقاد علمبردار ہیں اور اس ضمن میں وہ عجیب عجیب لطائف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ انہوں نے جس بنیاد پر یہ عمارت کھڑی کی ہے وہ بالکل کمزور ہے - مذکورہ غزل کا حافظ کی طرف انتساب مشکوک نہیں بلکہ غلط ہے (۲) ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی پا در ہوا ہو تو عمارت کہاں رہے گی ؟ اس لئے اگر حافظ کے یہاں سماجی شعور کی تلاش ہے تو دوسرے شواہد پیش کرنے چاہئیں ورنہ صاحب موصوف کے افکار در خور اعتنا نہ سمجھے جائیں گے - یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آگیا - مذکورہ بالا اشعار کا اصل مدعا ان اقدار کی تباہی و بربادی کا ماتم ہے جو شاعر کے نزدیک اعلیٰ اخلاقی قدریں تھیں اور جن سے آشنا ہونے کے بعد زندگی انسانیت کے بام عروج پر پہنچتی ہے - مگر اس موقع پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حافظ نے یہ منفی رویہ کیوں اختیار کیا ؟ وہ طنز و تشنیع اور کسی کا خاکہ اڑائے بغیر بھی اپنی بات کہہ سکتے تھے اور شاید مثبت انداز بیان اختیار کرنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب ہوتے - اس موقع پر ہم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں ہمیشہ سے اصلاح کے دو طریقے رائج رہے ہیں ایک منفی دوسرا مثبت، منفی طریقہ وہ افراد اختیار کرتے ہیں جو مجبور لاچار اور بے دست و پا ہوتے ہیں اور زمانے کے سیل کو روکنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثبت طریقہ وہی بلند نظر اشخاص اختیار کر پاتے ہیں جن کے نزدیک کارزار حیات میں

۱- سجاد ظہیر : ذکر حافظ ، ستمبر ۱۹۵۶ع ، ص ۶۱ - ۷۴

۲- اس سلسلے میں دیوان حافظ کے وہ تمام ناقدانہ ایڈیشن دیکھے جا سکتے ہیں جو اب تک ایران سے شایع ہو چکے ہیں -

شکست و فتح کے الفاظ بے معنی ہوتے ہیں، جن کو اپنے مقصد سے اتنا لگاؤ ہوتا ہے کہ اس راہ کی شکست کو بھی فتح سمجھتے اور اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ سے باز نہیں رہتے مگر یہ طریقہ صبر آزما ہونے کے ساتھ ساتھ عام افراد کو کم کم ہی متاثر کر پاتا ہے لیکن منفی طریقہ' کار اس کے بالکل بر عکس ہوتا ہے، انسان پر حب اپنی بیچارگی، مجبوری اور بے بسی کا انکشاف ہو تا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ صرف اس کی کوششیں زمانے کو متاثر نہ کرسکیں گی تو اس کے یہاں تلون طبعی جنم لیتی ہے اور وہ ہر اس چیز کا مذاق اڑانا شروع کر دیتا ہے جو اس کے معروف اخلاقی اقدار سے ٹکراتی یا مزاحم ہوتی ہے۔ وہ اپنے زمانے کی مروجہ قدروں کے اعلیٰ پہلو سے صرف نظر کر کے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خرابیوں، کوتاہیوں اور کمیوں کی طرف مضحکہ خیز انداز میں اشارہ کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ ان اقدار کا مذاق اڑاتا ہو جو اس کے دور میں رائج ہوگئی ہوں بلکہ وہ ان اقدار کا مفہوم بھی اپنی طرف سے متعین کرکے ان کا مضحکہ اڑانے سے باز نہیں رہتا۔ اس منفی طریقہ' کار سے دو طرح کے جذبات آسودہ ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ شاعر یا ادیب منفی طریقہ' کار اختیار کرکے اپنے بے تاب دل کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے کہ اس طرح اس نے اپنی محبوب اقدار کے دفاع کا فریضہ سر انجام دیا ہے اور دوسری طرف اس کی انانیت بھی سکون پاتی ہے کہ سارے زمانے کی رو غلط سمت میں جارہی ہے اور محض وہی تنہا فرد ہے جس کو زمانے کی اس غلط روی کا پورا احساس ہے۔ اس کے علاوہ منفی طریقہ' کار کو منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہونی ہے کہ عام افراد خشک اور فلسفیانہ افکار سے متاثر نہیں ہوتے اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان کا مخاطب ان سے کیا کہہ رہا ہے۔ لیکن اگر انہیں افکار کو ہنسنے ہنسانے والے انداز میں پیش کر دیا جائے تو وہ کچھ دیر کے لئے رک کر اس پر ضرور غور کرتے ہیں اور اکثر ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جو ان کے افکار سے متاثر ہو کر خود بھی شاعر و ادیب کے ہم نوا بن کر مروجہ اخلاقی اقدار کا مضحکہ اڑانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر حافظ کے عہد میں زاہدوں ' صوفیوں اور خرقہ پوشوں کی یہ حالت نہ ہوتی تو شاید حافظ کے اشعار طنز و تشنیع کے ان نشتروں سے خالی ہوتے جو آج بھی اتنا زمانہ گزرنے کے باوجود ہمارے دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں پھر عرض کروں گا کہ ان اشعار کی موجودگی سے اس سماجی شعور کا اثبات ممکن نہیں جو سجاد ظہیر صاحب اور ان کے ہم نوا

حضرات کا محور فکر و عمل ہے - بلکہ ان اشعار سے جو بات واضح ہوتی وہ یہ ہے کہ حافظ اپنی تمام خود بینی کے باوجود معاشرہ کی حالت سے بے نہیں رہتے ، بلکہ اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور اپنی محبوب اقدار دفاع کے لئے ان کا قلم اپنے زمانے کی مروجہ اخلاقی اقدار پر شمشیر و ، کی طرح چلتا ہے -

حافظ کے اس مشاہدے کا رد عمل یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ی سے ان کا رد عمل مختلف سمتیں اختیار کرتا ہے اور مختلف کیفیات کا اظ کرتا جاتا ہے - اس سلسلہ میں ان کی چند غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے سے ہمارے خیال کی تصدیق ہوسکے گی - پہلی غزل یہ ہے :

شراب و عیش نہان چیست کار بی بنیاد
زدیم بر صف رندان و هر چه بادا باد
گره ز دل بکشا وز سپهر یاد مکن
که فکر هیچ مهندس چنین گره نکشاد
ز انقلاب زمانه عجب مدار که چرخ
ازین فسانه هزاران هزار دارد یاد
قدح بشرط ادب گیر زآنکه ترکیبش
ز کاسهٔ سر جمشید و بهمن است و قباد
که آگه است که کاؤس و کی کجا رفتند
که واقفست که چون رفت تخت جم برباد
ز حسرت لب شیرین هنوز می بینم
که لاله می دمد از خون دیدهٔ فرهاد
مگر که لاله بدانست بیوفائی دهر
که تا بزاد و بشد جام می زکف ننهاد
بیا بیا که زمانی ز می خراب شویم
مگر رسیم بگنجی درین خراب آباد

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا اشعار غزل مسلسل کا ایک نادر اور اعلیٰ نمونہ ہیں - ان اشعار میں شاعر کا ذہنی رد عمل محسوس کیا جاسکتا ہے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حافظ کا اخلاقی اقدار کے بارے میں اپنا ایک تصور تھا اور ان کا تصور زمانے کی مروجہ اخلاقی اقدار کے تصور سے میل نہیں کھاتا تھا - اسی وجہ سے انھوں نے اپنے زمانے کی اخلاقی اقدار پر طعن و

نشیع کے تیر چلائے اور اس سلسلے میں جو طبقہ سب سے زیادہ ہدف مت بنا وہ اس زمانے کا مذہبی طبقہ تھا جس سے بجا طور پر حافظ کو یہ تھی کہ وہ اصلاح معاشرہ کا فریضہ انجام دے گا ۔ مگر جب انہوں نے طبقے کا غائر نظروں سے مطالعہ کیا تو ان کو اس افسوس ناک حقیقت علم ہوا کہ یہ طبقہ اپنی کوتاہیوں خامیوں اور کج رویوں میں کسی مرے طبقہ سے کم نہیں ۔ اس انکشاف سے اصلاح معاشرہ کی جو رہی سہی تھی وہ بھی ختم ہو گئی اور انہوں نے اپنا مطمح نظر یہ بنا لیا کہ اس روزہ زندگی کو ممکن سے ممکن حد تک حسین بنا کر گزار دیا جائے ۔ اپنے اس ۔ نظر کو منوانے کے لئے وہ کبھی جمشید، بہمن اور قباد کا ذکر چھیڑ تے ہیں کہ وہ کہاں گئے ؟ یعنی وہ قاری اور مخاطب کو اس بات کا احساس ا چاہتے ہیں کہ جب ایسے ایسے بادشاہوں کا نام و نشان تک مٹ گیا ہمارے تمہارے جیسے آدمی کس شمار قطار میں ہیں ؟ اس لئے آؤ اپنی اپنی ڈیوں کو غرق شراب ناب کردیں تا کہ جتنے بھی دن پرمسرت گزر سکیں کم کم ہم ان سے ہی لطف اندوز ہولیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر حافظ کا معاشرہ قی اقدار کے لحاظ سے نا قابل اصلاح نہ ہوتا تو شاید حافظ کا کلام اس حل سے خالی ہوتا اور ان کی شاعرانہ صلاحیتیں کچھ اور دوسری راہیں ۔ کرتیں ۔ اسی سلسلے کی دوسری تصویر جو ہمارے سامنے حافظ ہی کے میں ابھر کر سامنے آتی ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے ۔ آئیے اس پر بھی نظر ڈالتے چلیں :

بیا و کشتیٔ ما در شط شراب انداز
خروش و ولوله در جان شیخ و شاب انداز
مرا بکشتیٔ باده در افکن ای ساقی
که گفته اند نکوئی کن و در آب انداز
زکوی میکده برگشته ام ز راه خطا
مرا دگر ز کرم با ره صواب انداز
بیار ازآن می گلرنگ مشکبو جامی
شرار رشک و حسد در دل گلاب انداز
بنیم شب اگرت آفتاب می باید
ز روی دختر گل چهر رز نقاب انداز

اگرچہ مست و خرابم تو نیز لطفی کن
نظر بر این دل سرگشتۂ خراب انداز
مہل که روز وفاتم بخاک بسپارند
مرا بمیکده بر در خم شراب انداز
ز جور چرخ چو حافظ بجان رسید دلت
بسوی دیو محن ناوک شهاب انداز

یہ غزل بھی تقریباً ایک ہی جذبات کی حامل ہے اور اس میں بھی کم و بیش انھیں خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو پہلی غزل میں ملتے ہیں مگر یہ حافظ کی فن کاری کا کمال ہے کہ وہ ایک ہی موضوع اور ایک ہی مضمون کو طرح طرح سے باندھتے ہیں - لیکن ان کی جدت ادا کی دلکشی قاری کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیتی کہ یہ خیالات یا یہ موضوع اور مضمون شاعر اس سے پہلے بھی اسی انداز ' اسی جوش وخروش اور اسی بلند آہنگی کے ساتھ نظم کر چکا ہے۔ اس موقع پر یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رکھنا چاہئیے کہ اس غزل کا مطلع بظاہر جوش و خروش کا حامل ہے اور شبلی کے الفاظ میں ایک رند کی ہنکار اس میں دیکھی جاسکتی ہے مگر جب ہم اس کے بعد کے اشعار کا ٹھہر ٹھہر کر ، غائر نظروں اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا جوش و خروش یہ سارا ولولہ اسی احساس محرومی کا رد عمل ہے جس کی طرف ہم گذشتہ سطور میں اشارہ کر آئے ہیں، کیونکہ شاعر جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے اس کی آواز نرم پڑتی جاتی ہے اور وہ کھل کر اپنا مدعا بیان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔ اس طرح وہ شراب کے پردے ہی میں اپنے تمام رد عمل کو بیان کر دیتا ہے جس سے وہ اپنے ماحول کے مشاہدے کے بعد دو چار ہوا ہے۔

اس سلسلے میں یہ غزل بھی قابل توجہ ہے ا

گلعذاری ز گلستان جہان مارا بس
زین چمن سایۂ آن سرو روان مارا بس
من و هم صحبتی اهل ریا دورم باد
از گرانان جہان رطل گران مارا بس
قصر فردوس بپاداش عمل می بخشند
ماکه رندیم و گدا دیر مغان مارا بس

بنشین بر لب جوی و گذر عمر ببین
کیں اشارت ز جہان گذران مارا بس
نقد بازار جہان بنگر و آزار جہان
گر شما را نہ بس این سود و زیاں مارا بس
یار با ماست چہ حاجت کہ زیادت طلبیم
دولت صحبت آن مونس جان مارا بس
از در خویش خدا یا ببہشتم مفرست
کہ سر کوی تو از کون و مکان مارا بس
حافظ از مشرب قسمت گلہ' بی انصافیست
طبع چون آب و غزلہای روان مارا بس

اس غزل میں مطلع سے لے کر مقطع تک جو فضا قائم کی گئی ہے وہ ہمیں دعوت غور و فکر دیتی ہے ' مطلع میں تو ایک گلعذار کے انتخاب کا بیان ہے کیونکہ شاعر کے نزدیک محض ایک سرو رواں (محبوب) کا وجود اس کے لئے کافی ہے ۔ اگر صرف مطلع ہی میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہوتا تو ہم اس سے سرسری طور پر گذر جاتے اور اس غزل پر اس حیثیت سے ہماری نظر نہ پڑتی کہ اس میں شاعر نے اپنے تمام رد عمل کو منظم اور مربوط مگر شاعرانہ انداز میں پیش کر دیا ہے جو اپنے ماحول کے مشاہدے کے بعد اس پر طاری ہوا ہے ۔ دوسرا شعر خاص طور سے ہم کو چونکاتا ہے اور اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شاعر نے مطلع میں ایک گلعذار کی تمنا کیوں کی ہے اور کیوں اس سرو رواں کے وجود کو اپنے لئے کافی سمجھا ہے ؟ اب اس کے بعد غزل دھیرے دھیرے مدھم سروں کے ساتھ ارتقا کی راہ پر گامزن ہوتی ہے اور شاعر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ہم اسے صاف صاف یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں :

بنشین بر لب جوی و گذر عمر ببین
کاین اشارت ز جہان گذران مارابس

اس شعر کو شاعر کا نقطہ' عروج سمجھنا چاہئے اس نقطہ' عروج کے بعد غزل خاتمے کی طرف مڑتی ہے اور اب شاعر دنیا کے سود و زیاں کا جائزہ لیتا نظر آتا ہے اور کھیل ہی کھیل میں یہ کہہ جاتا ہے کہ اگر تم اس تماشائے سود و زیاں کو کافی نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو مگر ہمارے لئے تو یہی کافی ہے ۔ اس بازار سود و زیاں کے تماشے سے جب اس کو فرصت

ملتی ہے تو پھر وہ اپنے محبوب کی طرف مراجعت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب محبوب اپنا ہے تو اس سے زیادہ کچھ اور طلب کرنے کی ہم کو حاجت ہی کیا ہے کیونکہ ہمارے لئے تو اس" مونس جان کی معیت ہی کافی ہے یہاں بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر اس طرح اپنے دل کو ماحول سے بے نیاز کرکے اپنی ساری توجہ صرف محبوب کی ہستی تک مرکوز رکھنا چاہتا ہے تا کہ نہ اس کے خیالات ادھر ادھر بھٹکیں اور نہ اس کو ماحول کے اثر مشاہدات کا خیال آئے جو اس کے جذبات و خیالات کو زھر آلود کر دیتے ہیں۔ اس طرح غزل خاتمے کے قریب آجاتی ہے اور شاعر ہم سے یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے کہ قسمت کا شکوہ نہ کرو، طبیعت کی روانی اور سرمایۂ غزل ہمارے لئے کافی ہے۔ اس غزل کا انداز مطلع سے لےکر مقطع تک کی ایک فضا اور بات کا گلعذار سے شروع ہوکر طبع کی روانی پر ختم ہوجانا اس بات کی علامتیں ہیں کہ یہ غزل اس رد عمل کا نتیجہ ہے جس کا تذکرہ گذشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔ اگر حافظ کا ماحول انتشار اور خود بینی سے خالی ہوتا تو شاید ہم حافظ کی اس مرصع غزل سے محروم رہتے اور اگر انہیں قوافی و ردیف میں کوئی غزل کبھی بھی جاتی تو اس کا انداز کچھ اور ہی ہوتا۔

اسی سلسلے کی دو غزلیں اور ملاحظہ ہوں :

صوفی گلی بچین و مرقع بخار بخش
وین زهد خشک را بمی خوشگوار بخش
طامات و شطح در ره آهنگ چنگ نه
تسبیح و طیلسان بمی و میگسار بخش
زاهد گران که شاهد و ساقی نمی خرند
در حلقهٔ چمن بنسیم بهار بخش
راهم شراب لعل زد ای میر عاشقان
خون مرا بچاه زنخدان یار بخش
یارب بوقت گل گنه بنده عفو کن
وین ماجرا بسرو لب جویبار بخش
ای آنکه ره بمشرب مقصود برده
زین بحر قطرهٔ بمن خاکسار بخش
شکرانه را که چشم تو روی بتان ندید
مارا بعفو و لطف خداوندگار بخش

سحر ببوی گلستان دمی شدم در باغ
کہ تا چو بلبل بیدل کنم علاج دماغ
بجلوہ گاہ سوری نگاہ می کردم
کہ بود در شب تاری بروشنی چو چراغ
چناں بحسن و جوانیٔ خویشتن مغرور
کہ داشت از دل بلبل ہزار گونہ فراغ
زباں کشیدہ چو تیغی بسرزنش سوسن
سپر گرفتہ شقایق چو مردم ایغاغ
گشادہ نرگس رعنا ز حسرت آب از چشم
نہادہ لالہ ز سودا بجان و دل صد داغ
یکی چو بادہ پرستاں صراحی اندر دست
یکی چو ساقیٔ مستاں بکف گرفتہ اباغ
نشاط و عیش و جوانی چو گل غنیمت داں
کہ حافظا نبود بر رسول غیر بلاغ

اگر ان غزلوں کا تجزیہ کیا جائے تو وہی نتائج بر آمد ہوں گے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ۔ ہم نے طوالت کے خوف سے انھیں چند مثالوں پر اکتفا کی ہے ورنہ دیوان حافظ کی متعدد غزلیں ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں ۔

ابھی تک ہم نے حافظ کی ان پوری پوری غزلوں سے بحث کی ہے جو ہمارے نزدیک ان کے رد عمل کی مکمل اور واضح طور پر عکاسی کرتی ہیں ۔ اگر ہم ان کے متفرق اشعار میں ان کے رد عمل کو تلاش کریں تو ہم کو مایوسی نہ ہوگی اور یہاں بھی ہم شاعر کے انھیں احساسات و تصورات کی کار فرمائی دیکھ سکیں گے جو ان کی پوری پوری غزلوں میں موجود ہے ۔ یہ رد عمل کہیں احساس فنا کی شکل میں ظاہر ہوا ہے تو کہیں اسی احساس فنا کے تقاضے سے مجبور ہو کر شاعر دعوت ناو نوش دیتا ہے ، کہیں اپنے خود بیں ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اپنی خود بینی پر ناز کرتا ہوا کہتا ہے ۔ اگر دنیا والے اس پر خندہ زن ہیں تو رہیں لیکن اس کو بہر حال اپنی خود بینی پر ناز ہے ۔ کہیں وہ شمع اور پروانے کی علامتیں استعمال کر کے انسانی ذہن کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کراتا ہے کہ آج جو

خوشی مل رہی ہے ممکن ہے کہ کل اس کا حصول نا ممکن ہو جائے اس لئے آج کے ایک ایک لمحے سے کیف و نشاط حاصل کر لو ۔ کبھی وہ دنیا سے منہ موڑ لینے کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک دنیا اپنے مہمانوں سے خوش خلقی سے نہیں پیش آتی بلکہ اس کو اپنے دام مکر و فریب میں گرفتار کر کے خود ہی اس کو مار ڈالتی ہے ۔ جب یہ حالت ہو اور ہر شخص کی آخری منزل دو گز زمین ہو تو پھر ان اونچے اونچے محلوں کو کھڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ یہ اور اسی قبیل کے تمام دوسرے خیالات جن کی حافظ ہر وقت تبلیغ کیا کرتے ہیں ہمارے نزدیک ان کے رد عمل کی نشاندھی کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ حالات اور وقت کے ساتھ ساتھ رد عمل بھی بدلتا رھتا ہے اور موقع و محل کے لحاظ سے اس میں شدت یا نرمی آتی رھتی ہے ۔ اس لئے اگر اس قسم کے اشعار میں شاعر کے تصور کا ایک مرکز یا محور نہ ملے تو ان کو دو طرح کے اشعار نہ سمجھنا چاھئے ۔ ھاں البتہ اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جا سکتا ہے کہ شاعر کے جذبات میں کس مقام پر شدت کے ساتھ رد عمل ہوتا ہے اور کس مقام پر رد عمل کی رفتار مدھم ہو جاتی ہے ۔ اسی رد عمل کے مطالعے سے ہم شاعر کی اصل خواھشوں اور تمناؤں کی نشان دھی بھی کرسکتے ہیں اور یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ زندگی اور زمانے سے اس کا کیا تقاضا ہے ؟ حافظ کے متفرق اشعار میں ان کے رد عمل کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

نو بہار است در آں کوش کہ خوشدل باشی
کہ بسی گل بدمد باز تو در گل باشی

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

ننہادہ ایم بار جہاں بر دل ضعیف
این کاروبار بستہ بیکسو نہادہ ایم

ای دل بساز با غم ھجران و صبر کن
ای دیدہ در فراقش ازین بیش خوں مبار

غنیمتی شمر ای شمع وصل پروانه
که این معامله تا صبح دم نخواهد ماند

شب صحبت غنیمت دان و دادخوشدلی بستان
بسی گردش کند گردون بسی لیل و نهارآرد

بی خار گل نباشد و بی نیش نوش هم
تدبیر چیست وضع جهان این چنیں فتاد

پنج روزی که دریں مرحله مهلت داری
خوش بیاسای زمانی که زمان این همه نیست
برلب بحر فنا منتظر یم ای ساقی
فرصتی دان که ز لب تا بدهان این همه نیست

برو از خانهٔ گردون بدر و نان مطلب
کاں سیه کاسه در آخر بکشد مهمان را
هر کرا خوابگه آخر بدو مشتی خاکست
گو چه حاجت که بافلاک کشی ایوان را

هر وقت خوش که دست دهد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست که انجام کار چیست

آنچه سعیست من اندر طلبت بنمودم
این قدر هست که تغییر قضا نتوان کرد

خوش عروسیست جهان از ره صورت لیکن
هر که پیوست بدو عمر خودش کاوین کرد

خدارا ای نصیحت گر حدیث ساغر و مے گو
که نقشی در خیال ما ، ازیں خوشتر نمی گیرد

خلاصہ یہ ہے کہ حافظ کی شاعری اپنے ماحول سے پوری طرح متاثر ہوئی اور اس تاثر کے رد عمل میں ان کی شاعری کا پس منظر وسیع سے وسیع تر ہو گیا ۔ اگر حافظ کا دل اثر پذیری کے اس جذبے یا رد عمل کی صلاحیت سے محروم ہوتا تو ان کی شاعری چند مخصوص بندھے ٹکے موضوعات تک محدود ہو کر رہ جاتی ۔

مکتوبات قاضی ثناءاللہ پانی پتی رح

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان *

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ (م سنہ ۱۲۲۵ھ) کے چار غیر مطبوعہ مکتوبات یہاں پیش کئے جاتے ہیں (۱)- پہلے مکتوب میں ملا محمد نسیم رح کے "عنایت نامے" کے پہنچنے کا ذکر ہے کہ اس کے ساتھ ایک تسبیح اور نافۂ مشک بھی موصول ہوا۔ دوسرے مکتوب میں ہے کہ ملا سردار کے ساتھ ملا محمد حنیف اور ملا زبردست بھی آئے تھے لیکن موخرالذکر دو حضرات (جن میں سے ایک ملا محمد نسیم رح کے خسر تھے) پانی پت سے رام پور چلے گئے- اسی مکتوب میں یہ بھی ہے کہ حضرت مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ صاحبہ کئی سال تک پانی پت میں قیام پذیر رہیں اور اب چھ ماہ سے دہلی میں ہیں - یہ بھی ہے کہ مرزا شاہ علی (۲) (حضرت مظہر رح کے متبنیٰ) عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں اور ان کے بڑے صاحبزادے میاں مداری میرے پاس ہیں اور چھوٹے صاحبزادے میاں نظامی اپنی والدہ کے ساتھ عظیم آباد (پٹنہ) میں اپنے ماموں کے یہاں ہیں - صاحبزادی ایمنہ کا عرصہ ہوا نکاح کر دیا گیا ہے - نیز یہ کہ شاہ علی کی دوسری بیوی سے جو بچہ تھا، وہ اور اس کی ماں بھی فوت ہو چکی ہے - اسی مکتوب میں حضرت شاہ غلام علی رحتہ اللہ علیہ (م سنہ ۱۲۴۰ھ) کے متعلق ہے کہ وہ مسند ارشاد پر متمکن ہیں اور ایک عالم ان سے مستفیض ہو رہا ہے- اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے بڑے صاحبزادے احمد اللہ (المتوفی

---

* صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی -

۱- سلسلے کے لئے دیکھئے "اردو" بابت جولائی سنہ ۶۷ء مضمون: حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے غیر مطبوعہ خطوط -

۲- اردو مکتوبات کے صفحہ ۲۰۲ میں ہے کہ" شاہ علی ان کا (اہلیہ کا) ایک حصہ ہونے کے باوجود فقیر کا طرف دار ہے"

سنہ ۱۱۹۸ھ) اور دوسرے صاحبزادے صبغتہ اللہ بھی عرصہ ہوا کہ فوت ہو چکے ہیں -

تیسرے مکتوب کے آخر میں حضرت قاضی صاحب رح کی مہر سنہ ۱۲۱۶ھ کی لگی ہوئی ہے (۱) ہے اور ملا سردار کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دو سال سے یہاں ہیں اور ہدایہ اور مشکواۃ وغیرہ پڑھ رہے ہیں - اس سے ظاہر ہے کہ مکتوب نمبر ۲ جس میں ملا سردار کی آمد کا ذکر ہے سنہ ۱۲۱۴ھ کا ہوگا - اسی مکتوب میں ہے کہ احمد شاہ درانی (۲) کئی مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا لیکن اس سے مسلمانوں کو زیادہ ضعف ہو گیا ، کیونکہ مسلمانوں کے سردار منتشر ہو گئے اور سکھوں نے لاہور کے علاوہ سرہند پر بھی قبضہ کرلیا اور وہاں کے مزارات کو بھی توڑ دیا - اب سنا ہے کہ شاہ امان اس طرف جہاد کی غرض سے آنے والا ہے -

اس کے بعد ہی چوتھا مکتوب لکھا گیا ہوگا جس میں ملا سردار کا ذکر ہے کہ وہ دو سال تک یہاں رہے اور صاحبزادہ دلیل اللہ سے کتابیں پڑھیں - یہ بھی ہے کہ اب ملا سردار وطن جا رہے ہیں تاکہ شادی کریں ، آپ انہیں " توجہ " دیں - وہ چار مکتوبات یہ ہیں :

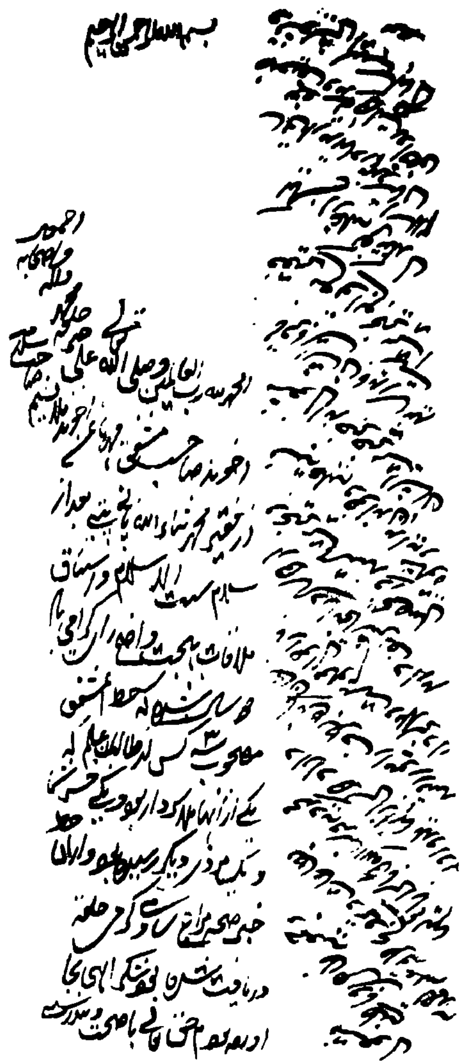
(۱)

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

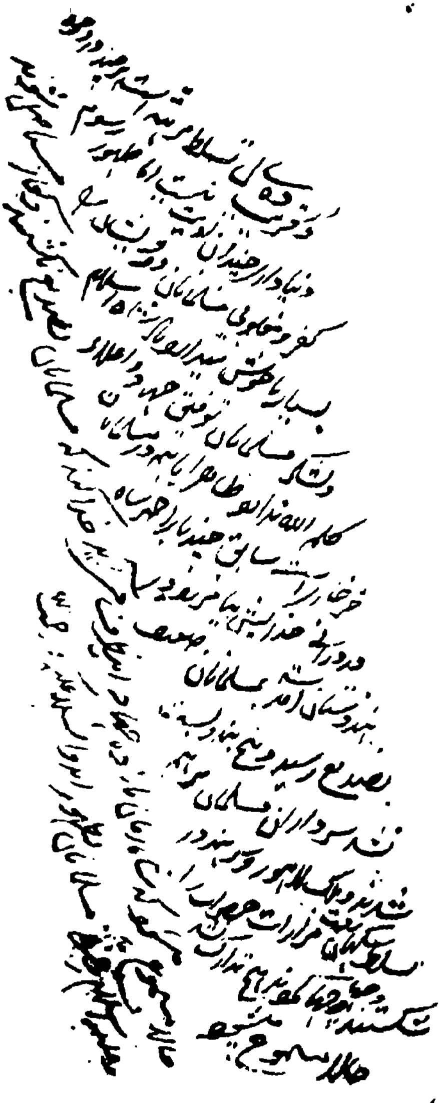
مولوی صاحب مشفق مہربان اخوند ملا محمد نسیم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سلامت فقیر حقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی بعد از سلام سنت الاسلام و نیازمندیہا و اشتیاق ملاقات بہجت آیات کثیر البرکات واضح رائے گرامی ۱ میگرداند الحمدللہ که فقیر معہ متعلقان بخیر و عافیت ست ، و بدعائی ترقیات درجات و کثرت برکات صاحبان مشغول و از کثرت گناهان خائف و باخر رسیدن عمر و ضائع شدن آن در امور لاطائل نادم و پشیمان و بدستگیری کردن صاحبان بدعائی حسن خاتمہ و مغفرت ذنوب ملتجی است اعینونی یا عباد اللہ الصالحین بالدعاء یغفر اللہ تعالے لی ولکم و یرحمنا اللہ تعالے و ایا کم عنایت نامہ سامی معہ سبحہ ونافہ مشک رسیدہ برسر و چشم نہادم حق تعالیٰ

۱- فارسی مکتوبات کے صفحہ ۲۳ میں ہے کہ قاضی صاحب ہمیشہ اپنی مہر اپنے پاس رکھتے تھے -

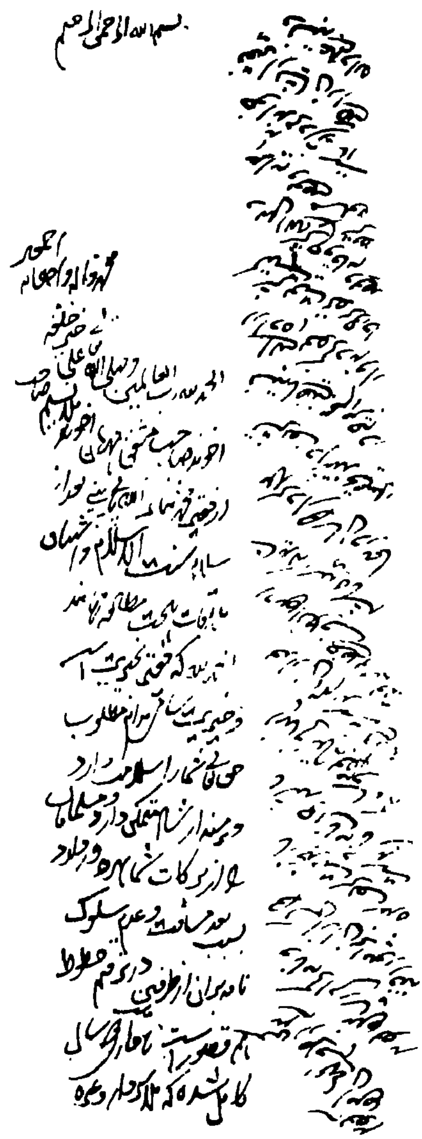
۲- درانی کو دردرانی لکھا ہے -



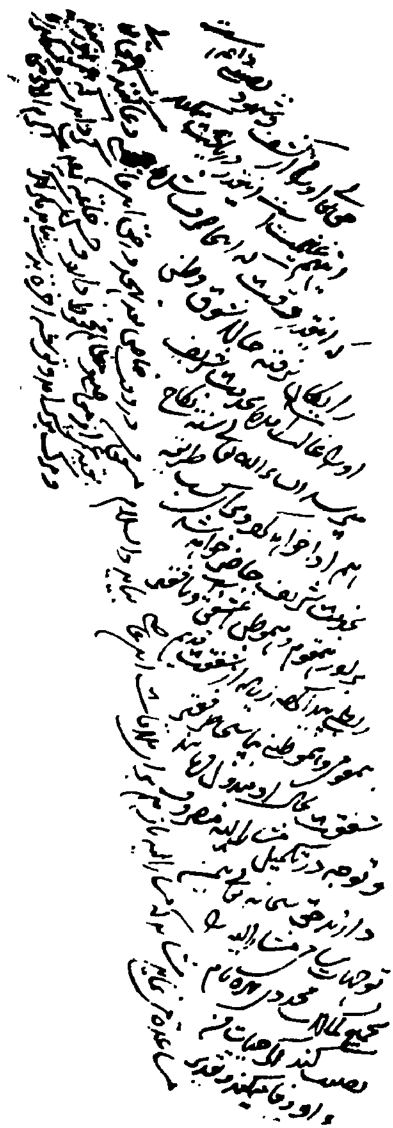
مکتوب ۱ از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، صفحۂ اول



مکتوب ۱۷ از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، صفحہ ۲



مکتوب نمبر ۲ از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی۔ صفحہ اول



مکتوب ۲ از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ، صفحہ ۲

باین الطاف و مهربانیها سلامت داراد ، و ملا قاتهائی مستوفی باهم در فردوس اعلے و دارالوصول المعلی میسر آرد و ماذالک علی الله العزیز ، و الصلوٰة والسلام علے سیدنا محمد البشیر النذیر و علی جمیع الانبیاء والمرسلین و علی الملایکته المقربین و علی آل محمد و اصحابه اجمعین و علی جمیع عبادالله الصالحین ـ برخورداران گرامی قدر محمد جیو و غلام محمد وغیرهما و والدات شان و جمیع یاران طریقه سلام مطالعه نمایند و بر شریعته و طریقته و محبت مشایخ مستقیم باشند ـ

(۲)

بسم الله الرحمن الرحیم الحمدلله رب العالمین و صلی الله تعالے علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین

اخون صاحب مشفق مهربان اخون ملا محمد نسیم جیو سلمه ربه سلامت، بعد از سلام سنت الاسلام و اشتیاق ملاقات بهجت آیات مطالعه فرمایند ، الحمدلله که فقیر بخیریت ست و محمد دلیل الله و محمد صفوت الله پسر مولوی احمد الله مرحوم بفضل الهی بخیریت اند و مولوی احمد الله مرحوم و محمد صبغته الله مرحوم از مدتها رحلت کرده بودند شنیده باشند بی بی صاحبه قبله والده مرشده اهلیه حضرت ایشان شهید رضی الله عنه از چند سال در پانی پت تشریف میداشتند حالا از شش ماه در شاه جهان آباد تشریف میدارند مرزا شاه علی را مدت مدید شد که رحلت کردند دو پسر گذاشته اند یکی میاں مداری در پانی پت در فقیر خانه تشریف دارند و میاں نظامی پسر خورد ایشان مع والده خود در عظیم آباد پٹنه نزد خال خود هستند و بی بی ایمنه دختر مرزا شاه علی از مدتے نکاح کرده دادند ـ و پسر خورد شاه علی که از اهلیه دوم بود فوت شده و مادر او هم نیست و از یاران حلقه میاں محمد مراد صاحب و مولوی غلام علی صاحب و میاں عبدالباقی صاحب و میاں محمد احسان صاحب بخیریت اند و میاں محمد احسان در رام پور اند و دیگر صاحبان در شاهجهان آباد ـ مولوی غلام علی صاحب بر مسند ارشاد نشته اند ـ عالمے از ایشان مستفید می شوند ، مولوی محمد صدیق صاحب از مدتے رحلت کرده اند ، ملا محمد حنیف و ملا زبردست و ملا سردار صوفیان آنمهربان بخیریت بے نهایت رسیدند و خط آنمهربان رسانیدند از

تشریف داشتند تحصیل نسبت باطنی هم هر چه در اراده' الهی بود کردند و از کتب شریعت نزد برخوردار دلیل الله شرح وقایه و بعضے هدایه و بعضے مشکواة شریف خواند ، مردے خوب ست فقیر را ازیشان راحتے ست و نسبته عامی دارد حق تعالی او را از کشف و شهود نسبتی داده است، این هم غنیمت ست ، این قدر دریافت میکند که این قدر وقت که اینجا صرف شده رائگان نرفته حالا شوق وطن او را غالب آمده بخدمت شریف میرسد ، انشاء الله تعالی سنت نکاح هم ادا خواهد کرد برائے کسب' طریقه بخدمت شریف حاضر خواهد شد ' برادر هم قوم و هم وطن [شما] ست و با فقیر ربطے پیدا کرده زیاد از شفقت قدیم هم قومی و هم وطنی بپاس خاطر فقیر شفقت بحال او مبذول فرمایند و توجه در تکمیل مشارالیه مصروف دارند ـ حق سبحانه و تعالی بیمن توجهات سامی مشارالیه را بجمیع کمالات مجددی بهره' تام نصیب کند ، اگر حیات من و او وفا میکند و تقدیر مساعدة می نماید ، شاید که مشارالیه باز هم برائی ملاقات این عاصی بیاید والسلام

مشفق من در وقت خاص بعد تہجد درحق این عاصی دعا کنند که الله تعالی بقیه' عمر از معاصی و مظالم محفوظ دارد ، و حسن خاتمه نصیب گرداند ـ که عمر با خیر رسید و مرگ بر سر آمد ، و توشه' آخرة بدست نیامد ، مگر آنکه اکرم الاکرمین دستگیری نماید ـ

ہمیشہ بہار

(تذکرہ شعرائے فارسی)

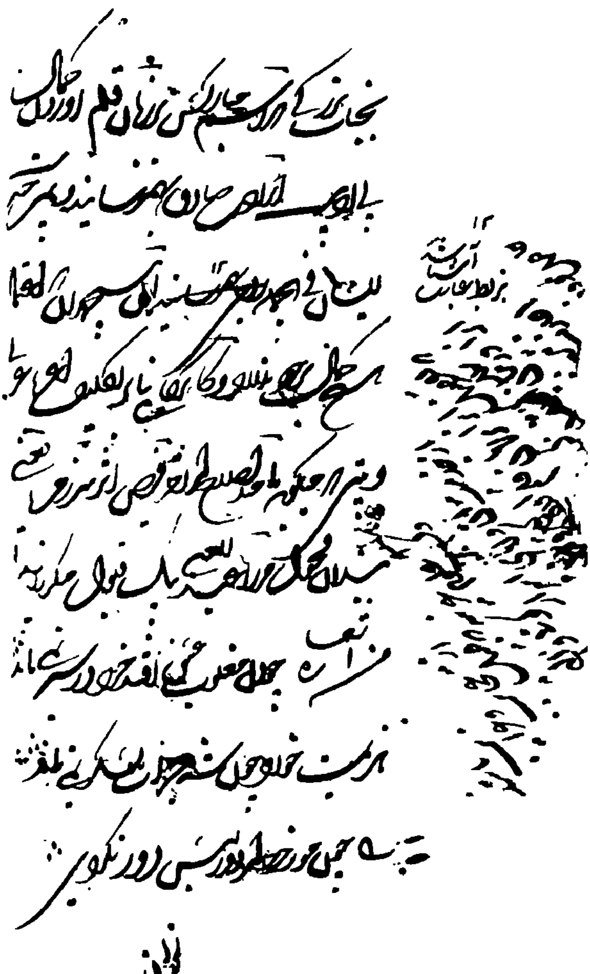
مُصنّفہ

کشن چند اخلاص

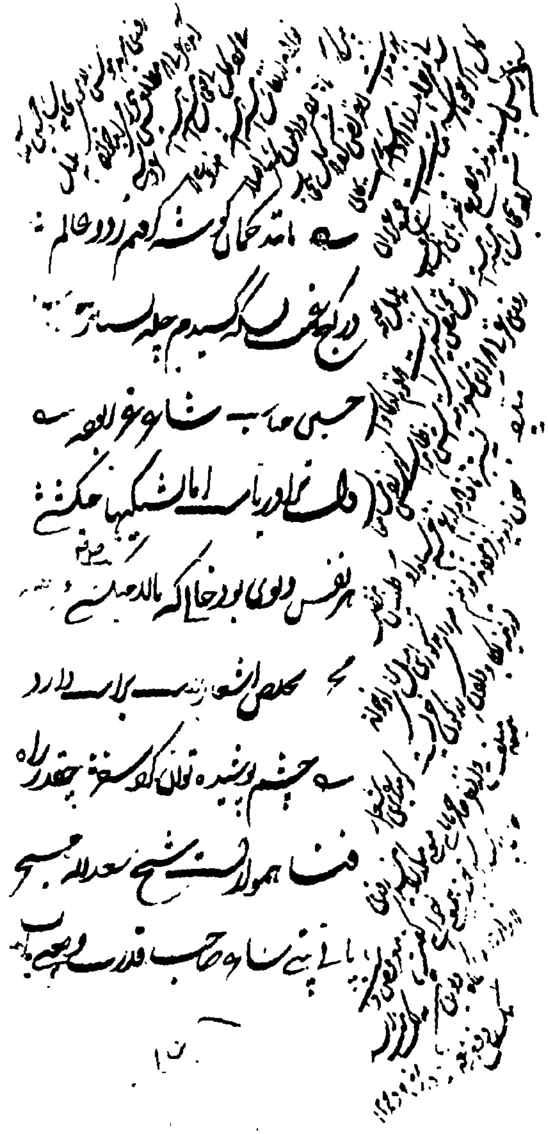
مرتبہ

ڈاکٹر وحید قریشی

یہ تذکرۂ "ہمیشہ بہار" کی پہلی قسط ہے۔ جس نسخے سے اس کا متن تیار کیا گیا ہے وہ مصنف کا خود نوشتہ ہے اور اس پر جا بجا ترمیمیں اور اضافے ہیں۔ یہ نسخہ لیاقت نیشنل لائبریری کراچی کی ملکیت ہے اور اس سے استفادے کے لئے ابن حسن قیصر صاحب نے جو سہولتیں فراہم کی ہیں، ان کے لئے ادارہ شکر گزار ہے۔ مرتب کا مقدمہ آخری قسط کے ساتھ شائع ہوگا۔



"ہمیشہ بہار" کے مخطوطے کا ۳۵ واں صفحہ جس پر
کشن چند اخلاص نے اپنے حالات میں اضافہ کیا ہے۔



ہمیشہ بہار کے مخطوطے کا ۱۷۴ واں صفحہ

بسم الله الرحمن الرحیم

[ص ۱]

اے ذکر تو گل فروش بازار سخن
رنگیں ز تو برگ برگ گل زار سخن
او صاف تو دیباچهٔ مجموعهٔ حسن
توصیف تو مشاطهٔ رخسار سخن

سبحان الله (۱) زهے رتبهٔ سخن کہ اگر او را میوهٔ (۲) پیش رس بوستان مظاهر تجلیات گوناگون خوانم بجا است و اگر باعث نشو و نمائے اسجار روضات انفسی و آفاق (۳) موافق امر کن فیکون گویم، سزا (ست)۔ [ص ۲] اگر واسطهٔ العقد ثبوت عالم ربوبیت و مربوبیت، بموجب آیهٔ الست بربکم قالو [ا] بلیٰ بر زبان آرم روا — و اگر شیرازه بند مجموعهٔ صحت معجزات نبوت بمصداق تکلم فی المهد صبیا (۴) بشارم نهایت خوشنما — وخهے پایهٔ سخن کہ اعجاز اکثر اینها سخن بوده، بے پردهٔ دریاے سخن داند کہ دریں سخن هیچ سخن نیست، چناں چه معجزهٔ حضرت داؤد الحان بود کہ از لحن مبارکش آب بحار از رفتار باز می ماند و طیور از پرواز — و معجزهٔ حضرت مسیح نیز سخن بود کہ احیائے اموات از گفتن قم باذن الله (۵) می فرمود۔ غرض کہ اگر سخن را موافق قل الروح من امر ربی (۶) -

---

۱- تذکره نویسی در هند و پاکستان - ص ۲۲۹ : سبحن الله -
۲- میوه کہ پیش از موسم خود برسد (بهار عجم) -
۳- تذکره نویسی در هند و پاکستان - ص ۲۲۹ : انفس و آفاق -
۴- سورهٔ مریم -
۵- ایک حصه سورهٔ آل عمران میں -
۶- پاره ۱۵ ، سورهٔ بنی اسرائیل -

* [ص ۳] روح خوانم جا دارد، و اگر جان گویم می سزد - بل جہان جہان می توان گفت :

سخن خوش حیات جان و تن است　　دم عیسیٰ گواه این سخن است

و معجزهٔ خاتم‌المرسلین نیز فصاحت و بلاغت بود - چنان چه خود فرمود که انا افصح العرب و العجم (۱) - الحق جواهر شناسان چار بازار امکان را گوهرے باین آب و تاب بدست نیامده - و فکر نقش بندان صور معانی را پری پیکرے زیبا تر ازین در تصور نگزشته -

مصداق این مقال چہره کشائے عروس معنوی امیر خسرو دهلوی فرماید -

زہے　　سکهٔ　　کیمیائے　　سخن
که یک جو درو نیست جائے [ص ۴] سخن

رقم　منج　وحیٔ　فرستادگان　　شرف　نامهٔ　آدمی　زادگان
گرامی　کن　گوهر　آدمی　　گرامی　ترین　جوهر　آدمی
باو　آشکارا　نهان　جهان　　بگوش　آشکارا، بدیده　نهان
بهر　خانه در　صلح و جنگے　دگر　　بهر　دل　شتاب　و　درنگے　دگر
بهارے　به　صد　نیکوئی　خاسته　　عروسے　بصد　زیور　آراسته
سخن گر نه جان ست بنگر بهوش　　چرا　آدم　مرده　ماند　خموش

یقین باید دانست که رتبهٔ کلام موزون از نثر بالاتر و افزون ست - و شاهد صادق این مقال مصرع برجستهٔ ''بسم الله الرحمن الرحیم'' است که زیب عنوان [ص ۵] کلام الله است (۲) - مرزا صائب فرماید -

اگر نه رتبهٔ نظم است از چه رو صائب
مقام بر سر چشم است بیت ابرو را

شوکت بخارایٔ می گوید

کار آسان نشود معنی روشن بستن
نثر ما نظم شود، آب گهر می گردد

۱- حدیث -
۲- کلمات شعرا: گواه صادق این دعویٰ مصرعهٔ برجستهٔ بسم‌الله الرحمن الرحیم که دیباچه طراز و عنوان آرائے قرآن است -

لہذا در خاطر ناقص این هیچ مدان گجمج زبان گشن چند اخلاص تخلص ، متوطن دارالخلافهٔ شاهجهان آباد گذشت که موجزے از احوال شیر بی مثال شعرائے حال و سخنان رنگین خیال ایشان باید نگاشت تا از دستیاری این فرقهٔ عالیه (۱) [ص ٦] نگارے ازین خاکسار بر صفحهٔ روزگار باقی ماند ـ و در شان این طایفهٔ عالیه حضرت نظامی گنجوی فرماید ـ

بلبل عرش اند سخن پروران — باز چه مانند بایی (۲) دیگران
از پیٔ فکرے(۳) چو پریشان شوند — با ملک از جملهٔ خویشان شوند
چون سر زانو قدم دل کنند (۴) — با دو جهان دست حمائل کنند (۴)
پیش و پس قلب صف کبریا (۵) — پس شعرا آمده (٦) پیش انبیا

پس ضرور دانسته دست ارادت بحبل المتین توکل زد ـ و از احوال و اشعار معنی یابان عصر نور الدین جهانگیر بادشاه و [بعضی] سخنوران اکبر بادشاه نیز مثل ملا عرفی شیرازی و ملا ظهوری ترشیزی وغیره تا حال که [ص ۷] جلوس محمد شاه بادشاه غازی است در خور حوصلهٔ خود از هر جا بهم رسانیده ، موافق ترتیب حروف تهجی بعبارت راست براست بر زبان قلم

۱- مندرجہ ذیل عبارت پر 'لا' لکھ کر اسے حذف قرار دیا ہے-
" نگارین نامهٔ که مانی از رشک آن ارژنگ را از "
اس کے بعد ترک ' آب ' کا لفظ اور اگلے صفحے پر " یا " کا لفظ جو قلم زد ہونے سے رہ گیا ہے ـ

۲- کلیات خمسہ ' حکیم نظامی گنجه ای (طبع تہران) ـ ص ۳۳ : آن

۳- " " : ز آتش فکرت

۴- " " : کند

۵- تصحیح از روئے کلمات الشعراء (دیباچه) ـ کلیات میں : پیش و پسے بست صفت کبریا

٦- صاحب کلمات الشعرا نے دیباچے میں شعرا کی تعریف میں مخزن اسرار کے حوالے سے یہی ایک شعر دیا تھا اخلاص نے مثنوی سے تین شعر اور اضافہ کیے ہیں ـ

آورد ۹ و مسمی به همیشه بهار نموده و هر کسے که مکرر نام این رساله بر زبان آرد سال اتمام این نسخه معلوم کند (۱) ۔

این نسخه کز آراستگی چون چمن است
چون صحن چمن پر ز گل و یا سمن است
تشبیهه توان کرد به صحن چمنش
لیکن چو نظر کنی درین جا سخن است

امید از یاران سخن سنج که رتبهٔ سخن سنجی را بمعراج کمال رسانده اند، آن ست که اگر سهوے و خطاے واقع شده باشد از اصلاح دریغ ندارند ۔ و این زله (۲) چین خوان الوان سخن را بدعاۓ خیر یاد نمایند ۔

[آفرین] بر یاد کار(۴) یاران را | زادهٔ طبع هوشیاران را (۳)
چون نفس روح پرورش داری | تا ابد فیض گسترش داری

[ص ۸] میر الهی

مظهر فیض نامتناهی میر الهی (۵) نامش مرزا صدر الدین محمد علی است، خلف مرزا محمد حکیم شیرازی ۔ در آغاز شباب بدانش اندوزی و حکمت آموزی همت گماشت، و نزد دانایان عراق و حکیمان خراسان و فارس فائدهٔ از علوم عقلی و نقلی برداشت ۔ مرد سیاحت پیشه و تجرد منش تجربه کار بود ۔ در سنه ۱۰۱۰ھ هزار و دهم از ولایت در سواد اعظم هند رسید و بفراوان عنایت بادشاهی به نسبت اقران خود ممتاز گشت و بخطاب مسیح الزمان سرفراز شد ۔

۱- ۵۶۸ × ۲ = ۱۱۳۶ھ

۲- اصل : ذله - کلمات الشعراء : این ریزه چین زلهٔ کرم را بفاتحه خیر یاد آرد ۔

۳- یه شعر حاشیے پر اضافه کیا گیا ہے ۔

۴- یادگار ؟ باد کار ؟

۵- کلمات الشعرا میں ہے: در عهد جهانگیر بادشاه از ولایت همدان به هندوستان آمده ۔ شاعر نازک مزاج و خوش خیال بوده ۔ دیوانے مشهور دارد چون نام مبارک الهی تخلص کرد تعظیماً ابتدا از وے نموده شد ۔ (اخلاص نے استفاده نهیں کیا) ۔

مولدش همدان است و در فضائل علمی و حکمی همه دان - اگرچه کما لاتش افزون ازان ست که اسم [ص ۹] مبارکش در صف شعرا نگارش یا بد ، اما چون نبض شناس سخن و مزاج دان معنی نیز بوده - ازین ممر برخے از احوال نیز درین نقش مختصر (۱) آمد (۲) - لطف کلامش از قیاس افزون ست و حسن الفاظش از خیال بیرون - در قصیده قصد هائے بلند می کرد و در غزل معنی هاے برجسته می بست - من اشعاره :

بر روے تابان یار کن زلف بهم تابیده را
بکشا که مضمونیست خوش این مصرع پیچیده را

عوض قطرهٔ آبے جگرت بشگافند
اے صدف تشنه بمیر و سوے نیسان منگر

مشکل عشق بتعلیم خرد حل نشود
کشف این مسئله از فیض الهی است مرا

[ص ۱۰] کم لذتم و قیمتم افزون ز شمار است
گویٔ ثمر پیش رس باغ وجودم

دهر انتقام آن کشد اکنون ز من ، که داشت
آسوده چند روز به پشت پدر مرا (۳)

در پیش آن گروه که از اهل ظاهر اند
غیر از نماز کار گدا دست بسته نیست

از الهی چه کنی پرسش الهی در حشر
آنچه من کرده و تو دیده چه گفتن دارد

چه همر هی طلبد کس الهی از جمعے
که همچو نقش قدم در شکت هم کوشند

۱- قلمزده عبارت : به نگارش می آید -

۲- وفات الهی ستوری (Persian Litt.) ص ۸۱۶ بحواله لوح مزار ۱۰۶۳ھ - بحوالهٔ قطعهٔ تاریخ از غنی کاشمیری ۱۰۵۲ھ -

۳- تصحیح از کلمات الشعراء (مطبوعه) -

از زلف خوباں فارغم اما پریشانم هنوز
آرے به بیداریست غم خواب پریشاں دیده را
هیچ ست ترا دهان چوں قند
مائیم و دلے بهیچ خور سند

[ص ۱۱] گویند در کابل میر الهی را با حکیم حاذق صحبت برهم خورد ۔ میر رنجیده ایں رباعی در هجو حکیم گفت ۔ رباعی :

دایم با دب سنگ و سبو نتواں شد در دیدهٔ اختلاط مو نتواں شد
صحبت بحکیم حاذق از حکمت نیست بالشکر خبط روبرو نتواں شد

مرزا جلال اسیر

مرزا جلال اسیر (۱) شاعر شیریں کلام بود ، در عالم جوانی فکر هاے بلند داشت ۔ سخن سنجان معنی الکلام و الاقلام او را استاد می دانند ۔ مرزا فریدوں حسین سابق برادر رضاعی مرزا جلال اسیر هر گاه بهند آمد روزے وزارت خاں (۲) عالی از سابق پرسید که صاحب! اکثر اشعار اسیر بظاهر خوش لفظ و فصیح بنظر می آیند ، و هرگاه ذهن [ص ۱۲] سامع بسوے معانی می رود هیچ مقصود مفهوم نمی گردد باعث چیست؟ سابق گفت مرزاے مذکور از بسکه دل دادهٔ نشهٔ شراب بود ، روز و شب سرشار می ماند ، و دو گل رخاں پری رخسار پیش او دست بسته استاده می ماندند ۔ هر مصرع و بیت که در حالت مستیٔ شراب اسیر بر زباں می آورد ایں خوش پسراں بر سفینه ها می نو شتند و مرزا گاهے شعر خود را دوباره بر زباں نیا ورد و نظر ثانی بچشم مخالفانه (منافقانه ؟) بر اشعار خود نکرد ازیں سبب اکثر مصر عهاے مهمل و بے ربط در دیوان ایشاں مانده اند ۔ چناں چه شخصے چه خوب گفته ۔

۱۔ کلمات میں حال درج ہے، اخلاص نے اس سے کچھ نہیں لیا (کلمات: به هند نیامده) ۔

۲۔ مرزا ابو المعالی وزارت خان عالی ۔

خواهی که عیب هاے تو روشن شود ترا(۱)
یکدم منافقانه نشیں در کمین خویش

[ص ۱۳] آفتاب عمر مرزاے مذکور در سنه هزار و چهل (۱۰۴۰ھ) بمغرب فنا رفت - اشعار جواهر نگار اسیر :

مشغول یاد اوست دل پاره پاره ام
وقصد ز شوق برسر مژگاں نظاره ام

روزے که فال منصب دیوانگی ز دم
زنجیر سبحه گشت بشب استخاره ام

کو سیه کرد چشم یار مرا
که سیه کرد روزگار مرا

چه بخاطر رسید یار مرا
که به هجران سپرد کار مرا

می کنم گریه تا صبا نبرد
از سر کوے او غبار مرا

گفتم که نگاه کن خدا را
گفتا که خدا نگاه دارد

گشتم غبار و از سر کویش(۲) نمی‌روم
دیگر چه خاک برسر طاقت کند کسے

[ص ۱۴] ناله خیز ست متصل چوں نے
بند بند من از جدای ها

تیغ در کفش دادم خون دل بجوش آمد
خنده زد گل زخمی ناله در خروش آمد

در چمن گل و غنچه داد میکشی دادند
آں پیاله نوش آمد آں سبو بدوش آمد

هر که دید خندانش در قباۓ گلگوں گفت
سرو گل فروش آمد شمع شعله پوش آمد

شکستی کز دل افتادگاں خیزد خطر دارد
مبادا شیشهٔ یا رب ازیں طاق بلند افتد (۳)

کدام روز که سر مشق انتظارم نیست
کدام شب که سر گریه در کنارم نیست

۱- عرفی کا شعر ہے - کلیات عرفی (طبع تهران) ص ۳۹۹
۲- کلمات الشعراء - کویت -
۳- تصحیح از روے کلمات الشعراء -

خاطرم زیر فلک از جوش دل تنگی گرفت
دامن این خیمهٔ کوتاه را بالا زنید

مرزا اسمعیل ایما

مرزا اسمعیل ایما از مرزایان اصفهانست از اشعارش احوال او بر ارباب استعداد معلوم می شود :

یکره در آ بخلوت آغوشم و ببین
دارم دو دست خانهٔ خالی که تاب نیست

ملا آبی

ملا آبی از مردم ایران ست، بهند نیامده ـ ازین کلام رتبهٔ نظمش معلوم می شود :

عرق نشسته ز پندم (۱) رخ نکوے ترا
زمن مرنج که می خواهم آبروے ترا

اوجی

اوجی در عهد شاهجهان پادشاه بود ـ از مردم ایران ست ـ رتبه اش ازین کلام بر ارباب دانش هویداست :

[ص ۱۶] خط زلفش که نسخهٔ ازلی ست
منتخب قطعهٔ خفی و جلی ست
عاشقان را براے حفظ بدن
داغ بر سینه مصحف بغلیست

میر باقر اشراق

میر باقر اشراق بر تمام عالم مراتب کمال او معلوم است، احتیاج تحریر احقر نیست [و تاریخ وفات آن صاحب کمالات " عروس علم و دین را مرد داماد " (۱۰۴۱ھ) یافته اند (۲)] ـ

۱- تصحیح از تذکرهٔ روز روشن ـ
۲- حاشیے پر اضافه ـ

رباعی

مارا نتوان ازو پند پیر برید کو دک نتوان بشهد از شیر برید
۰۰ را نتوان باو بزنجیر به بست او را نتوان ز ما بشمشیر برید

محمد سلیم افغان

محمد سلیم افغان از قوم افغان است - این بیت اوست -

نهان تخم (۱) مهر بتان زاده را بدل کشتم(۲) از سینه افغان بر آمد (۳)

امیر خان انجام

امیر خان انجام بن نواب امیر خان که تا حضرت ختمی پناه نام بنام احوال آباے عظام ابی خلاصهٔ بوستان سیادت بر تمام عالم روشن ست (۴) - من اشعاره :

[ص ۱۷] من از جمعیت آسودگان خاک دانستم
که غیر از خشت بهر خواب راحت نیست بالینے (۵)
از دوئی تا بر دل روشن غبار رشک نهاند (۶)
می توان کردن بهر خشت اشتباه آینه را
پادشاهانند یکدست از رعونت بهره یاب
از دماغ فیل این جامی خورد آب آستین
[گو] بر سر من دست کرم ناک ندارد
مینائے دلم شعلهٔ ادراک ندارد

۱- اصل : بحشم (تصحیح از روی ''افغانستان'' ص ۲۸۵ - جہاں 'تخم' صاف لکھا ہے۔
۲- ''فغانستان'' - کا شتم -
۳- ترجمهٔ احوال متن میں لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے -
۴- وفات ۱۱۵۹ ھ -
۵- سفینهٔ هندی : که بهر خواب راحت نیست غیر از خشت بالینے -
۶- ماند ؟ -

فریـاد که پیراهن دیوانگیٔ من
چون دامن صحرا خبر خاک ندارد

میر احسن ایجاد

میر احسن ایجاد(۱) سید صحیح النسب وشاعر شریف الحسب از سادات سامانه بود در عهد محمد فرخ سیر بخطاب معانی خان (۲) سر افرازی یافت - احوال هفت سالهٔ [ص ۱۸] محمد فرخ سیر را از ابتداے جلوس در نثر بسیار بفصاحت و متانت نوشته ، با میان ناصرعلی مرحوم و استادان دیگر صحبت ها داشته - در اوایل جلوس محمد شاه بادشاه غازی [در] مستقر الخلافهٔ اکبر آباد بقضاے الہی در گذشت - من اشعاره:

گرفتاری و زیبائی بیک انداز می نالند (۳)
تو گر از زلف می گوئی من از زنجیر می گویم
حرف سنگینیٔ هجران تو انشا کردیم
سطر در صفحه فرو رفته چو زنجیر در آب
خروشان جستم و از خویش مانند شرر رفتم
بآتش سوخت اول عشق و آخر داد بربادم

درین چمن منشینید بلبلان زنهار نشسته اند کمین کرده دام دارے چند

[ص ۱۹] وقتے که نواب قطب الملک عبد الله خان سید بارهه مجلس مہتابی براے بادشاه فرخ سیر در خانهٔ خود ترتیب داد ایجاد این قطعه مشتمل بر تاریخ این مجلس گفته بنظر بادشاه گزرانید و مورد الطاف واعطاف گردید -

آفتاب جهان و دولت وجاه که ازو آسمان بود بحساب
داد ترتیب بزم مهتابی از براے خدیو قدس [جنا] ب
سیم نائے زبام و در جوشید گل مهتاب بس که شد سیراب

۱- کلمات الشعرا : از نجبائے سامانه است ، غزل هائے طرحی بقدرت و سامان دارد -

۲- معنی یاب خان - خزانهٔ عامره ص ۲۸ . سفینهٔ هندی ص ۱۳ -

۳- سفینه هندی : نازد -

ششن‌جهت هر طرف که می‌دیدی طلق حل کرده بود با سیماب
خواند ایجاد بهر تاریخش مجلس ماهتاب عالم تاب
۱۱۲۶ھ

میر امام الدین اکسیر

میر امام‌الدین اکسیر در علم طب افلاطون عهد ماست، ذوق شعر هم دارد :

[ص ۲۰]
چو پرکارم که آغازم گل انجام می چیند
اگر صد دور می‌گردم همان در منزل خویشم

شفیعائے اثر

شفیعائے اثر از ولایت ایران است، بہند نیامده۔ از بصارت چشم در آخر عمر معذور شد لیکن حرفش مرآت معنی نمائے سخن آفرینان عرصهٔ دانش و بینش است، فصاحت و بلاغت بصد آب و تاب از لالی شاهوار اشعارش سان ابر نیسان می بارد، غواصی بحر سخن شیوهٔ اوست ۔ من غرر نظامه :

از عارضش دمید خطے همچو مشکناب
یعنی که شد به سنبله تحویل آفتاب
قبلهٔ من دین من تنها سوے مسجد مرو
بے اثر هرگز نمی گردد دعاے مستجاب
حب دنیا آدمی را می کند بے اعتبار
مرد را گر هست بدنامی [۲۱] ز پہلوے زنست
یافت در پیری سر انجامی اثر احوال من
عزتے گر هست مہماں را بوقت رخصت است
نباشد عالمے از عالمے دیوانگی خوشتر
بلے هر کس غمے عالم ندارد عالمے دارد
کسے زمعنیٔ رطل گراں نبود آگاه
شد آشکار چو کردند نرخ مے سنگیں

خاتم (۱) دولت زمانے پیش در دست تو نیست
بے خبر افتادهٔ از بازئی انگشتری

رباعی:

حسنت نظرے معنی حسنت غوریست دل شیفتهٔ ناز تو از خوش طوریست
می سوزم وبرگرد سرت می گردم چون شعلهٔ جواله جنونم دوریست

میرزا ابراهیم ادهم

[ص ۲۲] میرزا ابراهیم ادهم(۲)خلف مرزا رضی‌ارتمانی سید صحیح النسب بود و از علوم معقول ومنقول آشنا۔ در زمان شاهجهان بادشاه بهند آمد وبظرافت طبع و بذله گوئی معروف بود وخود را عمداً سودائی وا می نمود ۔ ذهنش بایهام و ادا مایل و با بزرگان گستاخانه حرف می زد ۔ آخر بهمین تقصیر سید مرحوم را بضرب کرهٔ خار دار شهید کردند ۔

[روزے در مجلس اعتماد الدوله بنگ می خورد، نواب بے دماغ شد گفت اے دیوانه ! برابر من بنگ می خوری ۔ در جواب گفت که برابر نواب می خورم (۳)]۔ من اشعاره :

اے که آرام دل خود بجهان می خواهی
بعد درویشی اگر هیچ نباشی (۴) شاهی

برائے نثارش ز شرمندگی ها
اگر جان نمی داشتم مرده بودم

۱۔ اصل : خاتمے ۔

۲۔ کلمات الشعراء در زمان شاهجهان بادشاه بهند آمده ۔ دیوانه مشرب و بے باک بود جنون ساخته داشت باهمه بزرگان بشوخی پیش می آمد ۔ طبعش بطرز ایهام میلے تمام داشت ۔

۳۔ اضافه بر حاشیه ۔

۴۔ تصحیح از روے کلمات الشعرا ۔

خدا که خواری اهل وفا نخواسته باشد
چرا تو خواسته باشی خدا نخواسته باشد
که گفته است که عاشق ز یار بوسه نخواهد
غلط رسیده بعرضت چرا نخواسته باشد

مثنوی :

[ص ۲۳] ز مستی غلط کرده بودم رهی — قضا را گذشتم به بیت اللهی
مرا زاهدے سوے محراب خواند — ز زهدش دماغ دلم خشک ماند
صلا داد شاهد بمیخانه ام — که اے ادهم مست و دیوانه ام
ترا کے سر صحبت زاهد است — تو شاهد پرستی خدا شاهد است

معز خان افسر

معز خان افسر محمد علی بیک نام داشت۔ جوانے بود بغایت میرزا و خوش طبع و لطیفه گو و خوشحال ۔ از صفاهان بهند آمد و در بنگالا وفات یافت ۔ احوالش بر ارباب کمال ازیں کلام معلوم است :

نمی خواهم که گردد ناخن من بند در جاے
مگر خارے برآرم گاه گاهے از کف پاے
[ص ۲۴] کافرم افسر اگر چشمے چو چشمش دیده ام
چشم من مانند عینک چشم ها را دیده است
بآں اکراه در آئینه عکس خط خود بیند
تو پنداری بمصحف می کند نظاره ترساے
برنگ سرمه می دادند جا در دیده ات افسر
اگر می بود اندک مردماں را چشم بیناے

رباعی :

هرچند خراب و خسته و ناشادم — یک ساغر ناله می کند آبادم
القصه که چوں ترازوے باده فروش — کردند براے میکشی ایجادم

یولقلی بیگ انیسی

یو لقلی(۱) بیگ انیسی تخلص از گوهر شجاعت و تہور بہرہ داشت هرات بداروغگی کتابخانه علی قلی خان مامور بود ، بحسب گردش فلک دوار آمد و بقیهٔ عمر در ملازمت سپه سالار خان خانان عبدالرحیم بسر برد و در بر پور [ص ۲۰] از قید ایں جهان وارست ـ دیوان و مثنوی یادگار گذاشت :

که گفت در قدح عیش ما شراب انداز
تو باش ساقی و در شیشه زهر ناب انداز

رسائی بخش دلهاے مخموران بادهٔ محبت عارف شیرازی دریں ز حسن مطلعے چه خوب فرموده :

مرا به بحر مئے ناب افگن اے ساقی که گفته اند نکوئی کن و در آب اند

طے می شود ایں ره بدرخشیدن برقے ما بے بصراں منتظر شمع و چراغی

وردی بیگ انتخابی

انتخابی ، وردی بیگ نام داشت در عین بهار جوانی نهال عمرش از صر اجل بخاک برابر شد :

شکایت نامهٔ ما را بر پروانه می باید
که نوک کلک ما چوں شمع آتش بر زباں دارد

سراج الدین آرزو

[ص ۲٦] سراج‌الدین آرزو (۲) از جواهر زواهر اشعار لعل بدخشاں ر در خاک و خوں نشانده و زمین گلشن سخن را از شادابیٔ اندیشهٔ رسا سرسبز نموده دیوان کلانے ترتیب داده که هر بیتش در دیدهٔ انصاف باییوت انجم پهلو

۱ـ نتائج الافکار : یلقی بیگ ـ کلمات الشعرا : شاملو یولقلی بیگ ـ مخزن الغرائب : یلقی بیگ انیسی ـ

۲ـ خان آرزو ۱۱۳۲ھ میں دلی میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے تھے (سرو آزاد : ص ۲۲۸)

میزند ـ من درر کلامه :

ز بس بردند با خود در لحد هم رنج مخموری
مزد لوح مزار میکشان از بشم انگوری
ز حسن یار دلم یافت قوت دیگر

علاج ضعف خود از طب یوسفی کردم
کشته را شربت نبات بود
آب شمشیر مصری که تر است
فردا خط او چو ریش گردد
شرمنده ز روئے خویش گردد
آرزو عیب نیست جان کسے [ص ۲۷]
من ندانم که از چه ننگ تو ام
زلف مشکین ترا هرکس کشود
گشت ناخنهاے او ازفار (۱) طیب

ارشد

ارشد ، هندوستان زاست شوخ و مرزا بود ـ کلامش از این عالم است :

خوبرویاں تا بکے بر خلق بیداد از شما
اے مروت دشمناں داد از شما داد از شما
گر دلے ارشد بدست آرید بدعت می شود
کفر خواهد شد که گردد خاطرے شاد از شما

خان زماں امانی

گل سر سبد سخندانی خان زماں امانی (۲) خلف مہابت خان زماں بیگ ـ شاگرد رشید مکرمت خاں مرشد تخلص که در عہد شاہ جہاں بادشاه بحراست صوبهٔ شاه جہاں آباد امتیاز داشت ، بوده ـ چنانچه امانی دریں شعر [ص ۲۸] اظہار شاگردیٔ خود کرده :

اے امانی سوختی تا پخته شد مغز سخن مرشد ما ایں غزل را خام می کرده هنوز

---

۱ اظفار؟

۲ـ کلمات الشعرا ـ خان زماں خلف مہابت خان خانخانان سپه سالار طبع رساداشت و دیوانے رنگیں گذاشته ـ

* سخنهاے راست براست دارد ، و بعضے جا تلاش نیز کرده۔ دیوان ر
ازو بر صفحهٔ روزگار یادگار است [در صوبه داریٔ دکن در سنه هزار و چه
چهار (۱۰۴۰ھ) زمانه را پدرود کرد (۱)] من اشعاره :

هر کرا شوق عدم بر پاے دل زنجیر شد
ایمن از باد خزان همچون گل (۲) تصویر شد
گر نیم مایل رخسار تو حیرانی چیست
ور ندارم سر زلف تو پریشانی چیست
بنوک سوزن عیسیٰ برون نمی آید
مرا که بے گل روے تو خار در جگر است
در باغ چسان توبه توان کرد امانی
هر شاخ گلے(۳) ساقیٔ پیمانه بچنگ است

اسمعیل بیگ انسی

اسمعیل بیگ انسی متوطن هرات بود۔ [ص ۲۹] وقتے که عبدالله خا
والیٔ توران بر هرات مسلط شد ۔ این نیز در آغاز شباب در آن دار وگیر بچنگ
اوزبکیه افتاد۔ چندے از واژونیٔ طالع در توران زمین محبوس ماند۔ بعد ازا
بیاوری بخت بیدار در سواد اعظم هند آمد۔ انیسی بحالش ترحم نموده د
تربیتش کوشید و در سلک ملازمان سپه سالار خان خانان عبدالرحیم منتظ
گردانید ۔ از اشعار او همین یک بیت که مصراعش ضرب‌المثل خاص و عا
است بنوک قلم می آید :

دیوانه باش تا غم تو دیگران خورند هر چند عقل بیش غم روزگار بیش

محمد سعید اعجاز

بفضائل عقلی و نقلی ممتاز محمد سعید اعجاز (۴) جامع کمالات طبیعی و

۱- اضافه بر حاشیه۔
۲- اصل : گلے۔
۳- تصحیح از روئے کلمات الشعرا ۔
۴- کلمات الشعرا : در اتحصیل علوم معقول و منقول و اکتساب فضائل می گذرد. . . گاه گاه بحسب صفائے ذهنی و جودت طبع بفکر شعر تیز می پردازد ۔

الہی [ص ۳۰] بودہ ، شاعری دون مرتبہ آن معدن فضل و کمال است لیکن گاہ گاہے بحسب تکلیف وقتے زبان معجز بیان را بگفتن یک دو مصرعے گلفشان می فرمود ـ من اشعارہ :

اے حریفان بزم روحانی — اے ندیمان جام ریحانی
اے خراباتیان بے سر و پا — مژدہ می دہم بجان شما
عکس ساقی بساغر افتادہ — دختر تاک فتنہ زادہ
تاکہ تہ شیشہ جرعہ باقی ست — بزم لبریز جلوہ ساقی ست
خود نما شاھدے تماشائی — جلوہ پیرا بہار رعنائی
خود نہان در حریم پردہ راز — ریخت بیرون ہزار عشوہ و ناز
طرح امکان کہ اختراعے اوست — جملہ اوصاف اشتراعے اوست

[ص ۳۱] اختلاط ناموافق سنگ راہ سالک است
فلفل از پرواز مانع می شود کافور را
ضرر ز صحبت ناجنس نیست کامل را
ز آب بحر نمی گردد آب گوھر شور

مرزا محمد احسن

مرزا محمد احسن در سخن فہمی رتبہ دارد ـ گاہ گاہے بحسب صفاے ذہن مصرعے و بیتے نیز موزون می نماید ـ من اشعارہ :

می دھد برباد عمر خود باندک فرصتے
غنچہ ساں ہرکس بقید رنگ و بو پیچیدہ است
موے شدہ گر جسم من از ضعف عجب نیست
با موے میانے سروکار ست دلم را
تا نقل می کند بموے دل زدیدہ یار
با چشم و دل ز اشک ھمیں ماجرا رود (۱)

۱ـ اس کے بعد میر اشکی قمی کا نام لکھ کر کاٹ دیا ہے ـ ص ۳۲ سے ص ۳۷ تک دوسرے شعرا کے حالات اضافہ کر کے ص ۳۷ پر پھر یہی نام درج کر کے کاٹا ہے۔

مرزا محمد ربیع انجب اصفهانی

گل سرسبد سخندانی مرزا محمد ربیع اصفهانی شاگرد رشید مرتضی قلی زنکنه(۱) والا تخلص شاعرے پختہ کار و معنی نگار سحر کار است - مدتے اصفهان مانده و استفادۂ معنویات از خدمت استاد ن این فن و نقادان سخن نمو بدل و جان مهربان راقم این سطور است - من اشعاره :

حسن شوخ تو چناں کرد فضا تنگ بگل
که نماند از عرق خجلت گل رنگ بگل
در چمن تا به تبسم شده[ص ۳۳] لعلش دمساز
می کند (۲) غنچه ز رشک لب او جنگ بگل
بفسون رفته ز جا بلبل شوریده نوا
تا تو آموختهٔ شیوهٔ نیرنگ بگل
شوکت حسن فرنگ تو بآئین چمن
دارد از ناز دگر خلعت گلرنگ بگل
انجب امروز بتضمین کسے شعر مگو
که بود صحبت هر خار و خسے تنگ بگل

شاه ولی الله اشتیاق

شاه ولی الله اشتیاق از نبائر شیخ الشیوخ احمد سرهندی مشتهر بہ ایشان مظهراخلاق ستوده و اوصاف حمیده است و از جوهر حلم و وفا متحلی ۳۴] و از شاگردان سر زمرهٔ سخنوران فحول مرزا عبدالغنی قبول است علم سخن طبع رسائے دارد - من اشعاره :

از شکوه عشق او در دار وحدت بے درنگ
هرکه می گوید اناالحق می شود منصور جنگ

دلم مضمون حسن عارضے یافت
چو خط آغاز شد بر عارض یار

کشن چند اخلاص

تراب الاقدام عام و خاص کشن چند اخلاص در حیات پدر چند

۱- عقد ثریا : انگینه (غالباً زنکنه ہے) -
۲- روز روشن : زند -

درپئے آموختن فنون کارد بازی وغیرہ بسر برد و در خدمت استادان این فن رسید ۔ درخور استعداد خود فائدہ از ہی علم برداشت ۔ و بعد فوت پدر بیاوری بخت بیدار [ص ۳۰] بجناب بزرگے کہ اسم مبارکش بزبان قلم آوردن کمال بے ادبی ست ، ارادت صادق (۱) بہم رسانید و بیمن خدمت ایشان فی الجملہ [ربط عبارت آشنا شد (۲)]

این ہیچ مدان کہ اعتماد ہیچ کمال بر خود نہ دارد و گاہ گاہے بنا بر تخلیف اعزا غزلے و بیتے کہ می گوید با مید اصلاح از نظر فیض اثر سرزمرہ معنی بندان فحول مرزا عبدالغنی بیگ قبول می گزرانید [و کسب علوم غریبہ کہ از قبیل عجائب و غرائب باشد، از خدمت آن دانائے اسرار لونی والہی کہ تفصیل آن را بزبان قلم آوردن و اظہار آن را در سلک بیان کشیدن اجازت نیست حاصل نمودہ (۳)] ۔ من اشعارہ :

چو دل مغلوب عشق افتد خرد در سر نمی ماند
ہزیمت خورد چون شہ جرات لشکر نمی ماند
چون مور خط از دور لبش دور اگر دی
[ص ۳۶] زان لب اگر امید شکر داشتہ باشی

هنر ور را هنر کافی بشان (۴) است کہ باقی نام فاضل از گمان است
چہ سان سنجیم زلف و خط بابروش کہ این شمشیر بیرون از میان است
مشو اخلاص نشدر بہر رفعت بلند و پست دنیا نرد بان است

۱۔ اشارہ ہے محمد صادق انبالجی کی طرف (دیکھئے ترجمہ بھوپت رائے بے غم)

۲۔ متن میں 'ربطے بہم رسانید' لکھ کر کاٹ دیا ہے اور ۲، کی علامت لگا کر حاشیے پر مذکورہ بالا عبارت اضافہ کی ہے ۔

۳۔ یہ عبارت حاشیے پر الٹے رخ بڑھائی گئی ہے۔ ''اظہار'' کا لفظ درج کر کے کاٹا گیا ہے۔ اسی طرح ''در بیان کشیدن'' لکھ کر بیان سے قبل ''سلک'' کا لفظ اضافہ کیا ہے۔

۴۔ گل رعنا : نشان

۰ نیست تنہا ز رگ جاں ،گہر پیوندش
خواجہ را ہست جگر گوشہ عقیق جگری

دارد خبر ز عالم بالا ہمیں نہ سرو
طفل بہ شیر غنچہ ز شبنم بود بباغ (۱)]
قامتم تا از خیال خال جاناں حلقہ شد
توجہ دل راکشیدم در بغل مانند زن (۲)
[ص ۳۷] برنگ سرمہ جا در دیدہ اہل نظر دارد
سیہ بختے کہ دانست است قدر خاکساریہا
ہمچو مور اخلاص بریک دانہ قانع گشتہ ام
از دل من کے رود بیروں خیال خال او
ہرگز مکدر از سخن کس نمی شوم
آئینہ وار در دل صافم غبار نیست
اخلاص بسکہ بلبل رنگیں ترانہ ام
چوں من بباغ دہر یکے از ہزار نیست (۳)

اچلداس

حقایق و معارف شناس اچلداس [ص ۳۸] قوم کھتری میہرہ متوطن دارالخلافہ شاہجہاں آباد ـ والد جامع ابن اوراق از عنفوان شباب تا آخر عمر درپے تلاش مقصد اصلی کہ عبارت از تحقیق مبداء و معاد باشد بود ـ عمرش تا ہفتاد سال وفا کرد ـ و در تمام عمر برائے تلاش مراتب دنیا بر در ہیچ دنیا دارے نرفت و بخشک و تر قانع گردیدہ ، اوقات در صحبت فضلا و فقرا و صلحا و عرفا بسر برد ـ اکثر صاحب کمالاں کہ بخانہ ہیچ کس نمی رفتند بنا بر مناسبت [ص ۳۹] صوری و معنوی بخانہ او می آمدند ، با ہمہ کس برفق و مدارا پیش می آمد ، و خدمت بزرگاں را سرمایہ سعادت می دانست ـ اگرچہ آں قدر توجہ بسوے شعر نداشت لیکن بنا بر تکلیف وقتے گاہ گاہے مصرعے و بیتے می گفت :

ندیدم ہیچ جا از جلوہ آں بے نشاں خالی
ز حسنش شش جہت لبریز و جایش ہمچناں خالی

۱ـ یہ اشعار حاشیے پر اضافہ کئے ہیں ـ
۲ـ اس شعر کے بعد چند شعر لکھ کراس طرح کاٹے ہیں کہ عبارت پڑھی نہیں جاتی ـ
۳ـ اس شعر کے بعد ایک شعر اور لکھ کر کاٹ دیا ہے - پھر صفحے کے آخر میں میرا شکی قمی کا نام درج کر کے کاٹا ہے ـ

نگشت روشن [من چیست] در پس گردون(۱)
حجاب چشم بود شیشهٔ که زنگاری ست (۲)

میر اشکی قمی

میر اشکی قمی [ص ۴۰] شاعر شیرین زبان و سخن گوے فصیح بیان، از سادات طبا طبا بود۔ اکثر در عالم سخن تتبع خواجه آصفی می کرد۔ در سنه ۹۷۲ھ نه صد و هفتاد و دو در مستقرالخلافهٔ آگره اشک وار از چشم روزگار افتاد۔

یک دیوان قصیده و دو دیوان غزل و یک دیوان هزل یادگار گذاشت۔ من اشعاره:

بسکه تن بگداخت بے او ز آتش سودا مرا
گر نهی زنجیر بر گردن فتد بر پا مرا
مشتاق کشتگان تو هر سو فتاده اند
تیغ ترا مگر که بے آب داده اند
اشک من اشکی نمی دانم رقیب من شد است
تا بروے او نظر کردم بروے من دوید

استاد

.... (۳)۔ استاد خلف و شاگرد سر زمرهٔ معنی بندان فحول میرزا عبدالغنی بیگ قبول است و احوالش از اشعار آبدارش بر ارباب کمال روشن۔

بر مشتریان جلوه دهد دست نگارین   آزاد بتے دست فرو[شی] که تو داری

بے نرگس تو اشک من آلوده شد به خون
این آب تیره صاف [به دید تو؟] می شود

۱۔ تصحیح از گل عنا۔

۲۔ آخر میں '' تراب الاقدام عام و خاص '' لکھ کر اس پر چپی لگائی ہے اور اس کے اوپر '' میر اشکی قمی '' درج کیا ہے۔ نیچے صفحے کے نشان پر '' کشن چند '' لکھ کر کاٹ دیا ہے اور اگلے صفحے کا پہلا حرف '' شاعر '' لکھا ہے۔

۳۔ نام جلد بندی میں کٹ گیا ہے۔

ــــ بے نرگس اشک تو من آلوده شد به خون
این آب تیره صاف [به دید تو ؟] می شود
بہار آمد و خاک چمن صفا دارد
برنگ نامیه عالم نما نما (۱) دارد

مدتے در خدمت حقایق و معارف آگاه شیخ سعد الله گلشن و انسان کامل مرزا عبدالقادر بیدل مشق اشعار خود بامید اصلاح می گذرانید صاحب دیوان است و احوال اش از اشعارش پیداست :

دل از دراز دستی زلفش بناله بود — کاکل ز بهر پشتئی او از قفا رسید
محتاج نیست رهرو کامل دلیل را — آخر بره گذاشت بنی جبرئیل را (۲)

شاه آفرین لاهوری

شاه آفرین لاهوری [ص ۱۰۴] مردیست آزاد وضع تجرد منش ، اکثر اوقات به بے تعینی در قهوه خانه و کوکنار خانه نشسته می نماید ـ و دنیاداران این شهر دریافت صحبتش را غنیمت می دانند ـ این درویش از بسکه غنائے معنوی دارد هر گز نظر توجه بحال ایشان نمی نماید ـ اشعار آبدارش سامعه افروز شعرفهمان روزگار است ـ اکثر در تلاش مضامین تازه جهد می نماید ـ بسیار متین و با رتبه می گوید ـ من غرر نظامه :

ابر پیش خوان احسانش صدائے بیش نیست
بحر راکشتی بکف دیدم گدائے بیش نیست

با درستان در نگیرد صحبت افتادگان — با زمین سخت کے صورت پذیرد نقش پا

[ص ۱۰۴]
آفرین تا دل ما گرد تعلق افشاند
مشت خاکے بسر مردم دنیا کردیم
گیسوے ترا چو عمر گفتم پیچید
مژگان ترا چو بخت گفتم بر گشت

۱ـ نما : بالیدن ، افزائش و بلند شدن (غیاث اللغات)

۲ـ یه عبارت حاشیے پر درج ہے اور آغاز کی ایک سطر اور حاشیے کے چند الفاظ جلد بندی میں کٹ گئے ہیں ـ یه بھی معلوم نہیں که یه عبارت قبول کے حال میں کہاں اضافه کرنی مقصود تھی ـ

حصار عافیت چون گوشهٔ عزلت نمی باشد
نباشد آفت مقراض هرگز بال عنقا را
موجود و عدم ز یک قماش اند
آن پنبه که جامه شد کفن شد
رنجش از هوا خواهان شیوهٔ مروت نیست
جان من مرنج از من حاصل کلام اینست
می کند عشاق از بعد فنا هم جذب یار
تشنگی بسیار دارد هر که ماهی خورده است

ظفر خان احسن

ماهر این فن ظفرخان احسن(۱) بصوبه داریٔ کشمیر امتیاز داشت۔ در علم سخن اعجاز ها کرده، دیوان رنگیں ازو تابکار [ص۳۴] است [به سنه ۱۰۷۳ھ هزار و هفتاد و سه در لاهور بدار الملک آخرت (رفت)(۲)] من درر کلامه :

به تیغ بے نیازی ناتوانی قطع هستی کن
فلک تاافگند از پا ترا خود[پیش دستی (۳)] کن
بهر کجا که روم (۴) وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکان نمی بنید

اسیری رازی

دانندهٔ زبان فارسی و تازی اسیری رازی نامش امیر قاضی بود به نجابت حسبی و نسبی امتیاز داشت و از علوم متعارفه نیز آگاه۔ در سنه ۹۸۲ نه صد و هشتاد و دو ازیں زندان خاکدان نجات یافت ۔ من اشعاره :

۱۔ کلمات الشعرا : اکثر بصاحب صوبگی کشمیر و کابل عشرت اندوزی داشت ۔

۲۔ حاشیے پر اضافه

۳۔ تصحیح از روے کلمات الشعرا

۴۔ کلمات : رسم

هر که بے ذوق خورد باده شرابش ندهند
گر شود خاک در میکده آبش ندهند

قاصد رقیب بوده و من غافل از فریب
بے درد مدعائے خود اندر بهانه ساخت

[ص ۴۴] بتنگ آمد دلم از بے نیازی توبه سوزے کو
که برق حسن او آتش در استغفارم اندازد

محمد صادق القا

محمد صادق القا(۱) بتعلیم هندو پسراں اوقات عزیز خود که عدیم البدل است بسر می برد و در فن معما دستگاهے دارد و در سخنوری و سخن فهمی گردنش بهیچ کس فرو نمی آید، و در هر جامی خواهد که قلم وار حرف خود را پیش برد و بالا دست معلماں نشیند ـ کلیات اشعارش زیاده از هفتاد بیت نخواهد بود و چند فقره نثر نیز دارد ـ من اشعاره :

هست از فیض سحرگاهی لبالب خوان ما
شیرمال صبح چوں خورشید باشد نان ما

بسکه رفت ز آشنائی هائے موروثی اثر
[ص ۴۵] دانه گر باشد سلیمانی چه حاصل مور را

مه زیر گلوے تن زندانی ماست (کذا)
تکمهٔ نیلم و پیراهن عریانی ماست

بقرب خاکیاں افلاکیاں کے می رسند القا
بود بال پریدن سست تر مرغان آبی را

رباعی

در انجمن خیال حیرت انشا   جوش نفسم صرف نگاه است القا
چشم است بجائے سر مرا بر گردن   چوں آئنه و نرگس و جام و مینا

۱ـ سفینهٔ هندی میں غلطی ہے: اتقا ـ کلمات الشعرا: هوائے خیالات بلند در سر (دارد)

..نایت خان آشنا

معنی بند خوش ادا عنایت خان آشنا(۱) خلف ارشد ظفر خان احسن بود ـ ..ان رنگین ازو یادگار است و احوال سی ساله شاهجهان بادشاه نیز بقدرت و ..ان نوشته [و در سنه ۱۰۷۷ هزار و هفتاد و هفت بشهان خانهٔ عدم رفت(۲)] اشعاره :

ص ۳۶]
منه اے طفل اشک از خانهٔ چشمم قدم بیرون
که می آیند مردم زاده ها از خانه کم بیرون

درد و درمان را دهد گر عرض عشق او بما
زخم برداریم و بگزاریم مرهم را بجا

چشم بکشودی و افتاد نگاهت بر من
از کے بخت من از چشم تو بیدار تر است

تاب نظاره ات آن دل دارد
که چو آئینه بود روئیں تن

هر کرا نرم نباشد گفتار
بر دهن مشت خورد چو هاون

..یر احسنی

میر احسنی(۳) ابن میر ابوالفتح موسوی در بٹاله که متصل لاهور است ..ولد شد ـ از علم تواریخ آگاه بوده، در سال هزار و یاز دهم ۱۰۱۱ھ ازیں ..هنه رباط رخت اقامت بر بست ـ مثنوی شاه و ماه [ص ۳۷] و دلیر و شیدا از ..کار اوست من اشعاره :

۱ـ کلمات الشعراء : خلف ظفر خان ـ

۲ـ اضافه بر حاشیه

۳ـ ' خلف ابو الفتح بٹالوی است مولد او نیز بٹاله بود طبع معنی رس ..اشت و تاریخ دان بود ...... در سنه یک هزار و یک صد و یازده (۱۱۱۱ھ) ..فات یافت ـ او راست' ـ (نشتر عشق ص ۳۸ ـ نسخهٔ خطی)

در صد هزار باده و ساغر نیا فتیم کیفے که در نگه مئے فروش بود
هر جور را هزار دلیل آوری بعذر یا رب که دلستان کسے نکته داں مباد

رباعی

گر خاک شوم نظر بروبم نکند ور سبزه شوم گزر بسویم نکند
گر فکر شوم نیارد اندر خاطر گر گل گردم ز ناز بویم نکند

غلام مصطفے انسان

غلام مصطفے انسان تخلص قوم کنبوه از متوطنان (۱) مراد آباد نثار رنگین نویس و سخن گوے خوش خوست و از معقول و منقول نیز آشنا ۔

نه بر راه (۲) تو تنها دارد از نرگس چمن چشمے
بود بادام چشمے لاله چشمے یاسمن چشمے

درین زمین شعر خوبے از زبان اودے بهان بگوش رسیده [ص۸۳] معلوم نیست که از کیست :

بزیر خاک هم در جست و جوے دیدنت باشم
مرا چوں دام می روید زهر تار (۳) کفن چشمے

مولانا اظهری

مولانا اظهری حیدر علی نام داشت پدرش از ولایت بهند آمده و او در عهد جهانگیر بادشاه در دهلی تحصیل علم شعر و انشا نموده کلامش مرغوب طباع ظریفان سخنداں است - من اشعاره :

ز شهر می روم و کنج باغ می جویم
ستم کشیدهٔ هجرم فراغ می جویم

۱- اصل : متوطان
۲- اصل : راهے
۳- اصل : تارے

ز عشق روز امیدم بغایتے (۱) سیه است
که آفتاب درو با چراغ می جویم

خواه با ظهری و خواه به بیگانه نشین　　من همین شرم ترا بر تو نگہبان کردم

نقل مشهور است که این بیت پیش شیدا خواند ـ شیدا گفت که شاید در حق منکوحهٔ خود فرموده اند ـ چون اظہری ضعف باصره نیز داشت شیدا این مثل هندی هم بر زبان آورد ـ مثل :

اندھے کی جورو کا خدا رکھوالا (۲)

عافیت بر درم آمد برخش در بستم　　کس بدشمن نکند آنچه بمہمان کردم

خواهی که شهر پر گل و شبنم شود چو باغ
اے شوخ خنده از تو و از ما گریستن

محمد ابراهیم انصاف

محمد ابراهیم انصاف (۳) از شاگردان مرزا معز موسوی خان بود ـ اکثر تلاشهاے معنیٔ تازه می نمود

نسازد غم ز بیتاب محبت شادمانی هم
گران باشد برین بیمار مردن زندگانی هم

عبدالعزیز ایجاد

عبد العزیز ایجاد از شاگردان انسان کامل مرزا عبد القادر بیدل

۱- اصل : بغایت

۲- کلمات الشعرا (ترجمهٔ ملا شیدا ، حاشیه ص ۵۸) روزے(شیدا) در مجمع شعرا نشسته بود ـ اظهری شاعر نابینا در آں جا حاضر گشت یک بیت تازه گفته بود در مجلس بیے محابا بر خواند ـ خواه با اظهری الخ - ملا شیدا گفت مثل هندی مشهور است که زن نابینا را خدا نگهبان است ـ (کلمات میں اظهری کا حال درج متن نہیں ھے ، شیدا کے سلسلے میں اس واقعه کو صاحب کلمات نے بیان کیا ھے) ـ

۳- کلمات الشعرا : بخدمت میر معز موسوی خان شعر می گزرانید ـ معنیٔ تازه فکر میٔ کرد ـ

[ص ۵۰] صاحب است ۔

بصحرائے جنون دیوانہ ساماں(۱) جنون(۲) دارد
چو نرگس چشم حیرانے چوگل چاک گریبانے

اسدبیگ اسد

اسد بیگ اسد درعہد جہاں گیر بادشاہ به سخن سنجی مشغول بود و به تجرد و تفرد موصوف و به دلیری ودلاوری و راستی ودرستی معروف من اشعاره:

امروز اسد با دم شمشیر تو دارد	آں مایه محبت که کسے را بکسے نیست
دیروز اسد جامه زهجران تو زد چاک	امروز زغم مردو همان جامه کفن شد

عبدالرسول استغنا

عبدالرسول استغنا(۳) صاف و شسته بطرز قدما سخن می گفت :

[فلک چرا کمر احتساب می بندد
سزاے باده پرستاں خمار خواهد بود (۴)]
می تواں آورد استغنا سفارش نامهٔ
[ص ۵۱] چرخ کج رو را اگر دانیم از یاران کیست

عوض بیگ اکسیر

نثار بے نظیر عوض (۵) بیگ اکسیر ۔ گویند بسیار خوش خلق و شائسته و آرمیده وضع بود ۔ در فن انشا طبع رسا داشت ، و خط شکسته و تعلیق نیز می نوشت ۔ در عہد جہاں گیر بادشاہ بہند آمد و بخدمت منشی گری سلطان خرم (۶) عرف شاہ جہاں بادشاہ اختیار یافت :

۱- اصل : ساماںئے
۲- اصل : چمن - تصحیح از روۓ سفینهٔ هندی
۳- کلمات الشعرا میں حال درج ہے اخلاص نے صرف ایک شعر یہاں سے لیا ہے۔
۴- اضافه بر حاشیه
۵- مخزن الغرائب : عیوض بیگ
۶- اصل : خورم

تمام عمر نگاهم ببام و در فرسود   چو یار جلوه گر آمد نظر ز کار (۱) افتاد

مولانائے انور

[شاعر سخنور (۲)] مولانائے انور نور محمد نام داشت - معنی بند هندی نژاد بود - اکثر همتش در بستن الفاظ شوخ و فصاحت عبارت مصروف می ماند - اشعار دلچسپ بسیار دارد :

[ص ۵۰۲]

دریں حدیقه بهار و خزاں هم آغوش است
زمانه جام بدست [و] جنازه بردوش است
بیا که میکده را قبلهٔ زمانه کنیم
ز سنگ کعبه بنائے شراب خانه کنیم
شب حدیث زلف او در مجلس احباب بود
دیدهٔ خورشید از یں افسانه گرم خواب بود
انورم آئینهٔ مهر و محبت در کفم
دم مزن نور وفا در جوهر احباب نیست (۳)

اعلیٰ تورانی

اعلیٰ تورانی (۴) همیں مطلع از و بگوش رسیده :

هر که شد خاک نشیں برگ و برے پیدا کرد
سبز شد دانه چو با خاک سرے پیدا کرد
[تا تو عریاں نشوی راه بمقصد نه بری
بیضه چوں خانه فرو ریخت پرے پیدا کرد(۵)]

۱- روز روشن : پا
۲- اضافه بر حاشیه
۳- ' بود ' لکھ کر کاٹ دیا ہے اور پھر 'نیست' لکھا ہے۔
۴- کلمات الشعراء (حاشیه) صاحب همیں بیت بود و بس (متن) فقر مشرب صاحب همیں یک دو بیت بود (ایک شعر درج کیا ہے) اخلاص کو ' دیده ' کی بجائے شنیده کا دعوی ہے۔
۵- اضافه بر حاشیه

ملا محمد سعید اشرف

ملامحمدسعید اشرف در عهد شاه عالمگیر از ولایت[ص۵۳] بهند آمد ـ نز زیب النساء بیگم از روے قدردانی پرداخت احوالش نمود ـ شاعر خوش خیال معنی بند بے نظیر بوده ـ در گفتن غزلهاے طرحی قدرت کمال داشته ـ

گویند مثنوی ' قضا و قدر ' که قریب هفت صد بیت خواهد بود، بحد یاران نشسته گفته و اکثر جا تلاشهاے تازه نموده ـ و تخلص از خدمت صائب گرفته ـ و قطعهٔ هم در استدعاے تخلص گفته در دیوانش ثبت است دریں مصرع مرزا صائب که ع

عیبے بعیب خود نرسیدن نمی رسد

حرفے داشت و می گفت یک باے دگر می باید یعنی ع

عیبے به بعیب خود برسیدن نمی رسد

من اشعاره :

[ص ۵۴] چوں نگیں مطلب ندارم غیر کام دیگراں
می نشانم نقش خود اما بنام دیگراں
نرگس شوخ نگاه تو بهر چشم زدن
می کند چشم نمائی بغزالان ختن
برگ عشرت را نظام از خندهٔ دنداں نماست
از همیں شیرازه ایں اجزا بهم پیوسته است
رتبهٔ شاه و گدا در چشم موزوناں یکیست
اعتبار سنگ و زر در پلهٔ میزاں یکیست
گر رود بهر شنا آں شوخ سیمیں بر در آب
آب گردد بار دیگر از حیا گوهر در آب
سوے ما چشمش نظر دزدیده از یاراں کند
همچو بیمارے که نا پرهیزیٔ پنهاں کند
[ص ۵۵] نیست ز اسباب کمال آنچه بفرمان من ست
غیر مجموعهٔ شعرے و در آں هم سخن است

صحبت اهل نظر دل را مصفا می کند
نور گردد توتیا در دیده چون جا می کند

خانهٔ آن نازنین نادیده ماند
معنیٔ این بیت نا فهمیده ماند

در نامهٔ زمانه بجز حرف جنگ نیست
گویا که از سیاهیٔ لشکر نوشته اند

از تغافل هائے پے در پے مگر یارش کنم
با زہم چندان به بخت خود که بیدارش کنم

مرزا عبدالقادر بیدل

انسان کامل مرزا عبد القادر بیدل (۱) بر بام اخضر این نه رواق سپہر دوس ملک الکلامی بنام نامی او صدا می دهد و قدوسیان بالائے عرش نوبت مسلمیٔ سخن باسم گرامی آن [ص ۵۶] سخن آفرین می زنند ـ سالک راه راه حقیقت ، دانائے کنه طریقت ، پرده بر انداز حجله نشینان معانی ، چہره کشائے شاهدان مضامین نہانی ، پیشوائے اهل تجرید ، سر زمرهٔ اهل دید بود ـ

در وصف ذات مجمع الکمالاتش هر چه نویسم کم است ـ دهلی به یمن قدوم میمنت لزوم آن پے بردهٔ بحر طریقت حکم بسطام داشت ـ دیوان غزلش زیاد از لک بیت خواهد بود ـ یک دیوان قصیده و یک دیوان رباعی و مثنوی نیز دارد ـ و کتابے در نثر نوشته مسمی بچار عنصر متضمن بر نکت غریبه و رقعات خود نیز جمع نمود ـ من عزر نظامه :

تواضع بیش سازد خصم ازو ایمن مشو بیدل
[ص ۵۷] بخون ریزی بود چالاک شمشیرے که خم دارد

هم چو گل دل در ازل صید نگاهش بوده است
بلبل ما بیضه را نشکست تا بسمل نشد

۱ـ کلمات الشعرا : ترجمے سے استفادہ نہیں کیا لیکن متن کی ایک حکایت بسلسلهٔ زلالی درج کی ھے۔ (وفات بیدل ۱۱۳۳ھ)

* از بیاض گردنش پیداست خون عاشقان
می شود بے پرده ہے چندانکه مینا نازک ست
ز رونق باز می ماند چو مینا شد ز مے خالی
شکست رنگ ظاهر می شود در خون کشید نها
فرش مخمل هم بساط بوریاے فقر نیست
تاصف مژگان کشاید محو گردد خواب ها
از مردم دنیا طمع هوش مدارید
بیداری اس طائفه خمیازهٔ خواب است
[ص ۵۸] عمر یست گرد گردش رنگ خودیم ما
چون آسیا فلاخن و سنگ خودیم ما
در تماشاهت برنگ شمع هر جامی رویم
دیدهٔ ما یک قدم بیش است از مژگان ما
با بخیلان نه همین طبع گدا نا صاف است
کیسهٔ خود هم ازیں قوم دل (۱) بر دارد
پریشانی نمیدیدم اگر دل جمع می کردم
برنگ غنچه ایں مشتم بخاطر بعد جنگ آمد

رباعی

[ص ۵۹] مو گشت سفید شستم از دل غش را
در خاک نشاندم هوس سرکش را
چون صبح دمید رونق شمع نماند
این جا است که پنبه می کشد آتش را

رباعی

از شیشه برون رنگ ندارد مے ما پیچیده نواے ما همان در نے ما
هر جا برویم خود سراغ خویشیم مانند کمان گم است درما پے ما(۲)

۱- اصل : دلے
۲ - تصحیح از روے کلیات بیدل (طبع افغانستان) جلد دوم ص ۳ -

رباعی

هر چند مزاج حرص دون گرسنه خوست   همت نشود زله(۱) کش دشمن و دوست
مگذر ز سر خوان قناعت کاین جا   در دست بهم نهاده نانے است دو پوست

یکره خبر از کاغذ آتش زده گیر   تا سوختگان چه سحر می گردانند

یک قدم را هست بیدل از تو تا دامان خاک(۲)
بر سر مژگان چو اشک استادهٔ هشیار باش
حرص قانع نیست بیدل ورنه اسباب معاش
آنچه من درکار دارم اکثرے در کار نیست

تاریخ تولد شدن مراد شاه پسر محمد فرخ سیر در رباعی گفته که هر مصراعش تاریخ است :

سالار کرم جہان پناه است   آن نور جبین مہر و ماه است
دنیا همه روشن از قدو مش   حامی جہان مراد شاه است

(۱۱۳۰ھ)

این رباعی خود را بسیار عزیز می دانستند : (۳)

رباعی

[ص ۶۱] هر چند طلب بصد فسون ست این جا
در یوزهٔ دیدار جنون ست این جا
از هیئت چشم و مژه غافل نشوی
دستے دگر از کاسه برون ست این جا

شاه بهجت

شاه بهجت مرد درویش مزاج بود ـ اکثر اشعار خوب دارد :

نرفته ام بسرائے کسے که چندین بار   نگفته ام که هان خانهٔ خراب خودم

---

۱ ـ اصل : ذله ـ
۲ ـ چاک ؟
۳ـ کلمات الشعرا : برین رباعی خود بسیار محظوظ اند الخ ـ

*چندے با نوازش خان بن اسلام خان رومی که طالع تخلص می کرد رفیق بود ـ بعد ازانے که جدا شد قصیده گفته که یک بیتش این است :

بهجت به بین ز بوئی طالع که بارها　　رفتم طلا بکوره و آهن بر آمدم

شیخ عبدالسلام پیامی

[سخن شناس گرامی (۱)] شیخ عبد السلام پیامی مرد تازی نژاد بود و سیاحت بحر و بر [ص ۶۲] نموده و بزیارت حرمین شریفین شرف اندوز گردید ـ سخن هائے با رتبه می گفت ـ و در عهد جهان گیر بادشاه درهائے معنی را بسلک نظم می سفت ـ آخرالعمر در دکن توطن گرفت ـ من اشعاره :

شد ز خونناب جگر ما را دو چشم تر سفید
باده گل گون وین عجب کزوے شود ساغر سفید

بزمے که درو روے سخن جانب ما نیست
اے دل کمی از ماست که بسیار نشستم

هرگز لب من چاشنیٔ خنده ندانست
چون غنچهٔ نشگفته بر آشفتم و رفتم

عبد الباقی باقی

عبد الباقی باقی تخلص می کرد ، و سودائے صورت پرستی در سر داشت و اکثر نوجوانان استفادهٔ فن شعر و انشا ازو می کردند و متکفل معاش او می بودند ـ یک شعر او از زبان میر فخر الدین یقین که مهربان راقم این سطور است ، بگوش رسیده :

پیش ازین سینهٔ ما هم دل پر آ ہے داشت
رنگ بر چهرهٔ ما حکم پر کا ہے داشت

یقین صاحب نیز درایں زمیں غزلے طرح نموده اند و حسن مطلعش این است :

۱ـ اضافه بر حاشیه

این همه جور و تغافل نبود شرط وفا
دل بے رحم تو فکر (۱) دل ما گاہےداشت

رفیع خان باذل

رفیع خان باذل (۲) برادر زاده وزیر خان عالم گیری ، شاعر صاحب قدرت و معنی یاب عالی فطرت بود ۔ کتاب [ص ۶۴] معارج النبوت را در زمین شاه نامه فردوسیؑ طوسی بنظم آورد و اکثر تلاشهاے تازه نموده و حملهٔ حیدری نام نهاد ۔ قریب چہل هزار بیت خواهد بود ۔ درآن کتاب درمنقبت حضرت امیر المومنین علی کرم الله وجهه در هنگام ضربت زدن عمر او می گوید :

فضاے هوا از فلک تازمیں زمانے شد آن دم پر از آفریں

من اشعاره :

هشیار که آن چشم سیه بر سر مستی است
هر یک مژه برهم زدنش تیغ دو دستی است
عشق را با هر دلے نسبت بقدر جوهر است
قطره برگل شنبم و در قعر دریا گوهر است
چه نشاط باده بخشند بمن (۲) خراب بے تو [ص ۶۵]
بدل گرفته ماند قدح شراب بے تو
[شخصے چه خوب دریں زمیں گفته :
نخورد به بزم مستان دل شیشه آب بے تو
بخران (؟) تاک ماند قدح شراب بےتو (۳)]

بروی ساوجی

بروی ساوجی امیر بیگ نام (۴) در عهد جهانگیر بادشاه در نقاشی ید علیا داشت و بر قلیل و کثیر قناعت ور زیده بمسکنت زیست می کرد :

۱- اصل : فکرے -
۲- تصحیح از کلمات الشعرا -
۳- اضافه برحاشیه -
۴- 'داشت' لکھ کر قلم زد کیا ہے-

بیدرد را شراب محبت کجا دهند
کیفیتے است عشق بتاں تا کرا دهند
خوش آں فنا شدهٔ عشق کو نمی داند
که غیر شغل محبت بدهر کارے هست
[طفل اشکم بره بار سر خویش نهاد
خوش نمی ماند دریں ره قدمے پیش‌نهاد] (۱)

حاجی بینا

حاجی بینا مردیست تجارت پیشه در احمد آباد گجرات اوقات بسرمی برد -

از آفتاب قلقل مینا نهفته (۲) است
ایں راز سر بمهر بمهتاب گفته(۳) است

بینش

[ص۶۶] بینش(۴) در کشمیر بسیر کشتی عمر بسر برد ، از مردم ایران است قماش سخن اش بر نکته سنجاں از اشعارش معلوم است :

دریں محیط تلاش من از ره تدبیر
بهیچ جا نرسد چوں شنائے کشتی گیر
هر پارهٔ دلم چمنے از نگاه اوست
آئینه چوں شکسته شد آئینه خانه ایست

مولانا بقایؒ

مشهور به عبارت آرائی مولانا بقائی ذهن مستقیم و طبع سلیم داشت - در سنه ۱۰۰۹ھ هزار و نهم شربت شهادت چشید و بقرب اله غفار جا گزید :

۱- اضافه بر حاشیه -
۲- اصل : نهفتے -
۳- اصل : گفتے -
۴- کلمات الشعرا سے کوئی استفاده نہیں کیا سوائے اشعار کے- نتائج‌الافکار : وفات ۱۱۰۰ھ

من اشعاره :

دوش آں شوخ بتکلیف مرا مہماں بود
بر من ایں خانہ گلستان و برو زنداں بود

کاشانہٴ ما روشنی شمع چہ داند [ص ۶۷]
در خانہ اگر بود چراغ دل ما بود

سوامی بھوپت رائے بیغم

سوامی بھوپت (۱) رائے بیغم تخلص (۲) متوطن قصبہٴ پنہان سرکار جمو مضاف صوبہٴ پنجاب (۳) قوم کھتری از قانون گویان آن ضلع است - در ابتدائے عمر برائے تحصیل وجہ معاش نوکریٴ انشا نویسی حکام آں ضلع کردے - آخر سودائے تجرید و تفرید بر مزاجش غلبہ کرد و طریق درویشی اختیار نمود و دست ارادت بدامان نرائن نام بیراگی زد و بحسب اتفاق قسمت بدهلی آمده در دم صورت نارائن چند نام هندو سرے اسیر شد و ترجمه بربوده چندا ودی نائک (۴) که کتابیست در زبان هندی متضمن بر نکات غریبهٴ توحید [ص ۶۸] بنام او در سلک نظم کرده و اکثر رسائل تصوف بنام او نوشته - بوالد جامع این اوراق بسیار آشنا بود ، و بوساطت والد بنده بخدمت شیخ الشیوخ شیخ محمد صادق انبالجی (۵) که دهلی به یمن قدوم ایشاں حکم بسطام داشت مشرف شد - و اکثر مطالب غامضهٴ حقائق و معارف که مطلب اقصیٴ انساں است از خدمت آں سر حلقهٴ دانش و بنیش بگوشش

۱- کلمات : بھونت - نتایج الافکار : بھوپت - گل رعنا - بھونت رائے -

۲- کلمات الشعرا کے حال سے استفادہ نہیں کیا -

۳- گل رعنا : آبا و اجدادش بقانون گویٴ پنہان از اعمال سرکار جون (جموں؟) تابع صوبہ پنجاب قیام داشتند (صحیح نام پٹن ہے-دیکھئے 'فارسی ادب میں ہندووں کا حصہ' از ڈاکٹر سید عبد اللہ - ص ۲۹۰) -

۴- گل رعنا : پریودہ چندر نائک -

۵- فارسی ادب میں ہندووں کا حصہ - ص ۲۹ - ابنالجی ؟ - لیکن سٹوری نے محمد صادق کے بیٹے محمد زمان فیاض المخاطب بہ ثانث کو انبالجی دہلوی شافعی حنفی لکھا ہے -(جلد دوم ص ۷ ، ۱۲ ، ۵۰ ، ۹۲)

رسید ؛ و بے بحقیقت الحقائق برد ۔ غرضکہ مردیست (۱) آرمیدہ وضع ، حالے از بوئے فقرا فہمیدنی ست ۔ چندے از رباعیات ایشان نیز بر زبان قلم می آرد :

[ص ۶۹] دریا در موج و موج اندر دریاست
در ذات و صفات حق تفاوت ز کجاست
اے محو حقیقت نظر افکن بمجاز
بے رنگ بصد رنگ چسان جلوہ نماست

با دھری (۲) گفتم اگرت فہم و ذکاست (۳)
حرف من و تو ھیچ نمے آید راست
تو منکر خالقی و من منکر خلق
بنگر کہ تفاوت ز کجا تا بکجاست

رفتم سحرے بہ پیش زاھد ناگہ
پرسیدم ازو کہ چیست کیفیت راہ
گفتا کہ ھمیں صوم و صلوۃ است این جا
برگشتم و گفتمش کہ اللہ اللہ

اے آنکہ تراھوائے معنی است بسر　　ز نہار ز آئینۂ صورت مگذر
(ص ۷۰) صورت آئینہ است و معنی تمثال　　بے آئینہ کے فتد بتمثال نظر

اودے بھان بہار

اودے بھان بہار مانند تخلص خود رنگین طبع است ، و مضامین تازہ را بجودت

۱- 'فارسی ادب میں ھندووں کا حصہ' از ڈاکٹر سید عبداللہ ص ۲۹۵ و نتایج الافکار ۔ وفات بیراگی ۱۱۲۳ھ
۲- گل رعنا : دھریہ ۔
۳- اصل : زکا ۔

طبع‌در الفاظ بلند ادا می‌سازد و زبان شعر درست دارد۔ در عالم‌اخلاص و آشنائی ها عدیم البدل است(۱) خدا سلامت دارد ۔ و کسب علم شعر از راقم این کلمات نموده :

تا رفته‌ٔ بسیر گل اے آبروے(۲) گل پیداست آب شرم ز شبنم بروے گل
باد صبا بباغ جنون سیر کرده ایم در آرزوے روے تو اے آرزوے گل
باوجودے‌آنکه بر کف غیر نقد جان نبود برسر بازار رسوای ٔ دکانے دانستم
[ص ۱ ے] از چاک چاک سینهٔ آشفتگان مترس (۳)
دل از خیال زلف کسے شانه می شود

شرف الدین علی الدین پیام

[شرف الدین علی‌الدین پیام تخلص زبان شعر درست دارد۔ این اشعار از افکار اوست :

قطع راه کویش از دوری مرا مقدور نیست
چون کبوتر پاے من گر پر بر آرد دور نیست
چون سفال از خاکساری رونق بازار ماست
در دیار ما رواج چینئی فغفور نیست

می کرد دلم نهان زچشم تو آب در یاد کسے گریهٔ بیرون ز حساب
از شوق تمام دیده ام گشت بدل من هم اشکے بر برم اے خانه خراب(۴)]

ملا جامی بیخود

[ص ۲ ے] ملا جامی بیخود(۱) نشاط پرداز میخانه سخن دانی‌بوده ویزم طراز

۱- گل رعنا میں اخلاص کے حوالے سے جو عبارت درج ہے اس میں یه جمله یوں ہے : در عالم اخلاص و آشنائی بے نظیر است ۔

۲- گل رعنا : آرزوی

۳- گل رعنا : مپرس

۴- اضافه برحاشیه صفحه ۲ے

مسند معانی در عهد شاه جهان بادشاه زمزمهٔ شاعری را بلندی د

رباعی

هر کس که دل از مدار دنیا برداشت عبرت ز شمار کار د
گویند زمین برسر گاؤ است بلے گاؤ یست کسے که بار

مصرع

جامی از جام حمد بیخود شد

سجع رنگین او بود ـ وتاریخ وفاتش مرزا محمد افض
سجع او بر آورده :

رفت جامیٔ بیخود از عالم در ریاض جناد
[ص ۲۰ے] سجع او بعد فوت شد تاریخ (۲) جامی از جام حمد

وقتے که نوکر نواب جعفر خان بود پایه نشستن در محفل
گفته گذرانید واجازت مصاحبت وهمنشین حاصل کرد ـ این دو بیت ا

بهیں طاعت حق نماز است و در وے گهے بنده ایستد گه
بود طاعتت فرض همچون نمازم بفرما گهے بنده

بیانا

بیانا مرزا مهدی نام داشت وبانواب وحیدالدهر صحبت‌ها داشـ
نیز آمده بود ـ باز بولایت مراجعت کرد و همت بعالم بقا بربست ـ
نگار مشعر کمالات [ص ۳ے] او هستند :

بگوش دار خوش خط لا اوبالی من
چو خامه سود ندارد ضعیف نالی من
کسے که شعر مرا خوانده دیده است مرا
بیان بود سخنم قالب مثالی من

بلبل بیچاره زان رو شب نمی خوابیده است
درمیان غنچهٔ گل شبنمے خوابیده است

۱ـ قلمزده عبارت : همین یک رباعی از و بگوش رسیده ـ
۲ـ کلمات : هاتفم گفت مصرعهٔ تاریخ -

رائے چندر بھان برهمن

رائے چندر بهان برهمن(۱) متوطن لاهور(۲) در دارلامن صلاح کل آرمیده وبسیار پسندیده وضع ودرد مندو فقر دوست(۳) بود بزبان اکثرے از رازدانان این دیرکهن و مورخان صاحب فن شنیده شدکه از ابتدائے عهد تیمور تا حال هندوے دنیادار بایں خوبی بعرصهٔ ظهورنیامده۔ اگرچه[ص ۴۷] نسبت(۴) اعزه دیگر آن قدر نصیبه از اسباب دنیا نداشت و از فضل و کمال (۵) [نیز آن قدر بهره اندوز نبود] (۶) لیکن از بس که اعتقاد بفرقهٔ عالیه فقر او است بوے از حقیقت بمشام او رسیده بود (۷) وخط شکسته نیز درست می نوشت۔ ودر زمین انشا پردازی پیرویٔ ارباب فضل شیخ ابوالفضل می نمود۔ وهنگام خواندن اشعار آب از چشمها روان می ساخت ۔ و دم از داد طلب می زد ۔ در آغاز حال بامر عبدالکریم میر عمارت لاهور بسرمی برد ۔ بعد ازاں با دستور [ص ۵۷] پاک روان افضل خان پیوست و داخل بندگان شاه جهان بادشاه شد ۔

سبحان‌الله زهے سعادت آن کس که بعد مردن کسے به نیکویٔ یاد نماید ۔ و اگر خیال روبه و سگ روز و شب در سرگین کشی و گرگ وشی بسر برد چه فائده ۔ چنان چه نواسنج گلزار معانی مرزا معز موسوی خان فرماید :

آن چنان زی که چو از حادثه برباد روی
حسن معنی نگذارد که از تو یاد روی

من اشعار آبدار برهمن :

متاع حسن ترا طرفه روز بازار است — که کس نیافته وعالمے خریدار است
صفیر عندلیب از جا برد اهل‌محبت را — که حرفے گفت نادانے و بردانا زند ناخن

۱۔ کلمات الشعرا سے کچھ نہیں لیا ۔
۲۔ قلم زده : بوده
۳۔ واقع شده لکھ کر کاٹ دیا ہے ۔
۴۔ 'به راجه ٹوڈر ملٔ لکھ کر کاٹ دیا ہے ۔
۵۔ ایک جمله قلمزد ہے جو پڑھا نہیں جاتا ۔
۶۔ اضافه بر حاشیه ۔
۷۔ آدھی سطر کاٹ دی ہے جو پڑھی نہیں جاتی ۔

[ص ٦ ٧] چشم تا برهم زدی انجام شد آغاز عمر
طے شد ایں رہ آں چناں کاو از پائے بر نخاست

کجا است بادہ کہ عالم بباد دادۂ اوست
اساس آب بر آتش بنا نہادۂ اوست

نظر بشاهد معنی ز پردہ دوختہ ام حجاب عینک چشم است مرد بینا را
بہ ببیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

ایں بیت کہ کتابۂ پیش طاق شہرت ایوان خاص و عام است و نسبت بسوے ایشاں می نمایند غلط محض است ، از زبان بیغم شنیدہ شد کہ از دیال داس ہر سروری است۔

گویند کہ روزے رائے مذکور با شیو رام شاگردخود کہ در عہد بادشاہ عالم گیر بخدمت [ص ۷۷] منشی گریٔ نواب فاضل خاں میر سامان مامور بود، و در آغاز شباب ہر ادائے سر و بالایش دل فریبے بصد عشوہ و ناز می نمود بر رتھ سوار شدہ در بازار اکبرآباد گذشت ۔ نا گاہ نظر رائے براز نے جمیلہ کہ لباس دلر بائی را بہ بر کردہ بر دوکاں نشستہ یک چلم تنباکو بمشتریاں عوض یک روپیہ می داد ، سو دائیان ابن شاهد بے مثال در داروگیر سر گرم بودند ، افتاد ۔ رائے رتھ را ایں جا استادہ کرد ۔ یک روپیہ بشیو رام داد وگفت کہ یک چلم شما هم ازیں بگیرید ۔ هر گاہ ایں پسر پیش آن معشوقہ آمد ، آں شوخ نظر بسوے رائے و آں پسر کردہ گفت کہ ایں پیر عجب ابلہ است کہ ترا گذاشتہ روپیہ بر من [ص ۷۸] بدست تو فرستاد ۔ بمجرد شنیدن ابن حرف هر دو در جواب متحیر ماندند و راہ پیش گرفتند ۔

مرزا ابو تراب بیضا

مرزا ابو تراب بیضا ۔ همراہ ذو الفقار خاں امیر الامراؑ بود ۔ آخر عمر اعمیٰ شد ۔ روزے نواب ایں مصرع گفت :

عرق داغ لالہ قہوۂ ماست

مرزا مصرع رسانید :

نور چشم پیاله قهوهٔ ماست

پنج هزار روپیه انعام یافت ۔

بزمی

بزمی در عهد جهان گیر بادشاه بزم سخن را آراسته ، بزمزمهٔ شاعری دل درد مند خود را تسکین می داد ۔ این مطلع و حسن مطلع اش صندل قبول بر جبیں دارد ۔ من اشعاره :

[ص ۷۹] شب خیالت چو دهم راه بچشم تر خویش
گل خورشید برویم سحر از بستر خویش .
اخگرم من مطلب شوخی هر شعله زدن
می کنم جلوه ولے در ته خاکستر خویش

مرزا محسن تاثیر

معنی یاب بے نظیر مرزا محسن تاثیر ۔ وزیر یزد (۱) است و شعر هائے رنگین را با آب و تاب بر صفحهٔ بیاض گلفشاں می سازد ۔ و پردگیان عرائس مضامین را در لباس الفاظ تازه هر هفت کرده (۲) در چشم سخن سنجان جلوه می دهد ۔ دیوان خود را در هندوستان جنت نشان برد حکیم‌الممالک شیخ حسین شهرت فرستاده است ۔ من درر نظامه :

با ما است یار متفق و با رقیب نیست
این حسن اتفاق کسے را نصیب نیست
(ص ۸۰) حنائے پشت نا خن بیشتر از دست می پاید
تمتع بیشتر باشد ز دنیا سخت رویاں را

۱- ' وزیر بادشاه یزد ' لکھ کر ' شاه ' کا لفظ کاٹ دیا ہے۔

۲- هر هفت ۔ کنایه از زینت زنان و آن هفت آرائش است مر زنان را و آن وسمه و حنا گلگونه و سفید آب وزرک و غالیه و سرمه (غیاث‌اللغات)

اب تصویر خاموش قلمدان فاش می گوید
که از همراهیٔ صاحب سخن نتوان سخنور شد
کسے است صاحب آوازه در جهان امروز
که هم چو صورت چینی ز نوع آدم نیست

به سکندر نسبان آئینه داری نرسد
گر به بر جلوه دهی جامهٔ دارایٔ را
مهر بانانه بما آں مه محجوب گذشت
لله‌الحمد که این ماه بما خوب گذشت

بر خاستن برائے دنی پست فطرتی ست
دنیا چو رو بما کند از جا نمی شویم
همچو شعر از نور معنی گشت روشن خانه ام
[ص ۸۱] باشد از مضمون اثاث البیت درکاشانه ام
ز چرخ اطلس این مضمرن بالا دست شد روشن
که جابر تر بود از جمله عالم ساده لوحان را

علی رضائی تجلی

مخزن فضائل خفی وحلی علی رضائی تجلی(۱) درعهد شاه جهان بادشاه از شیراز بهند آمد - شاعر خوش فکر و معنی یاب بے نظیر بود و در قصائد و غزل و مثنوی تلاشهائے بلند نموده - من اشعاره :

ز بے از قصهٔ شوقت گریبان چاک دفتر ها
بیادت ماهیٔ مصرع طپان در جوئے مسطر ها
فلک را افعی رحمت اگر در پیچ وتاب آرد
خورد همچون کبوتر خانهٔ برهم بزم اختر ها
گر باد برد بوئے تو در عالم تصویر
[ص ۸۲] از رنگ چو گل بال بر آرند جسد ها

۱- کلمات الشعرا : در زمان سعادت عنوان شاهجهان از شیراز بهندوستان آمده درقصائد و غزلیات و مثنوی ها معنی هائے تازه تلاش کرده -

پس از مردن بیاد لعل جان بخش نگار من
شرر یاقوت گردد در دل سنگ مزار من

کشتهٔ چشم تو هم چون مغز در بادام تر
خفته در تابوت و از شوقت بخود مالیده است

چکد بدامنم از دیده لخت دل با اشک
برنگ شعله که با روغن از چراغ چکد

میر تشبیهی

میر تشبیهی(۱) علی اکبر نام(۲) خلف میر شاه محمد کاشی از ابتدای عمر شورش در مزاج داشت - مرد وسیع المشرب سیاحت پیشه تجرد نهاد بود - در شکست نفس و حسن خلق بسیار می کوشید ادرارے (۳) بجهت او از جهان گیر [ص ۸۳] بادشاه مقرر بود - در لاهور زیست می کرد و در روے آشنا و بیگانه بسته بسلوک خود مشغول می ماند - قریب هشت رساله مملو از قصائد و غزل و قطعه و رباعی و در فن معما و نثر ازو یادگار ماند - چون دماغ تدوین نداشت اکثر تصانیف او ضائع و آواره شدند - عمرش تا هفتاد سال وفا کرد و بخاک پیوست - من اشعاره :

بمومن مومن و با گبر گبرم همچو تشبیهی
بسودائی توام گرم است باهر قوم بازارے

بهر رنگے که خواهی جامه می پوش
که من آن جلوهٔ قد می شناسم

بسا کاشانیان را جان برآمد
که یک تشبیهی از کاشان برآمد

۱- کلمات الشعرا سے استفاده نہیں کیا -

۲- قلمزده : داشت -

۳- ادرار : انعام و بخشش و روزینه ، در عرف وظیفه و راتب و روزینه مستعمل است (غیاث اللغات)

عبد اللطیف خان تنہا

[ص ۸۴] عبداللطیف خان تنہا(۱) سخن از عالم خیال می گفت و معانی هائے بعید الفہم را در الفاظ شوخ و رنگیں می بست - چناں چه می گویند المعنی فی بطن الشاعر ایں جا راست می آید - من اشعاره :

یا رم بکنج غمکده تنہا نشاند و رفت
گفتم که من غبار تو دامن فشاند و رفت
خوش نگاهاں که دلم ترکش مژگاں کردند
آنچه افزود ازاں پارچه قرباں کردند

میر حسین تجلی

میر حسین تجلی کاشانی الاصل بود در سال هزار و نوزده هجری ۱۰۱۹ھ بسن بیست و هفت سال در احمد آباد گجرات شعله وار بعالم بالا شتافت - من اشعاره :

[ص ۸۵] گر بغربت اوفتادم زاول عشقت چه شد
می کند گم مرغ نو پرواز راه خانه را
دمے در بزم بے خوراں زخوں خالی نخواهد شد
اگر ساغر کند دوراں پس از مردن گل مارا
صبا کز فیض آو هرگز نبودم بے نصیب اکنوں
ز پیشم سرگراں بگذشت گویا بوے او دارد

مرزا عجم قلی ترکمان

مرزا عجم قلی ترکمان تخلص می کرد - اصلش از شیراز است و مولدش در هندوستان - از حسن صورت و معنی نیز بہره داشت - من اشعاره :

دل تا نیافت نشاء عشق تو وا نشد
نشگفت غنچه تابه نسیم آشنا نشد

---

(۱) کلمات الشعرا سے استفاده نہیں کیا۔

پیش ازان کزهستیت گرد فنا گردد بلند
با زمین چون نقش پا هموار می باید شدن
[ص ۸٦] هرچه هست از خویش می باید بجام باده داد
چند در بند سر و دستار می باید شدن

ملا رحمت الله تمکین

ملا رحمت‌الله تمکین نبیرهٔ ملا محمد امین ، از علوم ظاهری مثل طبیعی و الهی و رسل بهره دارد و از دیر باز در خطهٔ کشمیر توطن اختیار نمود - در عالم سخن از شاگرد دان رشید میرزا عبدالغنی قبول است - سخنش خالی از ادا و تشبیه و تلاش معنی نیست - من اشعاره :

هست بے مہر ماه پارهٔ من
شاید این بود در ستارهٔ من
به پیش قامتت گر سرو می لافد عجب نبود
که طول قامتش دارد دلالت بر حماقتها
[ص ۸۷] هیچ کس ز ابناے جنس خویشتن آسوده نیست
خانهٔ قفل است ویران از کلید آهنی
برهنه سر شدن اے شیخ خفت است ترا
که نیست در تو بزرگی سواے دستارت
تپ شوقی مرا در استخوان است
چو شمع از جنبش نبضم عیان است
ز بس از فرقتم قالب تهی شد
گر آئی در کنارم خالی آن است
حلاوت بیشتر با مردم مرطوب می سازد
لب شیرین بود منظور چشم اشکبارم را
ز فیض خاکساری کرده ام جا بر سر کویت
رقیبان زین سبب دارند در خاطر غبارم را

مرزا محمد علی تمنا

مرزا محمد علی تمنا در عهد فرخ سیر بشاه نامه نویسی مامور بود - مرد پست خوشگوار [ص ۸۸] بسیار کم گو :

چون تمنا را به بزم خویش گریان دید گفت
کیں مرا رسوائے عالم کرد بیرونش کنید

حافظ جمال تلاش

حافظ جمال تلاش (۱) پست و بلند شعر را نیک می د نست در عالم سخن تلاشها دارد - من اشعاره :

همه گرم تلاش اصل خودند
آه من خانه پرس افلاک است

برو ز عبد هر شاه و گدا گم می کند خود را
تو رفتی بر سمند ناز و من از خویشتن رفتم

آغا عبدالعلی تحسین

آغا عبدالعلی تحسین نواسه (۲) مرزا داراب جو یا ست - اکثر دیدنش همراه محمد احسن سامع میسر می شود - جوان خوش خلق و آرمیده وضع است وفکر رسائے دارد - خوب و سنجیده می گوید :

[ص ۸۹] باشد مکان گرم روی لا مکان مرا
در زیر پا چو آبله است آسمان مرا

بخود هر کس که پیچد در سخن خواهد سخنور شد
که شمشیر زبان را پیچ و تاب فکر جو هر شد

۱- کلمات الشعرا سے استفادہ نہیں کیا -
۲- سفینۂ هندی : نوادۂ -

تسکین

تسکین میرزا فتح علی نام داشت ، برادر خورد میرزا داراب جو یا است ـ این چند اشعار آبدار زادهٔ طبع آن پاک گوهر اند ـ من اشعاره :

خود فروشی درمیان مردمان بسیار شد
خانهٔ آئینه دوکان عکس دوکاندار شد

به کیش حق برستان کفر با پندار می باشد
رگ گردن میان اهل دل زناری باشد

[ص ۹۰] دلم را هست با آئینه تسکین نسبت تا ے
که آب از سرگزشت و تشنهٔ دیدار می باشد

شبے که عارض او را بخواب می بینم
ستاره می شمرم آفتاب می بینم

زهیچ کس نتوانم کشید منت خشک
برغم آئنه من رو در آب می بینم

تنها

تنها ناحش حکیم محمد سعید قمی ست ـ حکیم و مصاحب شاه عباس بود ـ صاحب دیوان ست ـ مرزا صائب دیوان شعرش بخط مبارک خود رباعی نوشته ته یک پیتش این ست :

هر نسخه مناسبت بدردے دارد   این نسخه هزار درد را درمان ست

حرفے که غیر گوید در حق من نگارا
هر چند راست باشد باور مکن خدارا

این بیت مشهور عالم است :

[ص ۹۱] در نتتظارت اے نمر دل شکوه (۱) دار
چشمم سفید گشت و تو در دیده بودهٔ

---

(۱) شگوفه ؟

بو سهدم آں دهاں را زاں رو که گربه پرسند
بوسیدهٔ کجا را گویم که هیچ جارا

توسنی

رائے منوهر نام [خلف لون کرن راجهٔ نمکسار مشهور به سانبهر است(۱)] بود اکبر باد شاه نظر به صفائے ذهنش نموده بخطاب مرزائی ـ سر بلند ساختند ـ ایں بیت در ستایش آفتاب گفته :

غرض ز خلقت سایه همیں بود که کسے
بنور حضرت خورشید پاے خود ننهد

خدا بمسند فرماں دهیش جا ندهد
که آشنا بود و داد آشنا ندهد

خواجه محمد حسین ثنائیؒ

خواجه محمد حسین ثنائی مشهدی خلف خواجه عنایت‌الدین (۲) در عهد اکبر بادشاه بهند آمد و بوساطت حکیم ابوالفتح گیلانی قصائد و مثنویٔ خود بنظر بادشاه گزرانید و بارها بصلهٔ مناسب امتیاز یافت ـ سخنور عالی فطرت و معنی یاب صاحب قدرت بود ـ دیوان کلانے پر از قصائد و غزل و رباعی دارد و مثنوی نیز گفته مسمیٰ به سد سکندر ، لیکن توفیق انجام نیافت ـ مولانا کلامی تاریخ وفاتش چنیں گفته :

چوں ثنائیؒ مشهدی بجهاں
بود در شعر نکته پرور نیک

جوهر نیک و طبع نیکو داشت
حبذا طبع نیک و جوهر نیک

۱- ایک جمله کاٹ کر حاشیے پر یه عبارت اضافه کی گئی هے ـ کٹی هوئی عبارت یه هے" داشت ...... عمدهٔ جهاں ......"

۲- آتش کده آذر : عنایت بزار (جلد دوم ـ ص ۳۶۳)

[ص ۹۳] زد کلامی رقم بکلک خیال
سال تاریخ او سخنور نیک

این چند بیت مطلع قصیدهٔ دیوان او ست - من اشعاره :

در روش حسن و ناز هست بسے خوش نما
غمزه بطرز ستم عشوه برنگ جفا
گر بمثل جا کند در پس آئینه شخص
بیند؟ (۱) تمثال خویش یافته رو بر قفا
مهر کف جود تو نور فگن گر شود
نیست عجب گر ز شخص سایه بیفتد دوتا
آن بت بیگانه را گر شوم آئینه دار
نایدش اندر نظر صورت خویش آشنا

---

(۲) فلک بے مهر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی
مرا بر آرزو هاے ثنای خنده می آید

آهسته رو که از عرق روے ناز کت
تر سم گیاه فتنه دمد هر کجا چکد

میر سید محمد ثاقب

میر سید محمد ثاقب شاگرد میر طاهر علوی ، سوداے سر شارے داشت و شعر بسیار خوب می گفت :

خندان بخاکم آں بت تا مهر باں رسید
در موسم خزاں چو گل زعفراں رسید

ثانی

[ثانی از سخن سنجان عصر بادشاه عالم گیر است - این شعر از افکار اوست :

۱- نا بیند ؟ (بیندبروزن بند ؟)
۲- آتش کده : زمان

ز بس که طاعت آلوده با گناه کنیم
بسجده همچو نگیں نامه را سیاه کنیم (۱)]

میر محمد افضل ثابت

میر محمد افضل ثابت از علوم متداوله آشنا ست ، و در فن شعر نیز ماهر - زیرا نش بسیار سنجیده است آکثر اشعار با رتبه دارد :

پیوسته لعل تو خط او بر لب من ست
این شربت بنفشه علاج تب من ست

عکس رخ تو آئینه را رو نمی دهد
تسکین خاطرش بچه صورت کند کسے

[ص ۹۵] قالب قند (۲) پر از روح نباتی شده است
همچو سرو از لب جان بخش بسر قنادی

ز دم بم (۳) بر سر ناهید چون ناسازیش دیدم
اگر او ناتلنگی (۴) کرد من هم واسرنگیدم (۵)

---

۱ - حاشیے پر اضافه

۲ - قند بنانے کا سانچا - افضل ثابت :

می دمد روح نباتی کرمت در تن سرد
همچو آن شیر که در قالب قند است روان

(بهار عجم)

۳ - بم : آواز بلند (بهار عجم)

۴ - ناتلنگی : بے دردی و ستم ظریفی و مفسدی -

تو که از اهل تلنگی بهر ارباب نیاز
نا تلنگی مکن و بهر حریفان بنواز

(میر نجاب - بهار عجم)

۵ - واسرنگیدن : رو بر تافتن و ابا ورزیدن و نیز چون طفل بهانه می گیرد و با گریه می کند گویند واسرنگیده است - حکیم‌الملک محمد حسین شهرت :

زدم بم بر سر ناهید چون ناسازیش دیدم
چون از من تا بتنگی (کذا) کرد من هم واسرنگیدم

(بهار عجم)

یکسر مو دهن تنگ ترا نقش نه بست
همه در پردهٔ تصویر کشد مانی خط
از حسن خورد آب دل صاف ضمیران
دادند بآئینه بر این وجه مثالے

نورالدین جہانگیر بادشاہ

نورالدین جهانگیر بادشاه ولادت با سعادت ایشان در فتح پور سیکری بسنه ۹۷۷ نه صد و هفتاد و هفت است ، بمناسبت صوری و معنویٔ شیخ سلیم چشتی به سلطان سلیم موسوم ساختند '' در شهوار لجهٔ اکبر '' [ص ۹۰] تاریخ یافتند (۱) و عزیزے '' گوهر درج اکبر شاهی '' تاریخ یافت -

خواجه حسین مروی قصیده از نظر اکبر بادشاه گذرانید که مصرع اول تاریخ جلوس بادشاه و مصرع آخر تاریخ ولادت شاهزاده سلطان سلیم بود، مطلعش این است :

للہ الحمد از پئے جاه و جلال شهریار گوهر مجد از محیط عدل آمد برکنار

و بتاریخ یاز دهم روز پنجشنبه شهر جمادی‌الاخری سال هزار و چهار دهم بساعت مسعود در دارالخلافهٔ آگره خطبه سلطنت بنام نامی و القاب گرامی سامعه افروز گشت ، و ابوالمظفر نورالدین محمد جهانگیر بادشاه [ص ۹۷] غازی لقب سامی مقرر شد - (۲)

باوجود مستی و بے پروائی در امور سلطنت و جهانبانی که باعث انتظام نظام عالم است جهد وافر می فرمود - و هر چه بر زبان مضا ترجمان آن بادشاه عادل در آن قدر مدت بادشاهت گذشته از ارکان دولت کسے آن قدر توان نداشت که یکسر مو تجاوز نماید (۳) و احوال بیست سالهٔ خود را بفصاحت و

---

۱ - نصف سطر لکھ کر کاٹ دی ہے جو خوانا نہیں -

۲- 'گشت' لکھ کر قلمزده کیا ہے اور حاشیه میں 'شد' لکھا ہے -

۳ - کلمات الشعرا : باوجود مستی و بے پروائی و شغل جهانبانی و فرمان روائی گاه گاه بحسب اتفاق و تکلیف وقت زبان الهام بیان را بگفتن رباعی و بیتے و مصرعے گل فشان می کرد - طبع عالی دشوار پسند خورده گیر و دقت آفرین داشت -

متانت خود نوشته ـ گاه گاهے بحسب تکلیف وقت زبان فیض بیان را بگفتن مصرعے و رباعی گل فشان می فرمود ـ دقت طبع و حدت فہم زیادہ از حد داشت ـ

گویند شاعرے در مدح آن [ص ۹۸] بادشاہ قصیدہ گفته آورد و سر دیوان قصیدہ خواندن آغاز کرد ـ همیں که پیش مصرع برخواند :

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

فرمود که از علم عروض (۱) هم خبرداری ـ عرض کرد نه ـ گفت که اگر عروضی می بودی بجاں می کشتم ، چرا که هر گاه این را تقطیع نمایند چنان (۲) بوزن می آید ـ اے تاج دو مفعلتما ـ لت بر سرت مفعلتما ـ از ابتدا مفعلتما ـ تا انتہا مفعلتما (۳)

صاحب سخن را باید که از قبائح شعر بجمیع وجوه باخبر باشد(۴) این رباعی از فکر مبارک آن باد شاہ است (۵) :

[ص ۹۹] رباعی

اے آنکه غم زمانه پاکت خوردہ اندوہ دل وسوسه ناکت خوردہ

مانندۂ قطرہ ہائے باراں بزمیں جا گرم نکردہ که خاکت خوردہ

در سال بیست و دوم (۶) از جلوس بیست وهشتم صفر روز یک شنبه مطابق هزار و سی و هفت هجری (۱۰۳۷ ھ) در راہ کشمیر ہماے روح مطهر آن بادشاہ از آشیانۂ خاکی بال و پر افشانده سایه بر فرق ساکنان خطۂ افلاک افگند ـ

۱ـ کلمات الشعرا : علم عروض و تقطیع شعر ـ

۲ـ کلمات الشعرا : شاعر بخود در ماند که آیا چه خطا واقع شده ـ بیشتر خواند ـ فرمود که این مصرع را وقتی که تقطیع کنند چنین بوزن در می آید ـ

۳ـ کلمات الشعرا سے ماخوذ ـ

۴ـ کلمات الشعرا : شاعر را باید که از همه قبائح شعر باخبر باشد ـ

۵ـ کلمات الشعرا : این دو رباعی از داد ہایٔ طبع مبارک است ـ (اخلاص نے دوسری رباعی درج نہیں کی اور جمله بدل دیا ہے)

۶ـ اصل : دویم

میر محمد جعفر جرأت

میر محمد جعفر جرأت رتبهٔ اشعارش را این شعر او مشعر قویست:

رطوبتیست هوا را چنان دریں موسم   که سنبل خط جانان دمد زدانهٔ خال

محمد علی بیگ جم

محمد علی بیگ جم [ص . . ۱] صاحب دیوان ست و اکثر اشعار ادعای دارد:

بگلزارے (۱) که نخل قامتش گردد روان آنجا
زند کف بهر رقص سرو پال قمریان آنجا
چو ریزد سوده لعل از لب سبزان (۲) بهم سودن
چکد خون از کف افسوس برگ پان بهم سودن

مرزا جعفر بیگ جعفر

مرزا جعفر بیگ جعفر(۳) خلف بدیع الزمان قزوینی ـ بعد فوت عم خود که غیاث الدین علی نام داشت و مخاطب بآصف خان بود ، از الطاف اکبر بادشاه بخطاب آصف خانی امتیاز یافت ـ و در عهد جهانگیر باد شاه نیز رتبهٔ عالی داشت ـ سخنور شرین گفتار بود ـ مثنوی شیرین خسرو ازو یاد گار است ـ و در برهانپور طائر روحش از قفس عنصری پرواز کرد ـ شخصے "صد حیف از آصف خان" تاریخ وفاتش یافته ـ من اشعاره :

در باد صبا بوے کسے هست که یعقوب   چشمے که ندارد بره قافله دارد
هزار بلبل شوریده خاک شد جعفر   هنوز رسم خود آرایٔ چمن باقیست

۱ـ اصل : گلذار
۲ـ اعنی محبوبان ـ
۳ـ کلمات الشعرأ : آصف خان جیو ،لیکن حواشی میں مصحح نے لکھا ہے "تخلص این شاعر در بعض نسخه ها مختلف است چنانچه در 'ج' جانی است و در 'و' 'ه' جفعر است ـ اما جعفر صحیح است مرجوع شود به مجمع النفائس خان آرزو" ـ

درستی همه کس در شکست پنداری
شکست زلف کجا و دل شکسته کجا

از صبا در رشکم اما دل بایں خوش‌می کنم
کیں گلستانست نتواں در بروے باد بست

[ص ۱۰۲] شہر گنجایش غمہاے دل ما چو نداشت
آمریدند براے دل ما صحرا را

من شیریں خسرو:

ز شوق (۱) انچه آں جا دید فرهاد
مرا ایں جا قلم از دست افتاد

مرزا داراب جویا

مرزا داراب جویا از دیر باز در خطهٔ خوش بہار کشمیر توطن داشت۔ در عالم غزل و قصاید معنی هایٔ غریبه بزبان می آورد۔ بسیار خوش فکر و ادا بند بود [در سنه یک هزار صد و هیجده ازیں دار ملال انتقال نمود۔ تاریخ اش سر زمرهٔ سخنوران فحول میرزا عبدالغنی بیگ قبول مدظله چنیں فرمود:

میرزا داراب جویا آں که از حب علی
در صف احرار او را رتبه قنبر بود
از نظر تا رفت شد عالم بچشم ما سیاه
سہر چوں گردد نہاں کے روشنی دیگر بود
سرمه نبود ایں که می بینی بچشم مردماں
دیده را خاک سیه از ماتمش بر سر بود
چوں صدف کز فرقت گوهر کند قالب تہی
آں چناں از مردن او حالت مادر بود
در تمام عمر مدح ساقیٔ کوثر نوشت
با سخنہایش ازاں رو نشهٔ دیگر بود

کلمات‌الشعرا: شوقش

چون سخن را در کنار خویشتن پرورده بود
سال (۱) تاریخ وفات او سخن پرور بود (۲)] (۱۱۰۸ھ)

درمنقبت امیرالمومنین علی اسد الله الغالب قصیده گفته که این قطعه ازان قصیده ایست ـ قطعه:

کمند را چو تو کار سنان بفرمای
بفرض باشد اگر دشمن تو روئیں تن
بزور معجز سر پنجهٔ عدو بندت
گذر کند ز تن او چو رشته از سوزن

من اشعار جواهر عیار:

[ص ۱۰۳] کبود از بوسه امشب لعل آن رشک پری دیدم
گل شفتالوے این باغ را نیلوفری دیدم
محراب بندگیست شهیدان عشق را
این تیغ کج که در کمر قاتل من است
سر گشتگان چاه زنخدان یار را
در گریه عضو عضو چو دولاب می شود
از پلک(۳) دو چشم تر برویم گویا که رباعی سحابی است
مباش غافل از آن دل که یافت از تو شکست
بشیشهٔ که ز دستت فتاد پا مگذار

۱- قیاسی تصحیح
۲- اضافه بر حاشیه -
۳- پلک ، بالکسر ، بام چشم که لحاف چشم هم گویند ـ در اشعار امیر خسرو به حرکت دوم نیز آمده و در هندوستان همیں شهرت دارد:

تیرت سواد چشم عدو حک کند چناں
نے آگہی بدیده و نے در پلک بود

دریں گفتن پلک مرهم غنودش درآمد خواب‌مرگ و خوش ربودش

داراب بیگ جویا:

از پلک دو چشم تر برویم گویا که رباعی سحابی ست

خواجه جمال الدین سلمان:

پلک کبود نرگس چشم بر آب من نیلوفرے ست کونکند میل آفتاب
(بهار عجم)

کمر بر خواریٔ ارباب همت بسته چرخ دون
بآب روے مرداں روز و شب این آسیا گردد

[ص ۱۰۴] جمعے که چون عقیق یمن پاک گوهر اند
خون می خورند و آرزوے نام می کنند

امروز نگین آن لب لعل در کشور حسن نام دارد
غنچه مانند آن دهن باشد چون دهان (۱) تو بے سخن باشد

ماه نو امروز گر با ابروش در همسریست
هفتهٔ دیگر تماشا کن سپر می افگند

اگر طاوس رنگین جلوهٔ من در خرام آید
تو هم زاهد سراپا چشم از دنبال خواهی شد

بے سخن نیست ترا یک سر مو بیش دهن
مو شگافست دهانت چو درآیٔ به سخن

[ص ۱۰۵] نه همیں لالهٔ داغی ره صحرا بگرفت
تا تو از باغ سدی خاک نشین گشت چمن

خواجه محمد مقصود جامع

خواجه محمد مقصود جامع شاگرد رشید مرزا عبدالغنی بیگ قبول - متوطن خطه بهشت نظیر کشمیر - در ادا بندی و سخن پردازی داد سخنوری می دهد - سلاست عبارت و متانت الفاظ بدرجهٔ دارد که ناطقه از بیان آن بعجز و قصور معترف است و از فضائل علمی و حکمی نیز آشنا - من اشعاره :

سخن سازی نه آساں ست عمرے باید و جهدے
چو مویم شد سفید اشعار رنگینم بیاضی شد

[ص ۱۰۶] در کرم کوش ایکه جویٔ دولت دلخواه را
بهر سائل سیل می گردد بناے جاه را (؟)

از فیض عشق جامع پیرانه سر جوانم
وصل پری رخان کرد امروز من پریروز

۱- اصل : دهانے

سید علی جدای تبریزی

سید علی جدای تبریزی در عهد اکبر بادشاه در دارالکتب بادشاهی بتصویر کشی اشغال داشت [از نوادر روزگار بود و قصه امیر حمزه را در یازده جلد تمام کرد - هر جلد برابر صندوقچے و هر ورقے بطول یک گز، و در هر صفحه صورت امیر حمزه و دیوان نقش بسته و(۱)] باز رخصت گرفته بحرمین شریفین نشتافت - من اشعاره:

صبح دم وے خاردم از همد می گل مزن ناخنے را بر دل صد پاره بلبل مزن
نیم بسمل صیدم و افتاده دور از کوے دوست
می روم افتان و خیزان تا به بینم روے دوست

بادشاه علی جذبی

بادشاه علی جذبی در عهد جهانگیر بادشاه برکار بادشاهی شربت شهادت چشید:

[ص ۱۰۷] این چاشنی که حسن ازل با بتان دهد
جاے رسیده عشق که بیدرد جان دهد

مرزا محمد ایوب جودت

مرزا محمد ایوب جودت (۲) معنی بند صاحب تلاش می نماید - هر چه گفته همه متین و دلنشین، معنی اش خوب و الفاظش رنگین - من اشعاره:

بزرگان را بود اسباب شهرت مایه نقصان
بچشمم (۳) ماه نو در شیشه افلاک مو باشد
نه تنها زلف او دارد گره در خاطر عاشق
که برگردیده است از من چو مژگان هر سر مویش

۱- اضافه بر حاشیه -

۲- کلمات الشعرا: مضامینش همه بلند و معنیهاش عالی - در قصاید و غزل و رباعی داد تلاش می دهد -

۳- تصحیح از کلمات الشعرا -

جشنی لاهوری

جشنی لاهوری(۱) غلام علی نام داشت ، و در عهد جهانگیر بادشا بزمزمهٔ شاعری دل درد مند خود را تسکین می داد ۔ من اشعاره:

تو در سخن شدی و لذت از سخن کم شد
تو لب کشودی و سیرابی از گهر کم شد

بغون اهل محبت کرشمهٔ سر کن   گلوے تشنه لبان تر بآب خنجر کن
مرا بباده شکست خمار ممکن نیست   ز خون دل قدرے ساقیا بساغر کن

حکیم حاذق

چراغ دودمان حذاقت حکیم حاذق (۲) خلف الصدق حکیم همام بود ۔ در فتح پور تولد یافت ۔ در عصر شاه جهان بادشاه بمنصب سه هزاری و خدمت عرض مکرر سرفرازی داشت ۔ آخر عمر در اکبر آباد عزلت نشین زاویهٔ خمول شد ۔ بیست هزار روپیه سالیانه از سرکار بادشاهی می یافت ۔ من اشعاره :

[ص ۱۰۹]   از گریهٔ ما بحر نه تنها گله دارد
گوش صدف از نالهٔ ما آبله دارد

در سخن پنهان شدم مانند بو در برگ گل
میل دیدن هر که دارد در سخن بیند مرا

در پردهٔ خاک نغمهٔ ما هست ولے   وقتے شنوی که گوش بر خاک نهی
دلم بهیچ تسلی نمی شود حاذق   بهار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم

حجت

حجت مرزا مهدی نام داشت ۔ و برادر زاده مرزا داراب جویا بود ، و در شهر دهلی بقرب ایزد غفار پیوست ۔ من اشعاره :

۱۔ 'چشتی' بھی پڑھا جاسکتا تھا لیکن ہم نے صبح گلشن کی قرأت کو اختیار کیا ہے ۔
۲۔ کلمات الشعراء سے استفاده نہیں کیا ۔

نیاید را ست بر بالائے یک کس خلعت دولت
ز هندو تا مسلماں اهل عالم را وجب کردم

[ص ۱۱۰] نبودم مرهمے زخمے نگشتم پنبهٔ داغے
عبث اوقات خود را صرف در لهو و لعب کردم

بے محرک نتواں بر سر حرفم آورد ہاے تا فرق زبانست اگر چوں قلمم

محمد بیگ حقیقی

محمد بیگ حقیقی (۱) در گجرات دعوئ معنی یابی و خوش فکری می کرد ـ همیں مطلع ازو بگوش رسیده :

در حقیقت دگرے نیست خدائیم همه
لیکن از گردش یک نقط جدائیم همه

سخن سنجاں در جواب ایں ، مطلعها گفتند لیکن محمد فاروق مطابق النعل بالنعل مطلع رسانده :

قطره بگریست که از بحر جدائیم همه
بحر بر قطره بخندید که مائیم همه

حیاتی گیلانی

حیاتی گیلانی [ص ۱۱۱] سر زمرهٔ رهروان طریقت و حقیقت بوده ـ بر اندک و بیش قانع بمسرت و سرور زندگانی کردے ، و مکارهٔ دنیا را در دل جا ندادے ـ بحکم جهانگیر بادشاه تغلقنامهٔ امیر خسرو را که ناقص مانده بود با حسن عنواں بانجام رساند (۲) ـ بادشاه قدرداں از روئے عنایت فرمود که ایں را بزر بکشند ـ تاریخ بزر سنجیدنش محمد سعید گیلانی بدیں منوال گفته :

۱ـ کلمات الشعراء : در گجرات بسر می برد ـ طبع درست داشت ازوست :
در حقیقت دگرے نیست خدائیم همه
لیک از گردش یک نقطه جدائیم همه
یاراں در جواب ایں مطلع فکر ها کردند ـ محمد فاروق بارے مطلع رسانید :
قطره بگریست که از بحر جدائیم همه
بحر در قطره بخندید که مائیم همه

۲ـ رسانید

چون حیاتی را بزر سنجید شاهنشاه عصر
بادشاه عدل گستر ، شاه گردون اقتدار
شاه نور الدین جهانگیر ابن اکبر بادشاه
آفتاب هفت کشور ، سایهٔ پروردگار
بهر تاریخش بروئے کفهٔ میزان چرخ
شاعر سنجیدهٔ شاهی ، رقم زد روزگار (۱)

من اشعاره :

بهر سخن که کنی خویش را ، نگهبان باش
ز گفتنی که دلے(۲) نشکند پشیمان باش
قدم براه اگر می نهی بدانش نه
وگرنه در پس زانو نشین و حیران باش

از هوس اهل هوس خصم هم اند　　دوستی را هیچ کس اغیار نیست
لب شکایت عاشق بشکوه باز مباد　　زبان کوته او بر کسے دراز مباد

چکند عاشق بیچاره که حیران نشود
هر کرا هست دلے دیده بفرمائش نیست

رباعی :

جان را که بود صدر نشین تن قفس است
دل را که مکان نیست نشیمن نفس است
[ص ۱۱۳] با خاطر آزرده جهان زندان است
بر مرغ شکسته بال گلشن قفس است

محمد علی حشمت

[محمد علی حشمت متوطن تبت - از شاگردان مرزا عبدالغنی بیگ قبول است - چندے تکلف تخلص می کرد ، باز مسیحا تحلص اختیار کرد - جوانیست رعنا - ترکیب و تقطیع دلچسپے دارد - باوجودیکه سنش از سی تجاوز کرده لیکن تا حال هم از نوجوانان شانزده ساله دلچسپ است - چنانچه نواسنج گلزار (۳) معانی می فرماید :

۱- تصحیح از روئے دیباچه (هاشمی) بر تغلق نامه ، ص ۱۰ -
۲- اصل : دل
۳- اصل : گلزار

گزشت عهد شباب و هنوز رعنائی
در آن دیار که زادی هنوز آن جائی

خط نستعلیق هم می نویسد و در علوم غریبه و عجیبه که تفصیل آن نوشتن مناسب نیست - با فقیر مذا سبتے دارد :

گر از دست نگارینش درو حرفے رقم سازم
حنای گردد اوراق بیاض از شعر رنگینم
من از زبان ملایم چو خامهٔ نقاش
بهر کجا که روم نقش خویش بنشانم
خط تو دید مسیحا و گفت با دل ریش
که این سیاه قلم کار[خوب (۱) استاد است (۲)]

شیو رام حیا

شیو رام (۳) حیا خلف رائے بهوکتی‌مل (۴) اسد خانی از شاگردان میرزا بیدل صاحب است ، و مشق شعر درست دارد ، و دیوانے نیز ترتیب داد :

چو زنبور عسل دربان خویشم ‌‌‌‌‌ مرا در خانهٔ خود نیز جا نیست

حشمتی

حشمتی (۵) با اکثر سخنوران مثل ملا شیدا وغیره صحبت داشته ، دیوانے ازو بر صفحهٔ دهر یادگار است :

۱- تکمیل از روز روشن -
۲- اضافه بر حاشیه -
۳- گل رعنا : سیو رام - سفینهٔ هندی : شیو رام -
۴- گل رعنا : بهوکتی مل - سفینهٔ هندی : بهوگتی مل (ترجمهٔ حیا نیز ترجمهٔ بهوگتی مل نشاء - فارسی‌ادب میں هندووں‌کا حصه (ڈاکٹر سید عبدالله) : رائے بهکتی مل یا بهگتی مل (نشاط) تاریخ وفات ۱۱۷۴ھ (ص ۱۷۹)
۵- کلمات الشعراء : میر حشمتی در اکبر آباد یک شب با وے اتفاق صحبت افتاده بود - با شیدا صحبت داشته دیوانے فخیم بطرز قدیم دارد - یک بیت او اندک مزه دارد - الخ

موے سر کردم سفید و هیچ کارم سر نشد
دست و پاے می زنم اکنوں که آب از سر گذشت

یادگار بیگ حالتی

[ص ۱۱۴] یادگار بیگ حالتی تخلص ، متوطن توران زیان شعر درست داشت :

بجاے رشتهٔ پیراهنت اے کاش من باشم
باین تقریب شاید با تو در یک پیرهن باشم
جان بر لب و دیده در نظاره
اے عمر دمے بساز با من

محمد تقی‌الدین حزنی صفهانی

محمد تقی‌الدین حزنی صفهانی در ۹۸۹ھ نه صد و هشتاد و نه هجری بر لب چناب رحلت کرد :

تو رسم عاشقی و شیوهٔ یاری نمی دانی
همیں دل می توانی برد و دلداری نمی دانی
دل که پیش تست حال او ندانم چوں گذشت
بارے ایں جا حزنیٔ بیدل بسے بے تاب بود
[ص ۱۱۵] چه کرده ام ، سبب رنجش تو چیست ، بگو
بگو که گرد سر بدگمانیت گردم

میر حمزه تاشکندی

میر حمزه تاشکندی پدرش ملک‌التجار تاشکند بود۔ و قتے که پدرش فوت کرد دو ساله عمر بود ۔ چوں استعداد بلند داشت در چندے ملک معنی را در قلمرو خود آورد ، و بهند رسیده آخرالعمر اصم مطلق گردید ۔ اگر کسے پیش او بر هوا بانگشت می نوشت دریافتے ، بلک از تحرک لب ها مدعا معلوم کردے و جواب گفتے۔ در فن معما و تاریخ سر آمد عصر بود ، چنانچه تاریخ فوت کسے ازیں مصرع بر آورد :

نو را برقم سه باره بنویس

[ص ١١٦] ظاهر است که چون هندسه نه را سه بار نوشتند نه صد و ود و نه (٩٩٩) شدند ـ و لطافت دیگر آن ست که اگر تمام مصرع را بحساب بجد بشمارند همان بشود :

شیخ محمود حیران

شیخ محمود حیران (١) متوطن سرهند از هم مشقان میان ناصر علی مرحوم ود (٢) من اشعاره :

برآن لب ها ز انداز تبسم حال می گردد
ز ے نازک گلے کز رنگ خود پا مال می گردد
[ص ١١٧] آهو شنیده ایم و ندیدیم جز رمے
نقش جهان بگردش (٣) چشمے که بسته اند
جهان ز حیرت حسن تو سیمیا گر شد
که قطره انجم و ابر آسمان دیگر شد
جهان ز جلوه یکتائی تو شد حیران
چو بدر صرف یک آئینه گشت قالبها

میرزا اسمعیل حجاب

میرزا اسمعیل حجاب در عهد شاه عالم کبیر بهند آمد ـ مرزاے بسیار وخ طبع بود :

باز در سینه من تیر نو تا بر جا کرد
خوب کردی که دلم بال و پرے پیدا کرد

١- کلمات الشعراء : شیخ محمود حیران ـ می خواست که بتقلید صر علی رود ـ راه اصلی خود هم گم کرده ، حیران است ـ

٢- تین سطریں لکھ کر قلم زد کی گئی هیں ـ

٣- کلمات : چشم

باز از نالهٔ دل بانگ جرس می آید
گزر امروز مگر لیلی ازین صحرا کرد

حمدی کشمیری

حمدی کشمیری از علم رسمی نیز آگاه بود [ص ۱۱۸] '' شخصی شد بهشت '' تاریخ وفاتش یافته ـ و در وطن خود مدفون است :

رسید موسم گل فکر مے گساران چیست؟
من از صلاح گذشتم صلاح یاران چیست؟
شنیده ام که زمن یاد کرده یار امروز
مگر به بوالهوسانش فتاده کار امروز

محمد حیات حضرت

محمد حیات (حضرت) پیشتر قابل تخلص می کرد الحال حضرت تخلص قبول کرده ـ طالب علمی رسمی دارد ـ و زبانش بشعر نیز آشناست :

ربط اطلاق و تقید هست روشن تر در آب
آب در گوهر گره گردید چون گوهر در آب

سیف الله علوی حزنی

سیف الله علوی حزنی تخلص می کرد [ص ۱۰۹] و در عصر جهانگیر بادشاه بر سر تربت استاد خود بدرس دواوین قدما مشغول بود ـ من اشعاره :

دل از نسیم سر زلف یار بکشاید   چنانچه غنچه ز باد بهار بکشاید

شهید عشقم و از قتل خود خوشحالی دارم
بامیدے که در محشر رسد دستم بدامانے

شیخ حسن قریشی

شیخ حسن قریشی از افاضل اکابر کالپی بود ـ شیخ ابوالفیض فیضی که

رابطهٔ اتحاد باو درست داشت ، قصیده در مرثیهٔ او گفته و از لفظ ''فضائل پناهی'' تاریخ وفاتش بر آورده ، چنانچه این بیت قصیده مشعر این معنی است:

فضائل پناهی که تاریخ فوتش   توان یافتن از فضائل پناهی

[ص ۱۲۰] قصیده در تتبع قصیدهٔ شعریهٔ کمال اسمعیل گفته ، و صنعتے بر آں افزوده - چند بیت ازاں قصیده بر زبان قلم می آید - ابیات قصیده :

اے که اندر سر موے تو پریشانی ماست
موے تو باعث مجموعه پریشانی هاست
یکسر موے بموے تو نمی ماند مشک
لا جرم نسبت آں موے تو با مشک خطاست
من ز سوداے تو موے نکنم کم هرگز
هر سر موے مرا با تو هزاراں سوداست
دل بهر موے خط سبز تو دارد مهرے
هر سر موے ترا خاصیت مهر گیاست
هوس موے تو در هیچ سرے هست که نیست
بس که سوداے تو افتاده چو مو در سرها ست
[ص ۱۲۱] نفسے نیست جدا از سر موے تو صبا
من ندانم که بآں موے صبا را چه هوا ست
دهنت چوں سر موئیست نهاں از نظرم
لیک در وے سخن موے شگفی پیدا ست

سید حسین خالص

سید حسین خالص(۱) در عهد بادشاه عالمگیر از ولایت بهند آمده بخطاب امتیاز خاں سرافراز شد - بطرف دکن اکثر بسر برده ، در عالم سخن طرازی جادو کلا

۱- کلمات الشعرا : محمد حسین خالص - در عهد عالمگیر شاه از ولایت به هند آمده ، بطرف دکن اکثر گزرانیده -

سحرْ آفرین بوده ـ اگرچه آں گوهر آفرین بحر دانش و بینش در هاے اشعا آبدار که در خور آویزهٔ گوش اهل هوش تواند شد بسیار دارد لیکن ازاں جمله چند اشعار درین مختصر می نگارد :

[ص ۱۲۲] ز خونناب جگر در دیده کردم سرخ مژگاں را
درین دریا بچشم خویش دیدم شاخ مرجاں را
به پیری بیشتر بینند روے نوجواناں را
نظر بازی دوبالا شد ز عینک چشم پیراں را
کے شویم آزاد از قید خودی چوں عنکبوت
بعد مردن هم بدام خود گرفتاریم ما
چو تار سبحه می خواهم بیک بار
بدست آرم دل صد آشنا را
همچو عینک بجهاں صاف دلاں یار هم اند
همه همسایهٔ دیوار به دیوار هم اند
بهر حالت کسیے را همتم محروم نگزارد
کفم گر بود خالی بوسه دادم دست سائل را
شد مرا موے بنا گوش سفید اول عمر
[ص ۱۲۳] پنبهٔ غفلت من زود بر آمد از گوش

خلیل

خلیل(۱) اصلش ز خراسانست و در هند نشو و نما یافته ـ شاعر خوش فکر و نثار رنگیں نویس بود در ملازمت زیب النسا بیگم می ماند و زیب المنشاٗت که تالیف آں بیگم است ترتیب می داد ـ

کمر کوه شود خم ز گرانباریٔ عشق بار درد و غم یاقوت لباں سنگین است
قند نطق تو بشور آور طوطی است خلیل
چشم بد از شکرت دور که بس شریں است
حاجت بگفتگوے ندارد بیان ما سوزد چو شمع بر سر حرفے زبان ما

۱ـ عبارت کلمات الشعراٗ : ترجمهٔ میرزا خلیل

میر خسروی قائینی

میر خسرو قائینی در عهد جهانگیر بادشاه داد سخن وری دادے و خط شکسته نیز درست نوشتے ، [ص ۱۲۴] و در علم تیر اندازی و برقندازی نیز از همسران خود ممتاز بود ۔ روزے هنگام تیر اندازی از اسپ افتاد و پایش شکست خورد ، چندے صاحب فراش ماند ، آخر تیر قضا به آماج گاه سینه اش کارگر آمد ۔

من اشعاره :

اگر ز هستی ما در سرت ملالے هست
بر آر تیغ که مارا هم انفعالے هست

بعهد جود تو در دهر نیست یک محتاج
مگر سخی که کشد انتظار اهل سوال
نمی شود ز گنه قدر دوستان تو کم
بروے دوست بود خوش نما سیاهیٔ خال

هر گره کز کار بیدردان گشاید روزگار
بخت واژون بر دل عشاق مهجور افگند

مرزا افضل‌الله خوشتر

[ص ۱۲۵] مرزا محمد افضل‌الله خوشتر خلف مرزا محمد افضل سرخوش جوان خوش فکر است ، در عالم سخن تلاشها دارد ، وخط نستعلیق نیز می نویسد ۔ و در عالم اخلاص و آشنای ها بسیار اهل و متواضع است ۔ خدا دیرگاه سلامت دارد :

بسکه سرگرم فنا گر دیده ام مانند شمع　قطع راه زندگانی را بیک پا می کنم
می شود واهم چو گل از رشتهٔ کارم گره　غنچهٔ بند قبایش را اگر وا می کنم

[چندے توجه خاطر بر صورت قاسم نام قناد پسر داشت ، باز بسببے ازو رنجیدهٔ ، عقد موانست با یوسف نام نوجوانے بست ۔ چنانچه این رباعی مشتمل بر این معنی گفته :

از بسکهٔ ز عشق اعتبار است مرا هر دم به شکرلبی مدار است مرا
[از قاسم قناد گذشتم خوشتر با یوسف مصری سروکار است مرا (۱)]

محمد حیدر هروی خصالی

محمد حیدر هروی خصالی تخلص طبع سلیم و ذهن مستقیم داشت و در عهد جهانگیر بادشاه گوهر سخن را بسلک نظم می کشید - من اشعاره :

[ص ۱۲٦] چنانکه کاه ربا برگ کاه را بر چید
برهنه پایٔ ما خار راه را بر چید
خصالی ز آتش یکدل به د دل آتش افکندی
بلے مانند شمع از شمع دل از دل مرا فروزد
ماهم از جیب نهان سینهٔ چاکے دارم
کشتگان چند بما چاک کفن بنمایند
در ره عشق چه سر ها که ربودند از تن
زان سبکتر که کسی از فرق کلاهے بر داشت
ز بیم غمزه اش دزدیده در وے بینم و ترسم
چو شخصے کز چمن گل چیند و از باغبان ترسد
در شکست خویش کوش ار عزت افزون بایدت
بر سر خود می د هندش جا چو گل را پا شکست
[ص ۱۲۷] فگندی تا نظر بر جام مے از شعلهٔ حسنت
چو روغن در چراغ این باده در پیمانه می سوزد

۱- اضافه بر حاشیه - یہی عبارت سفینهٔ ہندی میں یوں نقل ہوئی ہے :
''در هنگامیکه از محبوب خود قاسم قناد شور مزاجی بهم رسانیده تعلق خاطر بیوسف نام جوانے پیدا کرد - این رباعی گفت - ... لطف لفظ مصری نزد اهل فارسی پیدا نیست که مصری هندی لغت است و فارسیان آن را نبات گویند - بهرحال کلامش شیرین است - (ترجمهٔ خوشتر)

شکرالله خان خاکسار

شکرالله خان خاکسار داماد عاقل خان رازی - مرد صاحب درد بود ، و در عین کثرت علائق دنیا از همه فرد - هر چه بهم می رسید بکشاده پیشانی براه خدا نثار می کرد - شرحے نیز از مثنوی حضرت مولوی معنوی جلال‌الدین رومی نوشته - من اشعاره :

در وادی محبت هر خار غم که آمد درپاے طالع من ، آنرا بدیده سفتم (۱)
تیغ تغافلت همه خون سرشک ریخت بر گردن تغافل تو خون بهاے اشک
اشکم نماند بسکه براه (۲) تو ریختم آمد بجائے اشک دلم بر قفائے اشک

جمال الدین خاوری

جمال الدین خاوری تخلص مولد و منشاش گیلان بود [ص ۱۲۸] در ۱۰۱۵ھ هزار و پانزده هجری بهند آمده سخنهائے با رتبه را بسلک نظم کشید - من اشعاره :

در سینه ام ز شوق تو خون جوش می زند
دیوانه را ز باده جنون جوش می زند

چون از بسکه کردم ناله ها ز آواز افتادم
ز ناسازیٔ چنگ روزگار از ساز افتادم

ز آرزو بگزر تا بمانے برسی * که راه طے چو شود کاروان بیاساید

تو قدر خون دل خوردن نمی دانی که در عمرے
نیاشامیدهٔ چون لاله جامے بر لب جوئے

بے داغ تو رونق نبود لالهٔ دل را کان نقد که بے سکه بود سست رواج است

۱- اصل : گفتم
۲- اصل : براے -

ملا دانا

ملا دانا(۱) فی الجمله از [ص ۱۲۹] علم رسمی بهره مند است ، و در قصائد و غزل داد معنی یابی و خوش فکری می دهد ـ و در فن انشا نیز دستگاهی دارد ـ در شاهنامه نویسی همراه ناظم خان عرف عبدالرحیم فارغ در عهد محمد فرخ سیر شریک بود ـ آن قدر نصیبه از اسباب دنیا ندارد ـ من اشعاره :

طبع موزون از هوا دار سخن یابد رواج
سرو بے قمری چو گردد تیر بے پر می شود

تو و با غیر مے نوشی من و از دور دیدنها
تو و پر کردن ساغر ، من و حسرت کشید نها
دو بالا می شود کیفیت صحبت ز موزو نان
من و مصرع رسانیدن تو و قامت کشید نها

قصیده در منقبت حضرت امیر المومنین علی برابر قصیدهٔ [ص ۱۳۰] علی رضائی تجلی گفته ـ این قطعه ازان قصیده است ـ قطعه :

گر کوه را بقوت سر پنجهٔ غضب — آن مظهر جلال الهی دهد فشار
در چشمه سار آب جواهر روان شود — گردد نشرده معدن یاقوت چون انار

این قطعه از رضای تجلی است ـ قطعه :

این قبهٔ مقرنس آسوده از شکست — از زور پنجهٔ غضبش گر خورد فشار
در زیر هفت پردهٔ افلاک خون شود — جرم ستارگان همه چون دانهٔ انار

رباعی :

آن شوخ مدام خشمگین می باید
آن چهره همیشه آتشین می باید
گر بوسه طلب کنم برد دست بکارد
شفتالوے کاردی چنین می باید (۲) [ص ۱۳۱]

۱ـ سفینهٔ هندی : ''ملا دانائی کشمیری ـ در سلک ملازمان امیر خان مرحوم ولد خلیل الله خان انتظام داشت'' کا اضافه کیا ہے ـ ملازمت امیر خان کا ذکر کلمات میں بھی ہے (حاشیهٔ کلمات ترجمهٔ ملا دانا)

۲ـ تصحیح از روے سفینهٔ هندی

نقل است که مرزا ابراهیم ادهم روزے در بازار پسرے صبیح الوجه را دید که شفتالو در دست دارد ـ مرزا از راه خوش طبعی بآں پسر گفت که مرا هم ازیں شفتالو کامیاب گردانی ؟ آں پسر بے رحم کاردے از کمر برآورده زخمے بر سینهٔ مرزا حواله کرد ـ بیچاره چندے صاحب فراش ماند ـ چوں صحت یافت باز رو به بازار نهاد ـ اتفاقاً پسرے دیگر که با کیزگی ظاهر و قبولت نظر داشت بر سر راه استاده شفتالو می خورد ـ از راه خوش طبعی به مرزا گفت که باز هم آرزوے شفتالو داری ؟ مرزا تبسم کرد و گفت [ص ۱۳۲] بابا بلے می خواهم بشرطیکه کاردے نباشد ـ

مرزا زین العابدین دانش

مرزا زین العابدین دانش خلف آصف خاں جعفر ـ طبع رسا داشت این شعر اوست :

ز چوب تاک گویا عود خود را ساخت این مطرب
که خوش مستانه بیروں نغمه ها از ساز می آید

دخلی صفهانی

دخلی صفهانی نقد سخن را بمیزان قیاس می سنجید و به نے نواۓ نوا هاے درد مندانه میکشید ـ رباعی :

من ناله ندیدم که اثر در پے داشت　　من شام ندیدم که سحر در پے داشت
گویند که شادی آورد غم غلط است　　هر غم دیدم غمے دگر در پے داشت

مرزا داؤد

مرزا داؤد متولی [ص ۱۳۳] روضهٔ مقدسهٔ حضرت امام موسیٰ رضا است در مشهد مقدس ـ شاعر زباں دان و خوش فکر معنی آفریں ـ دیگرے به از و نیست ـ فصاحت عبارتش به نکته فهماں معانی رس ازیں قطعه روشن است ـ قطعه:

دوش در واقعه با چرخ نزاعم افتاد
من تنک حوصله در بحث و فلک هرزه دراست

بیع می کرد جهان را بمن و در عوضش
کف خاکے ز در شاه خراسان(۱) می خواست
گفتم اے چرخ که هر چند(۲) تو بر زورتری
لیک در بیع(۳) و شری جبر نمی آید راست
ذرهٔ خاک درش را بدو عالم ندهم
دو جهان(۴) از تو و خاک ازمن وسودا برضا است

گویند در وقتے که صفحهٔ عذارش [ص ۱۳۴] باوراق گلهاے رنگیں دعویٔ همسری داشت ، منظور نظر مرزا طاهر وحید بود ـ هر گاه بهار حسنش بغزان بدل شد مرزاے مذکور در آں وقت ایں شعر مناسب حال او گفته :

شکار وے که با خورشید میزد لاف هم چشمی
کون(۵) [کرن؟] شد ، کرگدن شد ، هم چو من شد ، بدتراز من شد

مرزا طاهر وحید بخدمت داروغگی اصطبل شاه عباس ثانی که در اصطلاح آں ولایت میر آخور می نا مند مامور بود ـ آخر بخدمت والا بائیگی دیوانی رسد ـ چنانچه میرزا جلال اسیر دریں معنی گفته :

[ص ۱۳۵] طاهر سا وزیر و دیوان شد رفته رفته قشو(۶) قلمدان شد

شاه اسمعیل ذبیح

زبان دان فصیح شاه اسمعیل ذبیح مغل ولایت زا ، مرد مسن ، سیاحت پیشه بود ـ چند مرتبه بزیارت حرمین شریفین مشرف شد ـ باز بهندوستان آمده بتجرید و تفرید اوقات بسر برد ـ

۱ـ تصحیح از روے تذکرهٔ بے نظیر ـ
۲ـ تذکرهٔ بے نظیر : تو هر چند که
۳ـ اصل : شرا
۴ـ تذکرهٔ بے نظیر : از ندارد
۵ـ کرن : بفتحتین نام پرنده است دم دراز که سیاه و سفید باشد و بیشتر برکنار هاے آب نشیند آں را عقعق نیز گویند (غیاث اللغات)
۶ـ قشو بفتح اول و ضم دوم ـ در ترکی خرخرهٔ آهن که اسپ را بداں خارند ـ (بهار عجم)

روزے در خانهٔ ارادت خاں عالی اکثر از امرایان سخنور و سخندانان نکته پرور بهم گرم صحبت بودند ۔ اتفاقاً دریں اثنا ذبیح هم وارد شد ۔ همه بگوشهٔ چشم اشارت بعالی کردند که ایں عزیز کیست ؟ و [از (۱)] کجا ست؟ عالی گفت که شاعریست خوش فکر ۔ همه تکلیف خواندن اشعار به ذبیح کردند ۔ او جواب نداد هر گاه اعزه پر بجد شدند [ص ۱۳۶] دو بت خود که مناسب وقت بود بخواند ۔ رباعی :

در حقیقت مرد دنیا دار کوری بیش نیست
مال و جاهش مایهٔ عجب و غروری بیش نیست
پا منه ایں جا مگر بهر قضائے حاجتے
خانهٔ اهل دول جاے ضروری بیش نیست

همه سر بگریبان انفعال فرو بردند ، و باز تکلیف خواندن اشعار نکردند۔

سید جلال رضای

منبع فضل و کمال سید جلال رضای باطنش بخصائل حمیده آراسته بود و ظاهرش باخلاق محموده پیراسته ۔ اقسام علوم ظاهر و باطن که موجب کمالات نفس اشرف انسانی تواند شد جامع گردیده و از صحبت بسیارے از فقرائے مکمل و [ص ۱۳۷] صلحائے اکمل بمقام رضا و تسلیم رسیده گاه گاهے بحسب اتفاق اشعار درد مندانه عارفانه بزبان می آورد ۔ و چوں سر رشته ایشاں بسادات رضوی می پیوندد لهذا رضای تخلص می کرد ۔ از جمله اشعار آں مجمع الکمالات چند بیت بر زبان قلم می آید ۔ رباعی :

هر چند که چوں روح مجرد پاکم | آلوده و پا بند جهان خاکم
مانندهٔ مهتاب بپائے همه کس | می افتم و نور دیدهٔ افلاکم

رباعی :

هنوز دست و لبت را بخون من رنگست
بلب چه می نهی انگشت ایں چه نیرنگست

۱- قیاسی اضافه مرتب

من از غم تو در آتش ، تو شمع بزم رقیب

کلیم مست تمنا و جلوه بر سنگست

[ص ۱۳۸] صاحب شاه جهان نامه می نویسد که بتاریخ هشتم شعبان موافق ۱۰۵۰ھ شاه جهان بادشاه از روے قدر دانی آن برگزیدهٔ الهی ر به(۱) خدمت صدارت کل ممالک محروسه و بمنصب شش هزاری دو هزار سو استیاز بخشید ـ ولادت باسعادت ایشان در یاز دهم جمادی‌الاخری است وعدد حروف لفظ " وارث رسول " خبر از سال تولد می دهد ، وغیره جمادی‌الاولی سال بیست و یکم از جلوس شاه جهان بادشاه موافق سال هزار و پنجاه و هفت هجری (۱۰۵۷ھ) ازین دار ملال انتقال نمود ـ

میر محمد علی رائج

[ص ۱۳۹] میر محمد علی رائج(۲) از قلندران سیالکوٹ ـ استاد فن است بسیار نازک و سنجیده می گوید (۳) ـ من اشعاره :

در سیه کاری صفا دارد دل خود کام من

سرمه صبح است پنهان در غبار شام من

از گریه سفیدم مژه چون شیر شد آخر　هر طفل سر شکم بغمت پیر شد آخر

دیوانگی روز فزون بین که بپایم　صحرا همه یک حلقهٔ زنجیر شد آخر

عمریست که رحمت بکنارے بکشیده است　رائج بگناه از تو چه تقصیر شد آخر

جز هواے نبود این همه ما و من ما

خالی از خود(۴) چو حباب آمده پیراهن ما

۱- 'تکلیف' کا لفظ قلمزد کیا ہے۔

۲- کلمات‌الشعرا : از سادات سیالکوٹ ، مرد بست قلندر وضع ، آزاد مشرب مشق سخن را پخته کرده ، صاحب فکر و معنیٔ بلند است ـ

۳- سفینهٔ هندی : در وطن خود (سیالکوٹ) چند دیهه مدد معاش داشت ... در پیرانه سالی رحلت نمود ، رفت رائج ز عالم فانی ، تاریخ وفاتش یافته اند ـ

۴- کلمات‌الشعرا : تن

میر رضی دانش

[ص ۱۴۰] میر (۱) رضی دانش از سادات مشهد بود ـ در عصر شاه جهان پادشاه از ولایت بهند آمد ـ شاعر پخته کار و معنی نگار خوش افکار بود ـ شعر را هموار و تازه می گفت ـ دیوانے نیز ترتیب داده ـ ن اشعاره:

چسان بینم که مے را محتسب بر خاک می ریزد
که می لرزد دلم بر گے اگر از تاک می ریزد

سینهٔ صافان را غم محنت کشان بیش از خوداست
آب می نالد ازان بارے که بر دوش تل است

بر سرم آمد ولے بسیار زود از من گزشت
دولت تیزے که می گویند شمشیرت (۲) بود

رخ تو مصحف خوبی بحسن عالم گیر
بحسن خط لب لعلت جواهرا تفسیر

ز من بسوے تو مرغے که برد نامهٔ شوق
بریده پا سر (؟) مقراض کرده همچون تیر

قلم سنبل شود گر حرف گیسوے تو بنویسم
خطم صورت کند پیدا گر از روے تو بنویسم

بر ندارد عشق هرگز دست از دامان حسن
گر بسوزی سرو را قمری سمندر می شود

تاک را سر سبزد ار (۳) اے ابر نیسان در بهار
قطره تامے می تواند شد چرا گو هر شود

ارشد علی رسائ

ارشد علی (۴) رسائ از ارادت مندان شاه میان بهیک(۵) است ـ بر کتب

۱ـ کلمات الشعراء : میرزا
۲ـ کلمات الشعراء : شمشیر تو
۳ـ نتائج الافکار : کس
۴ـ سفینه هندی : محمد ارشد رسائی
۵ـ سفینهٔ هندی : بهیکه

متداولہ فارسی مہارتے دارد و شعر نیز با رتبہ می گوید - زبانش بہ سخ
آشنا ست - من اشعارہ:

با مخالف مشرباں یک جا نشستن خوب نیست
ایں غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست

[ص ۱۰۲] بسکہ شد از خاطرت گفشن فراموش گشتہ
سرو در بزم چمن شمع است خاموش گشتہ

حسن بیگ رفیع

حسن بیگ رفیع(۱) متوطن مشہد مقدس - معنی بند خوش فکر بود علوم رسمی نیز بہرہ داشت - در سنہ ۱۰٦۴ھ ہزار و شصت و چہار از بہند آمدہ در سلک بندگان شاہ جہاں بادشاہ منسلک گردید - و بریں بیت مباہات بسیار می کرد :

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است
ور بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار است

میرزا معز دخل کرد کہ 'بنا خوش' غلط است یا 'ناخوش' باید یا 'بناخوشی' - رفیع شعر را بتلخی درست کرد اما شعر از مزہ افتاد - (۲)

۱- کلمات‌الشعرا : مرزا حسن بیگ رفیع

۲- کلمات الشعرا : بریں بیت خود اکثر فخر می کرد - شہرت تما

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است
ور بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار است

میر معز موسوی‌خاں دخل کرد کہ ''بنا خوش'' درست نیست یا ''نا
می باید گفت ''یا بنا خوشی'' مرزا شنیدہ ''بتلخی گذرد'' درست کردہ
شعر از مزہ افتاد [سرخوش کا مطلب یہ ہے کہ شعر یوں بنادیا

عمر گرخوش گذرد زندگی خضر کم است
ور بتلخی گذرد نیم نفس بسیار است

اخلاص مطلب نہیں سمجھے اور یوں بنا گئے ہیں کہ رفیع نے بڑی تل
سعر درست کر لیا]

من اشعاره :

[ص ۱۴۳] نظر گرم تو با اهل هوس بسیار است
شعله را میل بآمیزش خس بسیار است
هر حلقهٔ که گشت نمایان زدود شمع
چشمے شد و بماتم پروانه ها گریست
تاج سر باشی اگر قطع تعلق می کنی
یافت گل بعد از بریدن گوشهٔ دستار را
بسکه میخوردیم بے اندازه دل را زد شراب(۱)
محتسب بنشیں که مارا باده خود کرد احتساب
خوباں سر خود از قدمت باز ندارند
در راه تو ابروے بتاں ناخن ما شد
عیب جو آئینه را گفتم ز خجلت آب شد
[ص ۱۴۴] ترک عادت بود مشکل باز کار خویش کرد
صد هنر چوں خامهٔ مو دارم و نقاش دهر
انتقام از هر سر مویم برنگے می کشد
بشب زنجیر زلف آں پری رو یاد می کردم
پریشاں می شدم دیوانگی بنیاد می کردم
چو رشته از گهرم ، گر لباس پوشانی
برآورم سر خود را هماں بعریانی
اے جرس ایں همه فریاد ز دل تنگی چیست
شکر هاکن که دلت جاے طپیدن دارد

ملا عبدالرشید

ملا عبدالرشید مولف فرهنگ رشیدی ـ عربی و فارسی که خطبه آں

۱ـ کلمات الشعرا : بے لب لعل تو می خوردیم دل را زد شراب

فرهنگ ها بنام شاهجهان بادشاه نوشته ـ سپهر فضل و دانش بوده و ضیا و بینش ـ تاریخ جلوس آن بادشاه [ص ۱۳۵] عادل چنین بسلک نظم

بر شده بر تخت با قبال و بخت شاه جهان ثانی صاحبقر
آن شه دین پرور کز فیض او گشت جهان غیرت باغ جن
باغ جهان خرم(۱) و سر سبز شد از کرم بادشه کامـر
آمده تاریخ جلوسش ز غیب شاهجهان باشد شاه جهـ

وقتے که بادشاه شاهجهان آباد را آباد کرد میر یحیی کاشی تاریخ این بناے گردون رفعت این مصرع یافته ـ ع

شد شاه جهان آباد از شاه جهان آباد

و مصنف شاهجهان نامه می نویسد که خرج این عمارات یعنی بادشاهی و قلعه [ص ۱۳۶] وغیره شصت لک روپیه بدین تفصیل است ـ بر هاۓ خاصه بیست و هشت لک روپیه بدین تفصیل :

شاه محل باسقف سیمین و توابع :	چهار ده لک روپیه
امتیاز محل با آرام گاه مضافاتش :	پنج لک و پنجاه هزار روپ
دولت خانهٔ خاص و عام :	دو لک و پنجاه هزار روپ
حیات بخش با حمام :	شش لک روپیه
منازل بیگمان و اهل محل :	هفت لک روپیه
و دیگر عمارات از بازارها و چوکها که درون قلعه بجهت کارخانجات بادشاهی ساخته شد:	چهار لک روپیه
قلعه با خندق :	بیست و یک لک روپیه ا

و زمین حصارش لک [ص ۱۳۷] ذراع مضاعف زمین قلعه مستقر اکبر آباد است ـ و تاریخ بناۓ مسجد جامع دارلخلافه یکے از سخنوران یافته ـ ع

'' قبله حاجات آمد مسجد شاهجهان ''

۱- اصل : خورم

و بصرف مبلغ ده لک روپیه این عبادت خانهٔ عالی تعمیر یافته ـ

یر حیدر کاشی رفیعی

میر حیدر کاشی رفیعی در شعر فهمی و موشگاف معانی بود ـ در فن معما تاریخ گوئ بے نظیر ـ چنانچه تاریخ اتمام تفسیر سواطع‌الالهام شیخ فیضی را از نام سورهٔ اخلاص برآورده عالمے را در شگفت انداخت ـ آخرالعمر بزیارت حرمین ریفین رفت ، و از آن جا به اصفهان آمد [ص ۱۴۸] و بتقرب بادشاه ایران یافت و باز بهند آمد :

نازک دلم اے دوست علاجم چه توان کرد
من عاشق معشوق مزاجم چه توان کرد

رباعی :

زاهد نکند گنه که قهاری تو ماغرق گنا هیم که غفاری تو
او قهارت خواهد ما غفارت یا رب بکدام نام خوش داری تو

رزا رضی ارتمانی

مرزا رضی ارتمانی (۱) پدر مرزا ابراهیم ادهم ـ شاعر زبان دان و خوش ر معنی بند بود ـ این چند شعر از آئینه خیال او ست ـ من اشعاره:

آموخت مارا ، آن زلف و گردن ز نار بستن ، بت سجده کردن
آن مار گیسو بر گردن او هر کس که بیند ، خونش بگردن

[ص ۱۴۹] هر چند خواریم بر درگه دوست
یک مشت خاکیم در چشم دشمن

یخ سعد الدین خافی رهائ

شیخ سعدالدین خافی رهائ تخلص از مذاق اهل توحید چاشنی داشت و دیوان زل نیز دارد ـ و خمسه شیخ نظامی گنجوی را نیز تقلید کرده ـ من اشعاره :

۱ـ نتائج الافکار : ارتیمانی ـ سرو آزاد (ترجمه ادهم) : از اجلهٔ سادات یمان من توابع همدان است ـ

جفا همیں نه ازاں شوخ بے وفا دیدم   زهر که چشم وفا داشتم جفا دید

چو اشک از چشم من اے نازنین من رواں مگزر
زمانے مردمی کن ایں چنیں از مرد ماں مگذر

مرزا رستم قند هاری

مرزا رستم قندهاری زبان شعر درست داشت ، و به لطیفه گوی و ظرا مزاجی معروف و مشهور بود ، چنانچه [ص ۱۰۰] معشوقهٔ خود را در ع مفارقت ایں رباعی نوشته ۔ رباعی:

اے بیگم من مباش از من کپٹی   با بیوه زنان چند تو باشی لپٹی
هر گه که کنم یاد ترا درهمه جا   من بے تو زنم جلق و تو بے من چپٹی

عبدالرزاق یزدی رسمی

عبدالرزاق یزدی رسمی تخلص بیست سال بکسوت قلندری در عهد جهانگ بادشاه بطریق سیاحان در هند بسر برد ۔ من اشعاره :

در دشت اگر گریم دمے ، مجنوں دمد از خار و خس
در کوه اگر نالم د مے ، فرهاد یابم هم نفس
ید بیضا شود چوں موسی ام از آستیں ظاهر
اگر از روے ساقی پرتوے در ساغرم افتد
[ص ۱۰۱] بطرح بیستوں آں تیز دست چهره پردازم (۱)
که نقش تیشه ام داغ دل فرهاد می گردد
قصه فرهاد و مجنوں حرف و صوتے بیش نیست
نکته سنجاں بهر شهرت داستانے ساختند

مرزا ایزد بخش رسا

مرزا ایزد بخش رسا ، در نظم و نثر قدرت بسیار داشت ، و در عهد بادشاه

---

۱ - چهره پرداز : مصور (غیاث اللغات)

عالم گیر به بیوتاتی مستقر الخلافه‌ٔ اکبر آباد ممتاز بود ۔ وقتے که بادشاه خلد آرام گاه ازین عالم فانی علم اقامت بعالم جاودانی برداشت و بادشاه زاده محمد عظیم خلف بهادر شاه پیش از رسیدن محمد اعظم خود را بمستقرالخلافه رساند (۱) آن یگانه در دریاے معانی را بزعم این که با محمد اعظم موافقت دارد روادار بے حرمیتش زیاد از حد کرد ید ، چنانچه نواسنج [ص ۱۰۲] بوستان سخندانی مرزا صائب اصفهانی گفته :

صائب از بخت سیه شکوه زکوته نظریست

نیل بر چهرهٔ ارباب هنر می باید

آن عالی فطرت از روے غیرت که لازمهٔ اهل کمال است ، ز هر قاتل خورده ۔ شربت ممات چشید ۔ حاتم ساجد تاریخ وفاتش ازین مصرع بر آورد ۔ ع

رسا رفته از جهان بجنان

من اشعاره :

گرفتم دامن او را گرفتم رسا از بخت ناگیرا چه چاره

ژاله ام از بار منت می گدازد پیکرم آب می گردم اگر از خاک برداری مرا

سر منصور می گوید باواز رسا هردم که نخل دار هم در موسم خود باری آرد

مولانا وحید روانی

[ص ۱۰۳] مولانا وحید روانی تخلص متوطن اکبر آباد ۔ در حرف زدن زبانش اندکے لکنت می کرد ، لیکن اشعار فصیح بسیار دارد ۔ من اشعاره :

نواے زاهد و مرغ چمن خدا طلبی است

ثناے اوست اگر پارسی اگر عربی است

شکسته رنگیٔ سالک نشان راه روی است

سراغ چشمهٔ حیوان دلیل تشنه لبی است

بدور ساقیٔ من گرم شد چنان مجلس که نشه در سر و مے در ایاغ می جو شد

۱۔ رسانید ؟

گوی٘ اندر نظرم آئینه رخسارے هست
که چنیں طوطی طبعم بے گفتارے هست
عشقست که کنجشک شکار[افگن ناز است
این واقعه در قصه محمود و ایاز است (۱)]

رضیه

[ص ۱۰۴] رضیه شکسته نویس مجلس (۲) شاه عباس بود ـ شعر خوب می گفت ـ کسے از مخالفانش بعرض بادشاه رسایند که بخرچے بخانه مردم می رود و شراب می خورد ـ بادشاه در غضب شده با حضار او امر فرمود ـ و هرگاه رضیه حاضر شد بادشاه گفت که من شنیده ام تو بخانهٔ اوباش می روی وشراب میخوری وکس می دهی ازیں فعل توبه کن ـ رضیه صیغهٔ توبه بر زبان آورد ـ

بعد از چند روز باز بعرض رسید که بخانهٔ مردم می رود شراب می خورد ـ و بادشاه فرمود که او را بهماں حالت مستی بیارید ـ جاسوساں کمین کرده از خانهٔ اوباشے دستگیر کرده [ص ۱۰۵] آوردند ـ بادشاه گفت اے قحبه! تو توبه کرده بودی که شراب نخورم وکس ندهم ـ این چه حالت است ـ رضیه جواب داد که قبلهٔ من ! از روزے که از شراب خوردن و کس دادن توبه کرده ام کون می دهم و بنک می خورم ـ من اشعاره :

نیست فواره نخل سیراب است بید مجنون عالم آب است

۱ـ ' شکار ' کے لفظ پر صفحه ختم هوتا هے اس کے بعد صفحے کے نیچے ''افگن '' کا لفظ تها جسے کاٹ کر '' رضیه '' کا لفظ لکھ کر اگلے صفحے کی نشان دهی کی هے ـ ظاهر هے که ص ۱۰۴ کے بعد ایک ورق بڑهایا هے اور پچهلے صفحے کا باقی مانده شعر حاشیه هی پر دے دیا هے ـ یہی حاشیے پر درج شده عبارت صفحه ۱۰۶ پر بهی درج هے اور اس کے اوپر '' لا '' لکھ دیا هے ـ

۲ـ اصل : مجلسے

گاہ ازیں سوگاہ ازاں سو چوں کماں　　لا علی التعیں بقربانت روم (۱)

محمد رضا کشمیری

[ص ۱۰۶] محمد رضا کشمیری (۲) فکر رسا داشت و اکثر معانیہاے تازہ می یافت :

محبت راپس از قطع محبت لذتے باشد
که شاخ نخل پیوندی به از اول ثمر گیرد

میر محمد عسکری رازی

میر محمد عسکری وازی(۳) مخاطب بعاقل خاں ، از سادات صحیح النسب خاف [خواف] است ، صاحب چندیں تصنیف و تالیف است ۔ مرقع و نغمات العشق

۱- حاشیے میں اگلے صفحے کی نشان دھی میں 'محمد رضا' کا لفظ ہے ۔ اگلے صفحے کے آغاز میں ص ۱۰۴ کے اشعار کا آخری حصہ ہے جس پر 'لا' لکھا ہے ۔ پھر دوسری سطر سے ''محمد رضا'' کا حال شروع ہوتا ہے ۔

۲- کلمات الشعرا : متن میں محمد رضی کشمیری حاشیے میں محمد رضا کشمیری ۔ یک بیت او نیز خوش گاہ اهل سخن گشته ۔ خوش اندیشه بوده است الخ ۔

۳- کلمات الشعرا : (متن) در عنفوان جوانی مشق شعر کرده کتاب مرقع در زمین مثنوی مولوی بتقلید عارفاں گفته ۔ بیشتر مطالب نسخهٔ امواج خوبی بنظم آورده ۔ چند تصنیف بے مزهٔ دیگر هم دارد ۔ (ص ۰ ۴) (حاشیے میں نسخه ب) نواب عاقل خان رازی صاحب صوبهٔ شاهجهان آباد ۔ امیر با تدبیر ، عادل انصاف گستر ، رعیت پرور ، نیک نیت ، حق شناس صوفی مشرب است ، خلق خدا در سایهٔ احسان و الطاف او آسوده و مرفه الحال ، در عالم جوانی مشق شعر بسیار کرده ۔ کتاب مرقع در زمین مثنوی مولوی روم عارفانه فرموده ۔ گل و بلبل ، شمع و پروانه ، قصهٔ پدماوت و مدمالت را بنظم آورده ، نام نهاده ۔ در آں جا داد سخنوری داده ۔ خدا دیرگاه دارد (ص ۰ ۴)

و ثمرات الحیات و شمع و پروانه و دیگر رسائل بر صفحهٔ روزگار ازو یـ
است ۔ این شعر از نتائج طبع اوست :

تنها نشسته ایم و طلبکار چون خودیم مکتوب اشتیاق بعنقا نوشته ا

مدتے در خدمت شیخ الشیوخ [ص ۱۰۷] برهان‌الحق والدین استفـ
روحانی نمود ، وکتاب ثمرات‌الحیات ملفوظات شیخ را ترتیب داد ، و د
شمع و پروانه که داستان عشق رتن و پدماوت است می سراید :

را زیبا در جهان بروے زمین نه رتن ماند و نے علاؤالدین
نه پدم ماند و نے(۱) جمال پدم برد باهم رتن خیال پدم
لیک از عشق داستانے ماند زان جفا پیشگان نشانے ماند
اے بسا چون رتن بهندوستان آمد و رفت و نیست نام و نشان

هرگاه اضافهٔ هزاری از حضور بادشاه عالم گیر برائے ایشان بے سعی
[ص ۱۰۸] تردد آمد ، مرزا سرخوش قصیده برسم تهنیت و مبارک باد گزرانید

۱- اصل : نه

۲- کلمات الشعرا : (ترجمهٔ جهانگیر میں داد و دهش کے بعض قدیم
جدید واقعات بیان کرتے هوئے) عاقل خان ناظم صوبهٔ شاهجهان آبـ
بطالع ما از اسخیاے روزگار بود ۔ روزے که هزاری اضافه بے تلاش و تر
برائے این آمد ۔ قصیده برسم تهنیت و مبارک باد گذرانیدم ۔ مطالعه نمو
نفس نیاورد گویا جان بحق تسلیم کرد ۔ فقیر تاریخ گفت :

خان عاقل خطاب جاهل دل که چون اونیست غافل و نادان
بگذراندم قصیده در مدحش بستد و خواند چند بیت ازان
نقش دیوار شد بفکر صله ماند حیران چو صورت بے جان
شد یقینم که سرد گشت و بمرد ورنه می شد زبان گرم بیان
سال تاریخ فوت او جستم گفت هاتف بمرد عاقل خان

تاریخ برائے اضافه آن بے خیر و برکت نیز گفتم ۔ قطعهٔ تاریخ :

چون هزاری اضافه عاقل خان یافت نا کرده کوشش مطلق
دل بصد حیف گفت تاریخش آه آمد اضافهٔ ناحق

(۳۲ ، ۰۵

چون توشح از سحاب کرمش ندید تاریخ اضافه بدین منوال بزبان قلم آورده :

جون هزاری اضافه عاقل خان یافت ناکرده کوشش مطلق
دل بصد حیف گفت تاریخش آه آمد اضافهٔ ناحق

سالها صوبه دار دارالخلافهٔ شاهجهان آباد بود ، و در ۱۱۰۸ھ هزار و یکصد و هشت مطابق سال چهلم از جلوس عالمگیر برحمت حق پیوست ـ " مهدی جم جاه عاقل خان نماند " تاریخ وفات اوست ـ

احسن الله خان راضی

احسن‌الله خان راضی(۱) از شاگردان مرزا عبدالغنی بیگ قبول است ـ احوالش از [ص ۱۰۹] سخنان آبدارش پیدا است ـ من اشعاره :

سریض اگر متردد بود تعجب نیست سر دو راههٔ موت وحیات بیمار یست
عید را دیدم مکرر در جهان قرعهٔ نوروز خوب افتاده است

گرنه باهم مردن و زادن بعالم توام است
از چه ره مولود خوانی اسم روز ماتم است

میرزا یان هند را دیدم بیگمانند اصیل زاده همه

جهد بیاد خطش آتشم ز چشم پر آب
چو نذر خضر چراغی برد کسی لب جو

امام الدین ریاضی

مولانا امام‌الدین ریاضی تخلص که در علماء معروف بامام‌الریاضی اند(۲) ـ

۱ـ سفینهٔ هندی : فصاحت خان راضی کشمیری ـ از قاضی زادگان آنجاست و شاگرد میرزا عبدالغنی قبول بوده ـ شعر بر روش استاد می گفت ـ قبل از ورود نادرد شاه (۱۱۰۱ھ) فوت شد (ص ۸۸)

۲ـ مصنف تصریح الافلاک ـ (دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ـ رحمان علی ـ اردو ترجمه ص ۵۶۳ ـ سنه تکمیل کتاب ۱۱۰۳ھ) تاریخ وفات : ۱۱۳۵ھ (سید سلمان ندوی ، مقاله ، لاهور کا ایک مهندس خاندان الخ ، روئداد معارف اسلامیه جلسه ۱۹۳۳ء ص ۳۷)

هر چند اسم شریفش در زمرهٔ شعرا نوشتن ستم است باز از [ص ۱۶۰] شعراء این زمانه ـ لیکن گاه گاهے میل بشعر هم می نمایند لهذا نوشته شده ـ اصل وطن ایشان دارالسلطنت لاهور است ، و جد شریف آں دانائے اسرار کونی و الهی آمده در دارالخلافه شاه جهان آباد اقامت گرفته ـ والد شریف ایشان مولوی لطف‌الله مهندس که ایشان هم گاه گاهے میل بشعر می کردند و مهندس تخلص می فرمودند ، در علم ریاضی خیلے ید علیا داشتند ـ

اگر بادشاه زمانه قصد رصد بستن می کرد بایشان تکلیف رصد بندی می کرد ، اغلب که [به ا ز] (۱) ارصاد سابق رصد می بستند ، وایشان که مولوی [ص ۱۶۱] امام‌الدین باشند در جمیع علوم قدرت تمام دارند ، علی الخصوص درفن ریاضی که تصانیف معتبره دارند بلک شاگردان ایشان در ریاضی تصانیف رایقه [و] لایقه دارند که بالفعل در مدارس باشتیاق تمام و تلاش بسیار نقل می گیرند و عزیزے در حق بعضے از شاگردان ایشان گفته است :

توئی در هر فنے چوں مرد یک (۲) فن

تابایشان چه رسد ـ وقناعت ایشان دریں مرتبه است که از اسباب دنیا زیاده و لا بدی درکار ندارند ، و خوش نمی کنند و باختیار خود در تمام عمر بر در دنیا دارے نرفته اند [ص ۱۶۲] درمجلس امراء ذکر ایشان می شود ، و آنها برغبت تمام ایشان را می طلبند و ملاقات می خواهند ـ

باوجودیکه در وجه معاش بعضے اوقات تصدیع می کشند تاهم دیدن وزراء و امراء قبول ندارند ، و جواب صاف می دهند ـ و می فرمایند که الحال من بر در رزاق حقیقی و متکفل نظام کل افتاده ام ، برائے جیفهٔ دنیا بر درکس و ناکس رفتن معنی ندارد که عزت علم نمی ماند ـ اکثر ایں حدیث بر زبان می رانند که الدنیا جیفته و طالبها کلاب و می فرمایند که :

بر سگاں بگذار ایں مردار را
خوار (۳) بشکن شیشهٔ پندار را

۱ـ کرم خورده قیاسی تصحیح
۲ـ مردمک فن؟ مردیک فن؟
۳ـ حقیر و ذلیل (فرهنگ انند راج)

شب و روز [ص ۱۶۳] بمطالعهٔ کتب و تدریس و تصنیف مشغول اند ، هر چند والد شریف در فن ریاضی شہرهٔ آفاق بود لیکن پایهٔ ایشان بمراتب بالا بر رسیده که رصد بستن دون مرتبهٔ ایشان شده - مجسطی کتابیست در علم هیئت از بطلیموس که از علمائے عصر مقدور کم کسے است که اورا بفهمد ، ایشان مثل ابجد او را درس می فرمایند - و یکے از شاگردان ایشان بر مجسطی (۱) شرح فارسی نوشته خیلے ، بتفصیل هر چه تمام تر ، که شوکت و اشکال مجسطی بر علما ، آن قدر نمانده پُر آسان نمودارکرده (۲) - بهر حال در علمائے عصر کسے که علم را عزت داده باشد بصحبت [ص ۱۶۴] ملوک و امرا ذلیل نگردد همیں ایشان خواهند بود - و اکثر به مردم بسیارے را دیده شده که برائے جیفهٔ دنیا علم را که اشرف مطالب است ذلیل می کنند و رسوا می سازند ، خود را مگر ذات شریف ایشان که باوجود حوائج ضروریه ملاقات دنیا داران را و صحبت امراء و وزراء خیلے دون مرتبهٔ خود میدانند و اصلاً روادار ایں امر نمی شوند - و اگر کسے از دنیا داران قصد ملازمت ایشان می کنند و گفته می فرستد که

۱- مختلف تلفظ رائج هیں مثلاً مجسطی (Mijasti) مجسطی (Mijisti) مجسطی (Majasti) سٹوری نے مجسطی (Majisti) کو ترجیح دی هے - (جلد دوم ص ۳۷)

۲- سید سلیمان ندوی مرحوم کی رائے میں اخلاص نے یہاں جس شاگرد کا حواله دیا هے وه در اصل امام الدین ریاضی کا چھوٹا بھائی خیراللہ مہندس هی هے (روئداد ادارهٔ معارف اسلامیه اجلاس ۱۹۳۳ء ، مقاله سید سلیمان ندوی بعنوان '' لاهور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعه بنایا'' ص ۱۴) لیکن یه قیاس درست نہیں معلوم هوتا کیونکه اخلاص کا تذکره ۱۱۳۶ھ میں مکمل هوا - شرح مجسطی (تقریب التحریر) عہد محمد شاه کے آخری ثلث میں لکھی گئی (سٹوری ، جلد دوم ص ۳۷ بحواله Ivanow سنه تحریر ۲۳ محرم ۱۱۶۰ھ) اس کے بعد خیراللہ مہندس کے بیٹے محمد علی ریاضی نے ۱۱۶۱ھ میں مہندس کی وفات سے کچھ پہلے اس کا مبیضه تیار کیا (ایضاً) یہاں اخلاص جس شرح کا حواله دے رهے هیں وه ریاضی کے کسی اور شاگرد کی هوگی - تقریب التحریر دراصل نصیرالدین طوسی کی تحریر المجسطی (تالیف ۵ شوال ۶۴۴ھ) فارسی خلاصه مع تشریحات هے (ایضاً)

اگر حکم شود ملازمت نموده آید ، می فرمایند که اگر بهای در باز است و اگر نه خدا مددگار است ۔ (۱)

تا بکجا از احوال ایشان بنویسد که زمانه ترقیم [ص ۱۶۰] متناهی است و اوصاف ایشان غیر متناهی :

یک دهن خواهم به پهناء فلک تا بگویم وصف آن رشک ملک
گر دهن یابم چنین و یا چنان کے توانم گفت وصفش این زمان

باوجودیکه بر شعر توجه ندارند که گاهے به کم توجهی می فرمایند ۔ تاهم قدرت ایشان را باید دید که آن غزل طالب آملی که مطلعش این است :

بتن بویا کند گلهاے تصویر نهالی را
بپا بیدار سازد خفتگان نقش قالی را

تا امروز هیچ کس بجواب این کمر نه بسته ، حتلی که شمع انجمن روشن دلی میاں ناصر علی [ص ۱۶۶] وقتے که این غزل را دیدند و یاران تکلیف نمودند که صاحب هم درین زمین چیزے بفرمائیند ، جواب صاف دادند و گفتند که صاف این زمین را طالبا برد ۔ چیزے که مانده است درداست هرگز اقدام نکرد ۔ و مثل مرزا صائب شاعر زبردستے که شعرش شهرهٔ هفت اقلیم است و فی‌الواقع دریاء شعر است وقتے که بر این زمین آمد مطلع قافیهٔ قالی و نهالی نتوانست بست مطلع غزل این چنین گفت :

تکلف نیست در گفتار رند لاابالی را
چنانت دوست می دارم که عاشق شعر حالی را

[ص ۱۶۷] حقیقت این مطلع معلوم ۔ و هرگاه ذات شریف مولانا خواست که بجواب آن پردازد فی البدیهه فرمودند :

۱۔ گل رعنا قلمی (بخط مصنف) مخزونه پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں رباضی کے حال میں یہ جملہ اخلاص کے حوالے سے درج ہے : اخلاص گوید وفات ریاضی در خمس و اربعین و مائته و الف واقع شد (ورق ۱۳۳ الف)

رگ گل کرد آں گلچہرہ ہر تار نہالی را
ازیں اندیشہ گلہا داغ شد بر سینہ قالی را

ہر کہ ایں را شنید گفت ظاہرا ایں زمیں دو صاف داشتہ باشد یکے را طالب بر دوسی (۱) تاحال در کارخانۂ قضا و قدر نہاں بود کہ بدست مولانا آمد (۲) - من درر نظامہ :

عنقا کباب حسرت گمنامیٔ منست
در قید نام ماند چہ شد گر نشاں نداشت
[ص ۱۶۸] رفتی و رفت لشکر دل در رکاب تو
شہرم برنگ مجلس تصویر جاں نداشت

روئن دلیم و خاک نشینی عیار ماست
سیماب وارکشتہ شدن اعتبار ماست
آزادہ ایم و مطلب ما ترک مطلب است
باز آمدن ز حاصل ہر کار کار ماست
ما خار غم بسینہ چو ماہی نہفتہ ایم
گلزار (۳) عشق داغ دل خار خار ماست

ز عشق یار چہ گویم کہ حال من چون ست
غمم بدور خطش از احاطہ بیرون ست
ندانم از چہ شدی سنگدل کہ بیمارت
بجاں رسید و بہ پرسی کہ حال او چون ست

۱- اصل : دویمی
۲- اس واقعے کے تمام جملے حرف بہ‌حرف مخزن الغرائب قلمی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی درج ھیں -
۳- اصل : گلذاز

[ص ۱۶۹] دریا دولت یار و نم ازمن دریغ داشت
خاک رهش شدم قدم از من دریغ داشت
آئینه کتاب شدم رو بمن نداد
نال قلم شدم رقم از من دریغ داشت
دینار گل گرفتم و گل نشدرم بکرد
نرگس اگرچه ششدرم از من دریغ داشت
این در جواب گفتهٔ خاقانی آمده است
عیسی لبست یار و دم از من دریغ داشت

دعوی حسن روے تو بے خط مدلل ست
اثبات مهر را چه ضرور قباله هاست
دیوانه شد ریاضی ازان چشم سرمه سا
زنجیر او و حلقهٔ چشم غزاله هاست

[ص ۱۷۰] هر رگ اندر تن من شعلهٔ آتش باریست
نالهٔ نے نفس سوختهٔ رخساریست (کذا)
شب کواکب نمک زخم دل ریش منست
شعلهٔ شمع بچشم من محزون خاریست
پایهٔ عشق بلندی ز سر دار گرفت
هر که در باخت چو منصور سرے، سرداریست
قیمت نقد خود از رحلت آبا دریاب
سنگ تربت اگرت دیده بود معیاریست
یوسفستان معانی ست ریاضی سخنت
چاک پیراهن نظم تو عجب بازاریست

میر محمد زمان راسخ

میر محمد زمان راسخ از سادات صحیح النسب سرهند است ـ چندے در ملازمت بادشاه زادهٔ خجسته شیم محمد اعظم به امتیاز نوکر بود ـ طبع عالی و [ص ۱ ـ ۱] ذهن رساے داشت ـ هر گاه این مطلع مرزا سرخوش را شنید :

باندک تلخیٔ اندوه عشرتها نمی ارزد
به تشویش خلال این نعمت دنیا نمی ارزد

گفت که لفظ ''تلخی'' بیجاست ـ همان ساعت لفظ 'کاوش' بجاے او رساند ـ الحق اصلاح خوشے کرد ـ تاریخ وفاتش مرزا سر خوش چنین گفته :

محمد زمان راسخ خوش خیال
دریغا بجاں آفریں جاں سپرد
چو تاریخ فوتش دل از عقل خواست
خرد گفت بادل که 'راسخ بمرد' (۱)
۱۱۰۷هـ

من اشعاره :

[ص ۲ ـ ۱] دل وحدت شناس از ناخن بیداد نخر و شد
ز خود لبریز کردی ساغر و راه صدا بستی

۱ـ کلمات الشعراء : فقیر سر خوش مطلعے گفته بود میر معز و غیره صاحب سخنان همه خوش کرده و پسندیده بودند ـ هیچ کس جاے انگشت نداشت ـ

باندک تلخیٔ اندوه عشرت ها نمی آرزد
به تشویش خلال این نعمت دنیا نمی ارزد

میر شنیده گفت لفظ تلخی بیجاست ـ همان ساعت فکر کرده لفظ 'کاوش' بجاے آن رسانیده ـ فقیر باین قدر اصلاح او را استاد خود می داند ـ و در شهرسرهند ودیعت حیات سپرد ـ تاریخ رحلت آن عزیز الوجود فقیر چنین یافته الخ ..... (ترجمه راسخ) و دیگر مادهٔ تاریخ این مصرع است : راسخ دم بود محمد زمان
(ایضہ)

بروز حشر ز یک جیب سر برون آرد
چراغ هستیٔ محمود و آستین ایاز

اثر بنالهٔ عاشق ز اضطراب خود است
چو برق جوهر تیغم ز پیچ و تاب خود است

جلوه گاه آه گرمم گر شود مے خانه ها
خشک گردد مے چو خون نافه در پیمانه ها

خانخانان عبد الرحیم

سپه سالار خانخانان عبد الرحیم رحیم تخلص خلف بیرم خان اکبر شاهی (۱ بتاریخ ششم دی ماه الهی موافق پنج شنبه چهار دهم صفر سنه نهصد و شصت و چهار هجری ۹۶۴ھ از عالم غیب بعرصهٔ شهود جلوه گر گردید. و در سال بیست و یکم جهانگیری در دهلی[ص۱۰۲] در خلوت کدهٔ عالم قدس جا گزید. ملا کلام در مدح او نویسد:

گر بگویم تا قیامت مدح او
مطلع آید بر زبان مقطع مجو

و شیخ فیضی در مدحش چنیں گوهر فشانی نموده:

خان خانان عهد کانعاشش طبع را رخصت شگفتن داد
داشت چون اعتبار (۲) بر شعراء صله پیش از مدیح گفتن داد

اکثر سخنوران عصر مثل خواجه حسین ثنائی و عرفی شیرازی و نظیری نیشا پوری وغیره از یمن ستایش و طفیل مدائح آن ستوده کونین نامور شده بودند. چون احوال آن والا دودمان در تواریخ[ص۱۰۳] بکثرت‌ها مفصل مرقوم و مسطور است لهذا به همیں قدر اکتفا نمود. ایں چند رباعی از نتائج طبع آن بر گزیدهٔ دنیا و دیں بر زبان قلم می آیند:

۱- کلمات الشعراء: (ترجمه عبد الرحیم خان خانان) خلف بیرم خان از امرائے عمده و خوانین عظام اکبر شاهی و جهانگیر شاهی بوده....
۲- کلمات الشعرا: اعتماد

رباعی :

بے منت منشور شه و مہر وزیر   بے استصواب صدر و تصدیق امیر
بے محنت جنگ و کلفت جنجر و تیر   گشته است همه روے زمیں ملک فقیر

رباعی :

آنم که صفاے دل بجاں می خواهم
بے دوست نه جان و نے جہاں می خواهم
چوں تاجر و مزدور و دو کان دار نیم
اخلاص خود از دوست نہاں می خواهم

روزے جہانگیر بادشاہ بادہ فروشے را بسبب تقصیرے فرمود [ص ۱۰۵] زیر پاے فیل اندازند ۔ بادہ فروش فریاد آورد که بادشاہ سلامت من ضعیف و حقیرم لائق پاے فیل نه ام مرا در پاے کنجشکے و بلبلے باید انداخت و زیر پاے فیل خانخانان را [باید انداخت] بادشاہ تبسم نموده از سر خون او در گذشت و نواب چند هزار روپیه بباده فروش انعام فرمود ۔ (۱)

مولانا زلالی

واسطه العقد سلک لآلی مولانا زلالی کلام سحر بیانش خشک لبان وادی تمنا را آب حیات است ، و تشنه کامان آب بحر سخن را هر لفظش شیرین و گوارا تر از شربت نبات ۔ مرزا ابراهیم ادهم از تتمۂ مثنوی [ص ۱۰۶] زلالی چند بیت انتخاب کرده ۔ چنانچه می گوید :

کلامم گفتۂ نازک خیالیست   غبار خاطر ملا زلالیست
نیارم یک شب از آشفته حالی   به فکر مثنویات زلالی
همه فال بلند اقبالیم بود   بلند ابیات ملا حالیم بود
یکے آں بیت کاندر وصف راح است   که گر شب خوانیش گوی صباح است
زراه گوش چوں مستی نیارد   بشرط آنکه بد مستی نیارد
ازیں مے خوشدلی با برگ گردد   غم از یک جرعۂ وے مرگ گردد

۱- یه عبارت به ادنی تغیر 'کلمات الشعرا' سے ماخوذ ہے ۔ قوسین میں ''باید انداخت'' کے جملے کلمات سے مرتب نے اضافه کئے هیں ۔

دگر آں بیت کاندر اتحاد است
زلالی بے تکلف اوفتاد است

بیا ادھم بخواں آں حرف مدغم
کہ شادی مرگ در وحدت شود غم

ز بس لبریز مہرت شد درونم
نمی گنجد بخونم رنگ خونم

دگر آں بیت کز روے نزاکت
دھد در رنگ گل بوے نزاکت

" نزاکت آں چنانش نخل بستے
کہ بار رنگ شاخ گل شکستے "

دگر بیتے کہ در ظلمت بیاں کرد
کہ نور دل در آں ظلمت عیاں کرد

" کواکب می نمودے در زمانہ
چو چشم گربہ در تاریک خانہ "

دگر آں بیتِ در تعریف آھو
کہ مغز خشک معنی گشت خوشبو

" ز جستن جستن او سایہ در دشت
چو زاغ آشیاں [گم کرد ، می گشت] (۱) "

[دگر بیتے است] در تعریف حمام
کہ وصف سنگ و گل گفت است [حجا] م (؟)

گلے در خون سرشتہ جعد سائش
دل (۲) ترکاں گزیدہ سنگ هائش

بہ محمود و ایاز اندر کتابش
هماں شعرش کہ (۳) باشد انتخابش

کنوں هر بیت را [گویم] جوابے
کہ باشد هر جوابِ (۴) من کتابے

۱- تکمیل از ' کلمات الشعرا ' - کلمات میں ادھم کے حال میں زلالی کے مذکورہ بالا تین شعر درج هیں اور لکھا ہے کہ ادھم نے یہی تین شعر زلالی کی مثنوی کے انتخاب کئے هیں اور واقعی منتخب شعر هیں - ادھم کے اشعار کلمات میں نہیں هیں -

۲- اصل: دلے

۳- هماں ابیات

۴- اصل : جوابے

بشرط آنکه یا ہم از کلامش
[بگـویم هـر] یکے را در مقامش (۱)

مرزا سرخوش زبانی میر محمد علی ماهر می نویسد که زلالی این حکایات (۲) را که شب ز مستان بود و یاراں در صحرا فرود آمده بودند ، ناگاه آتش سرد گشت ، یکے ازاں جمع برخاست که چوب پیدا کند (۳) گذرش بجانب گورستان [ص ۱۷۷] افتاد (۴) تابوتے در آں جا دید بسر برداشته می آورد (۵) یکے در آں (۶) پرسید که از عزیزاں که مرده است ؟ می گوید آتش - این (۷) همه (۸) در دو بیت بسته همیشه درمیاں شعرا فخر می کرد که من چنین کار دست بسته کرده ام آں بیت این است :

شبے رندے در ایام زمستاں بسر تابوت می بردے شتاباں
یکے پرسید ازو کای یار دلکش که مرده از عزیزاں گفت آتش

میرزا می نویسد که من (۹) تمام خلاصهٔ کتاب منطق‌الطیر را در رباعی بسته ام (۱۰) و چندے (۱۱) مطالب صوفیه از آنجمله دو رباعی (۱۲) بجهت [ص ۱۷۸] استشهاد (۱۳) چوں دو گواه صادق ، نوشته می شود (۱۵) :

۱- ان اشعار کی تصحیح قیاسی ہے- نیز یه تمام اشعار مخطوطه ص ۱۷۶ کی چھ سطور کاٹ کر اضافه کئے گئے ہیں -
۲- کلمات‌الشعرا کے مطبوعه نسخے میں یه حکایت بیدل کے حال میں ص ۱۶ پر درج ہے-
۳- کلمات : سازد
۴- کلمات : می افتد
۵- کلمات : آرد
۶- کلمات : در راه
۷- کلمات : پس این
۸- کلمات : همه را
۹- کلمات الشعرا : حقیر
۱۰- کلمات : 'ام' ندارد
۱۱- کلمات الشعراء : و سوائے آں چنداں -
۱۲- کلمات الشعراء : عالیه و حکایات غریبه در رباعی ها بسته در رسالهٔ روائح که در تتبع لوائح مولوی جامی نوشته بتفصیل مرقوم است - و ذکر رباعی خود نیز . . . الخ -
۱۳- کلمات : قول خود
۱۵- کلمات : دریں جا می آرد

رباعی :

سی مرغ ز شوق بال و پر بکشودند　　در جستن سیمرغ هو
کردند شمار خویش چون آخر کار　　دیدند که سی مرغ خود ا

رباعی:

دزدے شب تار کو بکو سی گردید
از هیچ درے بمقصد (۱) دل نرسید
در خانهٔ خویش رات و کالا دزدید
چون روز نظر کرد متاع خود دزدید

مرزا همدانی زکی

مرزا همدانی زکی تخلص دیگر حقیقتش معلوم نیست لیکن معتمد هست (۲) :

نه نکهتے ز گلے نه خراش (۳) از خارے
درین چمن بچه دل خوش کند گرفتارے

زمانا

زمانا در نکته سنجی و [ص ۹۷۱] سخنوری یگانهٔ زمانه

آنچه بے روے تو منظور نظر داشته ایم
آستین است که بر دیدهٔ تر داشته ایم

۱- اصل : بمقصدے

۲- کلمات الشعرا : زکی همدانی - از احوال او کماهی این سه بیت از وست (ترجمهٔ زکی) اخلاص نے پہلا شعر لیا . دو چھوڑ دیے هیں -

۳- کلمات الشعرا : پیاسے

۴- ایضاً : (ترجمه زمانا) در معنی یابی یگانهٔ زمانه بو

مرزا زاهد علی شاه بندر سخا

مرزا(۱) زاهد علیؒ شاه بندر(۲) سخا تخلص می‌کرد . در ولایت او را در فن شاعری سو شگاف معانی می دانند - هر مصراعش رشک افزاے طرهٔ زلف حوران خلد برین است ، و هر شش (۳) خانه برانداز ابروان خوبان چین - الحق ساعردست صاحب قدرت ، سخن را بسامان بسیار می گوید ، و داد زبان دانی و معنی بندی می دهد - من اشعاره :

ز بالاے تو امشب در سر پروانه پیچیدم
عجائب ریسمانے از براے شمع تابیدم
[ص ۱۸۰] مزن دیگر ترازو بر زمیں اے سنگدل با من
چه محنت ها کشیدم تا ترا با خوش سنجیدم
رگ گردن سراپا بود در دعوی عبارت
ز بالایت معارض کشتم و بر شمع چربیدم
چو گل هرگاه خنداں دیدمش در عین دل تنگی
برنگ غنچه چندیں پیرهن بر خویش بالیدم
سخا چوں گوشهٔ ابروے لطفے دیدم از تیغش
ازاں رو من هلال عید قرباں را پسندیدم

سید صلابت خان بهادر مجاهد جنگ سید

سید صلابت خاں بهادر مجاهد جنگ سید تخلص در عهد محمد فرخ سیر بخدمت داروغگی توپخانه امتیاز داشت - همیں اتفاق مشاعرهٔ شعرا در دولت خانهٔ ایشاں می شد و هنگامهٔ سخن بلند می‌کردند [ص ۱۸۱] بسیار خوش خلق و آرمیده وضع و دوستدار اهل سخن بود - و در معنی بندی قدرت داشت - من اشعاره :

۱- سفینهٔ هندی : میر زاهد علی سخا -

۲- هندوستان میں آنے سے قبل کچھ عرصے حاکم بندر عباس رها شاید اسی لئے شاه بندر کہا ہے - (سفینه هندی ص ۱۰۹)

۳- شعرش ؟

درانتظار تو سوزد دلم ز شب تا صبح
چون آن چراغ که روشن کنند بر سر راه
چو کوزه هاے پر آبے که خلق بگذارند
در انتظار تو چشم من است بر سر راه

زاں ساں که زور باده برد خشت خم ز جا
برداشت جوش سینهٔ ما سقف خانه را

زلف ترا که دعوئ خوبی مسلم است
بهر ثبوت حسن تو برهان سلم است
هر چند کار تیر نمی آید از کمان
بر کشتنم ازاں مژه ابرو مقدم است
[ص ۱۸۲] تہمت حجاب رتبۂ پاکاں نمی شود
شاهد برین حدیث مسیح ابن مریم است
مے نوش وقت صبح که این پیش گفته اند
هر کس که رفته است هلاک همیں دم است
وا شد چو غنچه زد بگریبان خویش چاک
یعنی که شور و ماتم این باغ توام است
انگشت اعتراض چو کوته نمی کنی
حاسد ترا معالجه فصد اسیلم است
در موسم بهار مے لاله گوں بباغ
از بهر داغ سید دلخسته مرهم است

زدست هجر او بر سینه داغے
برنگ لاله دارم آل تمغا

[ص ۱۸۳] از بس رواج یافت گرفتاری غمت
اطفال را بجمعه کسے شادمان ندید

ترک من گوشهٔ چشمے کد فلک از مه عید
نذر ابروے تو بے چله کمانے دارد

مدتے هست که دل بستهٔ پیکان تو ام
چون کمان حلقه بگوش تو و قربان تو ام

قصیدهٔ در منقبت حضرت امیرالمومنین علی گفته بیتے ازان نگاشته می شود :

ثمر ز نخل نشاندن مراد دهقان است
غرض تو بودی ز ایجاد آدم و حوا

مرا ز حلقه بگوشان آن کمان ابرو
کسے که کرد جدا خانه اش خراب شود

از نزاع کفر و دین الحمدلله فارغیم
سورهٔ اخلاص سر لوح است در دیوان ما

ساجد قزوینی

[ص ۱۸۴] ساجد قزوینی سر آمد عصر خود بود :

خلق و عالم را ندیدم خیر خواه یک دگر
جملگی هستند از جان خار راه یک دگر
اهل عالم سر بسر چون دانهاے سبحه اند
می روند از ریسمانے هم بچاه یک دگر

محمد هاشم سنجر

محمد هاشم سنجر تخلص بن میر حیدر کاشی معمایٔ شاعر بلند فکر بود - سخنانش همه رنگین و اشعارش همه متین است - از نیرنگی تقدیر چندے بحکم اکبر بادشاه در مستقرالخلافهٔ اکبر آباد زندانی ماند - باز حکم شد که بسوے کعبة الله برود - سیر کنان به گجرات رسید و با مولانا نظیری صحبت گرم کرد - و ازان جا بدکن شتافت و [ص ۱۸۵] ازان جا بوسیلهٔ مولانا ملک و ملا ظهوری بصحبت ابراهیم خان که ملقب بعادل خان بود رسید - و همانجا پیمانهٔ عمرش لبریز گردید - من اشعاره :

هر گه آرم بنظر آن رخ نور افشان را
پنجه در پنجهٔ خورشید کنم مژگان را

گفته اند آفت همسایه بهمسایه رسد
از گریبان چه زبانها که رسد دامان را

شب بدستی (۱) شمع (۲) در دست دگر گل داشتیم
گرمی پروانه و غوغاے بلبل داشتیم

سپهر می دهدم پرورش ولے صد حیف
که زاغ بیضهٔ طاؤس زیر پر دارد

[ص ۱۸۶] در روزگار عشق تو من هم فنا شدم
افسوس کز قبیلهٔ مجنوں کسے نماند

آقا فریدوں حسین سابق

آقا فریدوں حسین سابق برادر رضاعی مرزا جلال اسیر عالمگیر بهند آمده بود ـ سخنش خالی از چاشنی سوز و گداز نیست

[شوخے که دائماً دل او مائل جفاست
عمر عزیز ماست چه حاصل که بیوفاست (۳)]

قاصد بخدا آں بت عیار چه می گفت
قربان زبان تو بگو یار چه می گفت

قاصد سخنے گفتے و درد دلم افزود
ببدرد بیا باز بگو یار چه می گفت

محمد عالم سروری

محمد عالم سروری از معنی یابان عهد جهاں گیر باد: رسائے داشت :

[ص ۱۸۷] می برد دل از من و با دل ندارد الفتے
هم چو آں جنسے که کس از بهر تاواں می برد

۱- اصل : دست
۲- اصل : شمع و
۳- حاشیے پر اضافه

در عدالت ممدوح گفته :

بدور عدل تو طیار بال و پر نزنند   ازاں کہ تا [نر]سد بر رخ هوا آزار

محمد جمیل بخارای سوزی

محمد جمیل بخارای سوزی تخلص از منصبداران عالم گیر بادشاه بود :

از زبان صورت نه بندد دیگر احوال درون
حل عقد موے معنی شانه کے داند که چیست
می کشد فولاد را از جذب دل آهن ربا
دلربای ها کسے از قوت بازو نکرد

محمد قلی سلیم

محمد قلی سلیم در عهد شاه جهان بادشاه از ولایت بهند آمده همراه وزیر صاحب تدبیر اسلام خان [ص ۱۸۸] می ماند - در معنی بندی و اداپردازی با شیرین کلامان عصر پهلو می زد (۱) بسیار رنگین سخن و فصیح بیان بود - آخر عمر در خطهٔ دلپذیر برحمت خدا پیوست - و با کلیم و قدسی در یک جا آسود - تاریخ فوتش "رضوان" یافته اند - من اشعاره :

نو بهار است و چمن در پئے سامان گل است
ابر بر روے هوا وقف (۲) چراغان (۳) گل است
رشکم ز گفتگوے تو خاموش می کند
نامت نمی برم که دلم گوش می کند
نیک و بد زمانه بروں کرده ام ز دل
آئینه هر چه دید فراموش می کند

۱- کلمات الشعرا : در زمان شاهجهان بادشاه از ولایت به هند آمده داد خوش خیالی و معنی یابی داده - در ملازمت نواب اسلام خان وزیر اعظم می گذرانند و شعر هائے بر جسته دارد -

۲- کلمات الشعرا : دود

۳- نسخهٔ دیگر : حریفان

جوهـر ذاتی ندارد احتیـاج تربیت
صورت (۱) آئینه را نقاش کے پرداز کرد
[ص ۱۸۹] از وجودم اثرے بسکه ضعیفی نگذاشت
چوں حبابم نفس از پیرهن آید بیروں
لاف از نسب مزن که چو آئینه در جهاں
آدم نمی تواں شدن از روے دیگراں
بخط رساند بسے عشق ما نکویاں را
بیاض دیدهٔ ما پر ز خط خوبانست
جز چشم او که دارد مسکن بزیر ابرو
مردم نشیں که دیده کس خانهٔ کماں را
شدیم خاک و فلک را چو شیشهٔ ساعت
بروں نمی رود از دل غبار کنیهٔ ما
چو خاک گرچه ندارد وجود من قدرے
براے کوریٔ دشمن نگاه دار مرا
[ص ۱۹۰] شراب حوصلهٔ هر کسے کند ظاهر
که هم چو دختر رز مرد آزماے نیست
اعتبارے از غلامان سیه اے خواجه نیست
سایه از همرنگیٔ اینها ز پیغمبر گریخت

چند بیت که در حکایت ساده مرد و در تعریف خر گفته
می آیند - مثنوی :

سادہ دلے را ز پئے راه دور گشت خرے همچو مس...
جانب بازار چو شد جلوه گر دید فضاے چو جهان...
آمده دلال بوصف خراں معرکه آرا چو سخن...

۱- اصل : صورتے

بانگ بر آورد که صاحب خرد — کو که ز من این خر مصری خرد
[ص۱۹۱] خرنه‌یکے آهو [ـے]صحرانورد — با تگ او تندی صرصر بگرد
از فرس عمر سبکتاز تر — از خر طنبور خوش آواز تر
توشه کش قافله رهروان — با خر عیسی ز شرف هم عنان
بانگ ز راکب نشنید است سخت — چوب ندید است مگر بر درخت
چار ستونش همه کرسی ثبات — ساق و سمش همچو قلم بر دوات
همچو سبو پشت و شکم بے خلل — کرد پر او را چو صراحی کفل
خاک ز نقش سم او سنگ داغ — عنصر بادیش همه در دماغ
سمع هر حرف نشیب و فراز — کرد ازان گوش بهر سو دراز
گاو فلک جسته ازین خر ز جا — شاخ نداد است از آنش خدا
کوه شکسته کمر از مشت او — بهر ترازوے زمین پشت او
شد دل سنگ از سم او لخت لخت — بسکه گرفتست بر او کار سخت
از شکم و دم و خروش و صدا — صاحب طبل و علم و کرنا (۱)
عرعر او زینت باغ جنان — مغز سرش ماحضر خواجگان
گر لگد افگن شود او را ز پا — نعل فتد چون مه نو بر هوا
همچو عروسان ز سخن بسته لب — حلقه به بینی چو بتان عرب
کار نه با نیک و بد مردمش — به بود از ریش منافق دمش
خر طلبد هر که براے سفر — خربه ازین نیست ، سخن مختصر

سامری تبریزی

سامری تبریزی در عهد جهان گیر بادشاه مشق سخن را درست کرده [ص ۱۹۳] بود و برتبه رسانده :

با درد بسازیم و ز درمان بگریزیم — گر داد دل ما ندهد دادرس ما

۱- کرنای : بالفتح و تشدید دوم و تخفیف آن (ف) نامے بزرگ که آن را می نوازند (فرهنگ اندراج)

۲ سامری را با تمیز کفر و ایمان کار نیست
دانهٔ تسبیح را در تار زنار آورد

ملا ساطع

ملا ساطع کشمیری(۱) است ۔ از اشعارش احوال او بر صاحبان فن معلوم است [از شاگردان مرزا داراب جویا است (۲)] من اشعاره:

مانند زخم دوخته بر وضع روزگار
گردیم ضبط خندهٔ بے اختیار خویش
دنیا و آخرت بریاضت کشان دهند
دارد کمان ز چله نشینی دوخانه را
اعتمادے نیست انس طائر اقبال را
این کبوتر هر نفس مشتاق بام دیگر است
[ص ۱۹۴] مرا از شمع شد این نکته روشن
که گرمیهاے این مردم زبانیست
تا بحسن توبهٔ مقبول دل بستم گذشت
ز اختلاط دختر رز همت مردانه ام
دوان بر جادهٔ تیغ ست گوی قطرهٔ خونی
بآهنگ شهادت دل چو در کوے تو می آید

۱۔ سفینه هندی : عبد الغنی بیگ قبول کے ساتھ هم طرح هونے کا ذکر؛ علم لغت میں نسخهٔ حجت ساطع منتخب برهان قاطع کی تضیف ؛ اسلام خان میر آتش شاه عالم بهادر کی رفاقت اور اس کے نام پر نثری کتاب گلشن کی تالیف " آخر بمحداحتی عالی جاه امیر الامرا خان دوران خان بهادر (صمصام الدوله خواجه عاصم) پرداخته ؛ و بیمن تفضلات آن عالی جاه خدمتے در کشمیر یافته آنجا رفت " اور وهیں انتقال کیا (ص ۱۰۶) محزن الغرائب (قلمی): در ملازمت نواب صمصام الدوله خان دوران بهادر بوده ؛ اشعارش مدون است ۔ (ورق ۱۶۸ الف) ۔
روز روشن : وفات (سنهٔ سته و خمسین و ماتهٔ ثانی عشر)
۲۔ اضافه بر حاشیه

[مرا عشق مجازی از حقیقت کے کند غافل
دهان غنچه می بوسم کزو بوے تو می آید(۱)]

سلیمان سخن از طبع خود تخت رواں دارد
فرستد از پئے تسخیر در آفاق دیواں را

مرزا محمد افضل سرخوش

مرزا محمد افضل سرخوش از خانه زادان حضرت عالمگیر بود (۲) اکثر بثقات ایں فن صحبت ها داشته ـ بندوبست کلامش خالی از پختگی و متانت نیست ـ و اکثر معانیهاے تازه را در قالب الفاظ رنگیں و عبارت متین می آورد [ص ۱۹۰] اوستاد پخته کار ، معنی نگار ، سحر کار ، بود ـ من اشعاره :

حیف اے غافل نه پیری نادم از عصیاں شدی (۳)
می گزی ز افسوس لب اکنوں که بے دنداں شدی

هر کس بسوے خلوت توحید راه جوست
الله گر رود بزبانش زیاده گوست

تعذیر هم بقدر بزرگی مقرر است
از اسپ تازیانهٔ مردم کلاں تر است

نیستم آزاد از قید خطش هر جا روم
چوں قلم پایم بخود پیدا کند زنجیر ها

۱- اضافه بر حاشیه

۲- کلمات الشعرا : خادم درویشان بلکه خاک پائے ایشان محمد افضل سرخوش از خانه زادان شاه عالمگیر است ـ

تذکره نویسی در هند و پاکستان : وفات سرخوش' پانچ محرم ۱۱۲۶ھ (بحواله خوشگو)

۳- ''...... که آب از سر گذشت '' لکھ کر کاٹ دیا ہے-

حایل خورشید وحدت شد غبار هستیم
چون بساط خاک برچینند روز و شب یکے است

[ص ۱۹۲] کار چون با نقص افتد دست بردار از کمال
همزبان لال را ناچار باید گشت لال

شد مخرج بلهو پند صح
مصرف زر قلب را قمار است

ز آلایش جهان بتجرد توان گذشت
ره پر کاست گوشهٔ دامن کشیدنی ست

ز دست و پا زدن بسمل تو دانستم
که بعد کشته شدن هم تلاش ها باقیست

دلے پر شکوه ام آئینه داری صورتحال است
که چون شهنامه در هر داستان تصویرهم دارد

فروغ ناصیهٔ دولت از صفاے دل است
جلاے نقش زر از مهره بیشتر گردد

[ص ۱۹۷] تن مده اختلاط چسپان را
جامهٔ تنگ زود چاک شود

کنم زیاد گوا را بدل غم او را
توان باب فروبرد تلخ دارو را

منعمان را حرص زر با تیست در روز حساب
تشنه آخر تشنه خیزد گر کشد دریا بخواب

گوشهٔ عزلت گرفتن به ز سیر گلشن است
واے در دامن مرا خوشتر ز گل در دامن است

محمد غضنفر سیری

محمد غضنفر سیری تخلص مولدش خاف (خواف) است و در هرات

نشونما یافته ـ مرد شجاع و تہور پیشه بود ـ از بوقلمونی روزگار بحکم بادشاهی زندانی ماند (۱) در آن حالت قصیده در ردیف زنجیر کرده که بیتے چند ازان نگاشته می شود ـ من اشعاره :

[ص ۱۹۸] ازان شد از کرم دوستم عطا زنجیر
که بود جوش جنون مرا دوا زنجیر
مرا که هیچ کس آزرده نیست از دستم
چرا بنالد اگر نیست در جفا زنجیر
طلسم گنج معانی اگر نیم چون مار
نگاهبانیٔ من می کند چرا زنجیر
نه از نژاد کیانم نه تخمهٔ رستم
که بهر ملک ضروری بود مرا زنجیر
بفیل مست و بشیر هزبر می زیبد
کسے بپاے نیفگند پشه را زنجیر
زبان بشکوه میالا که یوسف کنعان
نشد عزیز جهانے نیافت تا زنجیر
تو کیستی که ز زندان و بند ناله کنی
چو بود قسمت پیغمبر خدا زنجیر
[ص ۱۹۹] خیال کن که رسد تا بپاے هوس کسے
ز پتک و آهن و سندان کشد چها زنجیر

بسکه دل گشت گران سنگ ز ابنوهٔ غم
خویشتن را نتوانم که ز جا بر دارم

مرزا فخرالدین عرف پجو سکون

[مرزا فخرالدین عرف پجو سکون تخلص جوان در (۲) (قصبهٔ ؟)

۱- قلمزد : بود
۲- عبارت جلد بندی میں کٹ چکی ہے

بوندیست ـ در اشعار هندی همتا ندارد و شعر فارسی هم بایں!

بالجرم یافتم که دریں است فتح باب
دادند دوستاں چو تخلص سکوں مرا (۱)]

سالک یزدی

سالک یزدی (۲) چندے در گلکنده بسر برد ـ و در ـ هزار و شست و شش در عهد شاه جهان بادشاه داخل ملک ؛ گردید ـ و در مدح طرازی خلیفه زمان ـ معانی هاے تازه ایجاد را بصد آب و رنگ انشا کرد ـ اوستاد فن و صاحب تلاش می‌نماید

بهار خط تو رونق فزاے بستان (۳) ست
حدیث روے تو دیباچهٔ گلستان ست

[ص ۲۰۰] چوں صدف گر سر برندت پاے تا سر گوش باش
گر دلت سوراخ گردد چوں گهر خاموش باش
مرد می باید که هر جا نسبتے سازد درست
در جگر داغ و بمژگاں اشک و در سر هوش باش

ـــــــ

رفت موسیٰ از پئے آتش خضر دنبال آب
جلوهٔ معشوق یک جا آب و یک جا آتش است
صحبت ما عاقبت با دوست در خواهد گرفت
ما سراپا خار خشکیم او سراپا آتش است
دود بر خیزد بجاے گرد از میدان ما
لشکر پروانه ایم و جنگ ما با آتش است

۱- اضافه بر حاشیه
۲- کلمات الشعراء میں مختصر ذکر ـ
۳- اصل : بوستان

محمد احسن سامع

محمد احسن سامع (۱) از امرا زاد هاے صحیح النسب هندوستانست (۲) [ص ۲۰۱] و پیشتر "عشرت" تخلص می کرد ـ فقیر از قدیم رابطهٔ اتحاد و اخلاص بیر بایشان دارد ـ در عالم شعر فکرش رساست ، و معانیهاے غریبه بر روے کارمی آرد ـ و همیشه در سعی مضامین تازه جهد بلیغ می نماید ـ من غرر نظامه:

چکنم خاطر صیاد عزیز است مرا (۳)
ورنه از کشمکش دام بتنگ آمده ام
در طنیت غافل نبود جوهر هستی (۴)
هر گز نتوان خون ز رگ خوب (۵) کشیدن
[ص ۲۰۲] لباس شیخ دلیل است بر فسردگیٔ دل
که نیست خرقهٔ پشمینه غیر تاب (۶) زمستان
کثافت است که جوشد ازو لطافتها
چو جسم صورت ترکیب بست جاں گل کرد
تزئین تو شیخ آں همه تدبیر ندارد
از ریش بکن موے و در دست عصا گیر
از تماشا گه آں مست حیا می آیم
تنگ در بر بکش اے آئینه تمثال مرا
در حیرتم که جرعه کش چشم مست کیست
پر روشن است لغزش مستانه از چراغ

۱- سفینهٔ هندی : محمد حسن خاں سامع
۲- قلمزده عبارت : همت والایش باسباب صورت چنداں برغبت فرو نمی آرد ـ
۳- مردم دیده : عزیز
۴- مردم دیده : مستی
۵- اصل : خواب (تصحیح از روے مردم دیده)
۶- مردم دیده : باب

جور کمتر کن ، ز دست انداز خط غافل مباش
هست امروزے که می بینی بفردا آشنا

رباعی :

شیخے که بکفر می کشد اسلامش ‏ جز بت کده نیست کعبهٔ احرامش
تا چند بدست خویش محکم گیرد ‏ این آلت شیخی که عصا شد نامش

رباعی :

ملا هر چند علم دین می خواند ‏ از مبحث ابلهی سخن می راند
زین خرنکتی سوال از حیض و نفاس ‏ این مسئله(۱) دخترش نکو می داند

عبدالخالق سمندر

عبد الخالق سمندر(۲) تخلص خلف مولانا ملک . از علوم رسمی آگاه و شاعر زبان دان و معنی آفرین بود ـ در سنه ۱۰۱۶ هزار و شانزده در لاهور رحلت کرد ـ من اشعاره :

شبے که عارض او از ایاغ افروزد
چناں بود که چراغ از چراغ افروزد
نمی دهند به بلبل مزاج پروانه
هزار شمع اگر گل بباغ افروزد
مگر از ناله ام در اضطراب است
که می لرزد بر آوازیم در گوش
ز بس خواهش که با وصلت دلے را
کشم هر لحظه خود را خود در آغوش
طعنه بر بیتابیٔ صبر زلیخا بهر چیست
رسم عشق است این که نگذارد گریبانے درست

۱- اصل : مثله (تصحیح از روے سفینهٔ هندی)
۲- سفینهٔ هندی : عبد الحق سمندر

لغت کبیر اُردُو

مؤلفہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

(قسط ۔ ۷)

راستہ بھول گئے ہیں کہ ادھر آئے حضور
آج کہیے تو کہ یہ چاند کدھر کا نکلا (اشرف)

کس کا منہ دیکھا ہے } (محاورہ) آج آنکھ کھولی تو پہلے کس کی صورت نظر پڑی یا دیکھی تھی؟ سویرے کس کا منہ دیکھا تھا جو دن ایسا خراب گذرا ہے۔

[اکثر فاقے سے یا اندوہ و پریشانی میں دن کا عرصہ گذرنے پر بولتے ہیں]

منہ بنائے ہوئے وہ بیٹھے ہیں
آج دیکھا ہے صبح کس کا منہ! (عباس)

کس کا منہ دیکھ کے اٹھے ہیں } (محاورہ) دیکھو، آج کس کا منہ دیکھا ہے۔

جس جگہ بیٹھے ہیں با دیدۂ نم اٹھے ہیں
آج کس (شخص) کا منہ دیکھ کے ہم اٹھے ہیں
(ذوق)

کس کا نام لیا تھا } (محاورہ) آج صبح اول کس (منحوس یا کنجوس) کا نام زبان پر آیا تھا یا نام لینے کا اتفاق ہوا تھا جس کی نحوست کے اثر سے آج دن بھر بھوکے رہے یا پریشانی پر پریشانی پیش آتی رہی۔

کس کی صورت دیکھی تھی } (فقرہ) دیکھو آج کس کا منہ دیکھا ہے۔

کل (مث) ۱۔ آج کا دن اور کل (آیندہ کا دن) امروز اور فردا ۲۔ ٹالم ٹول ۔ وعدہ وعید ۔ بہانہ بازی ۔ وعدہ خلافی ۔ پے در پے وعدہ خلافیاں ۔ ع:

برسوں ہوئے کہاں تلک اے یار آج کل (جرأت)

۳- آج نہیں تو کل - آج ہی یا کل تک - امروز فردا میں - ایک دو دن میں -

اچھا نہیں ہے میر کا احوال ان دنوں
غالب کہ ہو چکے گا یہ بیمار آج کل

۴- چند روز میں - عنقریب - جلد -

آتش خدا نے چاہا تو کرتے ہیں آجکل
ہندوستاں سے جانب بیت الحرام کوچ (آتش)

۵- اس زمانہ میں - ان دنوں -

جانا ہے دل تو جائیو ہشیار آج کل
چلتی ہے اس کے کوچے میں تلوار آج کل
(جرأت)

— کل بتانا (ف م) متواتر آج یا کل کا وعدہ کرکے ٹالتے رہنا - روز کل پر ٹالنا - امروز فردا کرنا - روز جھوٹے وعدے کرتے رہنا اور ٹالا بالا بتانا - وعدہ وعید پر رکھنا

آج کل کیوں لگے بتانے آپ
ہووے کافر جوکل کو مانے آج (رنگین)

— کل سے (مف) دیکھو 'آج سے' معنی نمبر (۳) -

اپنا کچھ آج کل سے نہیں کفر زاہدا
مثل شرر ازل سے ہیں سنگ صنم کے ساتھ (ناسخ)

— کل کرنا (ف م) دیکھو آج کل بتانا - م :

وہ تقاضا کرتے ہیں اور میں آج کل کرتا ہوں
(غالب)

— کل کے (ص) ۱- اس زمانے والے - اس عہد کے - م :

آج کل کے لوگ بالکل قابل اعتبار نہیں

۲- آج یا کل کی پیدائش - نو عمر - نا تجربہ کار - م :

آجکل کے لونڈے دیکھو اور ہم سے فقرے چلتے ہیں!
۲۔ ان دنوں کے۔ مروجہ۔ م: آج کل کے آم اچھے نہیں۔ برسات بعد اچھے ہوں گے۔

— کل میں (مف) دو ایک روز کے اندر۔ بہت جلدی۔ عنقریب۔

جو ہمنشیں رہے ان کے یہی تو محفل سے
ہماری ہوتی ہے موقوف آج کل میں نشست
(ظفر)

— کل ہونا (ف ل) ۱۔ روز وعدہ وعید ہونا۔ ٹالم ٹول ہونا۔
۲۔ متواتر وعدہ خلافی ہونا۔ م: آج کل ہوتے ہوتے یہ دن آ گیا۔

— کو (مف) ۱۔ سر دست۔ بالفعل۔ اب تو۔ آج تو۔ م: آج کو یہ الزام رکھا کل کو کچھ اور تہمت لگا دو گے
۲۔ اس موقع پر۔ اس وقت۔

پٹکتے کس لیے ہم سر در و دیوار سے اپنا
جو ہوتی اس کے گھر کی آج کو دیوار گردن تک (معروف)

۳۔ کاش آج کے دن۔ آج۔ م: آج کو اسکی ماں ہوتی تو کیسی خوش ہوتی۔ ۴۔ ان دنوں۔ آج کے بجائے ناسخ نے لکھا ہے۔

آج کو اے مہ جبینوں شغل ہے تم کو یہی
چہرہ ہے اور آئینہ ہے زلف ہے اور شانہ ہے
(ناسخ)

۵۔ آج بھر کے لیے۔ م: آج کو یہاں رہ جائیے کل چلے جائیے۔

— کی (ص) دیکھو 'آج کا' جس کی یہ تانیث ہے۔

— کی رات (مث) ۱۔ شب گذشتہ۔ م: آج کی رات اچھی گذری۔
۲۔ شب آئندہ۔ م: آج کی رات بھی اچھی گذرے

تب بات ہے ۔ ۳۔ شب رواں ۔ یہ رات ۔ م : آج کی رات تو پہاڑ ہو گئی ۔ ۴۔ اس رات کی آمدنی ۔ م : آج کی رات سنیما والوں نے چندے میں دیدی ۔
۵۔ (مف) آج رات کو ۔ امشب ۔ ع :

یہ تو فرمائیے جانا ہے کہاں آج کی رات (نوازش)

— کے (ص مف) ۱۔ اس دن کے ۔ امروز کے ۔ م: آج کے بچھڑے دیکھیے کب ملیں ۔ ۲۔ آج صبح کے ۔ تازہ ۔ م: آج کے ٹوٹے (پھل) ہیں ۔ م: آج کے تھپے آج ہی کام نہیں آتے ۔ ۳۔ آج کی پیدائش (مراد) نوعمر ۔ ناتجربہ کار ۔ م: آج کے لونڈے بڑے بڑوں کے کان کترتے ہیں ۔

— کے آج (مف) ۱۔ آج دن بھر میں ۔ آج ہی ۔م: آج کے آج سل کر تیار ہو جائے ۔ ۲۔ ابھی کے ۔م: آج کے آج (ڈنڈے یا تھپے وغیرہ) جلنے کے قابل نہیں ہوتے ۔
۳ ۔ ابھی م: دلی کی جامع مسجد کو بنے تین سو برس ہو گئے مگر یہ معلوم ہوتا کہ آج کے آج بنی ہے ۔

— کے بچے کل کے بوڑھے (کہاوت) جو آج بچے شیر خوار ہیں آئندہ وہی موجودہ بزرگوں کی جگہ لیں گے اور دنیا کے کاروبار چلائیں گے ۔

— کے تھپے آج ہی نہیں جلتے (کہاوت) ۱۔ ہر کام تھوڑا بہت وقت چاہتا ہے ۔ ۲۔ بعض کام بتدریج یا آہستہ تکمیل پاتے ہیں ۔ م: جلد بازی کر بیٹھے یہ نہ جانا کہ آج کے تھپے آج ہی نہیں جلتے ہیں ۔

— کے ٹوٹے (محاورہ) درخت پر سے تازہ اترے ہوئے یا ٹوٹے ہوئے پھل ۔ ڈال کے ٹوٹے ۔ تازہ ٹوٹے پھل ۔م: آج کے ٹوٹے آج ہی کھانے کے قابل نہیں ہوتے ۔ جب تک چند روز پال میں نہ رکھے جائیں ۔

— کے دن: (مف) ١- دیکھو 'آج کو' - ٢- گذشتہ ہفتے میں اسی دن ، آٹھواں دن ہے کہ - م: آج کے دن سوار ہوئے تھے - ٣ - آج دن بھر یا آج - ع

کام دل چاہئے اور عیش سے کام آج کے دن (نادان)

— یہ کیا جاتی دنیا دیکھی: (کلمہ تعجب) طنز سے کسی ایسے دوست یا عزیز کی نسبت کہتے ہیں جو بہت دنوں سے نہ ملا ہو اور ایک مدت کے بعد ملاقات کو آیا ہو - م: آج یہ کیا جاتی دنیا دیکھی کہ اتنا پوچھا کہ یہ کدھر سے چاند نکلا ہے (ف الف - ج١ - ١٦٣)

— گئے کل آئے: (محاورہ) مراد بہت جلد واپس آنے سے -

حج کو جاؤ کہ زیارت کو تردد کیا ہے
زندگی شرط ہے بحر آج گئے کل آئے! (بحر)

— مرے (موے) کل دوسرا دن: (محاورہ) مرنے پر آنکھ بند کرتے جلد جلد عرصہ گذرنے پر عبرتاً بولتے ہیں - پس از مرگ لوگوں کے جلد بھول بھال جانے پر بھی مستعمل - یعنی مر کر پرانے ہوئے - م: آج مرے کل دوسرا دن گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے (ن آ - ج ٢ - ص ١٧)

یہ ہی بلائیں سر پر ہیں تو آج موے کل دوسرا دن
یاری ہوئی، بیاری ہوئی، درویشی ہوئی، تنہائی ہوئی
(میر)

— میں کل تو: (محاورہ) یکے بعد دیگرے - '' ہماری تمہاری سب کی باری ہے '' کے معنی میں - م: موت کا سلسلہ جاری ہے آج میں کل تو -

— میں ہوں اور تو ہے: (محاورہ) دھمکی سے بولتے ہیں - یعنی تجھے ایسی مار ماروں گا کہ کوئی کسر نہ چھوڑوں گا - کوئی چھڑانے والا بھی درمیان نہ ہوگا -

— نقد کل ادھار: (محاورہ) ١ - آج کا معاملہ کھرا اور کل کا مشتبہ ہے -

م: آج نقد کل اُدھار وعدے کا کیا اعتبار۔ اس وقت جو ملتا ہو لے لینا چاہئے ۔ ۲۔ قرض دینے سے انکار کے معنی میں اکثر دکان دار بولتے ہیں ۔

— نہیں کل (مف) کبھی نہ کبھی ضرور ، آگے پیچھے ۔ م: یہ وقت سب کے لئے موجود ہے۔

— ہے سو وہ کل نہیں (محاورہ) ۱۔ جو آج موجود ہے کل معدوم ہونے والا ہے ۔ ۲ ۔ زمانے کے ساتھ حالات بدلتے رہتے ہیں ۔ ۳ ۔ روز بروز بدتری اور گھٹتی کا پھرا ہے ۔ ۴۔ یہ وقت بھی پھر نہیں ۔ جو آج زندہ ہیں اُن میں سے بہت سے کل نہ ہوں گے ۔ م: بیٹا ! ہماری ضعیفی ہے آج ہے سو کل نہیں ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی کے فریضے سے ادا ہو جائیں ۔

آجا (مذ) (ہندو) دادا [س: آیئے - پ: آج (=دادا)]

آجانا (فعل) دیکھو ' آ ' کے تحت ۔

آجر (مذ) ۱۔ اجرت دینے والا ۔ سر خط یا پٹا لکھ دینے والا (قانون) ۲۔ اجرت پر مزدور رکھنے والا (معاشیات) ۳۔ وہ شخص جس نے کسی معین فائدے کو کسی معین معاوضے پر غیر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو (فقہ) [ع دیکھو اجر]

آجل (مذ) ۱ ۔ دیر کرنے والا ۔ دیر میں ادا ہونے والا جیسے مہر آجل ۔ ۲۔ میعاد (نالش وغیرہ کی) گذار دینے والا (قانون) [ع م: اجل=دیر ۔ وقت مقررہ ۔ موت کا وقت]

آجھوں آج (مث) ۱۔ آج دن کے اندر اندر۔ اس دن کے عرصے میں آج ہی ۔ م: آجھوں آج آئے بھی اور چلے بھی گئے ۔ ۲۔ آج ہی مارا مار کرکے یا جلدی جلدی کر کے ۔ م: آجھوں آج تیار کر کے انگرکھا پہنا بھی دیا ۔

آچ (مث) چھینک کو کھینچنے کی آواز یا نقل صوت ۔ جیسے

آچ چھیں - م: آچ کر کے رہ گئے چھینک پوری نہیں آئی (آواز کی نقل)

— چھیں (ہ مث) چھینک کی نقل صوت -

— چھیں آچ چھیں کرنا } (فـم) چھینکوں پر چھینکیں - م: مرچوں کی دھانس جو اڑی سارا گھر آچ چھیں آچ چھیں کرنے لگا -

آچا (مث) ۱- لفظاً بزرگ جیسے باپ - دادا - نانا - ۲ - قدیم الخدمت بوڑھے ملازم - خواجہ سرا وغیرہ کے لئے جو سب کا سردھرا اتالیق ہو - خصوصاً بوڑھی ماما کے لئے بیگمات قلعہ (دھلی) بولتی تھیں -

نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آچا
اپنی بیتی کی تو کہہ آج کہانی آچا
(رنگین)

[ت: آچا = مادر - ہ: دیکھو 'اچا']

آچار (مذ) صحیح 'اچار' جس کے معنی میں مربا بھی شامل ھے- اردو میں الف ممدودہ سے بھی مروج ھے- ع

کیا زور مزیدار ھے آچار چوھوں کا (چوھے نامہ - نظیر)

مفصل دیکھو 'اچار' اور اس کے ذیلی الفاظ -

[ف: آچار -

ز آچار ھا انچہ با شد عزیز
ترنج و بہ و نار و نارنج نیز (سکندر نامہ- نظامی)]

آچاری (مث) - شیشے یا چینی کا مرتبان یا ظرف اچار مربے کے لئے [آچار + ی]

آچاری (مذ) ۱- ہنود کی رسوم شرعی اور عبادات کا پابند- بڑا شاستری - متقی اور مذھبی ھندو - زاھد و مرتاض -
۲ - برھمنوں کا ایک فرقہ - [س: دیکھو اچاریہ]

آچاریا (مذ) دیکھو 'اچاریہ'

آچاریہ (مذ) ۱ - ہنود کا امام یا پیشوائے مذھبی - خصوصاً وہ جو وید کی تعلیم دیتا، جنیو پہناتا اور رسوم

مذھبی اور عبادات کے ادا کرنے میں اُن کا مقتدا ھوتا ھے - ۲ - لقب پڑھے لکھے جیّد پنڈت عالموں کا -
[س : آچاریہ = استاد ، گرو]

آچمن (مذ) ھندو - ۱ - ایک چلو پانی سے منہ پاک کرنا - کام و دھن کی تطہیر - کلی - غرارہ (خصوصاً) جو تبرک چکھنے کے لئے کیا جائے - م : اور آچمن کرایا
(۲ - رسوم ھند صفحہ ۱۱۳)
(س : آچمن = ھتیلی میں سے پانی پینا)

- کرنا ، لینا (ف م) ھندو - دھن پاک کرنا تبرک چکھنے کے لئے - ۲ - کلی غرارہ کرنا -

آچھیں (مت) زور سے چھینکنے کی آواز - (آواز کی نقل)

آحاد (مذ) ۱ - جمع احد کی - اکّے - یکّے - افراد - ۲ - نو تک کے ھندسوں کا مجموعی نام - اکائیاں - ۳ - (اصول حدیث) وہ احادیث و اخبار جن کا راوی سلسلۂ روایت کے کسی طبقے میں صرف ایک شخص ھو - (ع : جمع احد = ایک]

- اناس (مذ) عام افراد یا عوام - ھر فرد - اشخاص - م : آحاد ناس کے مرثیے لکھنے کی تکلیف دینی بلا شبہ تکلیف مالا یطاق ھوگی (مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۶۳)
[(ع : احاد + ناس (= انسان)]

آخ (مث) ۱ - حلق اور تالو صاف کرنے کے لئے کھنکارنے کی آواز - کھنکار جیسے آخ تھو (آواز کی نقل) میں - ۲ - (عوام) - عاق کا بگاڑ جیسے بیٹے کو آخ کردیا -

- آخ (مث) دیکھو آخ جس کی یہ تکرار اور کھنکار کی مکرر آواز ھے - بطور فجائیہ مستعمل - ۱ - سخت بدمزہ محسوس ھونے پر - م : آخ آخ یہ کیا بلا پلادی !

۲- تعفن محسوس ہونے پر - م : آخ آخ یہ کیا سڑی مچھلی سنگھادی ! ۳- گھن آنے پر - م : آخ آخ یہ غلاظت کے ڈھیر ، ۴- تصور کئے سے نفرت ہونے پر - م : آخ آخ حلال خوری کے ہاتھ کا پکا ہوا کھا لیا ! خے خے - تھو تھو [آواز کی نقل]

— تھو (مث) ۱- کھنکار کر تھوکنے کی آواز جیسے بد مزہ چیز کے منہ میں محسوس ہونے پر بے ساختہ سرزد ہوتی ہے - م : آخ تھو کہتے ہیں - ۲- لعنت کے اظہار کے لئے مستعمل بمعنی لعنت کے - تف ہے ! حیف ہے ! تھو ہے ! - م : آخ تھو تیرے جنم پر -

— تھو آخ تھو کرنا (ف م) ۱- نفرت و بدمزگی کے ساتھ اُگل اُگل کر تھوکنا اور تالو صاف کرنا - م : بریانی سڑ گئی تھی ایک نوالہ لیتے ہی سب آخ تھو آخ تھو کرتے ہوئے اُٹھ گئے -
۲- سخت نفرت و حقارت کا اظہار کرنا - تف کرنا -
۳- گھن کرنا -

— تھو - کہتے ہوتے ہیں (فقرہ) کوشش سے چیز ہاتھ نہ آنے دیکھ کر اکثر خفت مٹانے ، دل کو سمجھانے کے لئے اُس چیز ہی میں عیب نکال دیا جاتا ہے - م : آخر انگور ہاتھ نہ آتے دیکھ کر لومڑی نے کوشش چھوڑدی اور یہ کہہ کر چلتی بنی : آخ تھو کہتے ہیں -

— تھو ہونا (ف ل) ۱- سخت نفرین اور لعنت ہونا - م : ہر طرف سے آخ تھو ہوئی تو اچھا ہوگا -
۲- گھن کھانا - تھوکنا -

اُٹھائی جو کوڑی نجاست کی تو نے
یہ چاروں طرف آخ تھو آخ تھو ہے

آختہ (ص) وہ (جانور یا انسان) جس کے خصیے نکال لئے گئے ہوں - فوطے مل مل کر بیکار کر دیے گئے ہوں -

خصی بدھیا ۔ آختہ (انسان کے لئے) خواجہ سرا ۔
خوجہ ۔ ہیجڑا ۔
[ف : آختہ ۔ اختہ ۔ آختن یا اختن سے ۔ س :
اکرشتم (اکرش + تم (علامت مصدر)]

— کرنا (ف م) (اردو میں اکثر الف مقصورہ سے) ۱۔ خصیے نکال لینا ۔ بدھیا کرنا ۔ جیسے بیل کو آختہ کرنا ۔
۲۔ ہیجڑا بنانا ۔ خوجہ کرنا ۔ خواجہ سرا بنانا ۔ م :
غلام قادر کو شاہ عالم نے محلی بنانے کے لئے آختہ کردیا تھا ۔ اس نے جوان ہو کر یہ بدلہ لیا کہ شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں ۔

— ہونا (ف ل) لازم 'آختہ کرنا' کا ۔ خصیے نکلوانا ۔ ہیجڑا بننا ۔ خصیے نکال دئے جانا ۔

۱۔ آخر (مذ) اول کی ضد ۔ ۱۔ انجام ۔ مآل ۔ حشر ۔ نتیجہ ۔ م:
کیا ہوا آخر جھٹلانے والوں کا (ترجمہ قرآن ۔ شاہ عبد القادر ص ۱۲) ۔ ع :

ہر کام کے آخر پہ نظر پہلے ہی پہنچے (ظفر)
۲۔ انتہا ۔ نہایت ۔ حد ۔ م : وہ بھی ہیں جو اس دنیا کا اول آخر کچھ نہیں جانتے ۔

۳۔ پچھلا سرا ۔ سرا ۔ م : نیام کے آخر پر سنہری شام چڑھی ہوئی تھی ۔ ۴۔ چوٹی دھر ۔ پھننگ ۔ م :
قطب مینار کی بلندی آخر تک ۲۸۰ فٹ ہے ۔ م :
لاٹھ کے آخر تک نہ چڑھا گیا تھک گئے ۔ ۵۔ پچھیت ۔ پچھاڑی ۔ عقب ۔ موخر ۔ م : جمعہ اور جماعت میں عورتوں کی صف آخر میں ہوتی ہے ۔ ۶۔ بالائی سطح ۔
م : اول استخوان پھر احشا پھر گوشت ۔ آخر پر پوست ہے جو سب کو ڈھانکے ہوئے ہے ۔ ۔سطح زیریں ۔
تہہ ۔ م : قالین کا اون اڑ کر آخر میں سوت نکل آیا تھا ۔ ۸۔ تحت ۔ ذیل ۔ نچلا حصہ ۔ م : کاغذ کے

آخر پر معززین کی گواہیاں اور مہریں ثبت تھیں۔
۹- اندرون - بطون - باطن - جگر - م : آخر تک سکا ہوا - ۱۰- نیچے کا سرا - جڑ - ع : اصل کٹتا سرے پر پھیکا اور آخر پر میٹھا ہوتا ہے۔ ۱۱- زیور - تلا - پیندا - م : لوہے کی لاٹھ کو کھود کر دیکھا تو آخر اسکا تین پایوں پر ٹکا ہوا تھا - ۱۲- خاتمہ - تتمہ۔ م : آخر میں مصنف نے کچھ اپنا حال بھی درج کیا ہے ۱۳- آخرت - عاقبت - م : آخر اچھا ہو اسکی دعا مانگنی چاہیے - تو سب ہیچ ہے - ۱۴- آخر عمر - بڑھاپا - م : آخر بھی عیش سے گزرا اور اول بھی م : آخر برا کٹتا - [ع : آ خ ر = پیچھے ، بعد]

آخر (۲) (مف) ۱- ختم ہونے پر - خاتمے پر - بعد - ع :

لازم ہے کہ ہر شام کے آخر سحر آوے (جرأت)

۲- بہر حال -

یہ چوک بھی جاتا ہے بشر ہی تو ہے آخر
کب تک نہ ثمر لائے شجر ہی تو ہے آخر (معروف)

۳- بدرجۂ مجبوری - تھک کر - ہار کر - ناچار -

دیتا ہوں دعائیں بے کسی کو
آخر نہیں پاتا جب کسی کو (برکھارت، حالی)

م : آخر بولنا ہی پڑتا ہے - ۴- بدرجۂ ادنی - اقل مرتبہ - کم سے کم -

اے بتو اس قدر جفا ہم پر
ہم بھی آخر خدا کے بندے ہیں (میر)

م : آخر وہ بھی تو طالب علم ہے اسے طلبہ کی کانفرنس میں کیوں نہیں بلایا -

۵- لازمی طور پر - ضرور -

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
تا نہ دے باد زمہریر آزار (غالب)

۶- لیکن - تسپر بھی - تاہم -

آخر جہان میں شب تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شب ماہتاب میں (شیفتہ)

۷- القصہ - الحاصل - الغرض - م : آخر کیا ٹھیری ؟
م : آخر نہ ماننا تھا نہ مانے -

۸- اندریں صورت - بس - ناچار -

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا
(داغ)

۹- ہزار کچھ سہی - پھر بھی - ع :
آخر غلام ہوں میں تمہارا قدیم کا (شیفتہ)

۱۰- انتہا پر - سب کے بعد :

آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا (نظیر)

۱۱- قریب ختم - تمام - ختم :
تھی شام قریب دن تھا آخر (اسیر)
ع : آخر ہوا شباب ہوئی انتہائے عیش (بحر)

۱۲- کسی صورت - کسی عنوان - کبھی بھی- ہرگز -
تم اپنے ظلم سے آخر نہ باز آؤ گے
چلا نظیر بھی لیجے سلام رخصت کا

۱۳- پایان کار - انجام کو - بالآخر -
جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آ گیا آخر (حالی)

۱۴- حتما - ضرور - مقرر - ع :

تجھے بھی ایک دن آخر خدا کو منہ دکھانا ہے

(معروف)

۱۵- بعد میں - آیندہ - م : اگر لاکھ برس بھی زندہ رہے تو آخر کیا ؟

۱۶- آخر عمر میں - بڑھاپے میں - تھکے وقت میں - م : کچھ جمع کرو کہ آخر کام آئے -

۱۷- سب سے پیچھے یا پچھلے - پھسڈی - پست ترین م : امتحان میں سب سے آخر آئے -

۱۸- دوسرے مرتبے پر - پست تر - بعد - م : مجھ سے آخر اُن کی کرسی تھی اُن سے آخر ایک اور صاحب کی - [اکثر اس لفظ کا استعمال بطور حسن کلام ہے یا کچھ استدلال پوشیدہ ہوتا ہے جیسے : اتنے روپے لے چلے آخر کیا کرو گے - اس فقرے میں یہ استدلال پوشیدہ ہے کہ بظاہر کوئی ضرورت اتنے روپے کی نظر نہیں آتی لہذا اتنے روپے کیوں لے چلے]

آخر (۲) (ص) سب سے پچھلا - آخر ترین - م : اللہ تعالیٰ کے آخر پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے - ۲- قصہ کوتہ کرنے والا - مختتم - م : آخر کلام یہ ہے کہ اس قیمت پر بیچنا منظور نہیں - ۳- آخری -

مری آتش بیانی ہے خراب اس دور آخر میں

(ناسخ)

۴- دوسرا - بعد کا - ثانی - جیسے ربیع الآخر میں - (یہ عربی استعمال ہے اردو میں آخر ، اخیر یا آخری مستعمل ہے)

— آخر (مف) ۱- آگے چل کر ، ہوتے ہوتے ، آخر کار ،

رفتہ رفتہ غیر نے اس گھر میں پائی جائے ص
آخر آخر وہ مقدم پر مقدم ہو
(اسیر)

۲- سب سے پیچھے ، پیچھے پیچھے - م : اول او
سوار ، بیچ بیچ پیادے ، آخر آخر توپ خانہ -
۳- آخری دور یا اثنا میں - آخر زمانے میں -

اول اول بھلائیاں بھی کیں
آخر آخر بہت برائی کی
(رند)

۴- آخر حصۂ عمر میں - اپنے آخری زمانے میں - م
آخر آخر سرسید تعلیم کے لئے ولایت بھیجنے کے حام
نہ رہے تھے -

— آنا (ف ل) پیچھے نکلنا ، پھسڈی رہنا - م: آخر آنے پر ا
قدر برافروختہ ہوا کہ گھوڑے کے گولی مار دی -

— الامر [آخ ِ رل امر] (مف) ۱- انجام کار ، آخر میں ، آخر
۲- القصہ ، الغرض -

آخر الامر بعد صد دقت
نکلی صورت گری کی یہ صورت
(قلق لکھنوی)

۳- ہار کر ، تھک کر ، ناچار - م: آخر الامر بات ماننے
ھی بنی -

— الزماں (ص) ۱- جس کے بعد دوسرا تا قیامت آنے والا نہ ہو
جیسے پیغمبر آخرالزماں - دنیا کے آخری دور میں
قیامت کے قریب ظاہر ہونے والا ، جیسے مہدی
آخر الزماں

— بات (مث) دیکھو ' آخری بات ' -

— بار (مث) دیکھو ' آخری بار ' -

— بیں (ص) انجام کو پیش نظر رکھنے والا ۔ عاقبت اندیش
م : ابو بکر بڑے آخر بیں آدمی تھے ۔ (امہات الامہ)

— بینی (مث) انجام کو دیکھنا ۔ پیش بینی ۔ انجام بینی ۔ آیندہ کا سوچنا ۔ م : ساری خوبیاں ہیں آن میں ایک آخر بینی نہیں ۔

— پر ۱۔ آخر کو ، بعد کو ، نتیجہ نکلنے پر ۔ م : آخر پر ہمیں برائی نہ دینا ' ہم نے تمہیں آگاہ کردیا ہے۔ ۲۔ سب سے پیچھے ' دور تر ، پرلے سرے پر ، اُس سرے ۔ م : آخر پر میری کرسی تھی ۔ ۳۔ سب سے اوپر ، بالاترین ، ما فوق ۔ م: علم کے آخر پر سونے کا پنجہ ہوتا ہے یا ہلال جو دور سے چمکتا نظر آتا ہے۔ ۴۔ سب کے بعد تک ، تا خاتمہ ، ختم کار تک ۔ م : تنقیح اول کا فیصلہ آخر پر ملتوی کیا گیا ۔ ۵۔ خاتمے کے نزدیک ، فیصلے کے قریب ، تنت پر ۔ م : جا کر دیکھا تو معاملہ آخر پر تھا ۔

— پر آ لگنا (ف ل) خاتمے کے قریب پہنچنا ، ادھر یا ادھر فیصلے کے قریب ہونا ، تنت پر ہونا ۔ م : معاملہ آخر پر آ لگا ہے اب تو کچھ مدد کردو ۔

— دم (مذ) آخری سانس ، دم واپسیں ، مرنے کا وقت ، نزع کا وقت ۔ م : آخر دم تک ہوش و حواس قائم تھے ۔ م : آخر دم کلمہ نصیب نہ ہوا ۔ ۲۔ آخری لمحے پر ، عین وقت یا تنت پر ۔ م: آخر دم آئے ، ریل سیٹی دے چکی تھی ۔

— دموں (مف) عو ۔ مرتے وقت ، نزع میں ۔ م: آخر دموں کلمہ بھی نصیب نہ ہو گا ۔

— رہنا (ف ل) سب سے پیچھے رہنا ، پھسڈی رہنا ۔ م : جماعت میں آخر رہا اس لئے ترقی نہیں ملی ۔

— زماں (ص) دیکھو ' آخر الزماں ' ۔

— زمانہ (مذ) ۱- بڑھاپے کا وقت ، آخر عمر ، ضعیفی - م : آخر زمانہ اچھا نہ گزرا بہت غم دیکھنے پڑے - ۲- دنیا کے خاتمے کا وقت ، قرب قیامت ، کل جگ - م : آخر زمانے میں گناھوں کی کثرت ھوگی - ۳- پچھلا دور ، آخری عہد ، جاتی بہار - م : آخر زمانہ لکھنو کی سلطنت کا آن کی آنکھوں نے دیکھا تھا -

— سما (مذ) ۱- مراد وہ وقت یا ایام جب کہ محفل یا رونق یا بہار بچھڑنے والی ھو - م : واجد علی شاہ ھنوز تخت پر تھے لکھنو کا آخر سما تھا - ۲- (مف) بونے جوتنے کی فصل کا آخری وقت - م : آخر سمے مینھہ برسا تو کیا برسا -

— سنوارنا (ف م) دیکھو ' آخرت سنوارنا ' -

— سوچنا (ف م) ۱- انجام کی فکر کرنا - ۲- دیکھو ' آخر سمجھنا ' -

— فنا (محاورہ) بالآخر نیست ھوجانا ھے - اکثر مکرر مستعمل -

گو جئے لاکھوں برس آخر فنا آخر فنا
کیا کریں مرجائیں عمر خضر گر ملتی نہیں (سحر)

— کا (ص) ۱- سب سے پچھلا - م : آخر کا گھوڑا اول آ گیا - ۲- باقی معانی کے لئے دیکھو ' آخری ' -

— کار (مف) دیکھو 'آخر الامر' - ۱- اخیر پر - انتہا میں -

اول کار محبت تو بہت سہل ھے میر
جی سے جاتا ھے مگر صبر و قرار آخرکار (میر)

۲- قصہ کوتاہ - الغرض -

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد
آخر کار کیا کہا قاصد

['آخر' کی اضافت اردو والے اکثر گرا کر بولتے ھیں]

کرنا (ف م) ١- انجام کو پہنچانا ، ختم کرنا - م : فوراً سلام پھیر کر نماز آخر کردی -

٢- گزار دینا ، بسر کردینا - م : باتوں ھی باتوں میں رات آخر کردی -

٣- صرف کر ڈالنا ، نبیڑنا - م : جو بچا ہے آسے بھی آخر کرو - ٤- کام تمام کرنا ، مار ڈالنا - م : میری بچی کو جلا جلا کر آخر کردیا (عو) -

کو (مف) ١- بہر صورت ، بہر حال -

آخر کو ہے خدا بھی تو اے میاں جہاں میں
بندے کے کام کچھ کیا موقوف ھیں تمہیں پر
(میر)

٢- انجام کار ، بالآخر -

خواب عدم سے چونکے تھے ھم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
(درد)

٣- تھک کر ، ناچار ، مجبور - م : آخر کو وھی کرنا پڑا -

کی (ص) آخری -

ھنس ھنس کے چھری پھیر گلے پر مرے قاتل
آخر کی تڑپ ہے یہ کچھ اس میں تو مزا ھو
(امیر)

کے درجے (مف) آخر کار ، بالآخر - ٢ - ناچار ، ھار کر - م : آخر کے درجے نالش ھی کرنی پڑے گی - ٣- بہت سے بہت ، انتہائی صورت - م : آخر کے درجے یہ کہ شاید بر طرف کردیں گے مگر وہ بر طرفی سے نہیں ڈرتا -

— مرتبہ (مث) ۱۔ آخری بار۔ ۲۔ سب سے نیچا درجہ۔ م: آخر مرتبے کے وکیل اونچی عدالتوں میں پیروی نہیں کرسکتے۔ ۳۔ سب سے بلند مرتبہ، چوٹی کا درجہ۔ م: آخر مرتبہ بادشاہ کا ہے جس کے اوپر بس خدا ہے۔ ۴۔ (مف) حد کے درجے، انتہائی صورت۔ م: آخر مرتبہ یہ کہ جیل بھیج دیں گے اور کیا کر سکیں گے؟

— معاملہ (مذ) دیکھو 'آخری معاملہ'۔

— منزل (مذ) قبر، گور۔ م: اس وقت اپنی جان لے کر چلا جا ورنہ آخر منزل پہنچا دوں گی۔

(۱۔ الف لیلہ حیرت)

— میں (مف) ۱۔ انجام کار، آخر کو۔ م: آخر میں پچھتانا نہ پڑے۔ ۲۔ پرلے سرے پر، سب کے بعد۔ م: آخر میں میری کرسی تھی۔ آخر میں عورتوں کی صف تھی۔ ۳۔ آخری دور عالم میں، قریب قیامت کے۔ م: آخر میں دجال پیدا ہوگا اور وہ لوگوں پر ظلم و ستم کرے گا۔ ۴۔ خاتمے پر۔ م: آخر میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

— نوبت (مث) دیکھو 'آخری نوبت'۔

— نوبت پر (مف) ۱۔ اختتام فصل یا جاتی رت پر۔ م: آخر نوبت پر مینہ برسا تو کیا برسا۔ ۲۔ عین وقت پر، تنت پر، تنگ وقت میں، وقت کے خاتمے پر، آخری وقت۔ م: آخر نوبت پر آئے ریل تو مل گئی مگر ٹکٹ نہیں مل سکا۔ ۳۔ انجام کار، بالآخر۔ م: آخر نوبت پر راضی ہوگئے۔ ۴۔ آدھی رات کی نوبت بجنے پر، آدھی بجے۔ م: آخر نوبت پر شہر کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

۵- انتہا کے نزدیک ، ختم پر- م: مقدمہ آخر نوبت پر ہے -

— وقت (مذ - مف) ۱- دیکھو آخر دم ، 'آخر زمانہ' اور 'آخری وقت ، ۲- تھوڑا وقت ، تھوڑی مہلت ، تنگ وقت - ع :

کام کر جلد کہ ہے وقت بھی آخر قاتل
(سخن دھلوی)

— ہوجانا - ہونا (ف ل) ختم کے قریب ہونا ، ختم ہوجانا -

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ پاؤ گے کبھی لطف شبانہ ہرگز (حالی)

۲- دم نکل جانا - جاں بحق ہونا ، چل بسنا ، مر جانا - ع :

ھچکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبر (نفیس)

۳- سب سے پیچھے یا پھسڈی رہ جانا ، ہار جانا - م : دوڑ میں اول گھوڑا آخر ہوگیا - ۴- عمر طے کر کے گور کے کنارے ہونا ، ضعیف و نحیف ہونا -

اول عشق میں یہ حال امیر
تم تو آغاز ھی میں آخر ہو

۵- نبڑ جانا ، صفر رہ جانا ، تمام ہوجانا ، ہو چکنا م : مہینے سے پہلے ھی جنس آخر ہو گئی - ع :
شیخی کے جو تھی آن کی وہ سب ہو گئی آخر
(سودا)

٦- خالی رہ جانا ، ٹھوٹھ رہ جانا - ان معنی میں رند لکھنوی نے لکھا ہے -

وھی اھل زباں سے تھے ، ھوا اب ھند بھی آخر
روانہ ہو گئے شیراز کو کل رند بھی آخر

آخرت (مث) ۱- وہ عالم جو مرنے کے بعد آئے گا جہاں مرنے کے بعد پہنچیں گے اور ھمیشہ رھیں گے- دوسری دنیا-

دوسرا جہان ۔ بعد الحیات ۔ بعد الممات ۔ پر لوک ۔ عقبیٰ ۔ خدا کا گھر ۔ دارالآخرت ۔ م : دہ در دنیا ستر در آخرت (مثل) ۔ م : آخرت وہ ہستی ہے جو عالم کون و فساد کے فنا ہوئے پیچھے رہے گی ۔ (۳ ۔ ح ۔ ف ۔ صفحہ ۹۹) ۔ ۲۔ خدا کی عدالت ، یوم انصاف ، قیامت ، محشر ۔ م : یہاں نہ دوگے تو آخرت میں لیں گے ۔ ۳۔ مرنے کے بعد کی زندگی یا عاقبت ۔ م : والدین کی خدمت کرنا اپنی آخرت سنوارنا ہے ۔ (ع : آ خ ر — آخر = پیچھے ، بعد ۔)

— بگاڑنا (ف م) ایسے کام کرنا جن سے عذاب آخروی کا مستوجب ہو ۔ م : باپ کے دو بدو ہو کر کیوں آخرت بگاڑی ۔

— بگڑنا (ف ل) لازم آخرت بگاڑنا کا ۔ ایسے اعمال کرنا جن سے عقبیٰ خراب ہو ۔ م : دنیا بگڑی تو بگڑے آخرت نہ بگڑے ۔

— بنانا (ف م) دیکھو ' آخرت سنوارنا ' ۔

— بننا (ف م) لازم آخرت بنانا کا ۔ ایسے کام کرنا جن سے عاقبت بخیر ہو ۔

— سنوارنا (ف م) ۱۔ ایسے کام کرنا جن سے عاقبت درست ہو ، مرنے کے بعد اچھے صلے کا سزاوار ہونا ، عاقبت بنانا ۔ م : ماں باپ کی خدمت کرنا اپنی آخرت سنوارنا ہے ۔

— سنورنا (ف ل) دیکھو ' آخرت سنوارنا ' جس کا یہ لازم ہے ۔ مرادف = آخرت بننا ۔

— کا سامان (مذ) خدا کے ہاں جانے کی تیاری ، مرنے پر آمادگی ۔ ۲۔ ثواب کے کام ، نیک اعمال ، خیر خیرات ۔ م : گریہ و زاری ہوچکی اب آخرت کا سامان کر ۔

(۱۔ الف لیلہ حیرت)

– کا سودا — (مذ) ۱۔ وہ عمل جس کی جزا عقبیٰ میں نیک ملنے کا یقین ہو ، عمل خیر ۔م: قرض حسنہ دینا آخرت کا سودا ہے مگر اسے کم ھی لوگ کرتے ھیں ۔ ۲۔ ناقابل وصول ، بٹے کھاتے کا ، غیر یقینی ۔ م: آخرت کا سودا ہے انھیں قرض کون دے ۔

– کی کمائی کرنا۔کمانا — (فم) ثواب آخروی حاصل کرنا ، ثواب کمانا ۔ م: آخرت کی کمائی کرنا ہے تو ماں باپ کی خدمت کیوں نہیں کرتے جو مکٹے جاتے ھیں ۔

آخرش — (مف) ۱۔ سب سے آخر میں ، آخر کے درجے ، ناچار ۔ م: اول نصیحت کرو ، پھر تنبیہہ کرو ، کھانے پینے کو نہ دو ، آخرش مارو کہ بے حیائی سے باز آئے ۔ ۲ ۔ انجام کار ، القصہ ، الغرض ۔

مدتوں دل اور پیکاں دونوں سینے میں رہے
آخرش دل بہہ گیا خوں ہو کے ، پیکاں ھی رہا
(ذوق)

م : آخرش اسی دن موافق حکم شرع شریف ملکہ کا نکاح جان عالم کے همراہ ھوا (فسانہ عجائب) [آخرش میں ش فارسی والوں نے بڑھایا ہے ۔ ان مثالوں سے واضح ھوگا کہ لکھنؤ اور دھلی دونوں جگہ کے اھل زبان اس لفظ کے استعمال میں متفق تھے لیکن متاخرین لکھنؤ اس پر معترض ھیں]

آخری — (ص) ۱۔ لفظاً ، سب سے پچھلا ، اخیر کا ، اخیر ۔ م: یہ ان کا آخری وار تھا ۔ ۲ ۔ زیادہ سے زیادہ ، انتہائی ۔ م: قاتل کو آخری سزا دی جاتی ہے ۔ ۳ ۔ (الف) جس میں کچھ چوں و چرا یا رد و بدل ممکن نہ ہو ، قطعی ناطق ، آخری حکم (ب) فیصلہ کن ، دو ٹوک ، فیصل ۔م: پنچوں میں اختلاف رائے

کی صورت میں آخری رائے سر پنچ کی ہوتی ہے۔
۴ - اپنے دور یا سلسلے کا ختم کرنے والا ، خاتم۔
جیسے آخری نبی ، آخری کوشش ، آخری قسط۔
۵ - مرتے دم کا ، مرتے وقت کا ، مرنے سے پہلے کا۔
م: آخری وصیت یہ تھی کہ... - ۶ - سب سے پچھلا
بمعنی پس ماندہ ، پھسڈی - م: آخری گھوڑے کو کچھ
انعام نہیں ملتا - ۷ - ختم ہونے کے قریب ، خاتمے کے
دور یا اثنا میں۔ خاتمے پر ، زوال پر - م: آخری مہینہ
ہے ہاتھ تنگ ہو رہا ہے - ۸ - جس میں کچھ کمی
بیشی نہ ہو ، قطعی ، ٹھیک ، اتمام حجت کر دینے
والی - جیسے آخری قیمت ، آخری بات - ۹ - کم سے کم۔
م: آخری قیمت پر بھی بکے تو بیچ ڈالو فضول ہے۔
۱۰ - تازہ ترین - م: آخری تار اخبار کے آخری صفحے
پر ملاحظہ ہوں - ۱۱ - آخر فصل کا ، پچھیت۔
م: آخر ، آم بے مزہ ہوتے ہیں - آخری شلجموں میں
جالی پڑ جاتی ہے - ۱۲ - جس کے بعد کچھ نہ رہے ،
آخر میں بچا ہوا ، بچا کھچا - باقی ماندہ - م: آخری
روپیہ بھی صرف ہو گیا تو اب فکر پڑی - ۱۳ - سب سے
اوپر کا - م: آخری کھنڈ ۳۸ فٹ بلند ہے - ۱۴ - سب
کے توڑ کا ، چوٹی کا ، بہتر بن - م: آخری داؤ بلی
نے شیر کو نہیں بتایا اپنے واسطے رکھ لیا - ۱۵ - دُھر
اندر کا - م: آخری دانتوں کو عقل داڑھ کہتے ہیں -
م: آخری درجہ حمام کا سب سے گرم ہوتا ہے -
۱۶ - نہایت ، غایت ، حد ، انتہائی - م: آخری درجے
کا بدمعاش ہے - ۱۷ - سب سے گھٹیا ، ادنٹی -
م: امیر ہو کر آخری درجے میں سفر کرتے ہیں -
۱۸ - اصلاح و تکمیل کا ، نظر ثانی کا - م: آخری قلم
ابھی لگنے نہ پایا تھا اور آخری نظر سے ہنوز نہ گزرا
تھا کہ مصنف کا انتقال ہو گیا - ۱۹ - عنقریب فنا ہونے

والا ، زوال پزیر ۔ ڈھلتا ، ٹمٹماتا ۔ جیسے آخری جوبن ، آخری بہار ۔ ۲۔ گزشتہ ، پیوستہ ، پچھلی ۔ م: آخری بار وہ کب آئے تھے جو اب آئیں گے ۔ ۲۱۔ زائد تا کید کے لئے ، جیسے آخری انجام ، آخری نتیجہ ، آخری سنبھالا ۔ ۲۲۔ موخرالذ کر ، ما سبق ۔ م: ہر دو دفعہ مذکورہ میں سے اگر کچھ اطلاق ہوتا ہے تو آخری دفعہ کا مجرم پر اطلاق ہوتا ہے ۔ ۲۳۔ تیسرا ، تیسری ، جیسے آخری بولی ، آخری طلاق ، آخری گھنٹی ۔ [آخر+ی یعنی منسوب بہ آخر]

— بات (مث) ۱۔ (خرید و فروخت میں) کم سے کم قیمت ، قطعی قیمت ، چکتے دام ، چکتی بات ۔ م: آخری بات کہہ دو کتنے تک لینا دینا ہے ۔ ۲ ۔ فیصلہ کن بات ، قول فیصل ، اتمام حجت ۔ م: آخری بات سعدی نے کہہ دی ہے کہ " درد سر کمتر بہ " ۔ ۳۔ الوداعی ، رخصتی بات ۔ م : آخری بات کرنے کا بھی موقع نہ ملا ، ریل کا وقت تنگ تھا ۔

— بہار (مث) ۱۔ پھولنے پھلنے کے موسم کا اخیر زمانہ ۔ اخیر موسم ، جاتی بہار ، ڈھلتی بہار ۔ م: آخری بہار میں اس کا پھول کھلتا ہے اور جاڑوں میں پھل پکتا ہے ۔ ۲ ۔ بہتات اور افراط کا آخری زمانہ ۔ جیسے موتیا کی آخری بہار ۔ ۳۔ عنقریب ختم ہوجانے والا لطف وغیرہ م : ہولوں کی آخری بہار (ہولے والے کی آواز) ۔ ۴۔ حسن و شباب کا اتار ، جوانی کا زوال ۔ م: اب آخری بہار میں کیا اتراتے ہو ۔ ۵ ۔ بڑھاپے یا پیری کا وقت ۔ م: اب ان کی آخری بہار ہے ۔ ۶ ۔ عنقریب مٹنے والی رونق و معموری ، شان و شوکت کا آخری نظارہ ، ڈھلتی رونق ۔ م : محمد شاہ کا زمانہ سلطنت مغلیہ کی آخری بہار تھی ۔

— پوشاک (مث) مراد کفن -

اس سے پہناتے ہیں جامہ طفل کو شکل کفن
روز اول سے ہو خوگر آخری پوشاک کا
(عاشق لکھنوی)

— پیغمبر (مذ) وہ رسول یا نمائندۂ خدا جو سب رسولوں کے بعد مبعوث ہوا اور اس کے بعد کوئی دوسرا رسول آنے والا نہ ہو - خاتم الرسل ، خاتم المرسلین - م : کفار آں حضرت کو وہ آخری پیغمبر نہیں مانتے جس کے آنے کی انجیل میں پیش گوئیاں ہیں

— چار شنبہ }
— چہار شنبہ } (مذ) ۱- لفظاً ، سب سے پچھلا بدھ کا دن - ۲- مسلمانوں کا ایک تہوار جو ماہ صفر کے آخری بدھ کے دن منایا جاتا ہے ، اس لیے کہ اس تاریخ کو پیغمبر صلعم نے صحت پائی تھی اور اچھے ہونے کا غسل فرما کر ہوا خوری کو نکلے تھے - مسلمان بھی اس دن باغوں میں جاتے ، سبزہ روندتے اور سونے چاندی کے چھلے ایک دوسرے کو تحفتہً دیتے ہیں -

ہے چار شنبہ آخری ماہ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشک بو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پئے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند
(غالب)

— چار شنبہ }
کر ڈالنا } (ف م) (پورب) گھر کے برتن بھانڈے پھوڑ ڈالنا ، چیز بست اٹھا اٹھا کر پھینکنا ، دُند مچانا - م : یہ پھینک ، وہ توڑ - اِس کو مار ، اُس کو پیٹ - گھر میں آخری چار شنبہ کر ڈالا -

[آخری چار شنبے کے دن مٹی کے پرانے برتن پھوڑے اور اُن کی جگہ نئے خرید کر رکھے جاتے ہیں]

- دانو } (ار - مذ) ۱- اخیر چال یا فریب - م : آخری دانو یہ
- داؤ } کھیلا کہ آپ خاوند کے پاس پہنچانے کے بہانے سے لے گئے - ۲- سب داروں کا توڑ ، سب سے بڑھیا داؤ - م : آخری دانو تو بلی نے بھی شیر کو نہیں بتایا تھا -

- درجہ (مذ) ۱- سب سے گھٹیا خانہ ، تیسرا درجہ ، تھرڈ کلاس - م : امیر ہو کر آخری درجے میں سفر کرتے ہیں - ۲- سب سے فائق یا اعلا مرتبہ ، جیسے ترقی کا آخری درجہ - ۳- نہایت سخت و اشد ، بے حد و نہایت - م : گرمی آخری درجے کی پڑ رہی تھی - ۴- دُھر اندر کا طبقہ ، پچھلا خانہ - م : آخری درجہ حمام کا سب سے گرم ہوتا ہے - ۵- سب سے اوپر کی منزل ، بلند ترین منزل - م : مکان کے آخری درجے پر رہتے ہیں وہاں ہوا کی کیا کمی - ۶ - برا حال ، پتلا احوال - م: آخری درجے کو پہنچا دیا - مرنے جوگی ہو گئی - ۷- (ف) انجام کار ، بالآخر ، ہار کر ، مجبوراً - م : آخری درجے منہ مانگے دام دینے پڑے - ۸- زیادہ سے زیادہ ، بہت سے بہت ، حد کے درجے ، بیش ازیں نیست - م : آخری درجے خفا ہو جائیں گے تو ہوجائیں میرا کیا کرلیں گے -

درشن (مذ) دیکھو ' آخری دیدار ' -

- دیدار (مذ) ۱- وہ ملاقات یا درشن جس کے بعد صورت دیکھنی نصیب نہ ہو - ۲- وداع ہونے والے یا قریب مرگ کی - مرتے دم صورت یا مرنے کو جاتے وقت کی صورت ، الوداعی صورت ، رخصتی نظر -

کہہ دو اُس سے کہ اے جگر افگار
دیکھ جا آ کے آخری دیدار
(مثنوی طلسم الفت)

دیدار آخری مجوے دکھلا کے جائیے
(انیس)

۳- کفن میں یا دفن کے وقت قبر میں منہ دیکھنا دکھانا - م : آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوئے لوگ دفن کر چکے تھے -

— زمانہ (مذ) ۱- موسم کا ختم ، فصل کا آخر ، آخری لطف - م : خربوزوں کا آخری زمانہ ہے - ۲- بڑھاپا ، ضعیفی- م : آخری زمانے میں والدین کی دعا لینی چاہیے - ۳- قرب قیامت - م : آخری زمانے میں دجال پیدا ہو گا ، حضرت عیسیٰ آسمان سے تشریف لائیں گے اور امام مہدی ظاہر ہوں گے - ۴- زندگی کا بقیہ ، باقی زندگی - م : آخری زمانہ اللہ اللہ میں گزارنے کو جی چاہتا ہے -

— ساعت (مث) ۱- مرنے کی گھڑی ، وقت یا لمحہ - آخری وقت ، موت - م : آخری ساعت تو سبھی کی آنے والی ہے - ۲- تنگ وقت ، عین وقت ، تنت پر - م : آخری ساعت پر پہنچے بلا ٹکٹ ہی سوار ہوجانا پڑا -

— سلام (مذ) ۱- الوداعی آداب ، رخصتی سلام - ۲- قطعی دست برداری - ع :

سلام آخری ہے آج سے آداب صحبت کو (منیر)

— سنبھالا (مذ) مرنے سے پیشتر مرض موت کی شدت و تکلیف میں کمی اور آرام کی صورت جو اکثر نمودار ہو کر دھوکا دیتی ہے - م : آخری سنبھالا تھا افاقہ نہیں تھا - ۲- بگڑی حالت کا چندے سنور جانا ، ایک بار پھر

قوت کا عود کر آنا وغیرہ - م: غدر سنہ ۱۸۵۷ء نہیں تھا مغلیہ سلطنت نے آخری سنبھالا لیا تھا (آخری کا استعمال یہاں زاید ہے)

— سواری (مث) ۱- مراد جنازہ - م : اُدھر سے کسی کی آخری سواری آ رہی تھی (جنازہ آ رہا تھا) اور ادھر سے برات جا رہی تھی - عجب مڈ بھیڑ ہوئی -

— صورت (مذ) ۱- مرتے دم شکل یا دیدار - ۲- کفن میں چہرہ - م : آخری صورت بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی - ۳- سب تجویزوں کے بعد باقی رہنے والی تجویز - م : آخری صورت تو یہ ہے کہ (ریل تو نکل گئی) موٹر کے ذریعے پہنچنے کی کوشش کی جائے -

— طلاق (مث) تیسری بار بیوی کو طلاق دینا وہ طلاق جس کے بعد رجوع نہیں کر سکتے- تیسری طلاق، طلاق بائنہ - م : آخری طلاق کے بعد حلالہ لازم ہوتا ہے (فقہ) -

— فصل (مث) ۱- موسم یا رت کا ڈھلتا زمانہ - م : آخری فصل کا آم - ۲- وہ فصل اناج ترکاری وغیرہ کی جو وقت کے اندر مگر بتاخیر بوئی گئی ہو اور اسے کافی زمانہ تیاری کا نہ ملا ہو - پچھیتی - م : آخری فصل اکثر خراب جاتی ہے-

— فیصلہ (مذ) ۱- آخری حکم جس میں کچھ چون و چرا یا گنجائش مرافع وغیرہ کی نہ ہو - قطعی فیصلہ ، حکم ناطق - م : آخری فیصلہ پریوی کونسل کا ہوتا ہے- ۲- بربادی یا فلاح و بہبود - م : اس مقدمے میں ہمارا تو آخری فیصلہ ہے - ۳- قطعی انکار یا اقرار- ۴- رد و قبول میں سے کوئی امر طے - م : مگر میں نے آخری فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ ابھی اس پر غور کر رہا ہوں -

— قلم (مذ) اصلاح و تکمیل کا ہاتھ ۔ م : آخری قلم لگنے سے پیشتر مصور کا انتقال ہو گیا ۔

— قیمت (مث) ۱۔ قطعی بھاؤ ، صحیح دام ۔ ۲۔ زیادہ سے زیادہ جو دام لگتے ہوں ۔ م : آخری قیمت بازار سے اکوا لو ۔ ۳۔ کم سے کم دام ۔ م : ایسے بیزار ہیں کہ آخری قیمت پر بھی بیچ ڈالنے کو تیار ہیں ۔

— کھرچن (مث) ۱۔ تلی کی کھرچن ۔ ۲۔ بچی کھچی کائنات ۔ م: لال قلعے میں اب رہا کیا تھا آخری کھرچن بھی غلام قادر صاف کر کے لے گیا تھا ۔

— گیبھہ (ص) (تعمیر) کسی عمارت کا اگلا ، پچھلا یا درمیانی حصہ ۔ یعنی کوئی ایسی عمارت جس میں یکے بعد دیگرے آگے پیچھے کئی درجے ہوں تو آسے علی الترتیب اگلی یا سامنے کی ، درمیانی یا بیچ کی گیبھہ کہتے ہیں ۔ آخری گیبھہ سے مراد ، عمارت کا وہ حصہ ہے جو سب سے پیچھے یا آخر میں ہے (" گیبھہ " گاہ کا بگاڑ معلوم ہوتا ہے)

— گھر (ار ۔ مذ) مراد قبر اور آخرت ۔ م : آخری گھر کے لئے بھی تو کچھ سامان انسان کو ساتھ لینا لازم ہے ۔

— مرتبہ (ار ۔ مث) دیکھو ' آخر مرتبہ ۔

— منزل (مث) قبر ۔ گور ۔

— نظر (مث) ۱۔ نظر ثانی ۔ ۲۔ آخری اصلاح ۔ م : مسودہ مصنف کی آخری نظر سے محروم رہا ۔ ۳۔ الوداعی ، رخصتی ۔ م : آخری نظر دیکھنے کا ارمان ہے ۔ ۴۔ نگاہ واپسیں ، نزع کے وقت کی نظر ۔ م: تصویر میں شاہ جہاں بستر مرگ پر ہے اور آخری نظر اس کی روضہ تاج گنج پر لگی ہوئی ہے ۔

— نوبت (مث) ۱- رات کے بارہ بجے یا آدھی رات کی نوبت ، نقارے ، گھنٹے - م: آخری نوبت ھنوز نہیں بجی تھی - ۲- فصل یا موسم کی بہار کا اختتام ، رونق کی کمی ، انحطاط - م : بازار میں خربوزے آخری نوبت پر ھیں اور آم زوروں پر - ۳- برا حال ، پتلا احوال ، جاں کنی - م : سارے بھوک کے آخری نوبت ہوگئی - ۴- عین وقت ، تنت - م : آخری نوبت پر اسٹیشن پہنچے ریل سیٹی دے چکی تھی - ۵- فیصلے کے قریب - م : خدا خدا کرکے مقدمہ آخری نوبت پر آیا ھے - ۶- سب سے پیچھے ، بعد از وقت - م : آخری نوبت پر جب مٹھائی بٹ چکی آپ تشریف لائے -

— وقت (مذ) ۱- مرنے کا وقت - دم نزع -

کہہ کے یہ شربت دیدار پلایا مجھ کو
آخری وقت ھے کیا فائدہ ترسانے سے (امیر)

۲- عمر کا آخری زمانہ ، بڑھاپا ، ضعیفی ، کبر سنی ، کہولت (علاوہ معنی نمبر ۱)

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

۳- اوج کا زوال ، ڈھلتی کا پہرا ، ڈھلتی - م: سلطنت مغلیہ کا وہ آخری وقت تھا - ۴- مقررہ وقت کے ختم پر ، تنگ وقت ، تنت - م: آخری وقت پر آئے ٹکٹ نہیں مل سکا -

— ھاتھ (مذ) ۱- کام تمام کر دینے والا وار ، قطعی کاری ضرب - م : ایک آخری ھاتھ اور نہ سارا تڑپتا چھوڑ دیا ۲- تیاری کے کے بعد صفائی ، اصلاح وغیرہ کا ھاتھ ، تکمیل کا ھاتھ - جیسے آخری ھاتھ پالش ، روغن وغیرہ کا - دیکھو 'آخری قلم' -

–[illegible] هفته ۶ — (مذ) مہینے کے چار یا پانچ ہفتوں میں سے سب سے پچھلا ہفتہ ۔ شنبۂ آخر ماہ (اس دن بعض رشتوں میں عام تعطیل بھی ہوا کرتی ہے) ۔ م: آخری ہفتہ منانے باغ گئے تھے ۔

آخریں — (مذ) اسم جمع آخر کی ۔ ضد اولین کی ۔ ۱۔ پچھلے آنے والے اعقاب و اخلاف ۔ ع:

مقتدائے اولین و آخریں پیدا ہوا ۔

۲۔ (ص) آخری ۔ پچھلا ۔

ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کئے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا
(مومن)

[ع: آخر+یں (علامت جمع و صفت)]

آخیذہ — (ص مث) لفظاً اخذ کرنے والی ۔ ۲ ۔ مراد اخذ کرنے کی قوت یا ملکہ ، قوت آخذہ ۔

[ع مادہ: اخ ذ = لینا ۔ پکڑنا ۔ تصرف میں لانا]

آخور — (مث) ۱۔ مخفف ''آخورگہ'' کا ، جس کے معنی گھوڑوں کے بندھنے ، لید اور مُتالی کرنے کی جگہ ۔۲۔ (مرکبات میں) سرکاری گھوڑوں اور ان کے اصطبل کے لئے مجموعی نام جیسے : آخور سالار ، میر آخور ، بمعنی افسر اسپان و مہتمم اصطبل شاہی۔ ۳۔ تھان کی لید ، متالی ، بچالی ، کوڑا کرکٹ وغیرہ ۔ م : آخور بھی بیکار نہیں جاتی ، کمہار آوے سلگانے کو لے جاتے ہیں ۔ ۴ ۔ مزبلہ ، گھورا ، کوڑی ۔ م: آخور پر ڈالنے کے قابل ہوگیا ۔ ۵۔(ص) گندا ، کثیف ، غلیظ ۔ م: آخور کبھی ہاتھ منہ دھوئے نہ نہائے ۔

ظفر جو ہو گئے ہیں آشنا دیں کی نظافت سے
لگائیں منہ وہ کیا دنیا کو یہ آخور دنیا ہے

۲۔ الا بلا ، دلدر ۔ م: کیا آخور اٹھا لایا ہے ۔ ناکارہ ، نکما ، نکمی ۔ م: سب آخوریں ہیں موئی حرام خوریں ہیں (عقد ثریا صفحہ ۳۶) ۔

[ف: آخور (تلفظ آخُر ۔ آخ وُر ۔ آخِ وَر) پہلوی: آوْ خر (خُر) ۔ آپ خور (خ وَر) ۔ آپ خور = دانے چارے کی جگہ ۔ اصطبل]

- پر ڈالنا (فم) ۱۔ کوڑے پر پھینکنا ۔ ۲۔ ردی کرنا ، پھینکنا ۔ م: سیلا ہوا ، سڑ گیا ، اب اسے آخور پر ڈالو ۔

سالار (مذ) شاہی گھوڑوں کے اصطبل کا سردار یا افسر ، داروغۂ اصطبل ، میر آخور ۔

- کی بھرتی (مث) ۱۔ تھان کی جملہ گندگی ، خراب گھاس ، لید وغیرہ ۔ م: آخور کی بھرتی بھی بیکار نہیں کمہار اپنا الاؤ سلگانے کے لئے خرید لے جاتے ہیں ۔ ۲۔ ناقص ، ناکارہ ۔ الا بلا چیزوں کا مجموعہ ، ردی چیزیں ، فضولیات ، واہیات ۔ م: جو چیز تم سے منگاؤ وہ ایسی ہی موئی صدقہ آخور خور کی بھرتی بھیج دیتے ہو (سگھڑ سہیلی ۔ ۶۰)

لطف جب شعر کا ہے لطف سے خالی نہ رہے
اس میں بھرتی ہو تو آخور کی بھرتی نہ رہے

(داغ)

۳۔ نکمے ، غیر مہذب ، گنوار ۔ بے وقوف طبقے کے لوگ ۔ م: جوں جوں حق ممبری عام ہوتا جاتا ہے کمیٹیوں میں آخور کی بھرتی زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔

- ہو جانا (ف ل) ۱۔ سڑیل ، خراب ہو جانا ، نکما ، بیکار ہوجانا ، نفرت کے قابل ہو جانا ۔

دل کام کا نہیں تو مجھے پھیرنے سے کیا
اب اس کو پھینک دیجیے آخور ہوگیا (میر

آخور پن (مذ) عو ۔ غلاظت ، کثافت ، غچلی پن ۔ م: ہ
آخور پن ہمیں نہیں بھاتا کہ پینے کے پانی میں پہنچوں
پہنچوں تک ہاتھ گھنگولے جائیں ۔

آخون (مذ) استاد ۔ ادب سکھانے والا ۔ معلم ۔
[ف: دیکھو 'اخوند']

آخون جی (مذ) تعظیم کے لئے ۔ آخون صاحب ، استاد صاحب ۔

بھلا آخون جی صاحب کو آنے دو کہوں گا میں
کہ اے حضرت سلامت آپ سنیے یہ حقیقت ہے
(انشا

اخوند (آخُونْد) (مذ) ایک لقب جو بمعنی آقا ، بادشاہ
استاد ، پیر ، سب کے لئے وقتاً فوقتاً مستعمل رہا ہے
(خصوصاً استاد کے معنی میں) م: بخت جمال کے
شاگردوں میں ایک آخوند تھا ۔ تمام محلے کے لڑکے اس
سے پڑھتے تھے۔ (داستان امیرحمزہ۔ اشک ، صفحہ ۵)
[ف: آخواند ۔ اخوند (تلفظ : آخُند) ۔ خواند ۔ خوند
خُند ۔ یہ سب ترخیم ہیں خداوند کی اور خداوند خود
خدا کی معنوی تصغیر ہے ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
میں اسے آ+خواند سے مرکب بتایا ہے اور معنی قائم
مقام یا نائب مدرس کے بتائے ہیں حالانکہ اس لفظ کو
''خواندن'' سے دور کا واسطہ بھی نہیں ۔ چغتائی :
اخوند (=افندی) ۔ پشتو: اخون یا آخوند ۔ فرانسیسی:
Achun ۔ روسی: Axyhz)

— جی (مذ) ۱۔ آخوند صاحب ۔ ۲۔ (دہلی) مراد گنڈے
تعویذ کرنے والے پیر جی ۔ م : آخوند جی کے علاج
سے آرام ہوا ۔

— زادہ (مذ) ۱۔ آخوندوں (امرا ، بادشاہ) کی اولاد یا فرزند ۔ امیر زادہ ، ملک زادہ ۔ م : وہ بھی کچھ ایسا ویسا نہ تھا آخوند زادہ تھا ۔ ۲۔ استاد زادہ ، خلیفہ ، مخدوم زادہ ۔ م : اپنا اخوند زادہ سمجھ کر اس کی رعایت و چشم پوشی کر جایا کرتے تھے ۔ [ف]

آد (ص) بطور سابقہ بمعنی ۱۔ اول ۔ پہلا ۔ جیسے آدکار ، خالق اول ۔ ۲۔ اعظم ، کلاں جیسے آد کوی ۔ آد گرنتھ ۔

[ہ : آد — س : آدِ]

آداب (مذ) جمع ادب کی ۔ مفرد و جمع دونوں طور پر مستعمل ۔ ۱۔ ادب ، قاعدے ، ضابطے ، پابندیاں ۔

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

۲۔ (واحد) ادب ۔ قاعدہ ۔ ضابطہ ۔

میں نہ تڑپا جو دم مرگ تو باعث یہ تھا
کہ رہا مد نظر عشق کا آداب مجھے
(ذوق)

۳۔ رسم و رواج ، دستور اخلاق ۔ م : پان سپاری کی طرح افیون کی تواضع بھی راجپوتانے کے قدیم آداب میں داخل تھی ۔ ۴۔ حیثیت اور مرتبے کا لحاظ ، حفظ مراتب ، درجے کا پاس ۔ م : گھر پر دوستی ، بے تکلفی مگر دفتر میں افسر و ماتحت کے آداب میں کبھی فرق نہ آیا ۔ ۵۔ تعظیم و تکریم ، عزت و حرمت ، بزرگ داشت ، ادب وقار ۔

کھاتا ہوں محبت میں اس آداب سے میں گل
گویا شجرِ وادیٔ ایمن کا ثمر ہے
(مومن)

اس نے میرا نہ کیا کچھ آداب
کر دیا سیج کو پھولوں کی خراب
(معروف)

۶۔ پاسداری ، لحاظ ، لاج -

آداب حسن میں مجھے لب بستگی رہی
نکلی نہ بات بھی دم پرسش حجاب سے
(نسیم دھل

۷۔ شائستگی ، انسانیت ، تہذیب ، تمیز -

بدوقاروں کو سلیقہ نہیں گلزاروں میں
باغباں جانتے ہیں گل ترا سارا آداب
(واجد علی شاہ ا

۸۔ مختلف اشغال اور کاموں کے برتنے کے طور طری

اسی دو سطر میں ہے ختم کتاب آداب
لب خاموش مرے طرفہ بیاں رکھتے ہیں
(شہیدی)

۹۔ قد جھکا کر دایاں ہاتھ زمین کی طرف سے لے ج ماتھے تک لانا (قاعدہ) تسلیم بجالانا ، فرشی سا کورنش ، تسلیم ، بندگی ، مجرا - م: لال پردے پیش تخت تک سات آداب مقرر تھے -

۱۰۔ آداب (نمبر ۹) کا کمتر اشارہ، قدرے خمیدہ ھ دائیں ہاتھ سے اپنا ماتھا چھولینا [کسی اپنے سے بزر یا افسر و آقا کو دیکھ کر عندالملاقات و رخصہ اس کی کسی عطا و عنایت کے شکریے کے طور پر]

۱۱۔ تحریر میں اظہار تعظیم و ادب کے الف عرض خدمت و بندگی ، اظہار نیاز مندی وغیرہ۔

ہوگئے ایسے ہم اے قاصد بیتاب غلط
جائے القاب لکھا یار کو آداب غلط
(مومن)

م: خط میں میرا آداب بھی لکھ دینا - ۲ ۱- کسی کے عطیے یا مہربانی و احسان کے اعتراف کے لیے، عنایت کا شکریہ، مہربانی کا احسان ، عنایت ، مہربانی ، نوازش ، شکریہ - م: آداب آداب ، لائیے مجھے بھی اس چیز کی بڑی ضرورت تھی - ۳ ۱- کسی فن کے قواعد اور مشق کے طریقے جیسے آداب حرب ، آداب مصوری ، آداب خوش نویسی - (ع: دیکھو 'ادب' جس کی یہ جمع ہے)

— آداب (مذ) ۱- شکریہ شکر ہ (دیکھو مثال معنی نمبر ۱۲) ۲- (کج خلقی سے) ملاقات ختم کرتے ہوئے ، رخصت رخصت - م: آداب آداب تشریف لے جائیے-

— القاب (مذ) ۱- جمع ادب اور لقب کی - ۲- مراد، شخص کو اس کے درجے کے مطابق تحریروں میں مخاطب کرنے کے مخصوص الفاظ جیسے عنوان میں باپ کو حضرت والد ماجد صاحب قبلہ و کعبہ مدظلہ اور عبارت میں بعد ادائے آداب عرض ہے کہ نوازش نامہ عالی صادر ہو کر باعث اعزاز و افتخار ہوا الخ- فقرہ اول القاب اور فقرہ ثانی آداب کا مترادف ہے- ع :

جائے القاب لکھا یار کو آداب غلط (مومن

[ع: آداب ، جمع ادب (دیکھو ادب) + القاب، جمع لقب (دیکھو لقب)]

— بجا لاتا ہوں (فقرہ) ۱ طنزاً مستعمل بمعنی باادب تمام یاد دلاتا ہوں - م: آداب بجا لاتا ہوں ، دیکھئے وہی ہوا جو میں عرض کرتا تھا - ۲- رخصت چاہتا ہوں، اجازت چاہتا ہوں ، استعفا دیتا ہوں - م: میری موجودگی ناگوار ہے تو میں بھی آداب بجا لاتا ہوں-

— بجا لانا (فم) ۱۔ ادب سے جھک جانا ، ہاتھ زمین کی طرف لے جانا اور ماتھے پر رکھنا۔ ۲۔ (کسی چیز کے عطا کرنے پر) مجرا و بندگی پیش کرنا۔ م۔ صمصام الدولہ ایک الائچی اور گلوری کی بخشش پر دس دس دفعہ مجرا گاہ پر لے جا کر آداب بجا لاتے (گلشن ہند)۔ ۳۔ (خط کے شروع میں) خدمت و بندگی عرض کرنا۔ ۴۔ اقرار بندگی کرنا ، کان پکڑنا ، استاد ماننا کے معنی میں۔ م: اگر فرزیں اٹھا کر مات دے دو تو سات آداب بجالاؤں گا۔ ۵۔ رخصت ہونا ، اجازت چاہنا ، استعفا دینا۔ م: جب میری موجودگی ناگوار ہے تو میں بھی آداب بجا لاتا ہوں۔ ۶۔ دستور اور قاعدے کے بموجب بخوبی ادا کرنا ، صحت سے ادا کرنا۔ م: قدیم مشرقی تہذیب و معاشرت کے آداب بجالانا ناواقف کا کام نہیں۔

بجالایا قدم بوسی کے آداب
دل مرشد کیا خدمت سے شاداب

(خسرو شیریں)

دیکھو 'آداب بجانا' بھی۔

— بجالاؤ بادشاہ سلامت ! ادب سے مجرا کرو ، بادشاہ سلامت۔ (آواز نقیب دربار) با ادب جھک کر آداب بجا لاؤ ، مجرا عرض کرو ، حضور برآمد ہو گئے ، سامنے جلوہ فرما ہیں۔

— بجانا (فم) طنزاً ، ۱۔ خدمت و بندگی کرنا۔ ۲۔ دیکھو 'آداب بجالانا' نمبر ۱ و نمبر ۲۔ م: جب انھوں نے اشارہ کیا تو بچوں نے لے کے آداب بجایا (چتر بھنبلی ۴۰)۔ ۳۔ اکثر حاضری دینا ، درباداری کرنا۔ م: دن بھر آداب بجائے ، پاؤں دبائے پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

— تسلیمات (فقرہ) ۱۔ مکرر عرض خدمت و بندگی جیسے خط کے آخر میں بچوں کی طرف سے آداب و تسلیمات۔ ۲۔ دیکھو 'آداب بجالاتا ہوں' م: آداب تسلیمات! دیکھئے آخر ہمارا ہی کہنا سچ نکلا۔
[ع : آداب + تسلیمات (جمع تسلیم)]

— شاہی (مذ) حضور و دربار کے متعلق وہ آئین و قوانین جن سے بادشاہ کے دربار کا رعب و احترام قائم رہے۔ م : قلعے کے اندر کسی امیر کا نوبت و نقارہ بجاتے ہوئے داخل ہونا آداب شاہی کے خلاف تھا۔ م : ایسا نہ ہو کہ خلاف آداب شاہی کوئی بات منہ سے نکل جائے۔ (۱۔ الف لیلہ حیرت صفحہ ۸۰) ۲۔ بادشاہوں کی خدمت میں آداب بجا لانے کے طور و طریق ان سے تخاطب اور گفتگو میں استعمال کے خاص الفاظ اصطلاحات، دربار میں حاضری کا لباس و طرز وغیرہ۔ م: آداب شاہی سے خوب واقف تھا جلد بادشاہ کے دل میں گھر کر گیا۔

— عرض کرتا ہوں (فقرہ) دیکھو 'آداب بجالاتا ہوں'۔

— عرض کرنا (ف م) ۱۔ دیکھو 'آداب بجالانا'۔ م۔ جھک کر آداب عرض کیا (۱۔ الف لیلہ 'حیرت' صفحہ ۹۳)۔ ۲۔ بندگی پہنچانا م: میرا آداب عرض کرنا اور خیریت مزاج پوچھنا

— کرنا (ف م) ۱۔ تسلیم کو جھکنا، ماتھے پر ہاتھ رکھنا، تسلیمات بجا لانا، کورنش کرنا، مجرا کرنا، سلام کرنا۔ م: جب بادشاہ کسی کو خلعت دیتا تو وہ آداب گاہ پر جا کر سات آداب کرتا۔ م: ہاتھی سونڈ اٹھا کر آداب کرتا ہے۔ ۲۔ قائل ہونا، استاد ماننا، بزرگ تسلیم کرنا۔ م: اس سے سہل کوئی ترکیب بتاؤ تو ہم تمہیں آداب کریں ۳۔ ادب توقیر کرنا، لحاظ برتنا، وقار کرنا۔ ع :

اسٹوڈنٹس اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری

کے

خاص ایڈیشن

کی چند

خصوصیات

- یہ لغت اہل علم کی ایک جماعت کے تعاون سے تیار ہوئی۔ اس لئے اس کی جامعیت، افادیت اور صحت مطالعہ کو درجۂ استناد حاصل ہے۔
- اس میں انگریزی زبان کے تمام مروجہ الفاظ کے معانی دیئے گئے ہیں۔
- انگریزی الفاظ کے صرف اردو مترادفات درج کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ضروری جگہوں پر الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔
- اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ انگریزی محاورے یا روز مرہ کے لئے اردو محاورہ یا روز مرہ، انگریزی مثل کے لئے اردو مثل اس طرح درج کی جائے کہ انگریزی کا صحیح مفہوم پوری طرح ادا ہو جائے۔
- انگریزی الفاظ کے معانی کے نازک فرق بھی اردو مترادف الفاظ سے ظاہر کئے گئے ہیں۔ جن الفاظ کے مختلف اور متعدد معنی ہیں وہاں معانی کا نمبر شمار دیا گیا ہے تاکہ معانی کا امتیاز صاف طور پر نظر آسکے۔ ہر معنی کا فرق مثالیں دیکر واضح کیا گیا ہے۔
- باطنی حسن کے ساتھ صوری اعتبار سے بھی خاص ایڈیشن اپنی مثال آپ ہے۔ اسے اعلیٰ درجے کے بائیبل پیپر پر چھاپا گیا ہے۔ یہ کاغذ خاص طور پر اس ایڈیشن کے لئے درآمد کیا گیا ہے۔

یہ ایڈیشن

محدود تعداد میں شائع کیا گیا ہے اس لئے اپنا نسخہ جلد از جلد حاصل کر لیں

ایک ساتھ دو نسخے منگوانے پر محصول ڈاک معاف

— مجلس (مذ) و اضافت کے ساتھ) ۱۔ محفل میں نشست و برخاست اور گفتگو وغیرہ کے شائستہ طریقے، تہذیب ، قاعدے۔

تجھے تو خاک بھی بہرہ نہیں آداب مجلس سے
کہ چھولیتا ہے مے کے جام کو توبے وضو واعظ

(سخن دہلوی)

م: آداب مجلس کے خلاف پاوں پسار کر بیٹھنے پر خواجہ میر درد نے بادشاہ کو ٹوک دیا تھا ۔ ۲۔ اہل مجلس کا مجموعی احترام و اعزاز ' حاضرین مجلس کا لحاظ ۔ م: آداب مجلس مانع ہوا ورنہ وہیں اس کی گت بناتا ۔

آدر (مذ) (ہندو) ۱۔ قدر و منزلت ، اعزاز و وقار ۔ م: یہ علم انسان ہے اس سے آدمی کا آدر ہے (چتر بھنیلی ۹۳) ۲۔ خاطر مدارات ، آؤبھگت ، مان بھاؤ ۔

سب فرش سے اٹھا کر بٹھلایا جوتیوں پر
مفلس کو ہر مکاں میں آدر ملا تو ایسا

(نظیر)

آدر مان (س : آدر)

(مذ) اعزاز و احترام ' تعظیم و توقیر ۔ م: اس نے تیرے لالہ اور دولت کا بڑا آدرمان لیا (۲۔ رسوم ہند ۔ صفحہ ۱۰۰)

(ہ : دیکھو آدر اور مان)

آد گرنتھ (مذ) سکھوں کی مذہبی کتاب کا پہلا حصہ ۔ م: گرو نانک جی کے مسئلوں اور نصیحتوں کو جمع کر کے ایک کتاب میں لکھا ہے جسے آد گرنتھ یعنی گرنتھ کی پہلی جلد کہتے ہیں (۱۔ رسوم ہند صفحہ ۲۷)

(س: آد = ابتداء اول + گرنتھ = مقالہ، تصنیف)

آدم — (مذ) ۱- خاص نام اس پہلے انسان کا جس کو سا
روایت کے بموجب سب انسانوں سے پہلے خدانے م
سے بنا کر روح پھونک کر اپنا خلیفہ مقرر کیا ا
سب فرشتوں کو انھیں سجدہ کرنے کا حکم دی
از انجملہ شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور
راندا گیا ۔ نسل انسان انھیں سے شروع ہوئی
لئے ان کا لقب ابوالبشر یعنی سب انسانوں
ابوالآبا ہے ۔ اردو میں باوا آدم ۔ مسلمان ان کو پ
نبی مانتے ہیں ۔

۲- آدم کی اولاد ، فرزند آدم ، آدمی ، بشر ، انسا
مانس ، آدم زاد ۔

سینکڑوں رنگ بدلتا ہے مزاج آدم (نسیم

م : آدم نہ آدم زاد ۔ ہو کا میدان (کہانیوں می
۳- کام کا آدمی ، سمجھ دار ، تمیز دار ، متص
بہ اوصاف انسانیت ۔

آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہیں یاں
(میر)

م : کتا کیا تھا آدم تھا ، آقا کی مصیبت کو پہچان
۴- بانی نسل و نژاد ۔ رب النوع ۔ ابو الآبا ۔

[عربی : آدم — عبرانی : آدام = آدمی ، مرد]

— آبی (مذ) (اضافت کے ساتھ) عورت کی صورت اور مچ
کے دھڑ کا ایک سمندری جانور جو قصوں میں مذ
ہے ۔ [عف]

— اول (مذ) (اضافت کے ساتھ) ۱- پہلا انسان جو مخ
کیا گیا ۔ م : بعض محقق حضرات آدم کو آدم
نہیں مانتے ۔ ۲- حضرت آدم علیہ السلام ۔
آدم ۔ (ع)

— بیزار (بے زار) (ص) آدمیوں کی صحبت سے بھاگنے، چڑنے، نفرت کرنے والا۔ اکھل کھرا۔ (عف: آدم + بیزار)

— ثانی (مذ۔ اضافت کے ساتھ) حضرت نوح علیہ السلام کا لقب جن کے وجود سے طوفان کے بعد دنیا از سر نو انسانوں سے آباد ہوئی۔

[ع: آدم + ثانی (= دوم)]

— چشم (مذ) وہ گھوڑا جس کی آنکھ کا رنگ مینڈک سے ملتا جلتا ہو۔ اکثر منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اسے چغر بھی کہتے ہیں۔

یہ دونوں سے وہ آدم چشم کر ہے
تو مطلق اُس سے مت ڈر وہ چغر ہے
(رنگین)

[عف: آدم + چشم (= آنکھ)]

— و حوّا (مذ) ۱۔ حضرت آدم اور انکی زوجہ، بابا آدم اور ماما حوا۔ ۲۔ (مجازاً) عورت و مرد۔
[ع: آدم + حوا]

— خوار (ص) انسان کو کھانے والا۔ جس کی خوراک انسان کا گوشت ہو۔ آدم خور۔ م: بی بی وہ کون ہے کیا کوئی آدم خوار دیو ہے؟ (م۔ الف لیلہ، حیرت صفحہ ۳۷) [عف: آدم + خوار (خوردن = کھانا)]

— خور (ص) (آدم خورا) دیکھو "آدم خوار"۔

[عف: آدم (ع) + خور (ف) (خوردن = کھانا کا امر)]

— زاد (مذ) ۱۔ جو آدم سے پیدا ہوا ہو۔ اولاد آدم۔ آدمی کا بچہ۔ انسان۔ آدمی۔ [عف: آدم (ع) + زاد (ف — زادن = جننا)]

— سا آدم (مذ) آدمیوں کا بے شمار و بہ کثرت ہجوم ۔ م: ؛ والوں کے پنکھے کے ساتھ آدم سا آدم ہے۔ (دا آوازیں)

— شناس (ص) آدمی کو پہچاننے والا ، مردم شناس ۔ [عف : آدم + شناس (ف ۔ شناختن = پہچاننا کاامر

— شناسی (مث) آدمی کی پہچان ، خصلت انسانی کی شناخت

آدمی کو چاہیے آدم شناسی اے ظفر
ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرت تیمور کا
(ظفر)

[عف : آدم شناس+ی (لاحقہ اسم)]

— گر (ص) انسانیت اور تہذیب سکھانے والا [عف آدم + گر (ف - لاحقہ فاعلی)]

— گری (مث) ۱۔ لفظاً ، آدمی بنانا ۲۔ انسانیت ، آدمیت ، تہ تہذیب ۔ م: استاد پڑھانے کے ساتھ کچھ آدم گر کا بھی تو خیال رکھے، خالی پڑھانا کس کام کا ۔ ۰ انسانیت کا برتاؤ ، انسانیت ۔ مردمی ، اخلاق ، مروت ہمدردی ۔

شب رفتہ میں اس کے در پر گیا
سگ یار آدم گری کر گیا (میر

(مصادر : دینا ، سکھانا ، سیکھنا ، کرنا ، ہونا)

— نہ آدم زاد (ص) ۱۔ لفظاً ، انسان نہ انسان کا جنا ۔ ۲۔ (محاورہ عو آدمی چھوڑ آدمی کا بچہ تک نہیں ، آدمی کا نام نہیں ، کوئی نہیں ۔ م: آدم نہ آدمزاد خیر سلا کس کے ہاتھ منگاتی۔ ۳۔ بالکل تنہائی اور سناٹا ، ہو کا مقام۔ م: آدم نہ آدم زاد ، ڈر کے مارے دم نکلا جاتا تھا ۔

آدما — (مذ) (دیکھو 'ادما') کھٹیکوں کی اصطلاح میں چمڑے کو کہتے ہیں (ع: ادیم سے بنا ہے)

آدمی (۱) — (مذ) ۱- آدم زاد آدم کی اولاد ' آدم کی نسل ، آدم سے نسبت رکھنے والا ' بشر ' انسان ' مانس ' ع:

آدمی بلبلا ہے پانی کا

۲- شخص ، فرد ' مرد

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

۳- پورے قد کا ، جوان ، بالغ ، بڑا - م: بچہ کیوں خاصا آدمی تھا - ۴- انسان ناطق ، ذی شعور' صاحب تمیز م: قصے کہانیوں میں درخت' جانور' پتھر' بھی آدمیوں کی طرح باتیں کرتے ہیں -

کیا خبر تھی غیر کو آجائیں گی باتیں یہ سب
تیری صحبت میں گدھا بھی آدمی بن جائے گا
(نادان)

۵- صفات انسانی سے متصف ، ذی شعور' صاحب تمیز' شریف -

برائی مری سن کے غیروں سے بولے
یہ سب سچ مگر ہائے کیا آدمی ہے (امیر)

ع: آدمی ہونا بہت مشکل ہے یاں (میر)

۶- امانت دار ' معتبر آدمی ' متدین شخص - م: کوئی آدمی ہو تو بھیجا جائے ہر آتے جاتے کے ہاتھ زیور کیسے بھیج دیا جائے - ۷- معتمد ' گماشتہ ' نمایندہ'

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
(غالب)

۸- ملازم خاص ، خدمت گار ، نوکر ' خادم ' نفر م: آپ کا آدمی بڑا بدتمیز گستاخ ہے -

وہ خدا جانے کہ ہوگا کیسا بے رحمی شعار
نا خدا ترس اس قدر ہیں جس صنم کے آدمی
(ظفر)

۹- پیغامبر ، قاصد ، پیامی -

بلا سے آپ نہ آئیں پر آدمی ان کا
تسلی آ کے مجھے وقت اضطراب تو دے
(ذوق)

۱۰- (ادنا - عو) خصم ، شوہر ، دھنی ، مرد - م: جب مجھ سے اس سے بہناپا ہوا اور اسکو میں نے اپنے گھر بلایا ، جب تو میرے آدمی نے اسکو دیکھا - (طلسم ہوش رہا)- ۱۱- (لشکری) آشنا ، داشتہ ، یار ، (مرد ہو خواہ عورت) - ۱۲- خلقت ، لوگ ، پبلک ، رعایا - م : انگلستان کے آدمی اپنے بادشاہ کے بڑے فدائی ہوتے ہیں - ۱۳- رہنے والا ، باشندہ م: شہر کا آدمی اور گاؤں کا آدمی الگ پہچانا جاتا ہے - ۱۴- بیوی بچے ، اہل خانہ - م: گھر کے آدمی آج آنے والے ہیں - (ع : آدمیؐ)

~ آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر } (مثل) سب انسان یکساں نہیں ہوتے ، انسانوں میں کوئی بدتر کوئی بہتر ہوتا ہے ، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں - (انتر = فرق ، تفاوت)

~ بنانا (ف م) ۱- ادب و اخلاق سکھانا ، مودب ، مہذب بنانا ، لائق کرنا - م: ان کی صحبت نے بہت سوں کو آدمی بنادیا - ۲- کسی کی حالت سنوارنا - م: پھٹے کپڑے برے حال سے تمھیں آدمی بنایا ، اس کا یہ انعام-

~ بننا (ف ل) آدمی بنانا کا لازم - ۱- انسانوں کی سی صورت ، ذہنیت بنانا ، آدمیوں کا حلیہ اختیار کرنا- م : کپڑے پہنو آدمی بنو - ۲- تہذیب و شائستگی

اختیار کرنا ، عمدہ انسان ہوجانا ، لائق ہونا ۔ م: ان کی صحبت میں ان کے نوکر تک آدمی بن گئے۔ ع۔

جو چاہتا ہے بنے آدمی تو بن مٹی

(معروف)

— پر آدمی گرنا (ف ل) نہایت چپقلش اور ہجوم ہونا۔ م : بڑی بھیڑ تھی آدمی پر آدمی گرتا تھا (دلی کی آوازیں ۔ صفحہ ۹۳) ۔ م : ٹکٹ بٹنا شروع ہو تو آدمی پر آدمی گرنے لگا ۔

— پن (مذ) دیکھو ' آدمیت ' ۔

[ف ہ : آدمی + پن (ہندی علامت اسم)]

— ٹوٹنا (ف ل) ۱۔ لوگوں کا ہجوم کرنا ، غیر معمولی کثرت ہونا ۔ م: اس قدر آدمی ٹوٹا کہ جگہ نہ رہی ۔ ۲۔ آدمیوں کا ایک پر ایک گرنا ، کشمکش کرنا ۔ م: ٹکٹ گھر کی کھڑکی کھلتے ہی جو آدمی ٹوٹا ہے توکچل جانے کی نوبت تھی ۔

— ڈباؤ (ص) اتنا جس میں آدمی ڈوب جائے ' ایک قد آدم سے زیادہ ۔ م: معلوم ہوا کہ پانی آدمی ڈباؤ نہیں ہے۔

— زاد (مذ) اولاد آدم ' انسان ۔

آدمی زاد ہیں دنیا کے حسیں لیکن امیر
یار لوگوں نے پری زاد بنا رکھا ہے
(امیر)

[عف : آدم (ع) + زاد (ف)]

— کابچہ ہے (دیکھو 'آدمی کی شکل ہے') ۱۔ سمجھدار ' باتمیز ' ذی شعور۔ ۲۔ (ملا متہ) بیوقوف ، احمق۔ م : تو بھی کیا آدمی کا بچہ ہے ' کالی روشنائی لال میں ملا دی ۔

— کی دوا آدمی (مثل) ۱۔ انسان کے رنج و غم ' تنہائی میں اس کا ہمدرد و مونس انسان ہی ہوسکتا ہے۔ ۲۔ آدمی کی

ضرورت آدمی سے نکلا کرتی ہے۔ م: آدمی کی دوا آدمی ہے کسی کا کام کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔

—ــ کی شکل بننا (ف ل) ۱ - اپنی صورت ' لباس اور حالت درست کرنا - صورت و وضع شائستہ بنانا ' آدمیت کی جون میں آنا ' آدمیت اختیار کرنا - م : آدمی کی شکل بنو یہ کیا حالت اپنی بنا رکھی ہے۔

— کی شکل ہے (محاورہ) خوب صورت نہیں ہے ' معمولی صورت ہے ' آدمی کا بچہ ہے۔ (عورت کے ناک نقشے کے بیان میں مستعمل ہے)

نقشہ ہے ہوا گول مصور کی بہو کا
ہاں آدمی کی شکل ہے تصویر نہیں ہے
(جان صاحب)

— کی صورت (مث) ۱ - کوئی انسان ' ایک بھی آدمی - م : آدمی کی صورت وہاں نہ پائی سخت طبیعت گھبرائی - ۲ - بولنے بات کرنے کے لائق آدمی ' شائستہ آدمی - م : آدمی کی صورت یہاں کہاں، سب گنوار بھرے پڑے ہیں - ۳ - ایسی صورت جیسی عام طور پر انسانوں کی ہوتی ہے ' غیر حسین ، معمولی مگر معقول صورت - (صورت سے مراد یہاں ناک نقشہ' رنگ ہے۔ اکثر لڑکیوں کے متعلق نسبت ناتے کے معاملے میں مستعمل - عو) م : لڑکی حسین نہیں مگر ہاں آدمی کی صورت ہے۔ ۴ - (مف) انسان کی شکل پر ' بصورت انسان ' انسان۔ م : شکر کرو کہ اللہ نے آدمی کی صورت بنایا ' جانور بنا دیتا تو کیا کر لیتے -

— کی صورت نکل آنا - (ف ل) ۱ - معقول شکل ہوجانا - ۲ - مہذب وضع و صورت ہوجانا - م : نہا دھو کر کپڑے اچھے پہن کر آدمی کی صورت نکل آئی - ۳ - چہرہ دہلا پڑ جانا ' منہ کا کاسہ نکل آنا - م : ایسی سخت محنت پڑے اور

فاقے ہوں تو آدمی کی صورت نکل آتی ہے ۔ ۴ ۔ چہرے پر رونق آنا ' رنگ و روغن آجانا ۔ م : پیٹ بھر کر کھانے کو ملا تو آدمی کی صورت نکل آئی ۔

کے لباس میں آنا } (ف ل) صورت اور لباس کو درست کرنا ' مہذب و شائستہ بننا ' معقول بننا ' آدمی بننا ۔

ہوش پکڑو حواس میں آؤ
آدمی کے لباس میں آؤ (مرزا شوق)

— ہونا (ف ل) کوئی غیر معمولی صفت نہ رکھنا ' معمولی انسان ہونا ' انسانوں کی کمزوریاں رکھنا ۔ م : تمہارے نزدیک ولی ہوں گے میرے نزدیک تو آدمی ہیں ۔ ۲ ۔ اوصاف انسانیت سے متصف ہونا یعنی (الف) فرزانہ و معقول ہونا ۔ (ب) کام کا شخص ہونا ۔ (ج) مہذب و شائستہ ہونا ۔ (د) متدین ہونا ۔ (ہ) لئیق و شریف ہونا ۔ (و) تخلق باخلاق ہونا ۔ م : آدمی صورت بہت ہیں مگر آدمی ہونا مشکل ہے ۔ ۳۔ انسان ناطق و ذی فہم و شعور بن جانا ۔ م : پڑھانے سے توتا آدمی نہیں ہوسکتا ۔ ۴۔ اعتدال پر آنا ' مزاج ٹھیک کرنا ۔

غصے میں رہو گے آگ کب تک
لو ہوش میں آؤ آدمی ہو (منیر)

آدمیت (مث) ۱ ۔ لفظاً ' انسان پن ' آدمی پن ۔ ۲ ۔ انسانوں کی سی خاصیت ' آدم گری ' انسانیت ۔

ہے عیاں حال سگ اصحاب کہف
جانور کی آدمیت دیکھ لی (رند)

۳ ۔ وہ اوصاف جو انسان کو دیگر مخلوق سے جدا کرتے ہیں ' انسانوں کی سیرت وخاصیت ' صفات ۔

خوبوں میں نہیں ہے آدمیت
ہے حور کوئی کوئی پری ہے (جوش)

۴ - فرزانگی ' عقل ' شعور ' تمیز -

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
کتنا توتے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا
(ذوق)

۵ - شائستگی ' تہذیب ' سلیقہ ' ادب ، اخلاق ، وغیر
م : تمہارے لڑکے میں خاک آدمیت نہیں -

یہ لڑکے جانتے ہیں صرف کھانا اور غرا
نہیں ہے شیر خاں ان میں ذرا ڈھنگ آدمیت
(راحت

گر فرشتہ وش ہوا کوئی تو کیا
آدمیت چاہئے انسان میں" (دا

[ف: آدمی سے اسم کیفیت]

— آنا (ف ل) ۱- تہذیب و تمیز آنا - ۲- عقل و شعور پ ہونا - ۳- ڈھنگ درست ہونا - م : کب تجھ آدمیت آئے گی اتنا بڑا تو ہو گیا -

— برتنا (ف م) ۱- شرافت و مروت دکھانا - ۲- حمیت همدردی کا سلوک کرنا - م : همسائے نے بڑے آدمیت برتی ' کوئی تکلیف پڑوسی کے بال بچوں اس کی عدم موجودگی میں نہ ہونے دی - ۳- تہذیب تمیز سے رہنا ، بیہودگی نہ کرنا ' اخلاق پیش آنا - م: مہمانوں کے سامنے تو آدمیت بر ورنہ وہ کیا کہیں گے -

— پکڑنا (ف ل) ۱- تمیز دار و مودب بننا ، آداب و تم سیکھنا -

— دکھانا (ف م) ۱- عمدہ اخلاق و اوصاف کا ثبوت دین شرافت اور مروت سے پیش آنا - ۲- تحمل اور برداش

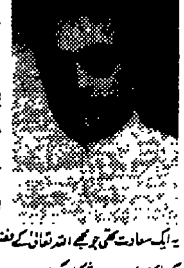
ادارۂ صحت و تحقیقاتِ طبیہ (انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ طبی ریسرچ)
کی تکمیل ملک کی بہت بڑی خدمت ہو گی!

[illegible]

پاکستان کے اہلِ خیر سے حکیم محمد سعید کی اپیل

ہمدرد ٹرسٹ کے چیئرمین حکیم محمد سعید دہلوی نے قوم سے اپیل کی ہے کہ وہ ادارۂ صحت و تحقیقاتِ طبیہ کے عظیم منصوبے کی تکمیل میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ یہ مرکز جس کا سنگ بنیاد گزشتہ دنوں صدر ایوب نے کراچی میں رکھا تھا خلق خدا کی صحت اور امراض کے ازالے کے لیے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ حکیم محمد سعید نے اپنی اپیل میں کہا ہے کہ ہر اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا کچھ قرض اپنے ذمے سمجھتا ہے، اس کار خیر کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ادا کرنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ وہ پندرہ لاکھ مریضوں کی بے لوث خدمت اور علاج پر انھوں نے اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ صرف کیا ہے۔ اگر ہم [illegible] ایک ایک روپیہ بھی دیں تو یہ کام بہت جلد پورا کیا جا سکتا ہے۔

حکیم صاحب کی اپیل کا مکمل متن درج ذیل ہے



میرا خطاب اپنے ان مریضوں سے ہے جن کو میں نے گزشتہ ۱۵ برس میں اپنی پوری توجہ دینے کی کوشش کی۔ میری زندگی کے کل اوقات کا ایک تہائی حصہ مریضوں کو دیکھنے اور ان کے دکھ درد کو سمجھنے میں صرف ہوا۔ یہ ایک سعادت تھی جو مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوئی۔ میں اس کے لیے اس کا بہت بڑا شکر ادا کرتا ہوں۔ ایسے مریضوں کی مجموعی تعداد جن کی خدمت کا شرف مجھے حاصل ہوا آج کی تاریخ تک ۱۵ لاکھ ہوتی ہے۔ ان میں اکابرین و سربراہان مملکت سے لے کر ہر طبقے ہر فرقے اور ہر پیشے کے اعلیٰ و ادنیٰ افراد شامل ہیں۔

بیماریوں کے باعث انسانی تکلیف اور مصیبت کا جس قدر شدید مشاہدہ میری آنکھوں نے کیا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس کا موقع ملا ہو۔ ادارۂ صحت و تحقیقاتِ طبیہ (انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ طبی ریسرچ) کے عظیم مرکز کا موجودہ منصوبہ میرے انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے۔ خلق خدا کی صحت میرا مقصود اور امراض کا ازالہ میری زندگی کا مشن ہے۔ یہ مقصد یہ ہر شخص کو عزیز ہونا چاہیے جو خدا کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ اس وقت میں خصوصاً اپنے ان مریضوں سے جن کے علاج کی مجھے توفیق ہوئی، انسانیت اور خدا ترسی کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس عظیم مقصد کی تکمیل میں اپنے اہل قوم کا ہاتھ بٹائیں۔ ادارۂ صحت و تحقیقاتِ طبیہ (انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ طبی ریسرچ) کی بنیاد ہمارے صدر مملکت کے ہاتھوں رکھی جا چکی ہے۔ اس کی تکمیل میں [illegible] کی تعمیر دراصل قوم ہی کے ہاتھ میں ہے۔

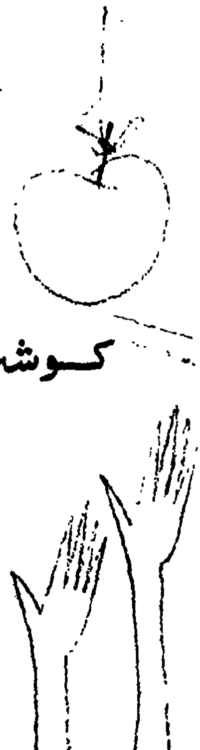
اگر آپ کبھی میرے زیر علاج رہے ہیں تو آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے کبھی کسی سے کوئی فیس نہیں لی۔ شاید آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ آپ کے [illegible] مگر [illegible] ان کی دوا [illegible] بھی [illegible] لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا کچھ قرض اپنے ذمے سمجھتے ہیں تو آج میں آپ سے [illegible] کچھ قدر قلیل اس کار خیر کے لیے ضرور ادا کیجیے۔ اگر میرے سب مریض ایک ایک روپیہ بھی دیں تو یہ کام بہت جلد پورا کیا جا سکتا ہے۔

عطیات کی رسید براہ راست [illegible] عطیات کا [illegible] حبیب بینک لمیٹڈ اور نیشنل بینک آف پاکستان کی ہر برانچ میں جمع [illegible]

(عطیات پر قوم انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔)







کاژیرہ : دانۂ معصفر (۱) کہ اھل ھند آن را کر کر (۲) خوانند ۔ شرفنامہ میں یہ ھندوستانی لفظ آیا ھے مگر اس لفظ کی حقیقت واضح نہ ھو سکی ۔

کاسکینہ : مرغی است سبز یا سرخی آمیختہ مانند ھد ھد تاجدار ، اھل ھند سبزک(۳) گویند و عرب آنرا خطب خوانند ۔ زفان اور مویدالفضلا سے معلوم ھوتا ھے کہ 'سبزک' ھندی لفظ نہیں ھے ۔ مزید خود اس لفظ کی ھئیت ھندی ھونے پر دلالت نہیں کرتی ۔ علاوہ بریں موید میں خود سبزک (فارسی) بمعنی پرندہ درج ھے ۔ زفان میں شین قرشت سے آیا ھے ۔

کبست (۴) : خربزۂ تلخک کہ عرب آنرا حنظل و اھل ھند آنرا اندراین گویند ۔ زفان گویا میں حرف دوم 'ی' ھے ۔ موید میں کیست چھاپے کی غلطی ھے ، آخرالذکر لغت میں ادات کے حوالے سے ھندوستانی 'اندراین کا پھل' ھے نہ محض اندراین ، مگر ادات کے دونوں پیش نظر نسخوں میں 'اندراین' ھے ۔

کبر : گویند میوہ ایست کہ اچار کردہ از حدود ملتان می آرند ۔ اس لحاظ سے یہ لفظ ھندوستانی ھوا ۔

کبوک : پرندہ ایست سرخ وام ۔ گروھی آنرا خرچال وگروھی چکاوک وگروھی سرخاب گویند ۔ و اھل ھند آنرا چکوا خوانند ۔

کت : تخت ھندوان میان بافتہ ۔ یہ لفظ 'کھٹ' کا مفرس ھے اور فارسی میں صدیوں پہلے استعمال ھوچکا تھا ، اس کے معنی تخت شاھی کے ھیں ۔ کھاٹ کے مترادف سمجھنا بڑی غلطی ھے ۔

گردک : چیزیست از اغلوطہ پرسیدنی کہ عرب آنرا لغز و اھل ھند پہلی گویند و افسانہ ۔ زفان میں بکاف فارسی ھے اسی معنی میں آیا ھے مگر س میں ھندوستانی لفظ درج نہیں ۔

کرتہ : درختی است خرد خاردار ، گروھی آنرا اشتر خار گویند ، و اھل ھند

۱۔ یہی معنی زفان میں (بحذف لفظ ھندی) آیا ھے ۔

۲۔ سوسائٹی کے نسخہ میں 'کو' ھے ۔

۳۔ کلاوہ کے ذیل میں سبزک آیا ھے مگر ھندی نہیں بتایا گیا ھے ۔

۴۔ نسخۂ علی گڑھ میں کبست ، نسخۂ سوسائٹی لبست ۔

اس نے میرا نہ کیا کچھ آداب (معروف)

۴- طنزاً جتانا یا یہ ادب تمام یاد دلانا - م : حضرت آداب کرتا ہوں آخر وہی ہوا نا جو بندے نے عرض کیا تھا - ۵- دست بردار ہونا، استعفا دینا - م: ملازمت یہی ہے تو ایسی ملازمت کو بندہ آداب کرتا ہے - ٦- رخصت ہونا ، جانا - م: اس وقت تو بندہ آداب کرتا ہے کل پھر حاضر ہوگا -

— گاہ (مث) دربار عام و خاص میں وہ مقررہ جگہ جہاں پہنچ کر آداب بجا لاتے تھے ، یا خلوت پاکر اس جگہ الٹے پاؤں جاتے اور بادشاہ کو آداب تسلیمات بجا لاتے - م : آداب گاہ سے مجرا بجا لا کر بعد دعا و ثنا عرض کیا - (۸- بوستان خیال ، ص ۳۰) م : نقارخانے کا دروازہ ، پہلے دیوان عام کا جالی دار دروازہ دوسری آداب گاہ کہلاتی تھی (لال قلعے کی جھلک)

[ف: اداب + گاہ (=جگہ)]

— لینا (فم) ۱- آداب معنی نمبر ۹ ، ۱۰ کا زبان سے یا دایاں ہاتھ اٹھا کر یا گردن کی حرکت سے جواب دینا - آداب کے جواب میں آداب یا جیتے رہو یا عمردراز وغیرہ کلمات کہنا - مراد ، بندگی قبول کرنا ، سلام کا جواب دینا - م : ان کے غرور کا یہ حال ہے کہ آداب لینے میں بھی تامل کرتے ہیں - ۲- استعفا قبول کرنا ، رخصت دینا - م : اگر آپ کے ہاں خدمات کی یہی قدردانی ہے تو میرا آداب لیجئے -

— مارنا (فم) بدتمیزی ، بے پروائی سے یا جلدی، زودی سے آداب کرنے کا اشارہ کرنا = مکھی اڑادینا - م : کبھی سامنا ہی پڑ گیا تو آداب مارلیا ، اس سے زیادہ رسم وہ ہم سے نہیں رکھتے -